خلافتِ راشدہ　　یا اللہ مدد　　حق چار یار

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

القرآن الکریم

تحفۂ خلافت

مجموعہ تفسیرِ آیاتِ قرآنی

تالیف

امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی قدس سرہٗ

۱۲۹۳ھ ——— ۱۳۸۱ھ

مقدمہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہٗ

ناشر

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام، مدنی محلہ جہلم،

باہتمام

تحریک خدام اہلِ سنت پاکستان جہلم

خلافت راشدہ　　　یا اللہ مدد　　　حق چار یار

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
القرآن الحکیم

تحفۂ خلافت

مجموعہ تفسیرِ آیاتِ قرآنی

تالیف

امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی قدس سرہ

۱۲۹۳ھ ـــــ ۱۳۸۱ھ

مقدمہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ

ناشر

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم

باہتمام

تحریکِ خدامِ اہلِ سنت پاکستان ۔ جہلم

خلافتِ راشدہ　　　یا اللہ مدد　　　حق چار یارؓ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
القرآن الحکیم

تحفہ خلافت

مجموعہ تفسیرِ آیاتِ قرآنی

تالیف

امامِ اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی قدس سرہ

۱۲۹۳ھ ـــــ ۱۳۸۱ھ

مقدمہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ

ناشر

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم

باہتمام

تحریکِ خدامِ اہلِ سنّت پاکستان جہلم

قیمت -/ ... روپے

فہرست مضامین تحفۂ خلافت

یا اللہ مدد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام اہل سنّت رح

چودھویں صدی کی ایک عظیم شخصیت

از قلم قائد اہل سنّت الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم
بانی و مرکزی امیر تحریک خدام اہل سنّت پاکستان

امام اہلسنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ "تفسیر آیات قرآنی" ۱۳۸۶ھ میں جناب محمود الحسن و نور محمد تاجران کتب ۱۴ ا بی۔ شاہ عالم گیٹ لاہور نے شائع کیا تھا جو نایاب ہے۔ اس کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت تھی اور احباب کا تقاضا بھی تھا۔ حق تعالیٰ کی توفیق خاص سے اس کا جدید ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب زید مجدہم مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم (و امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب) شائع کر رہے ہیں۔ مضامین اور مباحث کی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام "تحفہ خلافت" تجویز کیا گیا ہے۔ خداوند کریم اس عظیم علمی و تحقیقی تحفہ سے ملک و ملت کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام اہل سنّت کے مختصر حالات زندگی

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رح لکھنؤ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ کاکوری میں بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ موافق ۱۰ جنوری ۱۸۷۷ء پیدا ہوئے اور تقریباً ۸۸ سال کی عمر میں بمقام لکھنؤ بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ موافق ۲۲ اپریل ۱۹۶۲ء اس جہان فانی سے بعالم جاودانی رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

بر آئند باد بناچار باید شس نورشید
ز جام و بہر شئے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

آپ کے والد ماجد مولانا حافظ محمد ناظر علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حافظ عبد السلام نقشبندی ہسوای رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ امام اہلسنت نے ابتدائی تعلیم ہسوہ میں حاصل کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک جامع علم و عمل استاد حضرت مولانا سید عین القضاۃ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ جہاں آپ نے درسی کتب کی تکمیل کی۔ چنانچہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد آپ نے جو حالات لکھے ہیں ان کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:

حضرت مرحوم کی ذات والا میں بہت سے اوصاف حق تعالیٰ نے ودیعت فرمائے تھے جو اس زمانہ میں کبریت احمر کہنے کے قابل ہیں۔ حضرت مرحوم نسباً سید تھے۔ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے وطن آپ کا حیدر آباد دکن تھا۔ اپنے والد ماجد جناب سید محمد وزیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کم سنی میں لکھنؤ تشریف لائے اور پھر یہیں قیام ہو گیا۔ لکھنؤ میں آکر مسند الوقت حضرت علامہ ابو الحسنات مولانا الشیخ محمد عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ اکثر کتب درسیہ حضرت ممدوح سے اور بعض آپ کے منتہی طلبہ سے پڑھیں۔ حلقہ درس آپ کا اپنے استاذ حضرت مولانا عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ سلیقہ تعلیم اور طریقہ درس ایسا عمدہ تھا کہ جو شخص ایک کتاب بھی آپ سے سمجھ کر پڑھ لیتا ایک قسم کی استعداد اس میں پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ حقیر ۱۳۰۹ھ میں وارد لکھنؤ ہوا حسب ذیل کتب جناب مرحوم سے میں نے پڑھیں۔ علم الفرائض، اقلیدس،

میبذی - میرزاہد رسالہ - میرزاہد ملا جلال - میرزاہد شرح مواقف - تحقیقاتِ مرضیہ - حمداللہ - قاضی مبارک - صدرا - شمس بازغہ - مسلم الثبوت - خیالی مع حاشیہ سیالکوٹی - شرح چغمینی - بیست باب اصطرلاب - شرح نخبۃ الفکر - مشکوٰۃ - بخاری - ترمذی - شمائل ترمذی - سب کتب میں اوّل سے آخر تک میری ہی قرأت ہوتی تھی آپ کا قاعدہ تھا کہ جو طالب العلم عبارت غلط پڑھتے تھے - صرف و نحو میں ان کی استعداد اچھی نہ ہوتی ان کو قرأت کی اجازت نہ دیتے تھے - باقی کتب درسیہ یہاں دوسرے اساتذہ سے پڑھیں - رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین والحقھم بعبادہ الصالحین (النجم لکھنؤ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ)

النجم کا اجراء امام اہل سنت خود تحریر فرماتے ہیں کہ النجم کی اشاعت سے پہلے کچھ دنوں میرا قیام دہلی میں تھا غالباً یہ زمانہ ۱۳۲۲ھ سے قبل کا ہے، اس وقت سب سے پہلے رسالہ الاصلاح میری نظر سے گزرا جس میں یہ دلخراش مضمون کچھ عجیب انداز سے لکھا گیا تھا کہ شیخین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) کا روضہ پیغمبر میں مدفون ہونا ناجائز ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کے گھر میں بغیر اذن داخل ہونے کی ممانعت کی ہے - یہ پہلا دن تھا کہ شیعوں کے قلم سے ایک ناپاک حملہ بزرگانِ اسلام کی شان میں دیکھ کر دل کو صدمہ ہُوا - اسی وقت میں نے اس کا جواب لکھا جو کرزن گزٹ میں شائع ہُوا حالت یہ تھی کہ شیعوں کے خلاف اگر کوئی دفاعی مضمون بھی لکھا جائے تو کوئی اس کے چھاپنے پر راضی نہ ہوتا تھا - اس کے بعد جب لکھنؤ آنا ہُوا تو یہاں کی حالت ہی دگرگوں پائی -

شیعوں کے مشہور واعظ مقبول احمد صاحب کا نیا نیا عروج تھا - امرائے شیعہ اپنے یہاں اعلانیہ مجلسیں کر رہے تھے اور مقبول احمد صاحب بیان فرماتے تھے

بیان کیا تھا کھلے الفاظ میں تبرّا ہوتا تھا۔ مراسم قدیم کی بنا پر سُنّی بھی ان مجالس میں شریک
ہوتے تھے اور بکئے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں تمام شہر میں ایک شور برپا
ہوگیا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ گلی کوچوں میں جو شیعہ کسی سُنّی کو دیکھ لیتا تھا اس سے
کہتا تھا کہ دیکھو ہمارے مولوی صاحب تمہارے مذہب کا کس طرح رد فرما رہے ہیں۔
اب تمہارے میں کوئی نہیں جو جواب دے۔ اس وقت سے پہلے لکھنؤ میں کبھی شیعوں کی
یہ جرأت نہیں ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ اپنی سلطنت کے زمانے میں بھی۔

استاذی المرحوم مولانا سید محمد عین القضاۃ صاحب نے مجھ سے
ارشاد فرمایا کہ اس فتنہ کا علاج بہت ضروری ہے۔ ادھر مولوی عبدالباری فرنگی
محلی مرحوم کا بھی اصرار ہوا۔ اور چونکہ بعض آخری کتابوں میں میرے ہم سبق تھے لہٰذا
ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا۔ میں نے اس وقت مقبول احمد صاحب کو ایک خط
لکھا کہ سنا گیا ہے کہ آپ اپنی مجالس میں مذہب اہل سنت پر اعتراض کیا
کرتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو میں چاہتا ہوں کہ ان اعتراضات کو آپ میرے
سامنے بیان کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ اس خط کے پہنچتے ہی تمام مجلس
میں ایک ہل چل پڑ گئی اور کئی دن کے بعد اس خط کا یہ جواب ملا کہ میں اس وقت
فیض آباد نواب شفاء الدولہ کے خاندان کا طلبیدہ جا رہا ہوں۔ چنانچہ وہ تشریف
لے گئے۔ مناظرہ پر کسی طرح راضی نہ ہوئے مگر تبرّا بازی بھی ترک نہ کی جس
کی سزا اُن کو ملی یعنی ایک ہزار روپیہ جرمانہ ان پر ہوا۔

اس وقت لکھنؤ کی حالت یہ تھی کہ وہ اخبار شیعوں کے یہاں سے نکل

---

[1] یہ مولوی مقبول احمد دہلوی بہت غالی شیعہ تھے۔ اپنے ترجمہ قرآن میں بھی انہوں نے سب
صحابہ کا فریضہ ادا کیا۔ اور ان کا ضمیمہ ترجمہ قرآن پاکستان میں ضبط ہوچکا ہے۔ مگر شیعوں نے
اسے دوسرے نام سے بعد میں شائع کر دیا ہے (خادم اہل سنت غفرلہٗ)

رہے تھے۔ ایک الحکم اور دوسرا اخبار امامیہ، اور اصلاح اور شیعہ کھجوہ ضلع سارن سے نکلتا تھا۔ ان اخباروں میں جو ناقابل برداشت حملے مذہب اہل سنت پر ہوتے تھے ان کا کوئی جواب ہماری طرف سے نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی جواب دینے کا ارادہ بھی کرتا تو اس کی اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ ان سب حالات کو دیکھ کر النجم کا آغاز کیا گیا۔ النجم کے شائع ہوتے ہی شیعوں میں ایک غیر معمولی تگ و دو شروع ہوئی اور ہر قسم کی کوشش اس کے بند کرانے کے لئے کی گئی۔ مگر خدا کے فضل سے کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ کئی سال تک النجم اخباری شکل میں ہفتہ وار رہا۔ اس کے بعد پندرہ روزہ رسالہ کی صورت میں کر دیا گیا۔ اس کے بعد کچھ دنوں بند رہا پھر خدا کی تائید سے شروع ہوا۔ اور اب دورِ جدید میں، پہلے تو ماہوار تھا مگر اب بعونہ تعالیٰ پندرہ روزہ ہے (النجم ۲۱ ذیقعدہ و ۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ)

النجم کا فیضان

خاتم النبیین امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب مثل تاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے) قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے۔ سِرَاجًا مُّنِیْرًا یعنی آپ آفتابِ رسالت ہیں۔ لہٰذا جو اہل ایمان بلاواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے والے ہیں بلاشبہ وہ آفتابِ رسالت کے انوار ہدایت سے منور ہو کر نجوم ہدایت بن گئے ہیں۔ ہر ہر صحابی کے سینے میں جو نور ایمان ہے وہ انوار نبوت کی شعاعوں کا ہی عکس ہے اور یہ وہی مقدس جماعت صحابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زندگی میں ہی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی قرآنی سند عطا فرما دی ہے۔

یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ چونکہ امام اہل سنت کا مقصد اس رسالہ کے اجراء سے دفاع صحابہؓ ہی تھا۔ اس لئے آپ نے مذکورہ ارشاد رسالت کی روشنی میں اس کا نام النجم رکھا۔ یعنی ہدایت کا ستارہ النجم ایک خالص علمی اور دینی رسالہ تھا۔ جس کو حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے طفیل امام اہل سنت کی ہمت واستقامت سے صحیح معنوں میں ہدایت کا ستارہ بنا دیا۔ جس کا نور نہ صرف دور حاضر میں بلکہ صدیوں تک ان شاء اللہ تعالیٰ کے اہل ملت اسلامیہ کو ظلمات باطل میں نور ہدایت دیتا رہے گا۔ النجم میں امام اہل سنت نے سنی شیعہ نزاعی مسائل کے سلسلے میں ہر موضوع پر مدلل اور محققانہ مضامین لکھے ہیں اور یہ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی بھی النجم میں ہی شائع ہوتا رہا ہے حضرت مولانا نے ہر اس آیت قرآنی کی جامع اور محققانہ تفسیر لکھی ہے جس سے اصحاب رسول یا خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحقانیت ثابت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے آپ کی یہ ایک عظیم الشان دینی خدمت ہے جو دور حاضر میں اور کسی عالم دین کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس بنا پر علماء حق نے آپ کو امام اہل سنت کا عظیم خطاب دیا ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

حضرت تھانویؒ کا ارشاد

سنی وشیعہ نزاعی مسائل میں امام اہل سنت کو حق تعالیٰ نے ایک اجتہادی شان عطا فرمائی تھی۔ اور اکابرین بھی اس سلسلے میں آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ ایک سائل کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ:۔ اس کا جواب مجھ سے اچھا مولوی عبدالشکور صاحب مدرس مدرسہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ دے سکیں گے۔ (النجم ماہ شعبان ۱۳۴۱ھ)

حالانکہ یہ امام اہل سنت کا ابتدائی دور تھا جس میں وہ ایک دینی مدرسہ میں

صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت دین کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ باوجود خلوت نشین بزرگ ہونے کے حضرت تھانوی قادیانیوں اور شیعوں سے عدم اشتراک کی تاکید فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ:۔ اناؤہ سے خط آیا کہ حضور جلسے میں ضرور شریک ہوں اور اس جلسہ میں قادیانی اور شیعہ وغیرہ بھی شریک ہوتے تھے اور خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر حضور سب کیساتھ شریک نہ ہوں تو اوروں کی تقریر کے وقت حضور کو وہاں نہیں رکھیں گے۔ حضور علیحدہ رہیں۔ مولینا نے فرمایا کہ لوگ اس قدر نہیں سمجھتے کہ جن مخالفین کو مدعو کیا اور مقتدائے جلسہ بنایا۔ کل کو اگر وہ اپنے عقائد سکھانے لگیں تو اس کے انسداد کا کیا طریق ہوگا۔ لوگ اس قسم کی کارروائی صرف شہرت اور نمود کے لئے کرتے ہیں۔ مخالفین کا اسلامی جلسوں میں کیا کام۔ سوائے ضرر کچھ نہیں ہوتا اور اگر میں جلسے کے وقت شریک نہ ہوں تو یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ گمراہی پھیل رہی ہو اور میں اسی شہر میں حجرے میں بیٹھا رہوں۔ مولانا نے جواب یہ لکھا کہ کیا آپ میرے وعظ کا جلسہ اس کے بعد نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا کریں تو میں آسکتا ہوں۔" (مقالات حکمت ص۱۵۸)

حضرت مدنیؒ کی نظر میں

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شیعہ فرقہ کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب کو ہیں۔ ان سے دریافت کرنا چاہیئے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم مکتوب ص۸۵)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی استبداد سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے سیاسیات میں بھرپور قائدانہ حصہ لیا تھا لیکن اس کے

باوجود آپ نے دفاع صحابہؓ کا فریضہ بہرحال انجام دیا ہے۔ ادیب لکھنوی مدح صحابہؓ تحریک کے سلسلہ میں مدح صحابہ کے وجوب پر مدلل مضامین لکھے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب سیکریٹری صاحب مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ لکھنو کے نام اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثناء و صفت، ان سے محبت رکھنے کی تاکید، ان کی شان میں گستاخی کی مذمت۔ ان کی تابعداری کرنے کا حکم، ان کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ، عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لیکچر دیتے ہوئے خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ثنا و صفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے۔ (دیکھو درمختار شامی عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسب تصریح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص۱۵) اس کو شعار اہل سنت و جماعت بھی قرار دیا گیا ہے الخ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم مکتوب نمبر ۱۱۶) امام اہل سنت نہ صرف ایک علامہ محقق تھے بلکہ آپ نقشبندی مجددی سلسلہ کے شیخ طریقت بھی تھے۔ آپ نے نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا شاہ عبداللہ ابو احمد رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا تھا۔

امام اہل سنّت کی جامعیت حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید فیضہم (بانی ماہنامہ الفرقان بریلی (حال لکھنو) جو ایک صالح عالم و بزرگ ہیں) نے امام سنت کی وفات کے بعد الفرقان میں ایک مضمون بعنوان "حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی میری واقفیت اور تاثرات" لکھا تھا جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں :۔

اکثر ناظرین کو اخبار اور دوسرے ذرائع سے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ہو چکی ہو گی کہ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ دوشنبہ کے دن مغرب سے کچھ پہلے اہل سنت کے جلیل القدر ربانی عالم اور نقشبندی مجددی سلسلہ کے صاحب مقام اور صاحب ارشاد شیخ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ نے ہماری اس

دنیا سے دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اَللّٰھُمَّ اغفرلہ ولا تُضِلَّنَا بعدہٗ

(۲) اپنے وقت کے ایک مشہور صاحب لسان اور صاحب قلم عالم اور ہفتہ وار النجم لکھنؤ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے حضرت مولانا کا تذکرہ تو میں اپنے بچپن سے سُنتا تھا لیکن زیارت کا اتفاق سب سے پہلے اب سے تقریباً ۴۸، ۴۹ سال قبل (غالباً ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء) جمعیت علمائے ہند کے اجلاس منعقدہ مُراد آباد میں ہُوا تھا۔ اپنے تصور کے بالکل خلاف مولانا کی ہیئت اور وضع قطع دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ بالکل پُرانے قسم کے سیدھے سادے علما کی وضع تھی۔ سر پر پرانے علما کا سا عمامہ جسم پر قبا، ہاتھ میں لاٹھی نما عصا"۔

(۳) پھر اسی سال کچھ عرصہ کے بعد ایک ضرورت سے امروہہ میرا جانا ہُوا۔ مَیں ان دنوں منطق و فلسفہ اور اصول فقہ و علم کلام کی آخری کتابیں پڑھ رہا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ مولانا آج کل مدرسہ اسلامیہ چلّہ (امروہہ) میں صدر مدرس ہیں۔ میں مولانا کی زیارت کے ارادہ سے نیز اس نیّت سے کہ موقع ملے گا تو کسی سبق میں بھی شریک ہو کر استفادہ کروں گا۔ مدرسہ گیا، لیکن اس وقت اتفاق سے طب کی مشہور کتاب نفیسی کا آپ کے یہاں درس ہو رہا تھا۔ مَیں بیٹھا تو پورے سبق میں رہا لیکن وہ میری دلچسپی کی چیز نہیں تھی۔ البتہ یہ بات اسی دن معلوم ہوئی کہ مولانا فن طب کے بھی فاضل ہیں۔

(۴) رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد اتفاق سے تین سال مَیں اسی مدرسہ اسلامیہ میں مدرس رہا جس سے مولانا کا تعلق رہا تھا۔ اس مدرسہ کے اکثر کارپرداز اور اربابِ انتظام چونکہ حضرت مولانا سے عقیدت و ارادت کا خاص تعلق رکھتے

تھے اور اس تعلق کی وجہ سے مولانا نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولوی عبدالمومن صاحب فاروقی کو تعلیم کے لئے وہاں بھیج دیا تھا۔ اس لئے سال میں دو چار مرتبہ ضرور مولانا کی تشریف آوری امروہہ میں ہوتی تھی، اور میری طبیعت کو چونکہ مولانا سے خاص مناسبت تھی اور مذاہبِ باطلہ اور فرقہائے ضالہ کی تردید سے اس زمانہ میں راقم السطور کو بھی گہری دلچسپی تھی اور مولانا بھی انہی وجوہ سے ناچیز پر خاص الخاص عنایت و شفقت فرماتے تھے اس لئے ہر ملاقات میں ربط و تعلق بڑھتا اور گہرا ہوتا رہا۔

(۵) "علمی رسوخ" کے تحت لکھتے ہیں۔ جن لوگوں کو مولانا کے قریب رہنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا، اُن کو غالباً بالکل اندازہ نہیں ہوگا کہ ممدوح صرف مناظر و مصنف ہی نہیں بلکہ علمائے راسخین میں سے تھے۔ نامور اصحاب درس کی سی ٹھوس علمی استعداد اور اپنے دائرہ میں مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اس کے ساتھ قدرت نے حافظہ بے نظیر دیا تھا۔ راقم سطور نے اپنی عمر میں بہت کم حضرات ایسے قوی الحافظہ دیکھے ہیں سلامتی فہم کے ساتھ ذہانت و ذکاوت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حصہ وافر عطا فرمایا تھا ان سب چیزوں کے جمع ہونے کی وجہ سے خالص علمی حیثیت سے بھی مولانا کا مقام بہت بلند تھا۔ علوم دین کے مختلف شعبوں میں سے علم قرآن سے خاص شغف تھا آپ کا سلسلہ تفسیر آیات آپ کے تدبر فی القرآن کی زندہ اور باقی رہنے والی شہادت ہے۔

(۶) مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا لکھنویؒ کا نماز اور قرآن کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ تعلق بالقرآن کے سلسلہ میں فرماتے ہیں " دوسری قابلِ ذکر خصوصیت قرآن مجید کے ساتھ حضرت مولانا کا خاص شغف اور تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے چھ صاحبزادے عطا فرمائے (جن میں سے دو کا سامنے انتقال

؎ یہ دو صاحبزادے مولانا عبدالغفور صاحب مرحوم اور مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا عبدالمومن صاحب فاروقی اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب امام اہل سنت کی حیات میں ہی آپ کے زیر سایہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں

ہو چکا ہے) ان میں سے چار حافظ قرآن ہوئے اور دو بھائی اپنی بیماری کی وجہ سے
پورا قرآن حفظ نہیں کر سکے تھے۔ اگرچہ حضرت مولانا نے اس کے لئے پوری کوشش
فرمائی۔ مولانا پہلے خود حافظ قرآن نہیں تھے لیکن اب سے چند سال قبل بالکل بڑھاپے
کے دور میں خود محنت کر کے حفظ کیا اور زندگی کے ان چند اخیر سالوں میں تو بس
تلاوت قرآن ہی ان کا دن رات کا شغل اور وظیفہ تھا۔ گزشتہ آٹھ دس سال میں
صبح یا شام جس وقت بھی حاضری کا اتفاق ہوا یہی دیکھا کہ قرآن مجید سامنے ہے اور
اس کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ اپنے خاص اہل محبت اور نیازمندوں
تک کا زیادہ آنا اور دو چار منٹ سے زیادہ بیٹھنا باعث گرانی ہونے لگا تھا۔ اس
گرانی کا اظہار زبان سے تو میں نے کبھی نہیں سنا لیکن دو تین ہی منٹ کے بعد
چہرے سے محسوس ہونے لگتا تھا کہ انہیں شغل تلاوت کا یہ انقطاع شاق ہو رہا
ہے اور وہ منتظر ہیں کہ آنے والا رخصت ہو تو وہ اپنے شغل میں مشغول ہوں۔"

(۷) مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل
بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر رہ
سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا
ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی
ممتاز اور باتوفیق پایا۔ صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے
کانوں سے سنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما
کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں۔ لیکن حضرت علی مرتضیٰ سے
ان کو کیا نسبت۔ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے

تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے۔"

امام اہل سنّت کا خاص موضوع

(۸) حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں:- اگرچہ حسب ضرورت مولانا نے

مناظرے عیسائیوں سے بھی کئے۔ آریہ سماجیوں اور قادیانیوں سے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے فرقہ ہائے ضالہ سے بھی۔ لیکن مولانا کا خاص موضوع شیعی حملوں سے صحابہ کرام رض اور مسلک اہل سنت کی حفاظت اور ان کا دفاع اور مذہب شیعہ کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت قائم کرنا تھا۔ اور یہ وہ موضوع ہے، جو ہندوستان کے خاص تاریخی حالات کی وجہ سے اس ملک کے اکابر علما و مصلحین کی علمی اور دینی کوششوں کا صدیوں سے خاص موضوع رہا ہے۔ اب سے قریباً ساڑھے تین سو سال پہلے گیارہویں صدی ہجری میں تاریخ اسلام کے عظیم ترین مجدد امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ رح اور ان کے معاصر بیہقیٔ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد استاد الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح اور ان کے تلامذہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اور حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

الغرض اپنے اپنے زمانے میں ان سب ہی حضرات کی دینی اور اصلاحی کوششوں کا خاص موضوع اور ہدف (ان خاص تاریخی اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) یہی مسئلہ[1] رہا جس شخص نے اس موضوع سے متعلق ان

[1] چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور رسالہ رد الرفضہ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین وغیرہ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحفہ اثنا عشریہ۔ سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل۔ عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس وسیلۃ النجاۃ۔ فتاویٰ اور مکتوبات وغیرہ۔ علامہ حیدر علی کی ازالۃ الغین اور منتہی الکلام (باقی اگلے صفحہ پر)

اکابر کی کتابیں دیکھی ہیں اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا نے اس موضوع کو اپنے ان پیشرو اکابر سے کئی گنا زیادہ نکھارا۔ اور ایک سعادت مند پیروکار کی طرح ان کے کام کی تکمیل کر کے ان کی روحوں کو شاد اور مطمئن کیا۔ اس ناچیز کا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مولانا کی تحقیق و تنقیح نے اس دائرے کے کئی بنیادی مسئلوں کو جو علمی اور نظری تھے۔ اور ان کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے تھے ایسا بدیہی بنا دیا کہ عامیوں کے لئے بھی ان کا سمجھنا آسان ہو گیا۔

امام التبلیغ کی شہادت

(۹) امام اہل سنت کے تعارف کے سلسلہ میں ہی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔ آخر میں اس دور کے ایک مسلّم عارف بلکہ یقین و معرفت کے امام حضرت مولینا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ارشاد و پر تاثرات کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت مولانا اپنے وصال کے ٹھیک ایک سال پہلے رجب ۱۳۶۲ھ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لاتے تھے اور قریباً ایک ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا تھا۔ ایک روز دارالعلوم کی مسجد کے وضوخانہ میں وضو فرما رہے تھے۔ دارالعلوم کے دو تین اساتذہ بھی ساتھ بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ مولانا معین اللہ صاحب ندوی (موجودہ ناظر شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء) مولانا کے بالکل سامنے بیٹھے وضو کر رہے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) حضرت نانوتویؒ کی ہدایۃ الشیعہ، اجوبۂ اربعین۔ مکتوب شہادت حسین اور الاسولۃ الکاملۃ فی الاجوبۃ الکاملۃ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ہدایۃ الشیعہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ کی مطرقۃ الکرامۃ اور ہدایات الرشید وغیرہ ایسی محققانہ تصانیف ہیں جن کے ذریعہ ان اکابر اسلام نے مذہب اہل السنت والجماعت کی حقانیت کو آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت کر دیا ہے۔ (خادم اہل سنت غفرلہ)

حضرت مولانا کی ان پر شفقت و عنایت کی خاص نظر تھی۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا میاں مولوی معین اللہ! حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں حضرت جانتا ہوں۔ زیارت بھی کی ہے؟ فرمایا نہیں۔ تم نہیں جانتے، پھر فرمایا۔ وہ امام وقت ہیں۔ لکھنؤ کے اسی سفر میں ناچیز راقم سطور بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمرکاب تھا۔ ایک صحبت میں (اب یاد نہیں کس سلسلہ میں) خود مجھ سے فرمایا کہ ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ (حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال چند ہی روز پہلے ہو چکا تھا) الخ (ماخوذ از ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ) دورِ حاضر کے امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی کو امام وقت قرار دینا ایک عظیم سند ہے۔ اور امام وقت یا امام اہل سنت کا مفہوم ایک ہی ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام اہل سنت نے اپنی تمام تر توجہ ان دو مسئلوں کی طرف مبذول کی ہے

(۱) عقیدۂ امامت (۲) عقیدہ تحریف قرآن

عقیدۂ امامت اور خمینی

اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں اصول دین تین ہیں۔ جن کی تعلیم ہر پیغمبر علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کو دی ہے۔ یعنی توحید۔ نبوت۔ قیامت، اور قرآن مجید میں بار بار انہی تین اصولوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے لیکن شیعہ مذہب میں اصول دین پانچ ہیں:۔ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت۔، اور ان کی ہر دینی کتاب میں انہی

پانچ اصولوں کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ العوام مطبوعہ لکھنؤ حصہ اوّل ص۳)

(۲) جدید مستند شیعہ نماز۔ ناشر کتب خانہ شاہ نجف اندرون موچی دروازہ لاہور)

(۳) مذہب اثنا عشری کے لئے دینیات کی پہلی کتاب مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری لاہور) اس کتاب کے ص۱۶ پر لکھا ہے :- دین کی جڑیں پانچ ہیں۔ اوّل توحید یعنی اللہ ایک ہے۔ دوسری عدل۔ اللہ عادل ہے۔ تیسری نبوت۔ محمدؐ اس کا نبی ہے۔ چوتھی امامت۔ امام بارہ ہیں۔ نبی کے بعد ان کا مرتبہ افضل ہے اور پانچویں قیامت :- جو خدا کو وحدہ لاشریک اور عادل نہ جانے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی نہ سمجھے۔ بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہو اور قیامت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ وہ کافر ہے مسلمان نہیں"۔ یہ کتاب ۱۹۲۷ء کی تصنیف ہے اور اس پر شیعہ مجتہد سید علی الحائری اور شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری ثم لاہوری کی تقریظیں ہیں۔

(۴) بھٹو دورِ حکومت میں سرکاری سکولوں کے لئے جو شیعہ نصاب منظور ہوا تھا اس کی کتاب اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم ودہم (شیعہ طلبہ کے لئے) حصہ دوم ص۲ پر اصول دین کے تحت لکھا ہے :- دین کی جڑیں پانچ ہیں :- توحید عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت۔

دورِ حاضر میں ایران کے انقلابی سربراہ خمینی صاحب کا بھی امامت کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو تمام شیعہ اثنا عشریہ کا ہے چنانچہ :-

(۱) خمینی صاحب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نامزد امامت و خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں :- خدا تعالےٰ نے جبریل کے ذریعہ آنحضرتؐ پر لازم و واجب قرار دیا کہ یہیں وسط بیابان میں امر خلافت کا تعین کریں۔ رسول اکرمؐ نے قانون کے حکم سے اور قانون کی اتباع میں حضرت امیر کو خلافت کے لئے متعین فرمایا۔ نہ اس لئے

کہ وہ آپ کے داماد تھے یا انہوں نے خدمات انجام دی تھیں بلکہ آپ حکم و قانون کے مامور تھے۔" (حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ ص۲۴، ناشر کتب خانہ شاہ نجف، اندرون موچی دروازہ لاہور ش)

(۲) خمینی صاحب کی ایک تصنیف کشف اسرار ہے۔ اس میں لکھتے ہیں "امامت یک اصل مسلّم است کہ خدا آں را در قرآن ذکر کردہ" ص۱۴۰ یعنی امامت ایک اصل مسلّمہ اصول دین میں سے ہے جس کا ذکر خدا نے قرآن میں کیا ہے۔"

(۳) کشف اسرار ص۱۴۱ پر خمینی صاحب نے اہل سنت اور اہل تشیع کے ابتدائی اصولی اختلاف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "شیعیان بعد از گزشتن پیغمبر اسلام با سنّیاں دریں دو موضوع کہ حکم ہر دو را از خرد گرفتیم۔ مخالفت داشتند در روزہائے اوّل بزرگان از اصحاب پیغمبر کہ تمام اسلامیان آنہا را بہ بزرگی یاد کردند واحدی دربارہ آنہا چیزے نگفتہ کہ دامن پاک آنہا را آلودہ کند۔ چوں امیرالمومنین علی بن ابی طالب وحسن وحسین وسلمان وابی ذر ومقداد وعمار وعباس و ابن عباس وامثال آنہا برخلاف برخاستند وخواستند کہ گفتہ خدا وپیغمبر را در باب اولوالامر اجرا کنند۔ لکن دستہ بدبختہا کہ از اوّل پیدائش بشر تاکنوں حکم خردمنداں را قلیج کردہ وطمع وہوسہا کہ در ہر زماں حق وحقیقت را پامال کردہ آں روز نیز کار خود را کرد وبشہادت تواریخ معتبرہ ایناں بکار وقت پیغمبر مشغول بودند کہ جلسہ سقیفہ ابوبکر را بحکومت انتخاب کرد وایں خشت کج بنا نہادہ شد۔ پس از دورِ اوّل اسلام باز این گفتگو در بین ایں دو دستہ بود۔ شیعیان کہ پیروانِ علی ہستند می گویند کہ امامت را باید خدا تعین کند بحکم خرد۔ وخلفاء وسلاطین لائق آں نیستند۔ وعلی واولاد معصومین او اولی الامر اند کہ خلاف گفتہائے خدا ہیچ گاہ نگفتہ ونگویند وایں نیز بتعیین پیغمبر اسلام

است چنانچہ پس از ایں ذکر آں می شود وثابت می کنم کہ پیغمبر اسلام تعین امام کردہ وآں علی بن ابی طالب است :-

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ان ہر دو موضوع میں (جن کا تعلق امامت سے ہے) جن کا حکم ہم نے عقل سے دریافت کیا ہے شیعہ روز اوّل سے ہی سُنیوں سے مخالفت رکھتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کے وہ بزرگ اصحاب جن کو تمام مسلمان بزرگ تسلیم کرتے تھے اور کسی ایک نے بھی ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو ان کے پاک دامن کو آلودہ کرے مثلاً امیر المومنین علی بن ابی طالب۔ حسن حسین۔ سلمان فارسی۔ ابو ذر غفاری مقداد۔ عمار بن یاسر۔ عباس ابن عباس وغیرہ مخالفت میں اٹھے، اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اولی الامر کے بارے میں خدا اور پیغمبر کا فرمان جاری کریں لیکن گروہ بندیوں نے کہ انسان کی پیدائش کے روز اوّل سے ہی عقلمندوں کے حکم کو مفلوج کیا ہے اور طمع اور ہوس نے کہ ہر زمانہ میں حق اور حقیقت کو پامال کیا ہے اس دن بھی اپنا کام کیا اور معتبر تواریخ کی شہادت ہے کہ یہ مذکورہ بزرگ اصحاب جب پیغمبر علیہ السلام کے دفن کے کام میں مشغول تھے سقیفہ کے اجلاس نے ابوبکر کو حکومت کے لئے منتخب کر لیا اور اسی دن اس ٹیڑھی اینٹ کی بنیاد رکھی گئی۔ اسلام کے دور اوّل کے بعد پھر ان دونوں (سنی و شیعہ) گروہوں کے درمیان یہ گفتگو جاری رہی ہے۔ شیعہ کہ حضرت علی کے پیرو ہیں یہ کہتے ہیں کہ عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ امام کا تعین خدا کے ذمہ ہے اور خلفاء اور سلاطین اس کے لائق نہیں ہیں اور علیؓ اور ان کی معصوم اولاد ہی اولی الامر ہیں الخ

حضرت علی المرتضٰی کی امامت کی بنیاد پر خمینی صاحب نے اس کتاب میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو العیاذ باللہ مخالف قرآن قرار دیا ہے چنانچہ ایک عنوان ہی یہ لکھا ہے:۔ "مخالفتہائے ابوبکرؓ بانصّ قرآن"۔ اس کے بعد یہ عنوان ہے: "مخالفت عمرؓ با قرآن خدا"۔ خمینی صاحب کی مزید عبارتیں اور انکے عقائد کی تفصیل میری کتاب "میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ" وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

عقیدہ تحریف قرآن اس بحث کو بھی حضرت امام اہل سنّت نے دلائل و براہین کے ساتھ لکھا ہے ملاحظہ ہو:۔ تنبیہ الحائرین وغیرہ۔

(۲) ایک شیعہ مجتہد علامہ حسین بن محمد تقی النوری نے تو تحریف قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب"۔

(۳) پاکستان کے ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ قرآن میں بارہ اماموں کے نام پہلے مذکور تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "کہا جاتا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اس قدر اہم تھا کہ جتنا شیعہ حضرات خیال کرتے ہیں تو خداوند عالم نے ائمہ کے اسمائے گرامی صراحتاً قرآن میں کیوں نہ ذکر کر دیئے تاکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ختم ہو جاتا۔ اور سب مسلمان ایک مسلک میں منسلک ہو جاتے"۔ اس اعتراض کا الزامی جواب دینے کے بعد تحقیقی جواب یہ دیتے ہیں کہ:۔ فریقین کی روایات کے مطابق ائمہ اطہار کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں موجود تھے مگر جمع قرآن کے وقت ان کو حذف کر دیا۔ چنانچہ ہماری تفسیر صافی صد ۹ مقدمہ ششم طبع ایران بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا۔ لَوْ قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کَمَا اُنْزِلَ لَا لفیتمونا مُسَمَّیِیْنَ۔ اگر قرآن کو اس

طرح پڑھا جاتا جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہمیں نام بنام موجود پاتے" (کتاب اثبات الامامت طبع دوم ص۳۱۲)

قرآن کی خلافت راشدہ موعودہ

شیعہ مذہب میں منصب امامت منصب نبوت سے افضل ہے اور ان کے بارہ امام بذریعہ وحی قیامت تک کیلئے نامزد کئے گئے ہیں اور یہ امام انبیاء سابقین علیہم السلام سے افضل ہیں۔ العیاذ باللہ۔ لیکن یہ عقیدہ امامت بالکل بے بنیاد ہے جس کا موجودہ قرآن سے ثبوت نہیں مل سکتا۔ البتہ مذہب اہل السنت والجماعت میں گو مسئلہ خلافت کا تعلق فروع دین سے ہے لیکن خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایک پیش گوئی اور وعدۂ خداوندی کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے اس پہلو سے خلفائے اربعہ کی خلافت کو بعد از نبوت اصول دین میں شمار کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:-

> دریں زمانہ بدعت تشیّع آشکار شد و نفوس عوام بشبہات ایشاں متشرب گشت و اکثر اہل ایں اقلیم در اثبات خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شکوک ہم رسانیدند۔ لاجرم نور توفیق الٰہی در دل ایں بندہ ضعیف علمے را مشروح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ خلافت ایں بزرگواراں اصلی ست از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نگیرند، ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود الخ۔

اس زمانہ میں بدعت تشیّع آشکار ہوگئی ہے اور عام لوگوں

کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہو گئے ہیں۔ اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا توفیق الٰہی کی روشنی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے اصولِ دین سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط نہ ہو گا۔" (ازالۃ الخفاء جلد اوّل ص۸ ترجمہ امام اہل سنت مولانا لکھنوی ؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ خلفائے اربعہ کی خلافت کو سورۃ النور رکوع ۷ کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج رکوع ۶ کی آیت تمکین سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔ نکتہ دیگر بفہمی وآں آنست کہ دو آیت آیت استخلاف و آیت تمکین دریک قصہ است مقصود واحد است و تعبیر مختلف الخ ۔ ایک اور نکتہ بھی سمجھ لو وہ یہ کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین ایک ہی بات بیان کر رہی ہیں ۔ مقصود دونوں کا ایک ہے عبارت مختلف ہے ۔ الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل ص۹۰)

فارسی ترجمہ قرآن مسمیٰ بہ فتح الرحمٰن کے حاشیہ پر آیت استخلاف کے تحت حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔ از حدیث آمدہ است الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ واللہ اعلم (حدیث میں آیا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہو گی ۔ واللہ اعلم) چونکہ تیس سالہ خلافت کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی ہے ۔ اس کیلئے حضرت شاہ صاحب کے نزدیک آیت استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں ۔

ایک شبہ کا ازالہ | امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب

لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آیتِ استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں
"پس یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کو ان تینوں نعمتوں
کا مجموعہ نہیں ملا۔ لہٰذا ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت ہرگز
نہیں ہوسکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہٗ کہے جاسکتے
ہیں۔ پس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں
کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرات
خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت سے موعودہ خلافت تسلیم
کیا جائے۔" (تفسیر آیات قرآنی)

امام اہلِ سُنّت کی مندرجہ عبارت سے خارجی بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ قرآن
کی موعودہ خلافت راشدہ کا مصداق نہیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ (۱) خلافت کے موضوع پر
بعض مناظرات میں امام اہلِ سُنّت نے شیعہ مناظر کے مقابلے میں یہی استدلال کیا ہے جس سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک الزامی جواب ہے۔ کیونکہ حسب اعتقاد شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ
خلافت میں بھی احکام شریعت نافذ نہیں کرسکے (ملاحظہ ہو فرع کافی کتاب الروضہ صفحہ ۲۹ مطبوعہ لکھنو) اور چونکہ شیعہ خلفائے ثلاثہ کی
خلافت راشدہ کے منکر ہیں۔ اس لئے امام اہل سُنّت کا مقصد دراصل خلفائے
ثلٰثہ کی حقانیت کا اثبات ہے۔ (۲) امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ مذکورہ
تینوں کا مجموعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نہیں پایا گیا۔ نہ یہ کہ
مذکورہ تین نعمتوں سے کوئی بھی نہیں پائی گئی۔ چنانچہ اس سے پہلے حضرت
مرحوم خود یہ لکھ چکے ہیں کہ :۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ دو نعمتیں ان کو ملی ہیں
استخلاف فی الارض کی نعمت ان کو حاصل تھی۔ کیونکہ اہل حل وعقد یعنی مہاجرین
وانصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور تمکین دین بھی ان کو حاصل تھی
کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلٰثہؓ کا تھا اور وہ دین تمکین

پاچکا تھا البتہ ایک نعمت امن کی ان کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے عہد میں باہم مسلمانوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ امن و اطمینان کسی کو نہ تھا" لیکن بعض دوسرے مفسرین نے خوف سے مراد خوف کفار لیا ہے اور وہی خوف اس وقت صحابہ کرامؓ کو تھا۔ چنانچہ علامہ آلوسی مرحوم اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ واستدل کثیرٌ بھذہ الاٰیۃ علی صحۃ خلافۃ الخلفاء الاربعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ (اور بہتوں نے اس آیت سے خلفائے اربعہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ولم یقع ذلک المجموع الا فی عھدھم فکان کل منھم خلیفۃ حقا باستخلاف اللہ تعالیٰ ایاہ" اور یہ مجموعہ (نعمتوں کا) صرف انہی خلفائے اربعہ کے عہد میں ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ بنانے کی وجہ سے ہر ایک برحق خلیفہ تھا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں جو اندرونی خلفشار رہا آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: وکذا لا ینافیہ ما وقع فی خلافۃ عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما من الفتن لان المراد من الامن الامن من اعداء الدین وھم الکفار کما تقدم۔ اور اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں جو فتنے پیدا ہوئے ہیں یہ امن کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں دین کے دشمنوں یعنی کفار کے خوف سے امن مراد ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ (تفسیر روح المعانی سورۃ النور) (۲) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ چاروں خلفاء کے دور میں پایا گیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں چار یار کے لئے تھا" (ہدیۃ الشیعۃ طبع قدیم ص۵۶) (۳) شیخ الاسلام علامہ

شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں :۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہوگا ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے الحمد للہ کہ یہ وعدہ انہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔" (ترجمہ شیخ الہند فوائد عثمانی) (۴) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی بھی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں :۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ۔ پھر جو کوئی اس نعمت کی ناشکری کرے ان کو بے حکم فرمایا۔ جو کوئی ان کی خلافت سے منکر ہوا اس کا حال سمجھا گیا۔ (موضح القرآن) (۵) خود امام اہل سنت نے اس مضمون کے آخر میں مفسرین اہل سنت کے جو اقوال لکھے ہیں ان میں بھی اکثر آیت استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ کو ہی قرار دیا ہے :۔ چنانچہ امام اہل سنت نے ان میں روح المعانی کی بھی مندرجہ بالا عبارت لکھی ہے ۔ اور جن تفاسیر میں آیت کا مصداق خلفائے راشدین کو قرار دیا ہے ان سے مراد بھی یہی خلفائے اربعہ ہیں امام اہل سنت نے آخر میں تفسیر غایۃ البرہان کا حوالہ بھی دیا ہے جس کی آخری عبارت یہ ہے :۔ اور عمرؓ کے بعد یوساتوس کی طرح سے عثمانؓ خلیفہ ہوئے ان کے آخر زمانہ میں جیسے بنی اسرائیل نے کفران نعمت کی ویسے ہی خارجیوں نے کفران نعمت کی کہ خلیفہ برحق پر خروج کیا اور سخت خرابی اہل اسلام میں واقع ہوئی تو علی مرتضیٰؓ خلیفہ برحق ہوئے ان پر بھی خروج ناحق ہوا اس سے صاف تمثیل کی حقیقت ظاہر ہوئی ۔

راقم سطور (خادم اہل سنت غفرلہ) نے اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل ص۸۶ پر امام قرطبی، قاضی ابوبکر بن العربی اور امام رازی رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں پیش کی ہیں جن میں آیت استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ ہی کو قرار دیا گیا ہے ۔

امام رازی کی عبارت امام رازی تفسیر کبیر میں آیت استخلاف کے تحت

تکلتے ہیں۔ المراد بھذا طریقۃ الامامۃ و معلوم ان بعد الرسول الاستخلاف الذی ھذا وصفہ انما کان فی ایام ابی بکر و عمر و عثمان لان فی ایامھم کانت الفتوح العظیمۃ وحصل التمکین وظھور الدین الامن ولم یحصل ذلك فی ایام علیؓ۔ امام اہل سنت نے بھی یہ عبارت نقل فرمائی ہے اور ترجمہ یہ لکھا ہے :۔ مراد اس استخلاف سے وہی طریقہ امامت یعنی خلافت کا ہے اور معلوم ہے کہ جس استخلاف کی یہ صفت ہے وہ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ ہی کے زمانہ میں پایا گیا۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے فتوحات ہوئے اور تمکین اور غلبہ دین اور امن حاصل ہوا۔ اور یہ باتیں علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں پائی گئیں"۔ امام رازی کی اس عبارت سے بھی یہی شبہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت آیت استخلاف کا مصداق نہیں ہے۔ لیکن اس شبہ کا ازالہ امام رازی ہی کی حسب ذیل عبارت سے دور ہو جاتا ہے :۔ دلت الآیۃ علی امامۃ الائمۃ الاربعۃ" (تفسیر کبیر) یہ آیت چاروں اماموں (یعنی خلفاء) کی امامت (خلافت) پر دلالت کرتی ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام رازیؒ کے نزدیک ولم یحصل ذلك فی ایام علیؓ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موعودہ صفات حضرت علیؓ کے دور خلافت میں بالکل نہیں پائی گئیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خلفائے ثلثہ کے دور خلافت کی طرح ان کے دور میں وہ قوت و شوکت نہیں تھی اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آیت میں۔ و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان خلفا کے دور میں اللہ اپنے پسندیدہ دین اسلام کو تمکین و طاقت دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی دین اسلام ہی مکمل طور پر نافذ تھا جو خلفائے ثلثہ کے دور میں تھا۔

اہل سنت کا اصل استدلال شیعہ اور خوارج کے مقابلہ میں زیر بحث آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی خلافت حقہ کے لئے طرز استدلال یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے نزول آیت کے وقت موجود مومنین صالحین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس وعدہ کی تکمیل کی یہ صورت ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذو النورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہی کو ان حاضرین صحابہ میں سے خلافت ملی ہے اور ان میں ہر خلیفہ کو تمکین دین اور حصول امن دین کا حق تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ جن حضرات کو ان میں سے خلافت ملی ہے ان کو دوسری نعمتیں نہ نصیب ہوں ورنہ وعدہ خداوندی کا پورا نہ ہونا لازم آتا ہے اور شیعہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ خلفاء ثلاثہ کو خلافت ملی ہے اور نہ خارجی اس بات کا انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو خلافت ملی ہی نہیں۔ اس لئے لازماً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جن جن کو خلافت ملی ہے ان سب کو مذکورہ نعمتیں بھی ملی ہیں۔ یہاں محمود احمد صاحب عباسی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ازالۃ الخفا کی عبارت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی جس کا جواب بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اول میں دے کر عباسی تلبیس و غلط بیانی کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

آیت تمکین کا مصداق امام اہل سنت مولینا لکھنویؒ آیت تمکین کی تشریح کرتے ہوئے فصل دوم میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اس آیت تمکین کی دلالت حضرات خلفائے ثلاثہ کی حقیت پر ایسی واضح ہے کہ ہر محقق بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اول یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین میں سے تھے، دوم یہ کہ ان تینوں بزرگوں کو تمکین فی الارض یعنی زمین کی حکومت ملی۔ یہ دونوں باتیں ایسی بدیہی ہیں

کہ نہ آج تک کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے اور جب یہ دونوں باتیں قطعی اور مسلّم الکل ہیں تو تیسری بات خود بخود آیت سے ثابت ہو گی کہ ان تینوں بزرگوں نے اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا اور ایسا عمدہ ادا کیا کہ کتاب اللہ میں قابلِ ذکر قرار پایا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ خدا کا کلام غلط ہو جائے الخ

اس تشریح سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام اہلِ سنت کے نزدیک آیت تمکین کا مصداق بھی خلفائے ثلاثہ ہی ہیں۔ لیکن اس کے بعد صراحۃً آپ نے حضرت علیؓ کے لئے بھی اس آیت کا مصداق ہونے کی تصریح کر دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں :۔

ظاہر ہے کہ جماعت مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انہوں نے کئے ان کاموں کو پسندیدہ خدا ہونے کا یقین رکھیں "

تفسیر آیت تمکین کے آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔ آیت استخلاف میں وقت نزول آیت مومنین صالحین کو موعود لہم قرار دیا اور آیت تمکین میں خاص کر مہاجرین کو۔ معلوم ہوا آیت استخلاف میں مومنین صالحین سے مہاجرین ہی مراد ہیں ، اور کون عمل صالح ہے جو ہجرت کے سے بڑھ کر ہو۔

المختصر دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ ایک بات آیت تمکین میں البتہ زائد ہے کہ مہاجرین کی محبوبیت اور ان کے علو مرتبت کا بیان عجیب دلکش پیرایہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس تشریح سے بھی ثابت ہوا کہ آیت استخلاف میں جن مومنین صالحین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان سے مراد مہاجرین صحابہؓ ہیں۔ لہٰذا حضرت علی المرتضیٰؓ بوجہ مہاجرین اوّلین میں ہونے کے آیت تمکین کی

کی طرح آیت استخلاف کا بھی مصداق ہوں گے اور جمہور مفسرین اہل سنت کے نزدیک بھی خلفائے اربعہ ہی آیت استخلاف اور آیت تمکین دونوں کا مصداق ہیں۔ آیت استخلاف اور آیت تمکین کی مندرجہ بالا تشریح سے امام اہل سنت کی تفسیر آیت استخلاف کی مذکورہ عبارت میں اغلاق کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی موعودہ خلافت میں جو شبہ لاحق ہوسکتا تھا اُس کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ وللہ الحمد۔

امام حسن کی خلافت کا تتمہ ہونا

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حدیث الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃً (میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی) کو آیت استخلاف کا مصداق قرار دیا ہے اور عموماً مفسرین، محدثین اور متکلمین اس حدیث سے خلفائے اربعہ کی خلافت راشدہ ثابت کرتے ہیں۔ اس پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تیس سال تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی چند ماہ مدت خلافت سمیت پورے ہوتے ہیں لہٰذا آپ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ موعودہ کا حصہ قرار دینا چاہیئے۔ اس طرح موعودہ خلفائے راشدین پانچ بنتے ہیں نہ کہ چار۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی خلافت خلافت راشدہ موعودہ کا ایک تتمہ ہے اور تتمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعض مقاصد کی تکمیل آپ ہی کی خلافت میں ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت جس کی پیش گوئی حدیث بخاری میں مذکور ہے۔ ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا (یعنی حسنؓ) سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا)

(ب) نیز تیس سالہ مدت خلافت کے بیان کرنے میں کسور کا اعتبار نہیں فرمایا۔

(۲) امام اہل سنت حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کا تذکرہ اور ان کے اوصاف و کمالات کا بیان درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا تتمہ اور تکملہ ہے الخ (خلفائے راشدین ص۵)

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔ ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ" (خلفائے راشدین کی) خلافت کا زمانہ بقیہ زمانۂ نبوت تھا (ازالۃ الخفاء، مترجم جلد اول ص۱)

(۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۴۳ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔ گویا زمانہ شیخین رض کا بقیہ زمانہ نبوت کا تھا (تحفہ اثنا عشریہ مترجم ص۴۲۳)

(۵) حدیث شریف میں آتا ہے کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔

جس طرح مندرجہ بالا عبارات میں تتمہ و تکملہ۔ بقیہ ایام نبوت کے الفاظ اور سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ خلفائے راشدین نبی ہیں اور سچے خواب دیکھنے والا بھی نبی ہے۔ اس طرح حضرت امام حسن رض کی خلافت کو خلافت راشدہ کا تتمہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی خلافت بھی خلفائے اربعہ کی طرح قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہے۔ کیونکہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ مہاجرین صحابہ کرام رض کے لئے ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے نہیں بلکہ آپ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین صحابہ میں سے نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کے موعودہ خلفاء میں شمار نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں بندہ کی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول ص۵۴۰ پر بھی تتمہ ہونے کی بحث آگئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حق چار یار رض | خداوند عالم نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت حضور رحمۃ ...

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت کی جانشینی اور حفاظت کے لئے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا انتظام فرمایا ہے جس کا مصداق حضرات خلفائے اربعہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شیعوں کا حضرت علی المرتضیٰ کو خلیفہ بلا فصل (پہلا خلیفہ) ماننا اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کی نفی کرنا اور خارجیوں کا حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو قرآن کی خلافت راشدہ نہ تسلیم کرنا یہ دونوں نظریے نص قرآنی کے تقاضا کے خلاف اور باطل ہیں۔ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہی قرآنی تقاضا کے مطابق اور برحق ہے۔ یعنی قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین (جو چار ہی ہیں) نہ ان میں سے کسی کو خارج کر سکتے ہیں اور نہ ان پر کسی اور کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے گو تمام اصحاب بوجہ رفاقت و یاوری اور بوجہ بلا واسطہ فیضان نبوی حاصل کرنے کے یاران نبی اور برحق ہیں لیکن ان میں چونکہ ان چار کو ہی قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا عظیم امتیازی منصب عطا ہوا ہے۔ اس لئے ان کو خصوصی طور پر چار یار کہا جاتا ہے اور بالاصالت انہی کو خلفائے راشدین کہتے ہیں۔ چنانچہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں: "حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنائے گئے اس لئے یہ خلیفہ اول ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی تیسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور چار یار کہتے ہیں۔"

(تعلیم الاسلام حصہ سوم ص ۱۸)

اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا یہ ارشاد بھی آیت استخلاف کے تحت پہلے نقل کر چکا ہوں کہ: "اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل

اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالۂ خوف و تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہی چار یار کے لئے تھا" (ہدیۃ الشیعہ قدیم ص۵۶) اور چار یار کی اصطلاح تو سواد اعظم اہل سنت والجماعت میں صدیوں سے مشہور و معروف ہے۔ چنانچہ سکندر نامہ فارسی۔ نام حق۔ اور بدائع منظوم فارسی کے اشعار خارجی فتنہ حصہ اول ص۵۲۸ پر نقل کر دیئے گئے ہیں جن میں چار یار کی اصطلاح مستعمل ہے سلاطین مغلیہ کے شاہی سکوں پہ کلمہ طیبہ کے اردگرد صرف چار خلفائے راشدین کے مبارک ناموں کا کندہ ہونا بھی اسی مخصوص خلافت راشدہ کے عقیدے کا اظہار ہے۔ چونکہ پاکستان میں خدام اہل سنت بطور تحریک تقریر و تحریر کے ذریعہ قرآن کی خلافت راشدہ موعودہ کا پرچم بلند کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے بطور اعلان حق خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار پکارا جاتا ہے۔ یہ حق چار یار ایک ایسا ستی ایٹم بم ہے جس سے خلافت راشدہ کے مخالف نظریات کے قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ وقت کی یہ اہم پکار ہے اور الحمدللہ پاکستان بھر میں اب حق چار یار کی ایک گونج پیدا ہو گئی ہے ؎

گونج اٹھا ہے ملک میں حق چار یار

مان لے جو اس کا ہوگا بیڑا پار

؎ صدیق اکبرؓ یار غار | فاروق اعظمؓ جانثار

عثمانؓ و علیؓ حق کے شعار | سب مان لو حق چار یار

اصلی کلمہ اسلام امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں شیعہ کلمہ اسلام پر بحث بندہ کی نظر سے نہیں گزری اور اس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت شیعوں نے اپنے امتیازی کلمہ کا زیادہ اظہار نہیں کیا تھا۔ اور عموماً تصور یہ تھا کہ سنی و شیعہ وحدت کلمہ پر

متفق ہیں لیکن پاکستان میں بھٹو دورِ حکومت میں جب شروع شروع میں سرکاری سکولوں کے لئے شیعہ نصاب تعلیم کی منظوری دی گئی تو شیعہ علماء نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب فاروقی ایم اے پی ایچ ڈی کا نصاب دینیات عارضی طور پر منظور کر لیا" (بحوالہ جنگ راولپنڈی ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۴ء) جن کے ردعمل میں تحریک خدام اہل سنت کی طرف سے ایک ٹریکٹ بنام "ایک غیر منصفانہ فیصلہ" شائع کیا گیا۔

شیعہ کلمہ کے مراحل

(۱) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی شیعی پی ایچ ڈی کی دینیات حصہ اوّل صہ ۲۰ تا ۲۲ میں اسلام کی برادری میں شامل ہونے کے لئے چند باتوں کا اقرار لازمی قرار دیا گیا ہے جن میں نمبر ۳ کے تحت یہ لکھا ہے کہ:-

ہمیں اسلام کی سچی راہ پر قائم رکھنے کے لئے اللہ نے جو امام مقرر کئے ہیں ان میں سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہیں" وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار کرنا اسلام کی برادری میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے۔ یہ اقرار عربی زبان میں کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس اقرار کو کلمہ پڑھنا کہتے ہیں۔ کلمہ یہ ہے:- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ الخ

کلمہ کی مندرجہ تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ شیعوں کی اصطلاح میں علی ولی اللہ کا مطلب اللہ کا دوست اور پیارا ہونا نہیں بلکہ اس کا مطلب حضرت علیؓ کو پہلا خلیفہ ماننا ہے اور اس کو تسلیم کرنے سے آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

(۲) جب مستقل طور پر شیعہ نصاب مرتب کیا گیا تو کلاس نہم و دہم کے لئے اسلامیات لازمی کی کتاب "رہنمائے اساتذہ" میں سنی کلمہ اسلام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا گیا۔ لیکن اسلام کے نام پر شیعہ طلبہ کے لئے جو کلمہ لکھا گیا اس کی عبارت حسب ذیل ہے:- کلمہ اسلام کے اقرار و ایمان کے عہد کا نام ہے۔ کلمہ

پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ کلمہ میں توحید و رسالت ماننے کا اقرار و امامت کے عقیدے کا اظہار ہے الخ (ص ۳۵) اس کے بعد کلمہ کے الفاظ یہ لکھے ہیں :۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِیْفَتُهٗ بِلَا فصل : کلمہ کی مذکورہ تشریح دو مستند شیعہ علماء نے لکھی تھی (۱) مولوی محمد بشیر صاحب آف ٹیکسلا (راولپنڈی) (۲) مولوی مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی کلمہ کی مندرجہ تشریح کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص خلیفہ بلا فصل والا یہ سارا کلمہ نہیں مانتا وہ نہ مومن ہے نہ مسلم جس کی بنا پر العیاذ باللہ ساری امت غیر مومن اور غیر مسلم قرار پاتی ہے (سوائے قلیل شیعوں کے)۔ لہٰذا خدام اہل سنت کی طرف سے ایک پمفلٹ بنام "پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کی ایک خطرناک سازش" لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا گیا۔

(۳) شیعہ کلمہ کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ جب لاہور کے بعض سنی علماء نے اس کلمہ کے خلاف ہائی کورٹ میں رٹ دائر کی تو حکومت کی طرف سے محکمہ تعلیم نے رہنمائے اساتذہ کے دوسرے ایڈیشن میں ترمیم کر دی اور شیعہ طلباء کے لئے بعنوان کلمہ طیبہ یہ عبارت درج کر دی گئی :۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے کافر مسلمان ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں مانتے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بعد علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل سے شیعہ توحید و رسالت کے علاوہ امامت کا اقرار اور شیعیت کا اظہار کرتے ہیں"۔ ہائی کورٹ میں شیعہ وکلاء نے اتنی ترمیم بھی از روئے تقیہ تسلیم کی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی صرف یہ تسلیم کیا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ اقرار نہیں کیا کہ اس

سے کافر مومن ہوجاتا ہے۔ کیونکہ شیعوں کے نزدیک توحید و رسالت کا اقرار کرنے سے کوئی شخص مسلمان تو ہوجاتا ہے لیکن مومن نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک مومن ہونے کے لئے کلمہ میں حضرت علیؓ کے لئے خلیفۂ بلافصل کا اقرار لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ امت مسلمہ کے اجماعی کلمہ میں بطور شیعہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۂ بلافصل کا اظہار و اقرار کیوں ضروری قرار دیتے۔ ان کے عقیدہ کلمۂ اسلام کیلئے حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:

(۴) جدید مستند شیعہ نماز (مؤلفہ مولوی زوار الحسین ہمدانی فاضل عراق) صـ۲ پر کلمہ طیبہ کے تحت لکھا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، علیٌّ ولیُّ اللّٰہ وصیُّ رسول اللّٰہ وخلیفتہٗ بلا فصل (حالانکہ ہائی کورٹ میں شیعہ وکلاء نے کلمہ طیبہ صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تسلیم کیا ہے)

(۵) دینیات کی پہلی کتاب (مؤلفہ شیعہ مفسر قرآن مولوی فرمان علی) صـ۱ پر بعنوان کلمہ یہ لکھا ہے:-

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علیٌّ ولیُّ اللّٰہ و وصی رسول اللّٰہ وخلیفتہٗ بلا فصل۔

(۶) دینیات کی پہلی کتاب (مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری لاہور) صـ۱۴ پر لکھا ہے سبق چوتھا۔ اسلام کا کلمہ یہ ہے۔ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد اس کا رسول ہے۔ علی اس کا ولی ہے۔ کہو بچو۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علیٌّ ولیُّ اللّٰہ وصی رسول اللّٰہ وخلیفتہٗ بلا فصل۔ اس کلمہ پر ایمان رکھو۔ اس میں واضح طور پر مندرجہ کلمہ کو اسلام کا کلمہ لکھا ہے اور آخر میں اس میں ایمان رکھنے کی تاکید کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ نہ مانے وہ مسلمان نہیں۔ یہ کتاب سنہ ۱۹۲۷ء کی شائع شدہ ہے۔ جس پر شیعہ مجتہد مولوی علی حائری لاہوری اور شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری ثم لاہوری کی تقریظیں درج ہیں۔ علاوہ ازیں

اس کتاب کے صفحہ ۱۶ پر اصول دین کے تحت لکھا ہے :۔ دین کی جڑیں پانچ ہیں ۔ اوّل توحید یعنی اللہ ایک ہے ۔ دوسری عدل ۔ اللہ عادل ہے ۔ تیسری نبوّت محمد اس کا نبی ہے ۔ چوتھی امامت ۔ امام بارہ ہیں ۔ نبی کے بعد ان کا مرتبہ افضل ہے اور پانچویں قیامت ۔ جو خدا کو وحدہ لاشریک اور عادل نہ جانے ۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی نہ سمجھے ۔ بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہو اور قیامت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو وہ کافر ہے مسلمان نہیں " اس میں واضح طور پر عقیدہ امامت کو توحید و نبوّت کی طرح اصول دین میں شمار کر کے بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہونے والے کو کافر قرار دیا گیا ہے ۔ اور شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ دراصل یہی ہے ۔ لیکن شیعوں نے جو کلمہ اسلام وایمان وضع کیا ہے ۔ اس کے متعلق وہ اپنی مستند کتب حدیث میں بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اپنے تیئس سالہ دور رسالت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو اسلام میں داخل کرتے وقت یہ کلمہ پڑھایا ہے ۔ یا حضرت علی المرتضیٰ نے ہی اس کلمہ اسلام کی تعلیم دی ہے یا آپ نے خود یہ کلمہ پڑھا ہے ۔ بلکہ امام جعفر صادق کی حسب ذیل روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان واسلام کے اقرار کے لئے صرف توحید ورسالت کی شہادت ہی کافی ہے :۔

وقال الصادق علیہ السلام ۔ ما من احدٍ یحضرہ الموت الا وکل بہ ابلیس من شیاطیتہ من یامرہ بالکفر ویشککہ فی دینہ حتیٰ یخرج نفسہ ۔ فاذا حضرتم موتاکم فلقنوھم شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ حتیٰ یموتوا (کتاب من لا یحضرہ الفقیہ جلد اوّل مطبوعہ طہران مؤلفہ ابن بابویہ قمی المعروف بہ شیخ صدوق) :۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ابلیس اپنے شیطانوں میں سے کسی کو اس پر مسلط کر دیتا ہے تاکہ

باب غسل المیت صہ ۳۲ تختی کلاں مطبوعہ ۱۳۷۶ھ شیر محمد علوی غفرلہ

وہ اس کو کفر کا حکم دے اور اس کے دین میں شک ڈالے۔ حتیٰ کہ اس کی جان اسی حالتِ کفر میں نکلے۔ اس لئے جب تم اپنے مرنے والوں کے پاس جاؤ تو تم اس کو لاالٰہ اِلّا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینے کی تلقین کرو تا کہ انہی دونو شہادتوں پر اُن کی موت آئے۔" اگر امام جعفر صادق کے نزدیک ایمان کے لئے حضرت علی کی خلافت بلافصل اور باقی اماموں کی امامت کی شہادت بھی لازمی ہوتی تو آپ مرنے والوں کی تلقین میں اُس تیسری شہادت کا بھی حکم دیتے۔

اذانِ شیعہ شیعہ اذان میں بھی توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اشہد ان علیاً ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفۃ بلافصل کہتے ہیں حالانکہ ان کی کتب حدیث سے اس کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ امام جعفر صادق سے جو اذان منقول ہے وہ وہی ہے جو سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کے ہاں رائج ہے جس میں صرف توحید و رسالت کی شہادت دی جاتی ہے۔ اس میں صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ بھی ہیں۔ البتہ اس میں یہ بھی لکھدیا ہے ولا باس ان یقال فی صلوٰۃ الغداۃ علی اثر حی علی خیر العمل۔ الصلوٰۃ خیر من النوم مرتین للتقیۃ (من لا یحضرہ الفقیہ جلد اوّل ص ۲۹۱ مطبوعہ طہران ۱۳۹۲ھ) (اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ صبح کی اذان میں حیّ علی خیر العمل کے بعد از روئے تقیہ دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہہ لے)

امام جعفر صادق کی اذان نقل کرنے کے بعد ابن بابویہ قمی (یعنی شیخ صدوق) لکھتے ہیں:۔ ھٰذا ھو الاذان الصحیح لا یزاد فیہ ولا ینقص منہ والمفوّضۃ لعنھم اللہ قد وضعوا اخباراً وزادوا فی الاذان محمد وآل محمد خیر البریۃ مرتین وفی بعض روایاتھم بعد اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ اشھد ان علیاً ولی اللہ مرتین ومنھم من روی بدل ذلک اشھد ان علیاً

امیرالمومنین حقاً مرتین ۔ ولا شک فی ان علیاً ولی اللہ وانہ امیرالمومنین
حقاً وان محمداً وآلہ خیر البریۃ ولکن ذلک لیس فی اصل الاذان ۔ (ترجمہ)
یہی وہ صحیح اذان ہے جس میں کمی و بیشی نہیں کی جا سکتی اور شیعہ مفوضہ نے اذان پر اللہ
کی لعنت ہو اپنی طرف سے روایات وضع کر لی ہیں اور اذان میں یہ الفاظ زائد کئے
ہیں محمد وآل محمد خیر البریۃ اور ان کی بعض روایات میں اشہد ان محمداً
رسول اللہ کے بعد اشہد ان علیاً ولی اللہ دو مرتبہ پڑھنا لکھا ہے۔ اور ان میں سے
بعض نے بجائے اس کے اشہد ان علیاً امیرالمومنین حقاً دو مرتبہ پڑھنے
کی روایت وضع کی ہے ۔ اور بے شک حضرت علیؓ اللہ کے ولی اور امیرالمومنین
حق ہیں اور حضرت محمدؐ اور آپ کی آل خیر البریہ ہے لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں
میں نہیں پائے جاتے۔" اور جب اذان میں اشہد ان علیاً ولی اللہ وغیرہ کا
اضافہ ناجائز ہے تو کلمہ اسلام میں بطریق اولیٰ ناجائز ہو گا ۔ اور یہ بھی عجیب بات
ہے کہ پاکستان کے تمام اثنا عشری شیعہ اذان میں نہ صرف اشہد ان علیاً ولی
اللہ کا اضافہ کرتے ہیں بلکہ اس کے بعد وصی رسول اللہ وخلیفہ بلا فصل وغیرہ
کے الفاظ بھی کہتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرقہ مفوضہ کے
پیروکار ہیں جن کے لئے ابن بابویہ قمی لعنہم اللہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

فرقہ مفوضہ

فرقہ مفوضہ کے متعلق شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو لکھتے ہیں :-
کچھ ایسے نادان دعویداران محبت بھی تھے جن کے اندر آثار
غلو موجود تھے اور ائمہ اطہار کو خدا کہنے کا جذبہ چٹکیاں لے رہا تھا ۔ مگر کچھ ائمہ طاہرین
کی منع اکید اور لعن شدید اور کچھ ظاہری شریعت کی حدود کا پاس ولحاظ مانع تھا،
اس لئے کھلم کھلا طور پر تو ائمہ کی الوہیت کا ادعا نہ کیا مگر در پردہ ائمہ کے حق
میں اکثر اوصاف ربوبی کے قائل ہو گئے اور یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ اختراع کر لیا

کہ خداوند عالم نے سرکار محمد و علی علیہم السلام کو خلق فرما کر باقی تمام عالم کی تخلیق، مارنے اور جلانے، رزق دینے نہ دینے اور بارش برسانے یا نہ برسانے غرضیکہ تمام عالم کے نظام کو برقرار رکھنے اور تدبیر عالم کا اہتمام کرنے کا معاملہ انہی بزرگوار ان کے سپرد کر دیا ہے۔ سابقہ عقیدہ فاسدہ کو غلو اور اس نظریہ کاسدہ کو اصطلاح شریعت میں تفویض کہا جاتا ہے جس کے لغوی معنی سپرد کرنا ہیں۔ جو درحقیقت غلو ہی کا ایک شعبہ ہے اور اس میں عقیدہ کے شرعی مفاسد و مضار عقیدہ غلو سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اس عقیدے کے لوگ بھی ائمہ معصومین کے زمانہ میں بکثرت موجود تھے اس لئے ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین نے بڑے تشدد کے ساتھ اس نظریہ فاسدہ کو رد فرمایا ہے۔ الخ (احسن الفوائد فی شرح العقائد ص ۴۲۴ طبع اول)

مجتہد ڈھکو صاحب نے فرقہ مفوضہ کے جو عقائد لکھے ہیں عموماً پاکستان کے شیعہ کم و بیش یہی عقائد رکھتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے یا علی مدد کا ورد انہیں عقائد کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور خود ڈھکو صاحب بھی نعرہ حیدری، یا علی مدد کی گونج میں ہی تقریریں کرتے ہیں۔

یا اللہ مدد خدام اہل سنت خصوصی طور پر یا اللہ مدد کا نشان توحید پھیلا رہے ہیں۔ قریباً ہر کتاب ہر اشتہار وغیرہ پر یا اللہ مدد لکھا جاتا ہے[1] اور خدام اہل سنت کو حق تعالیٰ نے ان تین نشانات کے پھیلانے کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے جن کے ذریعہ اصول دین کا تحفظ مقصود ہے۔

(۱) یا اللہ مدد (۲) اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
(۳) خلافت راشدہ۔ حق چار یار رضی اللہ عنہم

[1] بلکہ بسوں، ویگنوں، سوزوکیوں اور سکوٹروں اور دیواروں پر بھی یہ تینوں اسلامی سنی نشانات جلوے دکھا رہے ہیں اور خدام کے پرچم کو بھی انہی نشانات سے مزین کیا گیا ہے اور بیجوں پر بھی انہی نشانات کا ظہور ہے۔ اللھم زد فزد

اہل السنّت والجماعت کی حقانیت

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (متوفی ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں:

اما دلیلے کہ پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا بر تمیز فرقہ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنست۔ الّذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی۔ یعنی آں فرقہ واحدہ ناجیہ آنا نند کہ ایشاں بطریقے اند کہ من برآں طریقم واصحاب من برآں طریق اند۔ وذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیہ دریں موطن برائے آں تواند بود کہ تا بدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشاں است وبس۔ وشک نیست کہ فرقہ کہ ملتزم اتباع اصحاب آں سرور صلی اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اہل سنت وجماعت اند شکر اللہ تعالیٰ سعیہم فہم الفرقۃ الناجیۃ۔ چہ طاعنان اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات خود از اتباع ایشاں محروم اند۔ وطعن کردن در اصحاب فی الحقیقت طعن کردہ است بہ پیغمبر خدا جل شانہٗ الخ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب نمبر ۸۰ صـ۱۰۲ طبع قدیم)

ترجمہ:۔ متعدد فرقوں میں سے ناجی فرقہ کی تمیز کے لئے جو دلیل حضور پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے وہ الّذین ھم ما انا علیہ واصحابی ہے یعنی ناجی فرقہ وہ لوگ ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر چلنے والے ہیں۔ اور اس مقام پہ باوجودیکہ خود صاحب شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کافی تھا صحابہ کرام (کی اتباع) کا ذکر اس لئے فرمایا تاکہ لوگ جان لیں کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے اصحاب کا ہے اور راہ نجات صرف ان کے طریقے کی پیروی سے وابستہ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی پیروی کو لازم پکڑنے والے اہل سنت وجماعت ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششیں قبول فرمائیں۔ پس اہل سنت ہی نجات پانے والا فرقہ ہے۔ کیونکہ

اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ طعن کرتے ہیں وہ ان کی پیروی سے محروم ہیں۔ اور اصحاب پر طعن کرنا در اصل خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنا ہے۔"

سُنّی، رافضی اور خارجی کا فرق

حضرت مجدد تحریر فرماتے ہیں :۔ عدم محبت اہل بیت خروج است و تبری از اصحاب رفض و محبت اہل بیت با تعظیم و توقیر جمیع اصحاب کرام تسنّن۔" (مکتوبات جلد دوم مکتوب ۳۶ ۔) اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خارجیت ہے اور اصحاب سے بیزاری اور مخالفت رفض و شیعیت اور محبت اہل بیت با وجود تعظیم و توقیر جمیع اصحاب سنیت ہے۔"

(ب) نیز فرماتے ہیں :۔ پس محبت حضرت امیر شرط تسنّن آمد و آنکہ ایں محبت ندارد از اہل سنت خارج گشت و خارجی نام یافت۔" (مکتوبات جلد دوم مکتوب ۳۶) "اہل سنت ہونے کے لئے حضرت امیر یعنی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت شرط ہے جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اہل سنّت سے خارج ہو گیا اور خارجی نام پایا۔"

حضرت مجدد اعظم نے اہل سنت کی کتنی جامع تعریف فرمائی ہے کہ اس سے غیر اہل السنت والجماعت خارج ہو جاتے ہیں خواہ وہ رافضی ہوں یا خارجی وغیرہ۔

دورِ حاضر کا خارجی فتنہ

دورِ حاضر میں محمود احمد صاحب عباسی نے اپنی تصانیف (۱) خلافت معاویہؓ و یزید (۲) تحقیقِ مزید وغیرہ کے ذریعہ تاریخی ریسرچ کے نام پر اہل السنّت والجماعت میں خارجیت کے جراثیم پھیلائے ہیں۔ اور جس طرح روافض نے یزید کی شخصیت کی آڑ میں حضرت معاویہؓ اور حضرات خلفائے ثلثہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کو طعن و تشنیع اور تفسیق و تکفیر کا نشانہ بنا کر اصول دین کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح موجودہ خوارج نے بھی حضرت علی المرتضیٰ۔ حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرا وغیرہم

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظیم دینی شخصیتوں کو مجروح کرنے کے لئے یزید کی شخصیت کو صالح و عادل، عابد و زاہد بلکہ خلیفہ راشد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دونوں طریق کار سبائی تحریک کے ہیں مقصد دونوں کا ایک ہی ہے کہ وقتی اور ہنگامی طور پر مشاجرات و محاربات صحابہ کے گزشتہ واقعات پیش کرکے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جنتی جماعت صحابہ کو دو مستقل دشمن دھڑوں میں تقسیم کرکے قرآن و سنت کے فیوضات و ثمرات کے انکار کے لئے راستہ کھولا جائے۔

اور ستم ظریفی یہ ہے کہ دور حاضر کے خوارج و نواصب اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت اور اپنے امام محمود احمد عباسی کو امام اہل سنت قرار دیتے ہیں چنانچہ مولوی عظیم الدین تلمیذ عباسی نے لکھا ہے "شیخ الاسلام امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ (حیات سیدنا یزید ص۱۴۶) یہ گروہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت راشدہ کا منکر اور یزید کی خلافت راشدہ کا قائل ہے چنانچہ کتاب حیات یزید کی نظم کا پہلا شعر ہی یہ ہے ؂

ہر آن رہبر تھی ہدایت یزید کی … کیوں راشدہ نہ ہوگی خلافت یزید کی

حالانکہ اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور جمہور اہل سنت اس امر پر بھی متفق ہیں کہ یزید فاسق تھا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی فرماتے ہیں "فاسق بیشک تھا" (فتاوی رشیدیہ) اور مجاہد اعظم امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہائی کورٹ لاہور میں بیان دیتے ہوئے یہاں تک فرما دیا تھا کہ "کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا" (ملاحظہ ہو مقدمات امیر شریعت ص۲۵۷ ناشر مکتبہ احرار اسلام ملتان)

امام اہل سنت اور یزید یزید کے بارے میں امام اہل سنت کا وہی مسلک ہے

جو جمہور اہل السنت والجماعت کا ہے چنانچہ (۱) تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان مؤلفہ حافظ ابن حجر مکی ہیتمی متوفی ۹۹۰ھ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

محبت پدری کے باعث حضرت معاویہؓ کو یزید کے خبث باطن معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ اس کو صالح متدین سمجھتے رہے۔

(۲) نیز فرماتے ہیں:۔ حضرت علیؓ کے فرزند حضرت حسینؓ کا واقعہ کربلا سبق لینے کے لئے کافی ہے کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی الخ (ایوالانہ صفحہ ۲۲)

" فسق یزید" کی مفصل بحث راقم سطور کی کتاب "خارجی فتنہ" حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں یزید کے متعلق اس مختصر تبصرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اہل السنّت والجماعت کی اصطلاح

معنوی لحاظ سے تو اہل السنت والجماعت کی اصطلاح رسول کریم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ ارشاد ما انا علیہ و اصحابی سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ مسلمان جو اللہ کے دین اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت صحابہ کے واسطہ سے حاصل کرنے والے ہیں اور یہی راہ جنت اور یہی راہ نجات ہے۔ مگر علاوہ ازیں یہ اصطلاح دور صحابہ بلکہ دور رسالت میں بھی مستعمل ہے چنانچہ (۱) سورۃ آل عمران کی آیت یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ کے کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یعنی یوم القیمۃ حین تبیض وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ۔ یعنی قیامت کا دن کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر تفسیر مظہری، تفسیر درمنثور)

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم باب المسح علی الخفین ص۲۷ میں ہے۔ حتی سئل انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن علامات اھل السنۃ والجماعۃ فقال ان تحب

الشیخین ولا تطعن الختنین وتمسح علی الخفین" حتیٰ کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اہل السنت والجماعت کی علامات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ و حضرت عمر فاروق رضؓ) سے محبت کرے اور ختنین (حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضؓ) پر طعن نہ کرے اور موزوں پر مسح کرے۔

(۳) شیعہ مذہب کی مستند کتاب احتجاج طبرسی میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن بصرہ میں خطاب کر رہے تھے تو ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اہل الجماعۃ اہل الفرقۃ۔ اہل سنت اور اہل البدعۃ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا۔ اما اھل الجماعۃ فانا ومن اتبعنی وان قلوا۔ وذلك الحق عن امر اللہ عزوجل وعن امر رسولہ واھل الفرقۃ المخالفون لی ومن اتبعنی وان کثروا واما اھل السنۃ فالمتمسکون بما سنہ اللہ ورسولہ وان قلوا۔ واما اھل البدعۃ فالمخالفون لامر اللہ ولکتابہ ولرسولہ العاملون برأیھم واھوا ھم وان کثروا۔ (جلد اوّل مطبع نجف اشرف ص۲۴۶) اہل الجماعۃ میں ہوں اور میری پیروی کرنے والے اگرچہ وہ تھوڑے ہوں اور یہ حق ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے امر سے۔ اور اہل الفرقۃ وہ لوگ ہیں جو میرے اور میرے پیروکاروں کے مخالف ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔ اور اہل سنت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت (طریقے) کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہیں۔ اور اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ کے حکم، اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں اور جو اپنی آراء اور خواہشات پر عمل کرنے والے ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔

(۴) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں مخالفین سے جو خطاب کیا

ہے اس میں یہ بھی فرمایا کہ :- انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی ولاخی انتما سیدا شباب اہل الجنۃ وقرۃ عین اہل السنۃ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم ص۶۲ مطبوعہ بیروت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی (حضرت حسنؓ) کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہو۔ اور اہل سنت کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو"

(۵) علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ (متوفی ۵۴۸ھ) نے یہ روایت نقل کی ہے :-
واخبر النبی علیہ السلام ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ الناجیۃ منہا واحدۃ والباقون ھلکی قیل ومن الناجیۃ قال اہل السنۃ والجماعۃ قیل ومن اہل السنۃ والجماعۃ قال ما انا علیہ الیوم واصحابی (الملل والنحل جلد اول) اور نبی کریم صلی اللہ نے خبر دی ہے کہ عنقریب میری امت میں ۷۳ فرقے بنیں گے کہ ان میں سے ناجی ایک ہی ہوگا اور باقی سب ہلاک ہوں گے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ناجی فرقہ کون ہوگا تو ارشاد فرمایا۔ اہل سنت والجماعت۔ پھر دریافت کیا گیا کہ اہل السنت والجماعت کون ہیں تو فرمایا۔ جو لوگ اس طریقہ پر ہونگے جس پر آج ہیں اور میرے اصحاب ہیں)

(۶) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۰۵ھ) نے صحابہ کرام کے فرقہ ناجیہ ہونے کی دلیل میں حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔ فانہ علیہ السلام لما قال الناجی منہا واحدۃ قالوا یا رسول اللہ ومن ھم قال اھل السنۃ والجماعۃ فقیل ومن اھل السنۃ والجماعۃ قال ما انا علیہ واصحابی (احیاء العلوم جلد سوم باب حقیقۃ الدین فی نفسہا ص۱۹۹) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ ان میں سے ناجی فرقہ ایک ہوگا۔ تو صحابہ نے عرض کیا اور وہ کون لوگ ہوں گے تو فرمایا اہل سنت والجماعت۔ پھر عرض کیا گیا کہ

اہل السنت والجماعت کون ہیں تو فرمایا وہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوں گے۔"

مذکورہ احادیث و آثار کی بنا پر ہی فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نام اہل السنت والجماعت رہا ہے۔ مفسرین۔ محدثین اور متکلمین حضرات نے یہی اصطلاح استعمال فرمائی ہے اور بلا شبہ سنتِ رسول اور سنتِ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی مابعد کی امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ تک اللہ کا دین حق پہنچا ہے اور پہنچ سکتا ہے۔ اصولی طور پر مذہب اہل السنت والجماعت کی تبلیغ و نصرت عین دین اسلام کی تبلیغ و نصرت ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چونکہ روافض اور خوارج وغیرہ نے افراط و تفریط سے کام لے کر راہ نجات کو ترک کر دیا ہے۔ اس لئے ان فرق باطلہ کا رد اور حضرات صحابہ کرام اور خلفائے راشدین، حضرات اہل بیت اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمتوں کا دفاع بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ایک شعبہ ہے اور دور حاضر میں حضرات اکابر کے بعد اس شعبہ کی خصوصی خدمت، خلوص و تقویٰ اور ہمت و استقامت سے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کا امام اہل سنت ہونا محتاجِ دلیل نہیں ہے۔ ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

امام اہلسنت کے مناظرے

(۱) مناظرہ پنجاب موسوم باسم تاریخی رد اثنا عشری۔ یہ مناظرہ بمقام چکوال ضلع جہلم ۱۸ اپریل ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) کو مسئلہ خلافت کے موضوع پر شیعی مناظر مولوی محمد سجاد لکھنوی سے ہوا۔ اس مناظرہ میں بندہ کے والد ماجد رئیس المناظرین حضرت مولانا کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مصنف آفتاب ہدایت وغیرہ) بھی

موجود تھے۔ اس مناظرہ کی روئیداد جناب قاضی غلام ربانی صاحب مرحوم و مغفور سیکرٹری انجمن اشاعت العلوم چکوال کی طرف سے شائع کی گئی تھی (۲) مباحثہ میکریاں ضلع ہوشیارپور (پنجاب) (۳) کشف حقیقت مذہب شیعہ۔ یہ مناظرہ شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری سے شعبان ۱۳۴۹ھ میں ہوا تھا۔ (۳) مناظرہ منٹگمری (پنجاب) یہ مناظرہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۳۰ء کو مرزا احمد علی امرتسری سے ہوا (۴) مناظرہ امروہہ بتاریخ ۲ر دسمبر ۱۹۲۰ء شیعہ مناظر مولوی سبط حسن صاحب سے ہوا (۵) مناظرہ بمبئی ۱۳۳۶ھ میں شیعہ مناظر ملا باقر صاحب سے مسئلہ خلافت پر ہوا۔

النجم کی بعض فائلوں میں ان مناظرات کی روئیداد ملتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی اور مناظرات تقریری و تحریری ہوتے ہیں اور ہر مناظرہ میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کو نصرت خداوندی سے واضح کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

امام اہل سنت کی تصانیف

(۱) ترجمہ قرآن۔ (۲) سیرت خلفائے راشدین (۳) شرح حدیث ثقلین (۴) علم الفقہ (۵) ترجمہ ازالۃ الخلفاء جلد اوّل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۶) ترجمہ اسد الغابہ مؤلفہ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (۹ جلدیں) (۷) ترجمہ شمائل ترمذی (۸) ترجمہ چہل حدیث از امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۹) قاتلان حسین کی خانہ تلاشی (۱۰) کشف اللخافہ لاظہار ما فی النبوۃ والخلافۃ[1] مؤلفہ مولوی نجم الحسن مجتہد لکھنوی (۱۱) ترجمہ رسالہ انصاف مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۲) مجموعہ تفسیر آیات قرآنی (۱۳) مجموعہ مسائل مابین تقیہ وغیرہ جس میں امام اہل سنت نے دو سو شیعہ مسائل پر تبصرہ کیا ہے (۱۴) تنبیہ الحائرین لبحث تحریف القرآن (۱۵) تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان مؤلفہ حافظ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۶) نفحہ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ (۱۷) ترجمہ فقہ اکبر

---

[1] اب اسی کو "تحفہ خلافت" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ علوی

(۱۸) کتاب الصلوٰۃ (۱۹) سیرت خیر البریہ (۲۰) سیرت الحبیب الشفیع (۲۱) موسویہ (۲۲) خطبہ شوقیہ (۲۳) ہدایت اہل امریکہ (۲۴) القول الحکم (۲۵) آیات محکمات (فارسی) (۲۶) تحریک کی خانہ ساز حقیقت کا جواب (۲۷) ابوالائمہ کی تعلیم (۲۸) تحقیق آل و اہل بیت (۲۹) نصرت غیبیہ (۳۰) ترجمہ تاریخ طبری (۳۱) قاطع اللسان (۳۲) کتاب الفتاوی (۳۳) مقدمہ جامع

علاوہ ازیں النجم میں مختلف اہم موضوعات پر امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے مدلل مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں جن میں سُنی حقائق و معارف کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ خداوند عالم امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی قدس سرہٗ کی خدمات قبول فرمائے۔ اور جنت الفردوس نصیب ہو۔ آمین بجاہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

خادم اہل سنت (قاضی) مظہر حسین غفرلہٗ
مہتمم مدرسہ اظہار الاسلام مدنی جامع مسجد چکوال
امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان،
۱۳، رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ
مطابق ۲۵ جون ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تفسیر آیاتِ خلافت

از امام اہل سنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحؒ

حامدًا و مصلیًا

امابعد:۔ آج کل فتنہ مخالفین صحابہؓ بہت آشکارا ہوگیا ہے۔ اور باوجودیکہ یہ مذہب اس قابل نہیں کہ پردہ سے باہر لایا جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی معتبر کتابوں میں مذہب کے چھپانے کی بڑی تاکید اور مذہبی بحث کی سخت ممانعت ہے۔ لیکن آج مخالفین نے اپنے آئمہ کی تمام ہدایات کو پس پشت ڈال کر بھولے بھالے مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ سے بدظن کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردی ہے۔

صوبہ پنجاب سے ہر ہفتہ میں کسی نہ کسی مناظرہ کی خبر آتی رہتی ہے اور ایسے خطوط تو غالباً روزانہ آتے ہیں۔ کہ فلاں مخالف نے ہم سے یہ سوالات کئے

ہیں۔ یا فلاں مقام کے لوگوں کو یہ کہہ کر بہکایا ہے۔

پنجاب کے بعض مقامات کا خود راقم الحروف نے معائنہ بھی کیا۔ درحقیقت ناواقفوں کے بہکانے میں ایسے پرزور مکائد سے کام لیا جا رہا ہے۔ کہ خدا ہی بچائے تو جاہل بیوقوف بچ سکتے ہیں۔ پنجاب کے علاوہ جہاں کہیں بھی مخالفین صحابہؓ نہیں باقاعدہ ان کی انجمنیں ہیں۔ ان کا مشن قائم ہے اور یہی کام کر رہے ہیں۔ اور ان سب پرطرہ یہ کہ ہمارے برادران اہل سُنت و جماعت اب بھی ادھر متوجہ نہیں۔ اور اگر کوئی توجہ کرے۔ تو اس کو آپس کی لڑائی کہہ کر روک دیتے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر ضروری معلوم ہؤا کہ تمام اہم اختلافی مسائل کا قطعی فیصلہ کن بیان کر دیا جائے۔ سب سے پہلا اور فی الواقع بنیا دونوں فریقین کے اختلاف کی مسئلہ ایمان بالقرآن ہے۔ تو اس کا بحمداللہ قطعی فیصلہ ہو چکا۔ اور روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ فریق مخالف کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ محض اپنے کو اسلامی فرقوں میں شامل کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو بہکانے کے لیے جھوٹ موٹ برائے نام ازراہ تقیہ ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مناسب تو یہی تھا اور ہے کہ مخالفین کو کسی اور مسئلے میں گفتگو کا موقع نہ دیا جائے۔ اور جب وہ بحث مباحثہ کی خواہش کریں۔ تو ان سے یہی کہا جائے کہ جب تمہارا ایمان قرآن شریف پر نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ختم نبوت پر نہیں۔ تو اسلامی مسائل میں بحث کرنے کا تم کو تو کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن مخالفین اس مسئلہ پر بحث کرنے سے سخت گریز کرتے ہیں۔ اور ہمارے ناواقف بھائی دوسرے مسائل میں ان سے بحث کرنے لگتے ہیں۔ اس لیئے اب مسئلہ امامت و خلافت کے فیصلہ کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ امید ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالےٰ اس مسئلہ کی بھی پوری تنقیح ہو جائے گی۔ تو بہت مفید ہو گی۔ جیسا کہ مسئلہ ایمان بالقرآن میں آج ہمارا ایک معمولی لکھا پڑھا آدمی جس نے "النجم" کی تحقیقات پڑھی ہوں۔ بڑے سے بڑے مجتہد سے بحث کر سکتا ہے اس طرح انشاء اللہ مسئلہ

امامت وخلافت میں بھی لوگ تیار ہو جائیں گے اور ان کے بڑے بڑے مجتہدین بھی اس مسئلہ میں بحث کرکے سوا فاش شکست اور مغلوبیت کے کوئی نتیجہ نہ پائیں گے۔

اس بحث کو ہم تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ حصۂ اوّل میں آیات قرآنیہ کی بحث ہوگی۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اوّل میں ان آیات کی تفسیر ہوگی۔ جن سے اہلسنت حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت ثابت کرتے ہیں۔ اور قسم دوم میں ان آیات کی تفسیر ہوگی جن سے مخالفین حضرات نے خلافت بلا فصل ثابت کرنے کی لاحاصل تکلیف اٹھائی ہے ہر آیت کی تفسیر کے لئے ایک ایک مستقل رسالہ ہوگا۔

حصۂ دوم میں احادیث مستدلہ فریقین کی بحث ہوگی۔ اور اس سلسلہ میں انشاء اللہ تعالیٰ مخالفین کی پیش کردہ حدیث غدیر حدیث ثقلین حدیث منزلت وغیرہ کی ایسی عمدہ شرح ہو جائے گی کہ لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

حصۂ سوم میں طرفین کے عقلی دلائل اور ان کے صحت و سقم کا بیان ہوگا۔ چونکہ مقصد اصلی تفسیر آیات قرآنیہ ہے۔ لہذا اس کو سب پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اور پہلے ایک مقدمہ لکھا جاتا ہے۔ جس میں مفید اور بصیرت افروز ضروری امور کا بیان ہے۔ چنانچہ یہ رسالہ بطور مقدمہ ہی کے ہے اور اس میں حسب ذیل مضامین ہیں۔

(۱) یہ مذہب کب سے ایجاد ہوا اور اس کی بنیاد کس نے ڈالی۔
(۲) مسئلہ امامت میں اختلاف کی تنقیح۔
(۳) قرآن شریف کے حجت قطعی ہونے کا اور تفسیر بالرائے کا مطلب۔
(۴) روایت حدیث کا شریعت وعقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے۔
(۵) ہمارے سلسلہ تفسیر کے التزامات۔

---

(۱) خدائے علیم و حکیم نے جب اپنے دین کو کامل کرنا چاہا۔ اور سلسلہ نبوت ورسالت کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس دورِ آخر میں بہترین انبیاء جناب محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ اور آپؐ کو بنی نوع انسانی کا معلم و مزکی بنایا۔ آپ نے
بحکم خدا اپنے منصب کا کام شروع کیا۔ مخلوق الہٰی کا آپ کے گرد ہجوم ہوا۔ آپؐ
نے ان کو دین کی تعلیم دی۔ عقائد سکھلائے اعمال بتلائے۔ چاہ ضلالت سے نکال
کر شاہراہ ہدایت پر لگا دیا۔ دین الہٰی کامل ہو گیا۔ اور تیئیس برس کی مدت میں آپؐ
نے تمام فرائض رسالت کو ادا کر کے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت کی۔ جس وقت آپ
دنیا سے تشریف لے گئے تو لاکھوں شاگرد آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
موجود تھے اور اس جماعت میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ عقائد سب کے ایک سے تھے
اعمال میں اگرچہ بمقتضائے فہم و رائے کچھ معمولی فرق تھا۔ مگر وہ فرق نزاع کی صورت
میں نہ تھا۔

تمام قرن صحابہؓ اسی اتحاد و یک جہتی میں گزرا۔ اس زمانہ کی تاریخ اور جزئی جزئی
واقعات دیکھنے سے ہر شخص بہ آسانی معلوم کر سکتا ہے۔ کہ مذہب اہل سنت
وجماعت کی تمام باتیں اس وقت بلا کم و بیشی موجود تھیں۔ اور اس کے خلاف
کسی بات کا اس وقت نام و نشان نہ تھا۔ نہ اس وقت کوئی معتزلی تھا۔ نہ مرجی
نہ کوئی قادری تھا۔ نہ جبری نہ رافضی تھا۔ نہ خارجی ؎

لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا — نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

مسئلہ امامت جو مخالفین کی سنگ بنیاد ہے۔ اس وقت کسی کے خیال
میں بھی نہ تھا۔ اور دوسرے مسائل کا کیا ذکر۔

اس بات کا مخالفین بھی اقرار کرتے ہیں کہ قرن صحابہؓ میں صرف پانچ آدمی اس
عقیدہ کے تھے۔ جو مخالفین کا ہے۔ اسی وجہ سے سب مخالفین اس بات پر متفق ہیں
کہ تمام صحابہؓ سوا ان پانچ کے مرتد تھے۔ نعوذ باللہ منہ۔

مخالفین یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ امامت کی
تعلیم کسی کو دی ہی نہ تھی۔ صرف حضرت علیؓ کو بطور راز کے آپ نے تعلیم فرمایا تھا
اصول کافی صفحہ ۲۷۷ میں ہے۔

قَالَ اَبُوْجَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔کہ
وِلَایَۃُ اللّٰہِ اَسَرَّھَا اِلٰی	ولایت الٰہی (یعنی مسئلہ امامت)
جِبْرِیْلَ وَ اَسَرَّھَا جِبْرِیْلُ	خدا نے جبرئیل کو راز کے طور پر بتایا
اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ	اور جبرئیلؑ نے اس کو بطور راز
عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ اَسَرَّھَا	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا۔
مُحَمَّدٌ اِلٰی عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ	اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت
وَاَسَرَّھَا عَلِیٌّ اِلٰی مَنْ	علی علیہ السلام کو بطور راز کے بتایا۔
شَآءَ ثُمَّ اَنْتُمْ تُذِیْعُوْنَ	اور حضرت علیؓ نے بطور راز کے جسکو چاہا بتایا۔
ذٰلِکَ ۔	اور اب تم اس کو مشہور کرتے ہو۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسئلہ امامت ایسا راز مخفی ہے۔کہ فرشتوں میں بھی سوا جبرئیلؑ کے کسی کو اس کی خبر نہیں۔اور صحابہؓ میں بھی سوا حضرت علیؓ کے کسی کو اس کا علم نہیں۔

اس مضمون کی حدیثیں مخالفین کی کتب میں بہت ہیں۔گو ان حدیثوں کی تصنیف محض اس مشکل کے حل کرنے کے لئے کی گئی تھی۔کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ مسئلہ امامت ایک ایسا اہم اور اشد ضروری مسئلہ اور قرن صحابہؓ میں کہیں اس کا پتہ نہیں۔تقریباً ساڑھے سات ہزار صحابی ہیں۔جن سے روائتیں حدیث کی منقول ہیں۔اتنے بڑے جم غفیر میں ایک متنفس بھی مسئلہ امامت کی روایت نہیں کرتا۔اب یہ مشکل حل ہوگئی کہ کوئی صحابی روایت کیسے کرتا۔کسی کو اس مسئلہ کی خبر ہی نہ تھی۔یہ مسئلہ تو راز مخفی تھا۔خدا تعالٰے نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوا کسی کو نہ بتایا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو پتہ نہ دیا۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کسی کو خبر نہ دی۔حتیٰ کہ جناب سیدہ وحسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بھی۔خیر مشکل تو حل ہوگئی۔مگر مذہب کی بنیاد اکھڑ گئی۔مسئلہ امامت متواتر نہ رہا۔بھلا یہ بات بھی کسی کی عقل میں آسکتی

ہے۔ کہ دین کا ایک ایسا ضروری مسئلہ کہ دین اور ایمان کی اس پر بنیاد اور وہ اس طرح مخفی ہو۔

مخالفین اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی تمام اُمت نے برضا ورغبت بیعت کی۔ صرف پانچ آدمیوں نے بغیر دلی رضامندی کے بیعت کی۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۴۸ میں ہے۔

مَامِنَ الْاُمَّةِ اَحَدٌ	اُمت میں کوئی ایسا نہیں جس نے
بَايَعَ مُكْرَهًا غَيْرُ عَلِيٍّ	حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بغیر دلی
وَّ اَرْبَعَتِنَا۔	رضامندی کے بیعت کی ہو۔ سوا

حضرت علیؓ کے اور ہمارے چار اشخاص کے۔

اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ اس وقت کے مسلمانوں کو مسئلہ امامت کا علم نہ تھا۔ ورنہ اتنی بڑی جماعت ہرگز اس باطل بیعت پر دلی رضامندی کے ساتھ متفق نہ ہوتی۔

ان تمام باتوں کا ناقابل انکار نتیجہ یہ ہے۔ کہ قرن صحابہؓ میں ان کے مذہب کا کچھ پتہ نہ تھا۔ مخالفین کا یہ کہنا کہ اس وقت پانچ بزرگوار ان کے عقیدہ کے تھے۔ یہ ایک ایسا بے دلیل دعویٰ ہے۔ جس پر وہ کوئی گواہ نہیں پیش کر سکے۔ نہ کر سکتے ہیں۔ اور ایسے راز مخفی کا گواہ کیسے مل سکتا ہے۔ بلکہ تمام تر عقلی ونقلی دلائل حتیٰ کہ خود مخالفین کی روایات اس دعویٰ کی تکذیب کر رہی ہیں۔

المختصر ایک منصف کی نظر میں یہ بات بالکل بدیہی ہے۔ کہ قرن صحابہؓ میں سوا مذہب اہل سُنت کے کوئی دوسرا مذہب نہ تھا۔ مخالفین کا کوئی حرف اس وقت تک تصنیف نہ ہوا تھا۔ قرن صحابہؓ کے آخر میں جب کہ اسلامی فتوحات کی ترقی کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اور کچھ لوگ منافقانہ اسلام کے مطیع بنے تھے۔ یہودیوں کی ایک جماعت بھی منافقانہ مسلمان ہوئی۔ یہودی اپنی مکاریوں میں ضرب المثل تھے۔ اور مذہب وملت کے تصنیف کرنے اور دینِ الٰہی کے بگاڑنے میں خاص مہارت

رکھتے تھے۔ اور دین عیسوی کے بگاڑنے میں کامیابی حاصل کرکے ان کے حوصلے اس کام میں خوب بڑھے ہوئے تھے انہیں یہودیوں میں ایک شخص عبداللہ بن سبا تھا۔ جو ان سب کا استاد تھا۔ اس نے منافقانہ اظہار اسلام کرکے طرح طرح کے مہمات مسلمانوں میں پیدا کردیئے۔ مسلمانوں میں لڑائیاں کرائیں۔ اور جاہل ناواقفوں کو عجیب عجیب مکاریوں سے بہکایا۔ کسی کو تو یہ سکھلایا کہ سب صحابہؓ واجب التعظیم ہیں مگر حضرت علیؓ کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی کو یہ تعلیم کیا کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا۔ خلفائے ثلثہؓ نے معاذ اللہ اس حق کو غصب کرلیا۔ ان پر تبرا ہونا چاہیئے۔ کسی کو یہ بتلایا کہ درحقیقت حضرت علیؓ ہی خدا ہیں۔ غرض کئی قسم کے مختلف عقائد اس نے لوگوں میں پھیلائے۔

یہی عبداللہ بن سبا ہے جس نے مسئلہ امامت تصنیف کیا۔ صحابہؓ پر تبرا بازی کی تعلیم دی۔ بالآخر یہ راز کھلا۔ اور حضرت علیؓ مرتضٰے نے اس شقی کو واصل جہنم کیا۔

آج مخالفین اس بات سے بہت گھبراتے ہیں۔ اور عبداللہ بن سبا کے نام پر ہزاروں نفرین کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہرگز وہ ہمارے مذہب کا موجد نہیں۔ لیکن یہ انکار یا توان کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ یا ناواقفوں کو دھوکا دینے کی غرض سے ورنہ ان کے علمائے سابقین دبی زبان سے اس کا اقرار کرگئے۔ رجال کشی صفحہ ۷۱ میں ہے۔

ذَکَرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ	بعض اہل علم نے بیان کیا ہے۔ کہ
اَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ سَبَا کَانَ	عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ پھر
یَهُوْدِیًّا فَاَسْلَمَ وَوَالٰی	وہ اسلام لایا۔ اور اس نے
عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ وَکَانَ	حضرت علی علیہ السلام سے محبت
یَقُوْلُ وَهُوَ عَلٰی یَهُوْدِیَّتِهٖ	کی۔ اور وہ اپنے زمانہ یہودیت
فِیْ یُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَصِیٌّ	میں حضرت یوشع بن نون وصیّ

مُوسىٰ بِالْغُلُوِّ فَقَالَ فِيْ اِسْلَامِهٖ بَعْدَ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَكَانَ اَوَّلُ مَنْ اَشْهَرَ الْقَوْلَ بِفَرْضِ اِمَامَةِ عَلِيٍّ وَّاَظْهَرَ الْبَرَآءَةَ مِنْ اَعْدَآئِهٖ وَكَاشَفَ مُخَالِفِيْهِ وَاَكْفَرَهُمْ فَمِنْ هٰهُنَا قَالَ مَنْ خَالَفَ الشِّيْعَةَ اَصْلُ التَّشَيُّعِ وَالرَّفْضِ مَاْخُوْذٌ مِّنَ الْيَهُوْدِيَّةِ

موسےٰؑ کے بارے میں غلو کیا کرتا تھا۔ پھر وہ اپنے اسلام کے زمانہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے بارہ میں ویسا ہی غلو کرنے لگا۔ یہ ابن سبا پہلا شخص ہے۔ جس نے امامت حضرت علیؓ کے فرض ہونے کو شہرت دی۔ اور ان کے دشمنوں پر تبرا کیا۔ اور ان کے مخالفوں سے کھیل کھیلا۔ اور ان کی تکفیر کی۔ اسی وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں کہتے ہیں کہ تشیع کی بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے۔

اس تحقیق سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ مخالفین کے دونوں رکن اعظم یعنی امامت حضرت علیؓ اور تبرا اسی دشمن اسلام عبداللہ بن سبا کے مشہور کئے ہوئے ہیں۔ اور وہی اس مذہب کا موجد ہے۔

رجال کشی میں عبداللہ بن سبا کے متعلق امام جعفر صادق رح سے منقول ہے کہ اس نے یہ بھی کہا کہ حضرت علیؓ نے اس کو بہت سمجھایا اور توبہ کرنے کے لئے کہا۔ اس نے نہ مانا۔ بالآخر آپ نے اس بدبخت کو آگ میں جلوا دیا۔

عبداللہ بن سبا کے واصل جہنم ہونے پر مذہب رفض دنیا سے نیست و نابود نہیں ہوا۔ بلکہ بہت سے شاگرد اس کے باقی تھے۔ جو اپنے استاد سے بھی کچھ سبقت لے گئے۔ رجال کشی میں یہ روایت بھی ہے۔ کہ امام جعفر صادق نے فرمایا

کہ جنگ جمل کے بعد ستر آدمی جناب امیر کے پاس آئے۔ جو اسی عبداللہ بن سبا
کی بولی بولتے تھے۔ اور انہوں نے بھی توبہ کرنے سے انکار کیا۔ ان سب کو بھی
حضرت علیؓ نے آگ میں جلوا دیا۔

اَللّٰہُ اَکْبَر کیسے شقی و سخت دل لوگ تھے۔ دین کو خراب کرنے کے
لئے اور لوگوں کو بہکانے کے لئے اپنے کو ان مصائب میں ڈالا۔ آگ میں جلنا
قبول کیا۔ مگر شرارت سے باز نہ آئے۔ پرائی بدشگونی کے لئے اپنی ناک کو کاٹ
ڈالنا اسی کو کہتے ہیں۔

جنگ جمل و صفین کے بعد اس مذہب نے کچھ ترقی کی۔ مگر غیر معمولی، اس
وقت تک باقاعدہ نہ اس مذہب کے اصول و فروع تیار ہوتے تھے۔ نہ کوئی
نام اس مذہب کا تھا۔ نہ کوئی مستقل وجود اس کا سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ
حضرت امام باقرؒ و صادقؒ کا زمانہ آیا۔ اس وقت کوفہ میں ایک جماعت
تیز اور طرار لوگوں کی قائم ہوئی۔ جس کے نام ور ممبر زرارہ صاحب و ابوبصیر و ہشام
و عبداللہ بن ابی یعفور صاحبان وغیرہم تھے۔ ان صاحبوں نے عبداللہ بن سبا کے
تصنیف کئے ہوئے مذہب کو بہت پسند کیا اور اس کے زندہ کرنے اور مکمل
کرنے میں اپنی طباعی اور ذہانت سے خوب خوب کام لئے۔ باقاعدہ حدیثیں
ڈھلنے لگیں۔ اور سبائی مذہب کے اصول و فروع بننے لگے۔ چالاکی یہ کی کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے حدیثیں نہیں ڈھالیں کہ کہیں محدثین اہل سنت
کو خبر ہو جائے۔ اور وہ تنقید شروع کر دیں تو سب کھیل بگڑ جائے۔ لہذا حدیثیں
جس قدر ڈھالیں۔ اکثر و بیشتر امام باقرؒ و صادقؒ کے نام سے بنائی گئیں
یہ آئمہ مدینہ میں رہتے تھے۔ اور حدیثیں ان کے نام سے کوفہ میں ڈھلتی تھیں۔

ان چالاک لوگوں نے بہت سی باتیں آئمہ کے نام سے تصنیف کیں۔ اور
قریب قریب سبائی مذہب کے اصول و فروع نصف سے زیادہ تیار کر لئے۔
مگر یہ ممکن نہ ہوا کہ اپنے مذہب کی عام اشاعت کرتے یا تمام اصحاب آئمہ کو اپنا

ہم خیال بنا لیتے۔

خود ان کی کتب معتبرہ میں اس امر کا اقرار بھی موجود ہے۔ کہ اصحاب ائمہ میں بہت لوگ اہل سنت کے مذہب پر تھے۔ اور ائمہ ان کے دیندار اور نیکوکار ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ علامہ باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:[1]

از احادیث ظاہر میشود کہ جمعے ازراویاں کہ دراعصار آئمہ علیہم السلام بودہ انداز شیعاں اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند۔ بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار میدانستہ اند۔ چنانچہ از رجال کشی ظاہر میشود معہذا ائمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں مے کردہ اند۔	احادیث سے ایسا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک جماعت راویوں کی جو ائمہ علیہم السلام کے ہم عصر تھے شیعوں میں وہ ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کو علمائے نیکوکار جانتے تھے۔ چنانچہ رجال کشی سے ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے ائمہ علیہم السلام ان کو مومن بلکہ متقی کہتے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوا۔ کہ امام باقرؒ و صادقؒ کے زمانہ میں بھی اس مذہب کا رواج پورا نہ تھا۔ خود ائمہ کی صحبت میں بیٹھنے والے جن کی ائمہ تعریف کرتے تھے۔ مسئلہ امامت سے بے خبر تھے۔ بلکہ یہ مذہب کوفہ کے چند بد مذاق لوگوں میں محدود تھا۔

جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ بڑے جھوٹے اور خائن ہو۔ تمہاری روایتوں پر کیوں کر اعتبار کیا جائے۔ تو جواب دیتے کہ جھوٹ بولنا بڑی عبادت ہے۔

[1] اصول کافی صہ ۴۸۲ میں ابو عمیر اعجمی سے روایت ہے کہ قال لی ابو عبداللہ علیہ السلام یا ابا عمیر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی کل شیئ الا فی النبیذ و المسح علی الخفین۔ (بقیہ صہ ۶۱ پر)

جھوٹ بولنا تو انبیاء وائمہ کا شیوہ ہے۔ جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے[۱]۔ جھوٹ بولنے کا نام تقیہ ہے۔ اور کبھی کہنے کہ ائمہ نے فرمادیا ہے۔ کہ جو شخص ہماری امامت کو مان لے۔ پھر چاہے جھوٹ بولے چاہے خیانت کرے اس پر کچھ عتاب نہ ہوگا۔ جب ان سے کہا جاتا کہ تم جو روایتیں نقل کرتے ہو۔ ان میں اختلاف و تناقض[۲] اس قدر ہے۔ کہ کوئی روایت ایسی نہیں جس کے خلاف دوسری روایت نہ ہو۔ کوئی

(ترجمہ: امام جعفر صادق نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوعمیر دین کے کل دس حصے ہیں۔ ان میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں۔ اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔ اور تقیہ ہر چیز میں ہے۔ سوائے نبیذ پینے اور موزوں پر مسح کرنے کے۔ استبصار میں ایک حدیث موجود ہے۔ جس میں موزوں پر مسح کرنے میں بھی اجازت ہے۔ ۱۲۔

۱ اصول کافی صفحہ ۴۸۳ میں ابوبصیر صاحب سے روایت ہے۔ کہ قال ابوعبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قال ای و اللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتہا العیر انکم لسارقون و اللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم و اللہ ما کان سقیما۔

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کا دین ہے بہ تحقیق حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر نے کہا تھا۔ کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ حالانکہ اللہ کی قسم انہوں نے کچھ چرایا نہ تھا۔ اور بہ تحقیق حضرت ابراہیم پیغمبر نے کہا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ معلوم ہوا تقیہ نام جھوٹ بولنے کا ہے۔ اور جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے ۱۲۔

۲ مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول صفحہ ۵۱ میں لکھتے ہیں اَلْاَحَادِیْثُ الْمَاثُوْرَۃُ عَنِ الْاَئِمَّۃِ مُخْتَلِفَۃٌ جِدًّا لَا یَکَادُ یُوْجَدُ حَدِیْثٌ اِلَّا وَفِیْ مُقَابِلِہٖ مَا یُنَافِیْہِ وَلَا یَتَّفِقُ خَبَرٌ اِلَّا وَبِاِزَائِہٖ مَا یُضَادُّہٗ حَتّٰی صَارَ ذٰلِکَ سَبَبًا لِرُجُوْعِ بَعْضِ النَّاقِصِیْنَ عَنْ اِعْتِقَادِ الْحَقِّ کَمَا صَرَّحَ بِہٖ شَیْخُ الطَّائِفَۃِ فِیْ اَوَائِلِ التَّہْذِیْبِ وَالْاِسْتِبْصَارِ۔

ترجمہ:۔ حدیثیں جو ائمہ سے منقول ہیں۔ ان میں سخت اختلاف ہے۔ کوئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ پر)

کچھ روایت کرتا ہے۔ کوئی کچھ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب ائمہ پر افتراء ہے، تو جواب دیتے کہ یہ اختلاف ہم لوگوں کے سبب نہیں ہے۔ ائمہ خود اپنے ہم مذہبوں میں اختلاف ڈالنے کے لئے مختلف باتیں بیان کرتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ ہم کو سچا نہ سمجھیں۔ جب ان سے کہاجاتا

(بقیہ حاشیہ صا۶ کا) حدیث ایسی نہیں ملتی۔ جس کے خلاف دوسری حدیث نہ ہو۔ کوئی خبر ایسی نہیں جس کے خلاف دوسری خبر نہ ہو۔ یہاں تک کہ یہ اختلاف بہت سے ناقص لوگوں کے مذہب شیعہ سے پھر جانے کا سبب بن گیا۔ جیسا کہ ہمارے پیشوانے اوائل تہذیب واستبصار میں اس کی تصریح کی ہے ۱۲؎

لے اصول کافی ص۳۷ میں ہے:۔ عَنْ زُرَارَةَ ابْنِ اَعْيُنٍ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ قَالَ سَئَلْتُهٗ عَنْ مَا جَابَنِي ثُمَّ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَسَئَلَهٗ عَنْهَا فَاَجَابَهٗ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِي ثُمَّ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَسَئَلَهٗ عَنْهَا فَاَجَابَهٗ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِي وَاَجَابَ صَاحِبِي فَلَمَّا خَرَجَ رَجُلَانِ قُلْتُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَجُلَانِ مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ شِيْعَتِكُمْ قَدِ مَا يَسْئَلَانِ فَاَجَبْتَ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِغَيْرِ مَا اَجَبْتَ صَاحِبَهٗ فَقَالَ يَا زُرَارَةُ اِنَّ هٰذَا خَيْرٌ لَّنَا وَلَكُمْ اَتْقٰى لَنَا وَلَكُمْ وَلَوِ اجْتَمَعْتُمْ عَلٰى اَمْرٍ وَّاحِدٍ لَصَدَّقَكُمُ النَّاسُ عَلَيْنَا وَلَكَانَ اَقَلَّ لِبَقَاءِنَا وَبَقَاءِكُمْ ثُمَّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي عَبْدِ اللّٰهِ شِيْعَتُكُمْ لَوْ حَمَلْتُمُوْهُمْ عَلَى الْاَسِنَّةِ اَوِ النَّارِ لَمَضَوْا وَهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْ عِنْدِكَ مُخْتَلِفِيْنَ قَالَ فَاَجَابَنِي بِمِثْلِ جَوَابِ اَبِيْهِ۔

ترجمہ:۔ زرارہ صاحب امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے مجھے جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا۔ اس کو انہوں نے میرے جواب کے خلاف بتایا۔ پھر ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اس کو ہم دونوں کے خلاف جواب بتایا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے کہا کہ اے فرزند رسول اللہ یہ دونوں شخص عراق کے رہنے والے تمہارے شیعوں میں سے تھے۔ تم سے مسئلہ پوچھنے آئے تھے۔ تم نے ایک کو کچھ

(بقیہ حاشیہ ص۶۳ پر)

کہ تم جو تمام صحابہ کرامؓ کو مرتد کہتے ہو۔ اور حضرت علیؓ کا مذہب سب کے خلاف بتاتے ہو۔ یہ بات بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ پانچوں وقت تینوں خلفاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اپنے زمانہ خلافت میں تینوں خلیفوں کی تعریف کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ اپنی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا نکاح کر دیا۔ علیؓ کے علاوہ امام باقر و صادقؓ بھی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی مدح سرائی کیا کرتے۔ تو یہ عجیب الخلقت لوگ جواب دیتے کہ حضرت علیؓ تقیہ کرتے تھے اور تقیہ کر کے جو کسی بے دین کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو اس کو اتنا بڑا ثواب ملتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ اپنے زمانہ

(بقیہ ص ۶۲ کا حاشیہ) جواب دیا اور دوسرے کو کچھ امام باقر نے کہا اے زرارہ اسی میں ہماری تمہاری خیریت ہے۔ اگر تم سب ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچا سمجھ لیں گے۔ پھر ہماری تمہاری زندگی نہیں رہ سکتی۔ پھر میں نے امام جعفر سے کہا کہ تمہارے شیعہ ایسے ہیں کہ اگر تم ان کو نیزوں میں اور آگ میں بھیج دو تو چلے جائیں۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس سے مختلف ہو کر نکلتے ہیں۔ تو انہوں نے بھی اپنے والد کا سا جواب دیا ۱۲ ؛

ے مَنْ لَا یَحْضُرُہُ الْفَقِیْہُ کے بَابُ الْجَمَاعَتِ میں امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ فَیُصَلِّیْ صَلٰوۃً فَرِیْضَۃً فِیْ وَقْتِهَا ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهُمْ صَلٰوۃً تَقِیَّۃً وَّهُوَ مُتَوَضِّیٌ اِلَّا کَتَبَ اللّٰهُ بِهَا خَمْسًا وَّ عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً فَارْغَبُوْا فِیْ ذٰلِكَ وَرَوٰی عَنْهُ حَمَّادُ بْنُ عُثْمَانَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی مَعَهُمْ فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ کَانَ کَمَنْ صَلّٰی خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ ۔ ترجمہ: امام جعفر صادق نے فرمایا۔ کہ جو شخص تم میں سے فرض نماز اپنے وقت میں پڑھ چکا ہو۔ پھر سنیوں کے ساتھ مل کر تقیہ سے نماز پڑھے۔ اس حال میں کہ وضو ہو۔ اللہ اس کے پچیس درجے لکھ دیتا ہے۔ پس اس کام کی رغبت کرو۔ اور حماد بن عثمان نے امام صادق سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سنیوں کے ساتھ صف اول میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ وہ مثل اس شخص کے ہوگا جس نے رسول اللہ کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھی سنیوں کا رتبہ قابل دید ہے۔ شاباش ۱۲ ؛

خلافت میں بھی تقیہ کرتے تھے ۔ کیوں کہ ان کے لشکر میں سب سُنّی لوگ تھے ۔ اگر جناب امیر ان کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالتے تو سب لوگ آپ سے جدا[1] ہو جاتے ۔ اور اتنی مشکل سے چوتھی مرتبہ میں جو خلافت ملی تھی ۔ وہ بھی جاتی رہتی ۔ اور نکاح ام کلثوم جبراً ہوا ۔ حضرت عمرؓ نے ظلماً ان کی بیٹی کو چھین[2] لیا ۔ اور اپنے تصرف میں لائے جب ان سے کہا جاتا کہ تم متعہ جیسی ناپاک چیز کو نہ صرف حلال بلکہ عبادت کہتے ہو ۔ اور تراویح جیسی عمدہ عبادت کو حرام کہتے ہو ۔ اگر یہ تمہارا کہنا صحیح ہوتا ۔ تو حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں متعہ کو کیوں رواج نہ دیا ۔ اور تراویح کو کیوں نہ روکا تو جواب دیتے کہ حضرت علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں مجبور و مغلوب[3] تھے لہٰذا تقیہ کرتے ہیں ۔

---

[1] روضہ کافی صـ۲۹ میں خود حضرت علیؓ کی زبان سے منقول ہے ۔ قَدْ عَمِلَتِ الْوُلَاةُ قَبْلِي أَعْمَالًا خَالَفُوا فِيهَا رَسُولَ اللّٰهِ مُتَعَمِّدِينَ لِخِلَافِهِ نَاقِضِينَ لِعَهْدِهِ مُغَيِّرِينَ لِسُنَّتِهِ وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلَى تَرْكِهَا وَحَوَّلْتُهَا إِلَى مَوَاضِعِهَا وَإِلَى مَا كَانَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَتَفَرَّقَ عَنِّي جُنْدِي ۔ ترجمہ : جو حکام مجھ سے پہلے تھے ۔ انہوں نے ایسے کام کیے جن میں عمداً رسول اللہ کی مخالفت ہے ۔ عہد رسول کو توڑا ہے ۔ سنت رسول کو بدل دیا ہے ۔ اور اگر میں لوگوں کو ان کاموں کے چھوڑنے کی ترغیب دوں اور ان اعمال کو بدل کر اصلی حالت میں جیسا کہ رسول اللہ کے زمانہ میں تھے کر دوں تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے ۔ یہ حدیث لمبی ہے ۔ اس کے بعد جناب امیر نے فدک وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ تراویح کے متعلق ایک دفعہ میں نے کہا کہ بدعت ہے ۔ تو میرے لشکر میں غل مچ گیا کہ دیکھو یہ شخص حضرت عمرؓ کی سُنت کو بدلنا چاہتا ہے ۱۲ ۔ [2] فروع کافی کتاب النکاح میں ایک خاص باب ہے ۔ باب تزویج ام کلثوم اس باب میں امام صادق سے منقول ہے کہ ذَاكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ یعنی یہ شرم گاہ تھی جو ہم سے چھین لی گئی ۔ ۱۲ ؛ [3] قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں اسی سوال کا کہ متعہ حلال تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کی حلت کا اعلان کیوں نہ کروایا ۔ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ کہ جناب امیر کو خلافت برائے نام ملی تھی ۔ وہ اپنی خلافت میں بھی مجبور تھے ۔ پوری عبارت احقاق الحق کی مناظرہ حصہ دوم میں دیکھو ۔ جس کا آخری فقرہ یہ ہے کہ وَالْحَاصِلُ أَنَّ أَمْرَ الْخِلَافَةِ مَا وَصَلَ إِلَيْهِ إِلَّا بِالْإِسْمِ دُونَ الْمَعْنَى ۱۲ ۔

جب یہ چالاک لوگ بیوقوفوں کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے کوئی پیشنگوئی ائمہ کے نام سے نقل کرتے۔ کہ دیکھو اب اتنے دنوں میں تمام روئے زمین پر ہماری حکومت ہو جائے گی۔ جو شخص اس مذہب میں ہوگا۔ خوب عیش کرے گا۔ اور یہ پیشین گوئیاں جھوٹی نکل جاتیں۔ تو کہتے صاحب ہم کیا کریں۔ خدا کو بدا ہو گیا۔ اور کبھی کہتے یہ پیشن گوئیاں ان کے بہلانے کے لئے تھیں[1]۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ مرتد ہو جاتے۔

جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ جو بیان کرتے ہو۔ کہ معاذ اللہ خدا کو بدا ہوتا ہے۔ یعنی خدا جاہل ہے[2]۔ اور جھوٹ بولنا عبادت ہے۔ ائمہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ ان کا

---

[1] اصول کافی صہ ۲۳۳ میں یقطین سُنی اور ان کے بیٹے علی بن یقطین شیعہ کی باہم گفتگو منقول ہے۔ سُنی نے کہا کہ یہ کیا بات ہے۔ کہ تمہارے اماموں کی پیشین گوئیاں شیعوں کے بہلانے کے لئے تھیں۔ وہ بہلائے نہ جاتے تو مرتد ہو جاتے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ عَنْ عَلِیِّ بْنِ یَقْطِیْنٍ قَالَ قَالَ اَبُو الْحَسَنِ اَلشِّیْعَۃُ تُرَبّٰی بِالْاَمَانِیِّ مُنْذُ مِائَتَیْ سَنَۃٍ قَالَ قَالَ فَقَالَ لَہٗ عَلِیٌّ اِنَّ الَّذِیْ قِیْلَ لَنَا وَلَکُمْ کَانَ مِنْ مَخْرَجٍ وَّاحِدٍ غَیْرَ اَنَّ اَمْرَکُمْ حَضَرَ فَاُعْطِیْتُمْ مَحْضَہٗ فَکَانَ کَمَا قِیْلَ لَکُمْ وَاِنَّ اَمْرَنَا لَمْ یَحْضُرْ فَعُلِّلْنَا بِالْاَمَانِیِّ فَلَوْ قِیْلَ لَنَا اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا اِلٰی مِائَتَیْ سَنَۃٍ اَوْ ثَلٰثِمِائَۃِ سَنَۃٍ لَقَسَتِ الْقُلُوْبُ وَلَرَجَعَ عَامَّۃُ النَّاسِ عَنِ الْاِسْلَامِ ۱۲

[2] ان کی کتب معتبرہ میں سینکڑوں واقعات خدا کے بدا کے مذکور ہیں۔ مثلاً خدا نے امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے اسمٰعیل کے امام ہونے کا اعلان دیا۔ مگر پھر اسمٰعیل سے کچھ حرکات ناپسندیدہ صادر ہوئیں۔ جن کا خدا کو علم نہ تھا۔ تو خدا نے اپنی رائے بدلی اور موسیٰ کاظم کو امام بنایا۔ اس کی بابت شیخ صدوق نے رسالہ اعتقادیہ میں لکھا ہے۔ کہ مَا بَدَا لِلّٰہِ فِیْ شَیْءٍ کَمَا بَدَا لَہٗ فِیْ اِسْمٰعِیْلَ۔ خدا کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا۔ جیسا اسمٰعیل کے بارے میں ہوا۔ اور مثلاً امام علی نقی کے بعد خدا نے ان کے بیٹے محمد کی امامت کا اعلان دیا۔ مگر خدا کو معلوم نہ تھا کہ محمد اپنے باپ کے سامنے ہی مر جائیں گے۔ جب وہ مر گئے تو خدا نے اپنی رائے بدلی اور اپنے اعلان کے خلاف امام حسن عسکری کو خلیفہ کیا۔ یہ قصہ اصول کافی صفحہ ۲۰۴ میں ہے اور ہم مناظرہ حصہ چہارم صفحہ ۸۹

ظاہر اور تھا اور باطن اور۔ حضرت علیؓ جیسے شیرِ خدا اور بہادر کو ڈرپوک مجبور و مغلوب بناتے ہو۔ یہ باتیں بالکل عقل کے خلاف ہیں۔ کیسے مان لی جائیں۔ تو جواب دیتے کہ ائمہ کی باتیں راز الٰہی ہیں۔ ہر شخص[1] کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ واگر تقیہ[2] با وجود خلافت و شجاعت و شوکت و قیام بقتال جمیع اہل ارض جائز باشد میتوان گفت کہ با جمعے کہ با شیخین

(بقیہ حاشیہ صہ ۹۵ کا) میں نقل کر چکے ہیں۔ اور مثلاً خدا نے امام مہدی کے ظہور کا وقت ۷۰ھ مقرر کیا۔ پھر انہوں نے اس کو شہرت دے دی۔ تو خدا نے اپنی رائے بدل کر ۱۴۰ھ مقرر کیا۔ مگر معلوم نہ تھا کہ امام حسین شہید کر دیئے جائیں گے۔ اور مجھے غصہ آجائے گا۔ لہذا بعد شہادت حسینؓ پھر رائے بدل گئی۔ اور اب وقت مقرر نہیں ہے یہ قصہ اصول کافی صہ ۲۳۳ میں ہے انہیں واقعات سے مجبور ہو کر مولوی دلدار علی نے اساس الاصول صہ ۲۱۹ پر لکھ دیا کہ یَلْزَمُ مِنْہُ اَنْ یَتَّصِفَ الْبَارِیْ تَعَالٰی بِالْجَہْلِ۔ یعنی بدا کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا جاہل ہے ۱۲ :

[1] اصول کافی میں ایک مستقل باب اسی مضمون کا ہے۔ کہ ائمہ کی حدیثیں مشکل ہوتی ہیں سوا نبی مرسل یا ملک مقرب یا مومن کامل کے کوئی ان کو سمجھ نہیں سکتا۔

[2] ترجمہ :۔ اور اگر تقیہ باوجود خلیفہ ہونے اور بہادر ہونے اور صاحب شوکت ہونے اور تمام دنیا کے لوگوں سے لڑسکنے کے بعد بھی جائز ہو تو کہا جاسکتا ہے۔ کہ جو لوگ شیخین سے بدگمان تھے حضرت علیؓ ان سے تنہائی میں تقیہ کر کے شیخین کا انکار کر دیتے تھے۔ لہذا انہوں نے جو مجمع عام میں خَیْرُ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّہَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ فرمایا۔ یہ کلام صحیح ہے اور اس کے خلاف جو تنہائی میں شیعوں سے کہا وہ تقیہ ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنا اور پنج وقتہ نماز پڑھنا اور دوزخ سے ڈر ظاہر کرنا یہ سب باتیں مسلمانوں سے تقیہ کر کے کہتے تھے اور کچھ شک نہیں۔ کہ لوگوں کو جتنی نفرت ترک اسلام سے تھی۔ اتنی نفرت شیخین کے انکار سے نہ تھی۔ لہذا ان کے اسلام میں تقیہ کا احتمال بہت قوی ہے۔ پس حضرت علیؓ کے اسلام کا یقین نہ رہا۔ امامت تو کجا اور یہ نتائج مذہب شیعہ کے ایسے برے ہیں۔ کہ کوئی مسلمان ان کا خیال بھی نہیں لاسکتا ۱۲۔

بدمے بودند در خفیہ بنا بر تقیہ انکار شیخین مے نمود۔ پس خَیْرُ الْاُمَّتِہٖ الخ متحقق است۔ وخلاف او تقیہ و مے تواں گفت کہ اظہار اسلام ونماز پنجگانہ خواندن واز دوزخ ترسیدن ہمہ بنا بر تقیہ از مسلمین بود۔ ونشان نیابت تنفر توم بر ترک اسلام اشد بود از تنفر بہ سبب انکار شیخین پس از اسلام او برخاست چہ جائے امامت وایں ہمہ بقیا جاتے می کشند کہ ہیچ مسلمانے خیال آں نمے تواند کرد۔ ازالۃ الخفاء مقصد اوّل صفحہ ۲۸۲۔

توجواب دیتے کہ صاحب ہم بحث نہیں کرتے۔ ائمہ نے ہم کو مذہبی بحث کرنے سے منع[1] کر دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس سے دل بیمار ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ عجب مضحکہ خیز باتیں یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ اور نہایت عجیب عجیب چالاکیوں سے اس مذہب کی تصنیف وترویج میں کوشاں رہتے تھے۔ علمائے اہل سنت میں سے کسی کو ان باتوں کی خبر ہوتی تو وہ چنداں التفات نہ کرتے۔ غالباً یہی خیال ہوا ہوگا کہ یہ مسخرا پن چند روز کا کھیل ہے خود بخود مٹ جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ مسلمانوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ کہ ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ ان سے بات نہ کرو یہ بڑے جھوٹے لوگ ہیں۔ مگر ہماری اس بے توجہی سے فائدہ اٹھا کر پورا مذہب تیار کر لیا گیا۔ اور جیسے جیسے خیر القرون سے بعد ہوتا گیا۔ اس مذہب کی اشاعت میں کچھ ترقی ہوتی گئی۔ بیسیوں فرقے خود ان میں پیدا ہوگئے۔ کوئی کسی کو امام مانتا ہے کوئی کسی کو انہیں میں ایک فرقہ وہ ہے جو اب بھی حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے۔ ان فرقوں میں باہم بڑی عداوت ہے۔ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے فساد برپا کرتے ہیں۔ اب ہندو پاکستان میں جو فرقہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کا نام اثنا عشری ہے۔ یہ لوگ بارہ اماموں کے قائل

---

[1] اصول کافی صفحہ ۱۸۹ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے۔ کہ لَا تُخَاصِمُوْا بِدِیْنِکُمُ النَّاسَ فَاِنَّ الْمُخَاصَمَۃَ مَرْضَۃٌ لِّلْقَلْبِ۔ **ترجمہ**: اپنے دین کے متعلق لوگوں سے بحث نہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ بحث کرنا دل کو بیمار کر دیتا ہے ۱۲

ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ رسول اور مانتے ہیں۔

مسئلہ امامت و خلافت میں اختلاف کی تنقیح

اس کے اختلاف کی بنیاد اسی مسئلہ امامت پر بیان کی جاتی ہے۔ اور یہ بات ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ کیوں کہ مخالفین نے دینِ اسلام کی تخریب و تحریف کا سب سے بڑا آلہ اسی مسئلہ امامت کو بنایا ہے۔ دین اسلام کی جس چیز کو بگاڑنا چاہا، کسی نہ کسی امام سے اس کے متعلق کوئی روایت نقل کر دی اماموں کی آڑ میں بیٹھ کر جس چیز کو چاہا حلال کر دیا۔ اور جس حلال چیز کو چاہا حرام بنا دیا۔

مخالفین نے مسئلہ امامت کو ایک عجیب چیز بنا رکھا ہے۔ عجیب عجیب معنی اس لفظ میں پیدا کئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ پہلے معنیٰ امامت کی تنقیح ہو جائے پھر خلافت کے معنیٰ کی تحقیق ہو جائے۔

لغت میں امامت کے معنیٰ مطلق پیشوائی کے ہیں۔ جو شخص کسی بات میں کسی کا پیشوا ہو۔ از روئے لغت اس کو امام کہہ دیں گے۔ خواہ وہ اچھے کام میں پیشوا ہو یا بُرے کام میں۔

قرآن مجید میں اسی عموم کے ساتھ اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

قولہ تعالیٰ:- وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا" یعنی ہم

ملے۔ اس لئے امام کو یہ اختیارات دیئے گئے۔ کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں۔ جس کو چاہیں حرام کر دیں۔ اصول کافی صـ۲۷۸ میں ہے۔ کہ امام محمد تقی سے شیعوں کے اختلاف کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ ائمہ کو تحلیل و تحریم کا اختیار ہے۔ مطلب یہ کہ اماموں نے مختلف فتوے اس وجہ سے دیئے۔ کہ ہر امام کو اختیار تحلیل و تحریم کا تھا اور اماموں کے مختلف فتووں سے ان میں اختلاف پڑا۔ اصل عبارت بقدر ضرورت یہ ہے۔ فَهُمْ يُحِلُّونَ مَا يَشَاءُونَ وَ يُحَرِّمُونَ مَا يَشَاءُونَ ۱۲ ÷

نے ان کو امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ اس آیت میں اچھے کاموں کی پیشوائی پر امامت کا اطلاق ہوا ہے۔ وقولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ۔ یعنی ہم نے ان کو امام بنایا۔ کہ وہ دوزخ کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اس آیت میں بڑے کام کی پیشوائی پر لفظ امامت وارد ہوا ہے۔ مگر لفظ امامت جب مطلق بولا جاتا ہے۔ تو اس سے اچھے کام کی پیشوائی مراد ہوتی ہے۔

اہل سنت نے کوئی خاص اصطلاح اس لفظ کے متعلق نہیں قائم کی۔ اسی معنی لغوی میں اس لفظ کا برابر استعمال کرتے ہیں۔ خلیفہ کو بھی امام اسی سبب سے کہہ دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی پیشوا ہوتا ہے۔ لوگ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور تمام کلمہ گویان اسلام کا اس امر میں اہل سنت کے ساتھ اتفاق ہے۔ شیعہ لفظ امامت کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ اور تمام کلمہ گویان اسلام کے خلاف سب سے الگ ہوکر کہتے ہیں۔ کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے بھی افضل ہے۔ امام مثل نبی کے معصوم ہوتا ہے۔ نبی کی طرح اس کی اطاعت بھی فرض ہوتی ہے۔ بڑے بڑے اختیارات بڑے بڑے علوم اس کے پاس ہوتے ہیں۔

مخالفین نے امام کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری قرار دیئے ہیں۔

(۱) مثل نبی کے معصوم و مفترض الطاعۃ ہو۔

(۲) اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہو۔

(۳) خدا اور رسول کی طرف سے منصوص یعنی اس عہدہ کے لئے نامزد ہو۔

لوگوں کو امام کے منتخب کرنے کا اختیار نہیں۔ ان کے نزدیک تو امام کا منتخب کرنا ایسا ہے۔ جیسے نبی کا جس طرح نبی کو کوئی شخص منتخب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح امام کو بھی منتخب نہیں کر سکتا۔

مخالفین کہتے ہیں کہ خدا پر واجب ہے۔ کہ قیامت تک کبھی دنیا کو امام سے خالی نہ رکھے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اس صفت کے بارہ امام رسول خدا کی طرف سے معین و

مقرر ہو چکے۔ ان کے نام کے بارہ لفافہ سربمہر خدا کے یہاں سے نازل ہو چکے
ان ائمہ کا رتبہ تمام انبیاء سابقین سے زیادہ ہے۔ ان کو مَا کَانَ وَمَا
یَکُوْنُ کا علم ہوتا تھا۔ فرشتے ان کے پاس آتے تھے۔ کتب الٰہیہ سابقہ سب
ان کے پاس تھیں۔ عصاء موسیٰ ید بیضا، انگشتری سلیمان، اسم اعظم غرضیکہ تمام
انبیاء کے معجزات ان کے پاس تھے۔ لشکر جنات ان کے تابع تھا۔ ان کی موت
ان کے اختیار میں تھی اور ہر ایک کو اپنی موت کا وقت معلوم تھا۔ ہر امام کو ایک
ایک رجسٹر بھی خدا کی طرف سے ملا تھا۔ جس میں ان کے معتقدوں کے نام بقید ولدیت
لکھے ہوتے تھے۔ یہ تمام صفات امام کے مع شئی زاید اصول کافی میں موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ ان بارہ مقررہ کیئے ہوئے اماموں میں سے گیارہ تو گذر چکے
بارھویں صاحب صدیوں سے بخوف اہل سنت ایک پہاڑ کے غار میں چھپے ہوئے
ہیں۔ خدا ہی جانے کہ کب اس غار سے باہر تشریف لائیں گے۔

اہل سُنت کہتے ہیں کہ معصوم ہونا خاصہ انبیاء ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے بعد کسی کو آپ کا مثل اور معصوم و مفترض الطاعۃ ماننا شرک فی النبوت
اور ختم نبوت کا انکار ہے۔

امام معصوم مفترض الطاعۃ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد کوئی
معصوم مفترض الطاعۃ نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ البتہ امام بمعنی مطلق پیشوا اس امت
میں بہت ہوئے اور ہیں اور ہوں گے۔ جو نہ بارہ امام میں منحصر نہ بارہ کروڑ میں۔
ان کا شمار سوا خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی
تعلیم کوئی معمولی تعلیم نہ تھی۔ اس تعلیم نے بے تعداد انسانوں کو کامل و مکمل بنا دیا۔
ہزاروں اس تعلیم کی بدولت منصب پیشوائی اور رہنمائی پر فائز ہوئے اور ہونگے۔

جس طرح نماز جماعت میں چاہے کتنی بڑی جماعت ہو امام ایک ہوتا ہے
اور اگر صفیں مقتدیوں کی زیادہ ہوں تو ہر ہر صف میں دو ایک مکبّر مقرر کر دیئے
جاتے ہیں۔ کہ وہ تکبیر کہہ کر امام کے رکوع و سجود کی اطلاع پچھلی صفوں کو دیا کرتے

تھے۔ بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ جس طرح تمام جماعت کا امام حقیقۃً ایک ہے۔ صف اول سے صف آخر تک ہر مقتدی نے اسی کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت کی ہے۔ اسی کو اپنا امام بنایا ہے۔ اسی طرح تمام اُمتِ محمدیہ کے امام مفترض الطاعت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق سے لے کر قیامت تک ہر مسلمان آپ ہی پر ایمان لاتا ہے۔ آپ ہی کو اپنا پیشوائے حقیقی مانتا ہے۔ اور جس طرح جماعت نماز میں ان مکبروں کو بھی اس معنی میں امام کہہ سکتے ہیں۔ کہ پچھلی صفیں انہیں کی تکبیر کی تابع ہیں۔ مگر وہ حقیقۃً امام نہیں۔ کیونکہ وہ امام کے حالات کی نقل کرنے والے ہیں۔ اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیتے۔ اکابر دین علمائے شرع متین اور خلفاء کو امام کہا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر وہ حقیقۃً امام نہیں۔ کیوں کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نقل کرنے والے ہیں۔ نہ اپنے احکام کے۔ اب اس مقام پر ضروری ہے کہ عصمت ائمہ کی بحث اختصار کے ساتھ لکھ دی جائے۔ تاکہ آئندہ خلیفہ کے شرائط کے سمجھنے میں الجھن نہ ہو۔ اور جب عصمت کی بحث طے ہو جائے گی۔ تو افضل و منصوص ہونے کا خود بخود فیصلہ ہو جائے گا۔

عصمت امام کی بحث

عصمت امام کی بحث کو ایک عمدہ تفصیل کے ساتھ ہم مناظرہ حصہ سوم میں بیان کر چکے ہیں۔ اس بحث کو دیکھ کر بعض غیر متعصب مخالفین حضرات کی زبان سے نکل گیا۔ کہ درحقیقت معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مذہب کی بنیاد ہوا پر ہے۔ اور اس کو یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ ان میں سے ایک بڑے شخص[1] نے بذریعہ

[1] یہ شخص سید مصطفےٰ حسین صاحب ہیں۔ جو کسی وقت ضلع گونڈا میں سپرنٹنڈنٹ آف وارڈس رہے ہیں۔ ۱۲

مطبوعہ اعلان کے تمام مجتہدین سے درخواست کی تھی کہ دو مہینہ کے اندر اگر انجم کی بحث عصمت کا جواب نہ ہوا اور عصمت ائمہ کی کوئی تسلی بخش دلیل نہ شائع کی گئی تو میں سُنی ہو جاؤں گا۔ لیکن اس کی بھی کسی نے پرواہ نہ کی اور آج تک کسی نے سوا خاموشی کے کچھ نہ کیا۔ یہ لوگ ہمیشہ فروعی باتوں میں تو بحث کرنے کے لئے کسی نہ کسی طرح تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسی اصولی باتوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ جس کا جی چاہے۔ ان کے علماء و مجتہدین کو آزمالے۔

عصمت کی بحث میں انہوں نے بڑی کوششیں کیں۔ لیکن ان کے تمام دلائل میں سب سے بہترین دلائل کا حال یہاں لکھا جاتا ہے۔ اس کو دیکھ کر ایک طالب حق کو پورا اطمینان ہو جائے گا۔

بڑی عمدہ اور مایۂ ناز دلیل عصمت امام کی یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ امام نائب نبی ہوتا ہے۔ اور نبی معصوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا نائب بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ ورنہ نبی کے فرائض وہ کیوں کر ادا کر سکے گا۔ ہر شخص کا نائب وہی ہو سکتا ہے۔ جو صفات کمال میں اُس کا مثل ہو۔ بغیر اس کے حق نیابت ادا نہیں ہو سکتا۔ جواب اس دلیل کا ایک تو یہ ہے۔ کہ امام تمام کاموں میں نبی کا نائب نہیں ہوتا۔ نبی کے دو کام ہیں۔ اوّل یہ کہ بارگاہ الٰہی سے احکام حاصل کریں۔ دوم یہ کہ مخلوق خدا کو وہ احکام پہنچائیں۔ امام صرف دوسرے کام میں نبی کا نائب ہوتا ہے۔ اور عصمت کی ضرورت صرف پہلے کام میں ہے۔ کیوں کہ نبی نے جہاں سے احکام حاصل کئے ہیں۔ وہ ماخذ ان کا ہماری نظر کے سامنے نہیں۔ وہاں تک ہماری رسائی نہیں۔ کہ ہم جانچ سکیں کہ آیا احکام کے لینے میں کوئی غلطی تو نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر نبی معصوم نہ ہوں تو دین پر اعتبار نہ رہے گا۔ بخلاف امام کے۔ کہ وہ بارگاہ احدیت سے احکام نہیں حاصل کرتا۔ اس پر وحی نہیں آتی۔ اس کا کام صرف یہ ہے۔ کہ نبی کے پہنچائے ہوئے احکام یعنی قرآن و حدیث کی اشاعت و حفاظت کرے۔ اور انہیں کی تنفیح کرتا ہے۔ امام

کا ماخذ سب کے پیش نظر ہے۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے۔ تو اس کا علم ہو سکتا ہے۔ اور دین میں کوئی اشتباہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ کلیہ صحیح ہو۔ کہ معصوم کے نائب کا بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ تو چاہیئے کہ تمام علماء و مجتہدین بھی معصوم ہو جائیں۔ کیونکہ بالاتفاق علماء و مجتہدین نائب نبی یا نائب امام ہیں۔ علماء و مجتہدین کو جانے دیجئے۔ خود امام اپنے زمانے میں جن کو اپنا نائب مقرر کر کے اطراف و جوانب میں روانہ کرتا ہے۔ ان کا معصوم ہونا ضروری ہوگا۔ مثلاً حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں جن جن لوگوں کو اپنی طرف سے کسی مقام کا حاکم بنایا اور ان کو اپنا نائب قرار دیا۔ ان سب کو معصوم کہنا چاہیئے۔ حالانکہ آج تک مخالفین میں سے اس کا قائل کوئی نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ حضرت علیؓ کے نائبوں نے جو جو ظلم کیئے ہیں۔ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ ہمیشہ اپنے نائبوں کے شاکی رہے۔ اور ان کی خیانتوں پر افسوس فرمایا کیئے۔

پس اب یا تو حضرات مخالفین اپنے اجماع کے اور بداہت کے خلاف تمام علماء و مجتہدین اور نواب ائمہ کے معصوم ہونے کے قائل ہو جائیں اور پھر اس کے بعد کھلم کھلا ختم نبوت کا[1] انکار کر کے اس امر کا اقرار کر لیں کہ امام سب کاموں میں نائب نبی ہوتا ہے۔ اس پر وحی بھی اترتی ہے۔ اور وہ اپنے وحی کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے۔ نہ قرآن و حدیث کی اور یا عصمت ائمہ کے عقیدہ کفریہ سے تائب ہو کر سچے مومن بن جائیں۔

---

[1] اگرچہ انہوں نے اپنے یہاں ختم نبوت کے انکار کا پورا سامان جمع کر لیا ہے۔ اور درحقیقت ان کا ایمان ختم نبوت پر نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے امام پر نزول وحی کی روایتیں تصنیف کر لی ہیں۔ امام کے لئے قرآن و حدیث کے سوا بہت سے ماخذ احکام بھی تجویز کر لیے ہیں۔ مثلاً مصحف فاطمہ جس کی بابت اصول کافی صفحہ ۱۴۶ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے۔ وان عندنا لمصحف فاطمة وما یدریهم ما مصحف

(بقیہ ص۷۷ پر)

دوسری دلیل عصمت امام کی بڑے طمطراق کے ساتھ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام کی اطاعت خدا نے واجب کی ہے۔ اگر وہ معصوم نہ ہو۔ تو اس سے گناہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) فاطمہ قال مصحف فیہ مثل قرانکم ھذا ثلث مرات واللہ مافیہ من قرانکم حرف واحد۔

یعنی ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے۔ اور لوگوں کو کیا معلوم مصحف فاطمہ کیا چیز ہے وہ ایک مصحف ہے۔ جو تمہارے اس قرآن سے تگنا ہے۔ واللہ تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی اس میں نہیں ہے۔ اور مثلاً جفر جس کی بابت اصول کافی اسی صفحہ میں امام مذکور سے منقول ہے۔ وان عندنا الجفر وما یدریھم ما الجفر قال قلت یا ابن رسول اللہ ما الجفر قال وعاء من آدم فیہ علم النبیین والوصیین وعلم العلماء الذین مضوا من بنی اسرائیل۔ یعنی ہمارے پاس جفر ہے۔ لوگوں کو کیا معلوم جفر کیا چیز ہے۔ راوی نے کہا کہ اے فرزند رسول جفر کیا چیز ہے۔ امام نے فرمایا وہ ایک چمڑے کا ظرف ہے۔ جس میں نبیوں اور وصیوں کا علم اور بنی اسرائیل کے اگلے علماء کا علم ہے۔ اور مثلاً کتاب علی جس کی بابت زرارہ صاحب کا بیان فروع کافی جلد دوم صفحہ ۵۲ میں ہے۔ کہ امام جعفر صادق نے وہ کتاب مجھے دکھائی تھی اونٹ کی ران کے برابر موٹی تھی۔ اور تمام مسلمانوں کے اجماع کے خلاف اس میں مسائل لکھے تھے۔ اور مثلاً یہ کہ ہر سال امام پر ایک کتاب خدا کی طرف سے اترتی ہے۔ جس میں سال بھر کے احکام لکھے ہوتے ہیں۔ صافی شرح کافی صفحہ ۲۷۷ میں ہے وہ برائے ہر سال کتابے علیحدہ است مراد کتابے است۔ کہ دراں تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام است تا سال دیگر نازل میشود باآں کتاب ملائکہ وروح در شب قدر برامام زمان اللہ تعالیٰ باطل میکند باآں کتاب آنچہ راکہ مے خواہد از اعتقادات امام خلائق۔ واثبات مے کند درآنچہ کہ مے خواہد از اعتقادات۔ یعنی ہر سال شب قدر میں امام پر ایک کتاب نازل ہوتی ہے۔ جس میں سال بھر کے احکام ہوتے ہیں۔ کتاب میں خدا جن احکام کو چاہتا ہے۔ قائم رکھتا ہے۔ اور جن کو چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔ الغرض یہ سب سامان تو جمع ہیں۔ مگر اپنا اصل مذہب مسلمانوں سے چھپاتے ہیں۔ کھلم کھلا ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے ورنہ مسلمانوں کو بہکانیکا موقع نہ رہے۔

میں بھی اس کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ مخلوق بجائے ہدایت کے گمراہی میں مبتلا ہو جائے گی اور جو مقصود نبی و امام کے تقرر سے ہے۔ وہ فوت ہو جائے گا۔ اور یہ خدا کی شان سے بعید ہے۔

علامہ مجلسی حیات القلوب جلد اول کے صفحہ ۷ میں اس دلیل کو یوں بیان فرماتے ہیں:

چوں غرض از بعثت ایشاں ایں است کہ مردم اطاعت نمایند و ہر چہ از او امر و نواہی الہی بایشاں فرمایند۔ امتثال کنند۔ اگر معصوم نگرداند ایشاں را منافی غرض بعثت خواہد بود۔ بر حکیم روا نیست کہ فعلے کند کہ منافی غرض او باشد۔	چونکہ غرض ائمہ کے مبعوث کرنے سے یہ ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں اور جو اوامر و نواہی خداوندی وہ ارشاد فرمائیں لوگ ان کی تعمیل کریں۔ لہذا اگر خدا ان کو معصوم نہ کرے تو بعثت کے مقصود کے خلاف ہوگا حکیم کے لئے جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا فعل کرے جو اس کے مقصود کے خلاف ہو۔

جواب اس کا یہ ہے۔ کہ اول تو یہی غلط ہے۔ کہ امام خدا کا مبعوث کیا ہوا ہوتا ہے خدا کے مبعوث کیے ہوئے تو انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی بالکل غلط ہے۔ کہ خدا کا مقصود یہ ہے! کہ امام کی اطاعت ہر بات میں کی جائے۔ بلکہ امام کی اطاعت کا حکم مشروط اس بات کے ساتھ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف کوئی بات نہ کہے۔ اور اگر اس کی کوئی بات خلاف قرآن و حدیث کے ہو۔ تو اس کی اطاعت اس بات میں حرام ہے۔

قولہٗ تعالیٰ:۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت

کرو۔ اور ان صاحبان حکومت کی جو تم میں سے ہوں (یعنی مسلمان ہوں) پھر اگر تم میں اور صاحبان حکومت میں باہم کسی بات کا اختلاف ہو۔ تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف واپس کرو (جس کی بات اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہوگی خواہ تمہاری یا ان کی اسی کی بات قائم رہے گی۔ ہاں یہ شان پیغمبر کی ہے کہ ان کی اطاعت ہر بات میں فرض ہے۔

قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ط

ترجمہ:۔ جو حکم رسول تم کو دیں اس کو لے لو۔ اور جس بات سے منع کریں اس سے باز آؤ۔ قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔ اے نبی کہہ دیجئے۔ کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی:۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

ترجمہ:۔ بہ تحقیق رسول اللہ کی ذات میں تمہارے لئے اچھی پیروی ہے۔

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی:۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

ترجمہ:۔ جس نے رسول کی اطاعت کی بہ تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی معلوم ہوا کہ رسول کی کسی بات کا خدا کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ رسول کی ہر بات کا خدا کی مرضی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ الغرض یہ شان صرف پیغمبر کی ہے۔ کہ ہر بات میں ان کی اطاعت فرض ہے۔ امام کی یہ شان نہیں۔ لہذا رسول کا معصوم ہونا ضروری ہے نہ امام کا۔

اور اگر مخالفین غیر معصوم کی اطاعت کو کسی درجہ میں بھی جائز نہ رکھیں اور موجب ضلالت سمجھیں تو سب سے پہلے نماز کے امام کو معصوم ہونا چاہیئے نماز سے بڑھ

کہ دین کا کونسا کام ہو سکتا ہے۔ امام نماز معصوم نہ ہو تو ممکن ہے۔ کہ واجبات نماز میں خلل آجائے۔ سہواً بے طہارت نماز پڑھا وے اور پھر یہ بھی ہونا چاہیئے۔ کہ امام نماز بھی خدا اور رسول کی طرف سے مقرر ہوں اس کے بعد پھر امام کے قاصد امام کے عمّال امام کے نوّاب امام کے احکام ناقل وراوی ان سب کو بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ تنہا امام کے معصوم ہونے سے کیا کام چل سکتا ہے۔ کیوں کہ امام تو ایک جگہ رہے گا۔ دوسرے مقام کے لوگوں تک امام کے احکام جن لوگوں کے ذریعہ پہنچیں گے۔ وہ معصوم نہ ہوئے تو خرابی بدستور موجود رہے گی۔ اگر کہا جائے کہ فقط امام کا معصوم ہونا اس سبب سے کافی ہے۔ کہ وہ اس بات کا انتظام رکھے گا کہ کوئی شخص اس کے احکام کے نقل کرنے میں غلطی نہ کر سکے تو یہ بات بالکل نامعقول اور خلاف واقعات ہے۔ حضرت علیؓ پر باوجودیکہ تمام خدائی اختیارات ان کو دیئے گئے۔ بکثرت افترا پردازیاں ہوئیں۔ کوئی انتظام وہ نہ کر سکے۔ دوسرے ائمہ پر بھی افترا پردازیاں ہوئیں۔ جس کا اقرار کتب مخالفین میں بکثرت موجود ہے اور اب تو خدا نے عصمت امام کے مسئلہ کو ایسا مٹا دیا ہے۔ کہ حضرات مخالفین ہی ایسے عقلمند ہیں۔ کہ اب تک اس مسئلہ کو ایسا مان رہے ہیں صدیوں سے کوئی امام معصوم موجود نہیں۔ اور مخالفین صحابہ بھی غیر معصوم ہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ اگر بالفرض محال مان لیا جائے۔ کہ امام مہدی زندہ ہیں۔ غار میں موجود ہیں۔ تو ایسی زندگی سے کیا نتیجہ۔ جب کہ نہ ان سے کوئی مل سکتا ہے۔ نہ ان کے احکام معلوم ہو سکتے ہیں۔ تو ان کا عدم و وجود برابر ہے۔ ایسے تو ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔ اور اپنی قبر اقدس واطہر میں موجود ہیں۔ اور ان کے احکام بھی اُمت کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان کی دی ہوئی کتاب اللہ ہمارے سینوں اور سفینوں میں ہے۔

حضرات مخالفین اگر کچھ بھی غور کریں۔ اور انصاف سے کام لیں تو قدرت نے جو فیصلہ عصمت امام کا کر دیا ہے۔ کافی ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بالکل انصاف

سے کام نہیں لیتے۔ اور اس یہودی نے جو سبق ان کو پڑھا دیا ہے۔ اس کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

پس یہ تھا نمونہ عصمت امام کی دلیلوں کا۔ اور جب امام کا معصوم ہونا نہ ثابت ہوا۔ تو بس اب منجانب اللہ منصوص ہونے کی شرط بھی باطل ہو گئی۔ بلکہ لوگوں کو اختیار ہے۔ کہ جس طرح امام نماز خود مقرر کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اس امام کو بھی منتخب کر لیا کریں۔ جس طرح امام نماز کے اوصاف شریعت نے ہم کو بتلا دیئے ہیں۔ جس میں وہ اوصاف دیکھتے ہیں۔ اس کو اپنا امام نماز بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اس امام کے اوصاف و شرائط کی بھی ہم کو ہدایت کر دی ہے۔ جس میں وہ اوصاف و شرائط موجود ہوں اس کو منتخب کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ خلافت

امامت کی تنقیح کے بعد اب خلافت کی تنقیح لکھی جاتی ہے۔

خلافت کے معنی لغت میں جانشین کے ہیں۔ جو شخص کسی کی جگہ پر بیٹھ جائے یعنی اس کا نائب بن کر کام کرنے۔ وہ اس کا خلیفہ کہا جائے گا۔

اور اصطلاح شریعت میں خلافت اس بادشاہت کو کہتے ہیں۔ جو اپنی نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین کے قائم رکھنے اور احکام دینیہ کے نافذ کرنے کے لئے ہو۔

پس جو شخص بادشاہ نہ ہو۔ اگرچہ کیسا ہی صاحب فضائل ہو۔ خلیفہ رسول نہ کہا جائے گا۔ علی ہذا کوئی شخص بادشاہ ہو۔ مگر اس کی بادشاہت دین کے قائم کرنے کے لئے نہ ہو۔ وہ بھی خلیفہ نہ کہا جائے گا۔ علی ہذا کوئی ایسا شخص بادشاہ ہو جائے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب بننے کی صلاحیت نہ ہو۔ مثلاً کافر ہو یا فاسق ہو وہ خلیفہ نہ کہا جائے گا۔

مخالفین کہتے ہیں کہ خلافت امام کا حق ہے۔ یعنی جو شخص مثل رسول کے معصوم مفترض الطاعۃ ہو۔ اور من جانب اللہ امامت کے لئے نامزد ہو چکا ہو۔ اسی کو خلیفہ ہونا چاہیئے۔ دوسرے کی خلافت ناجائز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص جو امامت کے لئے نامزد تھے۔ انہیں میں خلافت کو منحصر رہنا چاہیئے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ معصوم و مفترض الطاعۃ سوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا۔ لہذا خلیفہ کے لئے معصوم ہونے کی شرط بالکل ناجائز ہے۔ اور جب وہ معصوم نہیں تو منجانب اللہ اس کا تقرر بھی ضروری نہیں۔ خلیفہ کے لئے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پا جائیں۔

مقاصد خلافت

شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں۔ مثل اجرائے حدود و تعزیرات وفصل قضایا ورفع خصومات وترتیب جیوش ونظم سیاسیات وغیرہ کے کہ بغیر اجتماع کامل اور ایتلاف اکمل کے انجام نہیں پا سکتے۔ اور ایسا اجتماع و ایتلاف بغیر کسی قوت جامعہ کے عادۃً ناممکن ہے۔ اور یہ قوت جامعہ بغیر خلیفہ کے نہیں ہو سکتی۔ لہذا ضروری ہوا کہ ایک شخص خلیفہ مقرر کیا جائے۔ جس سے یہ مقاصد حاصل ہوں۔

اور چونکہ خلیفہ کا تقرر مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ امور مذکورۂ بالا کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے اہل سنت مسئلہ خلافت کو فروعات میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات بعضے فروعات ایسے ضروری ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کا اہتمام اصولی چیزوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

مقاصد مذکورہ بالا کے لحاظ سے نیز نصوص شرعیہ کا تتبع کر کے اہل سنت نے

حسب ذیل شرائط خلیفہ کے لئے ضروری قرار دی ہیں۔

(۱) مسلمان ہونا کافر کی خلافت درست نہیں۔

(۲) عاقل بالغ ہونا۔ بے عقل یا مجنون یا بچہ کی خلافت درست نہیں

(۳) مرد ہونا۔ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی۔

(۴) آزاد ہونا۔ غلام کی خلافت صحیح نہیں۔

(۵) متکلم و سمیع و بصیر ہونا۔ گونگے، بہرے، اندھے کی خلافت درست نہیں

(۶) بہادر ہونا۔ بزدل کی خلافت درست نہیں۔

(۷) صاحب رائے ہونا۔

(۸) آرام طلب ناتجربہ کار نہ ہونا۔

(۹) عادل ہونا۔ فاسق فاجر کو خلیفہ بنانا جائز نہیں۔

(۱۰) مجتہد فی الدین ہونا۔ جو شخص مقلد محض ہو لیاقتِ اجتہاد نہ رکھتا ہو وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

(۱۱) قریشی ہونا۔ ہاشمی ہونا یا فاطمی ہونا ضروری نہیں۔

ان شرائط کی تفصیل اور اُن کے دلائل ازالۃ الخفاء کے دیباچہ میں مذکور ہیں۔

چند ضروری مسائل

مسئلہ ۔ خلیفہ کا منجانب خدا ورسول مقرر ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کو اختیار ہے۔ کہ جس میں یہ شرائط موجود پائیں۔ اس کو خلیفہ بنالیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کوئی خلیفہ منجانب خدا ورسول مقرر ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم کی اور خاص کر حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی ہے جیسا

کہ انشاء اللہ تعالٰی مبحث احادیث میں ہم نہ صرف اہل سنت بلکہ مخالفین صحابہؓ کی احادیث سے بھی اس کو ثابت کر دیں گے۔

اب رہا یہ کہ بعض علمائے اہل سنت نے لکھا ہے۔ کہ خلافت ان حضرات کی بھی منصوص نہ تھی بلکہ اجماع سے ہوئی۔ یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ خلافت کے منجانب شارع منصوص ہونے کے تین معنی ہیں:۔

اوّل یہ کہ شارع یہ بیان فرما دیں۔ کہ فلاں شخص یا اشخاص میں لیاقت خلافت موجود ہے۔ یعنی تمام شرائط خلافت کے ان میں پائے جاتے ہیں۔ اگر وہ خلیفہ بنایا جائے گا۔ تو مقاصد خلافت اس سے بخوبی پورے ہوں اس معنی کے لحاظ سے تو بے شمار صحابہ کرامؓ کی خلافت منصوص ہے۔ خاص کر حضرات مہاجرین کے لئے۔ تو خاص قرآن شریف میں نص موجود ہے۔

دوم۔ یہ کہ قابلیت خلافت کے بیان کر دینے کے علاوہ شارع کی طرف سے اُن اشخاص کا خلیفہ بنانا مسلمانوں پر واجب و لازم کر دیا گیا ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت منصوص ہے۔

سوم۔ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا ہو۔ کہ فلاں شخص یا اشخاص کو میں نے اپنا خلیفہ بنا دیا۔ تم لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ اس معنی کے لحاظ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منصوص نہیں کیا۔ حضرات شیخین کی خلافت کے منصوص ہونے کا جن علماء نے انکار کیا ہے۔ انہوں نے اس تیسرے معنی کا انکار کیا ہے۔

مسئلہ:۔ خلیفہ کے لئے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ اگر دو شخص ہوں۔ ایک افضل دوسرا مفضول۔ لیکن مفضول میں مقاصدِ خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو۔ تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہوگا۔

مسئلہ۔ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت بوجہ

خلافت کے نہیں ہے ۔ بالفرض اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خلیفہ ہو جاتے۔
یا حضرت علیؓ پہلی خلافت کے لئے منتخب کر لئے جاتے ۔ تب بھی حضرت ابوبکر
صدیقؓ افضل اُمت ہوتے ۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے افضل اُمت ہونے
پر ان کی خلافت سے پہلے زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قریب قریب
اجماع ہو چکا تھا ۔ بلکہ ان کی افضلیت ہی کی وجہ سے خلافت ان کو ملی ۔ البتہ
خلافت ملنے کے بعد چونکہ فرائض خلافت کو انہوں نے باحسن وجوہ انجام دیا ۔
اور دین کی نہایت بے نظیر خدمات انجام دیں ۔ اس سے ان کے فضائل میں
اور اضافہ ہو گیا ۔ خلاصہ یہ کہ ان کی افضلیت کا سبب خلافت نہیں ہے بلکہ
خلافت کا سبب افضلیت ہے ۔

مسئلہ : ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ایک بڑا عظیم الشان
کام ہے ۔ جس کی قابلیت لوگوں میں متفاوت ہوتی ہے ۔ لہذا علمائے محققین
نے حسب ذیل اس کے مدارج بیان کئے ہیں ۔

درجۂ اوّل خلافت راشدہ خاصہ ۔ جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوت
بھی کہتے ہیں ۔ یہ درجہ خلافت کا سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اوّلین میں سے
ہوں ۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہد خیر میں مثل بدر
و حدیبیہ و تبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں ۔ اور آیات الٰہی کے وعدوں
کے موعود لہم ہوں ۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ
ہونا بیان فرمایا ہو ۔ اور ان کا مستحق خلافت ہونا بھی ارشاد کیا ہو ۔ اور
ان کا خلیفہ بنانا اُمت پر لازم کر دیا ہو ۔ اور دین الٰہی کی تمکین ان کے ہاتھوں
سے ہوئی ہو ۔ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا ۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے ۔ اور علمائے محققین کا اس بات
پر اتفاق ہے ۔ کہ یہ درجہ خلافت کا حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل
تھا ۔ اور انہیں پر ختم ہو گیا ۔ ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر

غالب تھا۔ کہ گویا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور یہ تینوں خلفاء مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ جس طرح چاہتے ہیں۔ یہ تینوں خلفاء مثل گراموفون کے ہیں۔ کہ ان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور جان سے زیادہ پیاری آواز بھری ہوئی ہے۔ جو آواز ان سے نکل رہی ہے۔ وہ ان کی آواز نہیں بلکہ سرور انبیاء کی آواز ہے۔

ادبجز نائی و ماجسز نئے نائم | اود مے لبے ماؤ مالبے وی نائم

ان تینوں خلافتوں میں بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے۔

درجہ دوم۔ خلافت راشدہ مطلقہ یہ درجہ خلافت کا گو پہلے درجہ سے رتبہ میں کم ہے مگر پھر بھی اس کی شان نہایت ارفع و اعلیٰ ہے ۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود | ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لئے ہے۔ جن کا مستحق خلافت ہونا صاحب فضائل ہونا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہو۔ مگر اُمت پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا۔

یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حاصل تھا۔ اور چھ مہینے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا۔ اور ان پر ختم ہو گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔ اس سے مراد یہی دونوں قسمیں خلافت کی ہیں۔

قسم سوم۔ خلافت عادلہ۔ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے۔ اور اس درجہ کے حاصل ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع الشرائط ہو۔ اور مقاصد خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا استحقاق خلافت بیان فرمایا ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی

میں داخل ہے۔ اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل ہوئی ہیں۔ کہ بوجہ ہم رنگ خلافت راشدہ ہونے کے بعض علماء نے ان کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے۔ جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کی خلافت۔ اس خلافت کا سلسلہ باقی ہے۔ منقطع نہیں ہوا۔

قسم چہارم: خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ۔ یہ درجہ بالکل ہم رنگ بادشاہت و سلطنت کا ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام شرائط خلافت کے جامع نہ ہوں۔ صرف بڑی بڑی شرطیں مثل اسلام و عقل و بلوغ و ذکورت و حرّیت وغیرہ کے ان میں پائی جاتی ہوں۔ بعض خلفائے بنی امیہ و اکثر خلفائے عباسیہ اسی قسم میں داخل ہیں۔

خلافت کے یہ اقسام اور ان کا تفصیلی بیان ازالۃ الخفاء مقصد اوّل میں دیکھنا چاہیے۔ وَاکْیُمُ اللهِ اِنَّهٗ عَلَیْہِمُ النَّظِیْرِ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ وَاِلَی اللهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ۔

قرآن شریف کے حجّت قطعی ہونے کا

اور

تفسیر بالرائے کا مطلب

حضرت بہترین انبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کی شریعت قیامت تک روئے زمین پر باقی رہنے والی ہے۔ مگر جس قدر شریعت کی چیزیں آپ سے منقول ہیں۔ ان سب میں قطعی اور یقینی چیز قرآن شریف ہے۔ اسی پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اور وہی ایک

حجت قطعی ہے۔ جو خدا کی طرف سے خدا کے بندوں پر قائم ہے۔ قرآن شریف کی یہ شان ہے۔ کہ جو شخص اس میں کسی قسم کا شبہ کرے یا اس کے ایک حرف کا بھی انکار کردے۔ وہ باتفاق جمیع کلمہ گویان اسلام کافر ہے۔ قرآن شریف کے انکار کے بعد اسلامی فرقوں میں ہمارا شمار نہیں ہوسکتا۔

اسی وجہ سے جب ان کو ان کے مذہب کے اصول اور مذہب روایات سے دکھایا جاتا ہے۔ کہ تمہارا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے۔ اور نہیں ہوسکتا تو بہت گھبراتے ہیں۔ اور جھٹ اپنی کتابوں سے ان چار اشخاص کے اقوال پیش کردیتے ہیں۔ جو اپنے مذہب کے خلاف اور اپنے ہم مذہبوں کے خلاف (ازراہ تقیہ) قرآن شریف پر ایمان رکھنے کے مدعی بنتے ہیں۔ پھر جب خصم یہ کہتا ہے۔ کہ ان چار اشخاص کا قول بے دلیل ہے۔ ائمہ معصومین کے اقوال کے مقابلہ میں ان لوگوں کا قول کیوں کر معتبر ہوسکتا ہے۔ نیز ایمان بالقرآن کے بعد مخالفین کا گھروندہ مٹا جاتا ہے۔ تو سرنگوں ہوکر رہ جاتے ہیں۔ لیکن کھلم کھلا انکار قرآن شریف کی پھر بھی ہمت نہیں کرتے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ مخالفین کی جان عجب کشمکش میں ہے۔ اگر قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہے۔ اگر قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ تو اسلام کا نام رخصت ہوتا ہے۔ لہذا بیچاروں نے اپنی جان بچانے کا یہ طریقہ نکالا ہے۔ کہ دل تو قرآن کی عداوت سے لبریز ہے۔ مگر زبان سے جیسا موقع دیکھا ویسی بات کہہ دی۔ الحاصل قرآن ایک حجت قطعی ہے۔ اور کسی بات کا اگر قطعی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ تو قرآن شریف ہی سے ہوسکتا ہے اسی لئے ہمارا ارادہ یہ ہے۔ کہ سب سے پہلے قرآن شریف سے اس اہم مسئلہ امامت وخلافت کا فیصلہ طلب کیا جائے۔ کیا عجب ہے۔ کہ سعادت مند روحیں اس فیصلہ کو دیکھ کر راہ حق پر آجائیں۔ مگر ایک دوسری مشکل یہاں پر یہ درپیش ہے۔ کہ مخالفین اگر ایمان بالقرآن کا زبانی دعوے بھی کرتے ہیں۔ تو چونکہ دعوے ان کی ضمیر کے خلاف ہے۔ لہذا ہزاروں حیلے

حوالے نکال کر مطالب قرآنیہ سے سرتابی کی راہ تجویز کر لیتے ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ جب کچھ بنائے نہیں بنتی تو کہہ دیتے ہیں۔ کہ قرآن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ قرآن شریف کا سمجھنا ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص تھا۔ ہم قرآن شریف کے کسی صاف سے صاف لفظ کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتے۔

مخالفین کے مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اعظم اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ کے صفحہ ۶ میں صاحب مدینہ کا قول لکھتے ہیں۔

اِنَّ الْقُرْاٰنَ فِی الْاَکْثَرِ وَرَدَ عَلٰی وَجْہِ التَّعْمِیَۃِ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی اَذْھَانِ الرَّعِیَّۃِ وَکَذٰلِکَ کَثِیْرٌ مِّنَ السُّنَنِ النَّبَوِیَّۃِ وَاِنَّہٗ لَا سَبِیْلَ لَنَا فِیْھَا لَا نَعْلَمُہٗ مِنَ الْاَحْکَامِ النَّظَرِیَّۃِ الشَّرْعِیَّۃِ اَصْلِیَّۃً کَانَتْ اَوْ فَرْعِیَّۃً اِلَّا السَّمَاعَ عَنِ الصَّادِقِیْنَ فَاِنَّہٗ لَا یَجُوْزُ اِسْتِنْبَاطُ الْاَحْکَامِ النَّظَرِیَّۃِ مِنْ ظَوَاھِرِ کِتَابِ اللّٰہِ وَلَا مِنْ ظَوَاھِرِ السُّنَنِ النَّبَوِیَّۃِ مَالَمْ یُعْلَمْ مِنْ جِھَۃِ اَھْلِ الذِّکْرِ	قرآن بہ نسبت عام مخلوق کے اکثر معمی ہے۔ اور یہی حال اکثر احادیث نبویہ کا بھی ہے۔ اور جن احکام شرعیہ کو خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی ہم نہیں جانتے۔ ان میں سوا ان کے کہ ائمہ سے سنی ہوئی بات ملے۔ ہمارے لئے کوئی سبیل نہیں اور احکام نظریہ کا کتاب اللہ کی ظاہر آیات سے استنباط کرنا جائز نہیں۔ اور نہ احادیث نبویہ کے ظاہر الفاظ سے استنباط جائز ہے۔ جب تک کہ اہل ذکر (یعنی ائمہ) سے کچھ منقول نہ ہو۔

اس عبارت کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ قرآن شریف و احادیث

نبویہ کی اطاعت سے سرتابی منظور ہے۔ ورنہ قرآن وحدیث پیغمبر تو معمیٰ و چیستان ہوا۔ اور احادیث ائمہ معمیٰ اور چیستاں نہ ہوں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ ہے کوئی شیعہ جو اس کی معقول وجہ بیان کر سکے۔ نیز اساس الاصول کے صفحہ ۱۹ پر علامہ محمد تقی کا قول روضۃ المتقین سے منقول ہے۔ کہ

اِسْتَشْهَدَ الْمُصَنِّفُ بِالْاٰیَاتِ تَبَعًا لِلْاَصْحَابِ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ مِنْ دَأْبِ الْاَخْبَارِیِّیْنَ فَاِنَّ الظَّاهِرَ مِنْ کَلَامِهِمْ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا نَفْهَمُ کَلَامَ اللّٰهِ تعـ	مصنف نے اور علمار کی دیکھا دیکھی صرف آیات سے استدلال کر دیا۔ ورنہ اخباریین کا طریقہ یہ ہے۔ کیونکہ ان کے کلام سے ظاہر یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں ہم کلام اللہ کو سمجھتے ہی نہیں

نیز اساس الاصول کے صفحہ ۲۰ پر انہیں علامہ محمد تقی کا قول لوامع سے نقل کیا ہے۔ کہ:

بدانکہ صدوق رحمۃ اللہ در خاطر داشتہ۔ کہ در ہر مطلبے آیاتی کہ نازل شدہ است۔ ذکر کند۔ بعد ازاں اخبار را نقل کند۔ بعد ازاں ازیں معنی برگشتہ است کہ مشکل است استدلال بہ آیات نمودن تا از ائمہ ہدیٰ نقل نشدہ باشد۔ مبادا کہ افترائے بستہ شود برحق سبحانہ و تعالیٰ۔	جاننا چاہیئے کہ صدوق رحمۃ اللہ کے دل میں یہ تھا کہ ہر مطلب میں جو جو آیتیں نازل ہوئی ہیں پہلے ان کو ذکر کریں۔ اس کے بعد حدیثیں نقل کریں۔ مگر اس کے بعد اپنے اس خیال سے ہٹ گئے۔ کیونکہ آیات سے استدلال کرنا مشکل ہے۔ تاوقتیکہ ائمہ ہدیٰ سے منقول نہ ہو۔ مبادا خدا پر افترا پردازی نہ ہو جائے۔

اس قسم کے اقوال کتب مخالفین میں بہت ہیں۔ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف کو معمیٰ اور چیستان کہنا اور یہ کہ امت میں سوا دس بارہ اشخاص کے کوئی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ محض اسی وجہ سے ہے۔ کہ قرآن شریف مذہب شیعہ کی قرار واقعی بیخ کنی کر رہا ہے۔

مگر جب اہل سنت کی طرف سے دار و گیر ہوئی۔ کہ مخالفین تو حسن و قبح کو عقلی کہتے ہیں۔ ذرا بتائیں تو کہ قرآن کو جو خدا نے ایسا معمےٰ بنا دیا۔ اس میں کیا عقلی خوبی ہے۔ پھر یہ بھی فرمائیں۔ کہ قرآن کے نازل کرنے سے فائدہ کیا ہوا اور خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے نازل کیا گیا کہ تم سمجھو قرآن کو اگر معمیٰ مانا جائے۔ تو تمام بدیہیات سے امان اٹھ جائے گا۔ پھر قرآن کے ساتھ آں حضرت علیہ السلام نے فصحائے عرب کو تحدی کی۔ اور اس کو معجزۂ رسالت قرار دیا۔ یہ ایک متواتر واقعہ ہے۔ لیکن اگر قرآن معمیٰ ہو کہ سوا رسول اللہ اور ائمہ کے کوئی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ تو اس کے ساتھ تحدی کرنا کیسے صحیح ہوگا۔ اس صورت میں تو کفار مکہ کو کہہ دینا چاہیئے تھا۔ کہ (معاذ اللہ) قرآن ایک معمیٰ کلام ہے۔ اس کی کوئی بات سمجھ ہی میں نہیں آتی ہم اس کا مقابلہ کیا کریں۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کہا۔ بلکہ وہ اس کے معانی و مطالب کو سمجھ گئے اور اس میں ان کو فصاحت و بلاغت کے دریا لہراتے ہوئے نظر آئے۔ اور بے اختیار ہو کر لَيْسَ هٰذَا مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ کہتے ہوئے ایمان لائے بعضے سنگ دل ایمان نہ لاتے۔ تو بھی انہوں نے اس کے اعجاز کا اقرار ان الفاظ میں کیا کہ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

المختصر اہل سنت وجماعت کی اس دار و گیر سے گھبرا کر مخالفین نے قرآن کے معمےٰ و چیستان ہونے کا قول چھپا ڈالا اور کہہ دیا کہ یہ تو تمام کا قول نہیں۔ صرف اخباری اس کے قائل ہیں۔ اصولی قرآن کو معمےٰ نہیں جانتے۔ لیکن جس بات کو انسان کا دل نہ چاہے۔ سو طرح کے حیلے اس میں نکالتا

ہے۔ قرآن کے معمے ہونے سے تو انکار کیا۔ مگر اب یہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کا مطلب بغیر روایات کے ملائے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور کہتے ہیں کہ بغیر روایات کے ملائے ہوئے آیت کا کوئی مطلب بیان کیا جائے گا۔ تو وہ تفسیر بالرائے ہوگی۔ اور تفسیر بالرائے فریقین کے یہاں ممنوع ہے۔

مآل اس قول کا بھی وہی ہے۔ کہ قرآن معمی و چیستان ہے۔ جب تک روایات اس کے ساتھ نہ ملائی جائیں۔ اس کا مطلب کوئی سمجھ نہیں سکتا عجیب بات ہے کہ بندوں کے کلام تو اپنے مقصود کے اظہار میں کسی دوسرے کلام کے ملانے کے محتاج نہ ہوں۔ اور کلام الٰہی اپنے مقصود کے اظہار میں ایک خارجی ضمیمہ کا محتاج ہو۔ قرآن ایک قطعی و یقینی چیز ہے۔ اور اخبار و روایات اگر صحیح بھی ہوں۔ تو بھی ظنی ہیں۔ قطعی چیز کو جب ظنی چیز کا پابند کر دیا جائے گا۔ اور قطعی کے ساتھ ظنی کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے گا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ بھی ظنی ہو جائے گا۔ لیجئے پورا قرآن ظنی ہو گیا۔ حجت قطعی نہ رہا۔

اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ قرآن شریف حجت قطعی ہے یہ معمی نہیں ہے۔ اور اپنے معانی کے اظہار کے لئے خود ہی کافی ہے۔ اور تفسیر بالرائے نہیں ہے۔

تفسیر بالرائے کا مطلب

تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں۔ کہ کسی آیت کا مطلب اپنی طرف سے ایسا بیان کیا جائے جو زبان عرب کے قواعد کے خلاف ہو۔ یا ان ضروریات دین کے خلاف ہو جو صاحب شریعت سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔ جیسا کہ آج کل منکرین حدیث نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔

کسی آیت قرآنی کے اگر از روئے قواعد عربیت کئی مطلب ہو سکتے ہوں تو جس مطلب کی تائید روایات صحیحہ سے ہوتی ہو۔ اسی کو ترجیح دینا چاہیئے۔

اگر کسی آیت کا مطلب تو سمجھ میں آگیا۔ مگر تعین مراد یا تشخص مصداق کسی واقعہ پر موقوف ہے۔ تو وہ واقعہ قطعیت ثبوت میں قرآن سے کم نہ ہونا چاہئے۔ اگر کم ہوگا تو اس کو ملا کر جو مراد سمجھی جائے گی ظنی ہوگی۔

اب دیکھئے! تفسیر بالرائے کی ممانعت احادیث میں کس طرح فرمائی گئی ہے۔ اور اس کا کیا مطلب ہے۔ مشکوۃ المصابیح میں ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو چاہئے کہ وہ ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈھ لے اور ایک روایت میں ہے۔ کہ جو شخص قرآن میں بغیر علم کے کچھ کہے۔ تو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈھ لے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حضرت جندب رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اگر صحیح بھی کہے تو غلط ہے۔ اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے۔کہ تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص آیات قرآنیہ کا مطلب بغیر علم کے بیان کرے۔اور علم سے مراد ظاہر ہے۔کہ قواعد عربیہ اور اصول شریعت کا علم ہے۔بلیشک جو شخص ان دونوں علوم سے جاہل ہو۔اس کو قرآن شریف کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ وہ یقیناً بجائے تفسیر کے قرآن میں تحریف معنوی کرے گا۔جیساکہ پرویز صاحب رسالہ طلوع اسلام میں اپنی من مانی تفسیریں کررہے ہیں۔

ملاعلی قاری مکی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح یوں لکھتے ہیں۔

قَوْلُہٗ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ اَیْ مَنْ تَکَلَّمَ فِیْ مَعْنَاہُ اَوْفِیْ قِرَاءَتِہٖ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِہٖ مِنْ غَیْرِ تَتَبُّعِ اَقْوَالِ الْاَئِمَّۃِ مِنْ اَھْلِ اللُّغَۃِ وَالْعَرَبِیَّۃِ الْمُطَابِقَۃِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِیَّۃِ بَلْ بِحَسَبِ مَایَقْتَضِیْہِ عَقْلُہٗ وَھُوَ مِمَّا یَتَوَقَّفُ عَلَی النَّقْلِ کَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَ النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ وَمَا یَتَعَلَّقُ بِالْقَصَصِ وَ الْاَحْکَامِ اَوْبِحَسَبِ مَا	قرآن میں اپنی رائے سے کلام کرنے کا یہ مطلب ہے۔کہ قرآن کے معنی یا اس کی قرأت میں اپنی طرف سے گفتگو کرے۔بغیر تتبع اقوال علمائے لغت و عربیت کے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہوں بلکہ اپنی عقل سے تفسیر کرے۔ حالانکہ وہ مطالب ایسے ہوں کہ نقل پر موقوف ہوں مثل اسباب نزول و ناسخ و منسوخ کے اور مثل ان چیزوں کے جو قصص و احکام سے متعلق ہوں یا موافق ظاہر نقل کے تفسیر کردے۔ حالانکہ وہ بات ایسی ہو کہ نقل

يَقْتَضِيْهِ ظَاهِرُ النَّقْلِ وَهُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْعَقْلِ كَالْمُتَشَابِهَاتِ الَّتِيْ أَخَذَ الْمُجَسِّمَةُ بِظَوَاهِرِهَا وَأَعْرَضُوْا عَنِ اسْتِحَالَةِ ذٰلِكَ أَوْ بِحَسْبِ مَا يَقْتَضِيْهِ بَعْضُ الْعُلُوْمِ الْإِلٰهِيَّةِ مَعَ عَدَمِ مَعْرِفَتِهِ بِبَقِيَّتِهَا وَبِالْعُلُوْمِ الشَّرْعِيَّةِ فِيْمَا يُحْتَاجُ إِلَى ذٰلِكَ ۔	پر موقوف ہو۔ جیسے آیات متشابہات کہ مجسمہ نے ان کے ظاہری الفاظ کو لے لیا۔ اور یہ نہ خیال کیا کہ ظاہری الفاظ کے معنی محال ہیں یا موافق بعض علوم الہیہ کے تفسیر کر دی۔ باوجودیکہ ربانی علوم کو اور علوم شرعیہ کو نہ جانتا ہو۔ حالانکہ وہ مطلب ایسے ہوں کہ ان میں علوم شرعیہ کی حاجت ہو۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کا مطلب اپنی عقل سے بیان کیا جائے۔ اور قواعد زبان عرب و اصول شریعت کا لحاظ نہ کیا جائے۔ نہ یہ کہ آیات قرآنیہ کا مطلب قواعد عربیت کے مطابق بغیر ملائے روایات ظنیہ کے بیان کیا جائے۔ جیسا کہ آج منکرین حدیث کر رہے ہیں۔

پس یہ بات منقح ہو گئی کہ قرآن شریف کی تفسیر کا صحیح اور اصلی طریقہ یہ ہے کہ بپابندی قواعد زبان عرب و بمطابقت اصول شریعت اس کے الفاظ و عبارات کا مطلب بیان کیا جائے۔ اب اس مطلب کے مطابق کچھ روایات صحیح ہیں تو لے لی جائیں۔ اور اس مطلب کے مخالف اگر کوئی روایت ملے۔ خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحت میں ہو۔ ہرگز ہرگز اس کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ اب اس موقعہ پر مخالفین صحابہ کے ائمہ معصومین کی تفسیر کا ایک نمونہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ انصاف سے دیکھو تو تفسیر بالرائے یہ ہے

جو مخالفین کے ائمہ کرتے ہیں ۔ اور تفسیر بالرائے بھی ایسی لے جوڑ جس کو عقل سلیم باور نہیں کرسکتی ۔ اصول کافی صفحہ ۲۷۰ ہیں ابوالائمہ حضرت علی مرتضےٰ رضؓ سے آیہ کریمہ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ کی تفسیر اس طرح منقول ہے ۔

قَالَ الْوَالِدَانِ اللَّذَانِ	حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ وہ والدین
اَوْجَبَ لَهُمَا الشُّكْرُهُمَا	جن کا لشکر اللہ نے واجب کیا
اللَّذَانِ وَلَدَا الْعِلْمَ	ہے وہ ہیں ۔ جنہوں نے علم
وَوَرَّثَا الْحِكْمَةَ وَاَمَرَ	کو پیدا کیا ۔ اور حکمت کو میراث
النَّاسَ بِطَاعَتِهِمَا ثُمَّ	میں چھوڑا ۔ خدا نے ان والدین
قَالَ اللّٰهُ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ	کی اطاعت کا حکم دیا ۔ پھر
فَمَصِيْرُ الْعِبَادِ اِلَى اللّٰهِ	فرمایا کہ میری طرف لوٹ کر آنا
وَالدَّلِيْلُ عَلٰى ذٰلِكَ	ہے ۔ پس سب بندوں کو خدا
الْوَالِدَانِ ثُمَّ عَطَفَ	کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور
الْقَوْلَ عَلَى ابْنِ حَنْتَمَةَ	اس کے بتلانے والے وہی
وَصَاحِبِهٖ فَقَالَ فِي الْخَاصِّ	والدین ہیں ۔ اس کے بعد
وَالْعَامِّ وَاِنْ جَاهَدَاكَ	اللہ تعالےٰ نے حضرت عمر رضؓ
عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ	اور حضرت ابوبکر رضؓ کا ذکر کیا ۔
تَقُوْلُ فِي الْوَصِيَّةِ وَتَعْدِلُ	اور خاص و عام سب کو سنا
عَمَّنْ اُمِرْتَ بِطَاعَتِهٖ	کر کہہ دیا ۔ کہ اگر وہ دونوں تجھ
فَلَا تُطِعْهُمَا وَلَا تَسْمَعْ	سے میرے ساتھ شرک کرانے
قَوْلَهُمَا ثُمَّ عَطَفَ	کی کوشش کریں ۔ یعنی اس
الْقَوْلَ عَلَى الْوَالِدَانِ	بات کی کہ تو وصیت میں اختلاف
فَقَالَ وَصَاحِبْهُمَا فِي	کر اور جس کی اطاعت کا حکم

الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا یَقُوْلُ تجھے ملا ہے ۔ اس سے انحراف
عَدِّفِ النَّاسَ فَضْلَھُمَا کر تو ابوبکرؓ و عمرؓ کا کہنا نہ مان
وَادْعُ اِلیٰ سَبِیْلِھِمَا ط اور ان کی بات نہ سن ۔ اس
کے بعد پھر اللہ نے والدین کا ذکر شروع کر دیا کہ دُنیا میں ان کے
ساتھ بھلائی کر ۔ یعنی ان کی فضیلت لوگوں کو بتلا اور ان کی راہ
کی طرف بلا ۔

مخالفین حضرات کی اس انوکھی تفسیر کے لطائف حسب ذیل ہیں ۔

۱ ۔ فرماتے ہیں ۔ کہ والدین سے علم و حکمت کے والدین مراد ہیں ۔ نہ خود انسان کے ماں باپ ۔ علم و حکمت کے والدین کون ہیں ۔ اس کو جناب ابوالائمہ نے بیان نہ کیا ۔ البتہ علمائے شیعہ نے بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس کا پتہ لگایا ۔ علامہ قزوینی صافی شرح کافی میں فرماتے ہیں ۔ کہ علم و حکمت کے والدین قرآن اور امام ہیں ۔ قرآن ماں ہے ۔ اور امام باپ ۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

۲ ۔ جَاھَدٰ اور لَا تُطِعْھُمَا کی ضمیریں والدین کی طرف پھر رہی ہیں ۔ مگر بقول مخالفین جناب ابوالائمہ فرماتے ہیں ۔ کہ یہ ضمیریں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف پھرتی ہیں ۔ حالانکہ ان کا اس آیت میں کہیں ذکر نہیں ۔ بھلا ایسی نادر تفسیر سوا ابوالائمہ کے کس کے دماغ میں آسکتی ہے ۔

۳ ۔ والدین سے مراد قرآن و امام لیئے گئے ہیں ۔ اور کس قدر بے ادبی کی گئی ۔ کہ قرآن کو ماں بنایا گیا ۔ درجہ امام کا قرآن سے بالا ہی رہا ۔ یہ تو سب کچھ ہوا ۔ مگر حمل کا دودھ چھڑانے کا ماں کی کمزوری کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا ۔ ابوالائمہ صاحب کا ذہن تو اس طرف نہ گیا ۔ مگر علمائے مخالفین نے اس گتھی کو بھی سلجھایا ۔ علامہ قزوینی صافی میں فرماتے ہیں ۔ کہ حمل سے مراد اٹھا لینا ، ماں یعنی قرآن نے علم و حکمت کو اٹھا لیا اور

فصال کے معنی دودھ چھڑانا نہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ابوبکرؓ کی خلافت دو برس میں ختم ہو گئی۔ سبحان اللہ قلم توڑ دیا۔ اور ماں کی کمزوری کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن خلافت ابوبکرؓ وعمرؓ میں بہت کمزور ہو گیا۔

۴۔ اَنْ تُشْرِكَ بِیْ کا مطلب بقول مخالفین ابو الائمہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ میری امامت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ متکلم کی ضمیر اپنی طرف پھیر رہے ہیں معلوم ہوا کہ قرآن کے متکلم آپ ہی ہیں۔ اس سے تفسیریوں کی تائید ہوتی ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن حضرت علیؓ کا کلام ہے۔ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا۔ اور وہی خدا ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ۔

۵۔ صَاحِبْهُمَا کی ضمیر پھر قرآن و امام کی طرف پھر گئی۔

یہ آیت سورۂ لقمان کی ہے۔ صاف مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو حکم دیا۔ کہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے۔ اس کی ماں نے اُسے محنت مشقت کے ساتھ حمل میں رکھا۔ اس کو دو برس تک دودھ پلایا۔ میں نے یہ حکم دیا کہ میری شکر گذاری کرو۔ اور اپنے والدین کی۔ لیکن تمہارے ماں باپ تم کو میرے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کریں۔ تو اس بارہ میں ان کا کہنا نہ مانو۔ پھر بھی دُنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

جناب امیر فرماتے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے۔ کہ علم و حکمت کے ماں باپ یعنی قرآن و امام کی خدمت کرے۔ علم و حکمت کی ماں نے علم و حکمت کو ضعف پر اٹھا کر اپنے پاس رکھا۔ یعنی قرآن خلافت ابوبکرؓ میں کمزور ہو گیا۔ ابوبکرؓ کی خلافت دو برس میں ختم ہو گئی۔ ابوبکرؓ و عمرؓ میری خلافت میں کسی کو شریک کرنے کو کہیں۔ تو ان کا کہنا مت مان۔ علم و حکمت کے ماں باپ کی بزرگی بیان کر۔

ناظرین دیکھیں یہ ہے قرآن کی تفسیر۔ ایسی ہی خبط بے ربط تفسیروں کی وجہ

سے قرآن کو معمیٰ کہا گیا ہے۔ ائمہ کی تفسیروں کی بہت سی مثالیں مناظرہ حصّہ دوم میں ہم لکھ چکے ہیں۔ جن کو شوق ہو دیکھے۔ اور ائمہ مخالفین[1] کی نازک خیالیوں کی داد دے۔ المختصر تفسیر بالرائے ایسی تفسیروں کا نام ہے نہ اس تفسیر کا جو مطابق قواعد زبان ہے۔

روایت حدیث کا شریعت وعقل کے

نزدیک کیا رتبہ ہے

فن حدیث ایک بڑا عظیم الشان علم ہے۔ اس علم کے ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ علمائے مسلمین نے کیسی سعی مشکور اس علم میں کی ہے۔ روایات حدیث کا متفرق و منتشر مقامات سے لے کر جمع کرنا پھر ان کی تنقید کرنا ان کے مدارج کا جانچنا آسان کام نہ تھا۔ اس علم کی تکمیل کے لئے پینسٹھ فن مدوّن کئے گئے۔ تقریباً ایک لاکھ راویوں کے حالات قلمبند ہوتے۔ جرح و تعدیل کے قوانین بنائے گئے۔ سچ یہ ہے۔ کہ بعونہ تعالیٰ وحسن توفیقہ مسلمانوں نے جس قدر اہتمام اپنی روایات کی حفاظت کا کیا کوئی دوسری قوم اس اہتمام کا ہزارواں حصّہ اپنی کتاب اللہ کی حفاظت میں نہیں دکھا سکتی۔ آج ہم جس طرح ایک حدیث کی سند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کردیں گے۔ دنیا میں کوئی شخص توریت یا انجیل یا وید کی سند ان کے معلم اول تک نہیں بیان کرسکتا۔ ذٰلِكَ مِنْ

---

[1] یاد رہے کہ یہ سب بانیان مخالفین صحابہ کی ائمہ کرام پر افترا پردازی ہے۔ ورنہ یہ ائمہ کرام سب مذہب اہل سنت پر تھے۔ جیسا کہ اہل سُنت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور شیعہ کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ کہ ائمہ مذہب مخالفین کی تبلیغ تنہائی میں کرتے تھے۔ ظاہر میں سُنّی تھے۔

فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ۔

بایں ہمہ حدیث کا اعتبار قرآن شریف کے برابر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف کلام خدا ہے۔ اور حدیث کلام رسول ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف متواتر ہے۔ قطعی ویقینی ہے اور احادیث اکثر وبیشتر اخبار آحاد ہیں۔ ظنی ہیں۔ جن لوگوں نے بلا واسطہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث کو سنا۔ ان کے حق میں وہ احادیث واجب القبول اور واجب العمل ہونے میں قرآن شریف سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ الغرض یہ تفاوت راویوں کے سبب سے پیدا ہوا ہے۔

حدیث کی باعتبار اس کی سند یعنی راویوں کے کئی تقسیمیں کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے دو یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

تقسیم اوّل:۔ باعتبار تعداد اور رواۃ کے ہے۔ اس تقسیم میں چار قسمیں ہیں۔ اولاً دو قسمیں کی گئی ہیں۔ متواتر اور احاد۔ متواتر وہ روایت ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں اس کثرت سے ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر متفق ہو جانے کو عقل انسانی عادۃً محال سمجھے۔ آحاد وہ روایت ہے جس کے راوی اس کثرت سے نہ ہوں۔ احاد کی پھر تین قسمیں ہیں۔ مشہور جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہوں۔ عزیز جس کے راوی کسی طبقہ میں دو سے کم نہ ہوں۔ غریب جس کے راوی دو سے بھی کم ہوں۔ یعنی کسی طبقہ میں یا کل طبقات میں ایک ہی راوی ہو۔

تقسیم دوم:۔ باعتبار اوصاف رواۃ کے ہے۔ اس تقسیم میں بھی چار قسمیں ہیں۔ صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ موضوع۔ ان سب اقسام میں اعلیٰ ترین قسم متواتر ہے۔ اور وہ بلاشبہ یقینی چیز ہے۔ مگر اس کا وجود باعتبار لفظ کے کم اور بہت کم ہے۔ حافظ ابن الصلاح محدث اپنی کتاب مقدمۃ الحدیث میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص متواتر حدیث کو تلاش کرے تو وہ تھک جائیگا۔

بعض محدثین جو بعض بعض روایات کو متواتر کہہ دیتے ہیں۔ اور بعض نے مستقل تالیفات میں متواتر روایات کو جمع کیا ہے۔ ان میں اکثر روایات متواتر حقیقی نہیں بلکہ اخبار آحاد ہیں۔ اسانید ان کی کچھ زیادہ ہو گئی ہیں۔ اس وجہ سے ان کو مجازاً متواتر کہہ دیا گیا ہے۔ اصطلاح محدثین میں اسی کو متواتر معنوی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جن حدیثوں کو وہ متواتر کہتے ہیں۔ ان کے منکر کو کافر نہیں کہتے۔ حالانکہ اگر متواتر حقیقی ہوتیں تو ان کے منکر کا کفر قطعی ہوتا۔ کتب حدیث کے بھی کئی طبقے ہیں۔ بعض اعلیٰ ہیں۔ بعض ادنیٰ بعض بالکل غیر معتبر۔ طبقہ اعلیٰ میں صرف تین کتابیں قرار پائی ہیں۔ امام مالک کی موطا صحیح بخاری صحیح مسلم۔ بعض کتابیں ایسی ہیں۔ جن میں ہر قسم کی رطب و یابس صحیح و ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی مندرج ہیں۔ ان کے مؤلفین کا مقصود یہ تھا۔ کہ جو روایتیں اوپر کے طبقوں میں نہیں لی گئیں۔ وہ سب قلمبند کر لی جائیں۔ بعد میں تنقید ہوتی رہے گی۔ ممکن ہے کہ ان سنگریزوں میں کچھ جواہرات بھی ہوں۔ ان طبقات کا مفصل حال "حجۃ اللہ البالغہ" اور "بستان المحدثین" میں دیکھنا چاہیئے۔

محدثین کے مدارج بھی بحسب اختلاف طبائع انسانی مختلف ہیں۔ بعض اعلیٰ درجہ کے ناقد و مبصر ہیں۔ جیسے امام بخاریؒ۔ بعض متساہل ہیں۔ جو ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں۔ جیسے حاکم بعض متشدد ہیں۔ جو صحیح حدیثوں کو بھی موضوعات میں داخل کر دیتے ہیں۔ جیسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

آمدم برسر مطلب۔ غیر متواتر روایات بعد ان سب تحقیقات اور تنقیحات کے کیسی ہی اعلیٰ پایہ کی ہوں ظنی ہیں۔ عقائد کی بنیاد اُن پر رکھنا عقلاً و نقلاً کسی طرح جائز نہیں۔ البتہ جو حدیثیں ان تحقیقات میں صحیح یا حسن کے رتبہ تک پہنچ جائیں۔ اُن سے اعمال کے مسائل استنباط کیے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ سب شرائط بھی پائے جائیں جو اصول فقہ و اصول

حدیث میں مذکور ہیں۔ اور ضعیف حدیث فضائل اعمال اور مناقب میں بھی لے لی جاتی ہے۔ مگر انہیں شرائط کے ساتھ جو کتب اصول میں مذکور ہیں۔ اور موضوع روایت توقطعًا واجب الرّد ہے۔

غیر متواتر روایات کے ظنی ہونے کا اصلی سبب یہ ہے۔ کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا صدور یقینی نہیں ہے۔ اس لئے کہ غیر متواتر روایات کی بنیاد معدودے چند راویوں کے بیان پر ہے۔ ممکن ہے کہ جن معدودے چند اشخاص کو قواعد سے جانچ کر معتبر مانا گیا ہے۔ اس جانچ میں غلطی ہو گئی ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ لوگ ایک شخص کو اچھا اور سچا سمجھتے ہیں۔ اور واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ غیب کا حال، دلوں کی کیفیت، ضمائر کی اصلیت سوا خدا تعالے کے اور کون جان سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے فریس صاحب قوت قدسیہ نے ایک مجموعہ احادیث اپنے زمانہ خلافت میں جمع کیا۔ لیکن پھر ایک روز اس مجموعہ کو آگ میں جلا دیا۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا فرمایا:

خَشِيتُ اَنْ اَمُوْتَ وَهِيَ	مجھے اندیشہ اس بات کا پیدا
عِنْدِيْ فَيَكُوْنُ فِيْهَا	ہوا کہ میں مر جاؤں اور یہ مجموعہ
اَحَادِيْثُ عَنْ رَجُلٍ قَدِ	میرے پاس سے نکلے۔ شاید
ائْتَمَنْتُهٗ وَوَثِقْتُهٗ	اس میں حدیثیں ایسے شخص
وَلَمْ يَكُنْ كَمَا حَدَّثَنِيْ	سے منقول ہوں۔ جس کو میں نے
فَاَكُوْنَ قَدْ نَقَلْتُ	امین اور معتبر سمجھا تھا۔ مگر اس
ذٰلِكَ فَهٰذَا لَا يَصِحُّ	کی حدیث واقع کے مطابق نہ
(تذکرۃ الحفاظ)	ہو۔ پس ایسی حدیث کو میں نقل
	کروں۔ یہ ٹھیک نہیں

روایت میں غلطی صرف راوی کے کاذب ہونے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ بسا اوقات

غلط فہمی سے بھی ہو جاتی ہے۔ سہو ونسیان کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ تنقید وغیرہ کی وجہ سے اور طرق روایت کو جمع کرنے سے اور دوسرے قرائن سے یہ احتمالات کمزور ضرور ہو جاتے ہیں۔ مگر کلیتہً فنا نہیں ہوتے اور ان احتمالات کا جب تک سایہ بھی باقی ہے۔ روایت ظنی ہی رہے گی۔ یقینی نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود حدیث کی صحت مسلم ہو جانے کے بھی ان پر عمل کرنے میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب اور اس کی بعض احادیث حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہیں۔ احادیث کی یہ کیفیت ہے۔ کہ محدث خود ہی ایک روایت کرتا ہے۔ اور اس روایت کو صحیح قرار دیتا ہے۔ مگر اس پر عمل نہیں کرتا۔ امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں بعض روایتیں ایسی درج کی ہیں کہ خود ان کا مذہب ان روایات کیخلاف ہے۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں کئی حدیثیں ایسی روایت فرمائی ہیں کہ ان کی سند میں کوئی داغ نہیں۔ لیکن لکھتے ہیں کہ امت میں کسی نے بھی ان حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اس کے نظائر بہت ہیں۔

ایک خاص بات یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے۔ کہ اہل بدعت سے روایت لے لی جائے۔ بچند شرائط اوّل یہ کہ ان کی بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ دوم یہ کہ ان کا صدق معلوم ہو گیا ہو۔ یعنی کسی محدث نے ان پر کذب کی جرح نہ کی ہو۔ سوم یہ کہ وہ روایت ان کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔ اسی اصول کی بنا پر امام بخاری جیسے عالی مرتبہ محدث نے بعض مخالفین سے روایت لے لی۔ اور صحیح بخاری میں درج فرمائی۔ مثل یونس بن حبان کے۔ جس کا تشیع تبرائیت کی حد تک پہنچا تھا۔ حالانکہ علمائے سابقین کو پوری حقیقت اس مذہب کی معلوم ہوتی ہی نہ تھی۔ اور معلوم کیوں کر ہو سکتی تھی۔ اس مذہب کے لوگ ہی بہت کم تھے۔ اور جو تھے بھی

تو وہ اپنے مذہب کو چھپانے میں بے حد اہتمام کرتے تھے۔ مذہب کا ظاہر کرنا ان کے یہاں بڑا مذہبی جرم تھا۔ لہٰذا ہمارے علماء اس امر کا فیصلہ کر ہی نہ سکے کہ ان کی بدعت حد کفر تک پہنچتی ہے یا نہیں۔ ہمارے علماء کو یہ بھی معلوم نہ تھا۔ کہ مخالفین میں جھوٹ بولنا عبادت ہے۔ ورنہ وہ کبھی کسی مخالف کی بابت یہ خیال بھی نہ کرتے۔ کہ وہ صادق ہو سکتا ہے۔ پھر جب مخالفین کے مذہب کی پوری حقیقت معلوم ہی نہ تھی تو فیصلہ کیوں کر کیا جا سکتا تھا۔ کہ یہ روایت ان کی بدعت کی مؤید ہے یا نہیں۔

ان وجوہ سے جو روایتیں اعمال سے تعلق نہیں رکھتیں۔ محققین کے نزدیک وہ بہت عمیق تحقیق اور شدید تنقید کی محتاج ہیں۔ البتہ اعمال کی روایات ہیں جن کی تصدیق تعامل سے ہو جاتی ہے۔ ان سے اشتباہ دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کی سخت تاکید رہتی تھی کہ جو روایتیں اعمال سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں کی روایت کی جائے۔ دوسری روایات نہ بیان کی جائیں۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ لَمَّا	حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ
وُلِّيَ عُمَرُ قَالَ اَقِلُّوا	حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت
الرِّوَايَةَ عَنْ رَّسُوْلِ	میں فرمایا رسول خدا صلی اللہ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ	علیہ وسلم سے روایت کم کرو۔
سَلَّمَ اِلَّا فِيْمَا يُعْمَلُ بِهٖ۔	مگر اعمال کے متعلق۔

المختصر روایات آحاد کا بیان عقائد میں ناقابل التفات ہونا بالکل ظاہر ہے۔ علمائے مخالفین نے بھی اپنی روایات کی بابت ایسی ہی تصریحات[1] کی ہیں۔ اور صاف لکھا ہے۔ کہ روایت پر بنیاد اعتقاد نہیں ہو سکتی بلکہ

[1] علامہ علی طہرانی اپنی کتاب توضیح المقال صفحہ ۱۳ میں لکھتے ہیں۔ اِنَّ احتمال الوضع قائم فی اکثر الاخبار و ان ضعف فی بعض لنقر ائن خارجیۃ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۲ پر)

ہر حدیث چاہے کیسی ہی صحیح ہو عمل کے کام میں بھی نہیں آسکتی . مگر اہل سُنت کی فن روایت میں اور مخالفین کی روایات میں پھر بھی بڑا فرق ہے . کھلے کھلے چند فرق یہاں لکھتے جاتے ہیں ۔

پہلا فرق

یہ ہے کہ مخالفین اگر اپنی روایات پر اپنے اعتقادات کی بنیاد نہ رکھیں تو ان کے مذہب کا گھروندہ بگڑ جائے . ان کے پاس سوا ان واہی تباہی روایات کے اور ہے کیا . قرآن سے ان کا ہاتھ خالی ہے . کیوں کہ ان کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے (دیکھو النجم کا مناظرہ حصہ اول ومناظرہ امروہہ و تنبیہ الحائرین وغیرہ) اور متواتر روایت بھی کوئی ان کے پاس نہیں . ان کا مذہب بھی متواتر نہیں . جیسا کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں . کہ قرن اول میں صرف پانچ آدمی ہمارے مذہب کے تھے . اور بعد کے قرون میں ہر امام اپنا مذہب چھپاتا رہا . ظاہر میں سب امام سُنّی بنے رہے . تنہائی میں کبھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) **ترجمہ** :- اکثر حدیثوں میں جعلی ہونے کا احتمال موجود ہے . اگرچہ یہ احتمال بعض حدیثوں میں قرائن خارجیہ کے سبب سے کمزور ہو گیا . ان سے مولوی دلدار علی مجتہد اعظم حسام میں فرماتے ہیں . " خبر واحد اگر بے معارض ہم باشد ظنی است در اصول اعتقادیات باں تمسک نباید کرد . بلکہ نزد محققین امامیہ مثل ابن زہرہ وابن ادریس و شریف مرتضیٰ واکثر قدمائے ایشاں قابل احتجاج نیست و متاخرین ایشاں ہمیں مذہب را اختیار کردہ اند . و لہذا اخبار آحاد را ورد دلائل نہ شمردہ بلکہ ردِّ آں را واجب دانستہ خصوصاً در اعتقادیات " اور مولوی حامد حسین ان کے امام المناظرین استقصار الافحام میں لکھتے ہیں " کہ ہر حدیث صحیح جائز العمل ہم نیست چہ جائے آنکہ واجب العمل باشد " المختصر اس مضمون کی تصریحات علمائے مخالفین سے بکثرت ہیں . مگر افسوس کہ ان قواعد پر عمل کر کے ان کے مذہب کا پھر وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا !!

کوئی مخالف مل گیا۔ تو اُس سے کچھ کہہ دیا۔

بخلاف اہل سنت کے کہ ان کے پاس قرآن ہے۔ ان کے تمام اعتقادات کی بنیاد اسی کتاب پر ہے۔ ان کے پاس کچھ متواتر روایات بھی ہیں۔ جیسا کہ خود مخالفین بھی مانتے ہیں۔ قرن اوّل میں تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار انسان ان کے مذہب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ہیں۔ پھر قرون مابعد میں تدوین کتب کے بعد تو ہر قرن میں اتنے لوگ رہے۔ کہ اُنکا شمار خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا فرق

یہ ہے کہ اہل سنت کا فن رجال نہایت مکمل، اصول تنقید نہایت کامل۔ یہاں تک کہ مخالفین کے علماء کو جب اپنے کسی راوی کا حال اپنی کتب میں نہیں ملتا۔ تو ہمارے ہی خزانۂ عامرہ سے اپنی کشکول بھرتے ہیں۔ ان کی کتب رجال کو دیکھو۔ بکثرت حوالہ ہماری کتب رجال لسان المیزان وغیرہ کا دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں۔ کہ اس راوی کا پتہ اپنی کتب میں ہم کو نہیں ملا۔ مگر اہل سنت نے ان کو رافضی لکھا ہے۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ وہ ہمارا پیشوا تھا۔

پس فن رجال اور تنقید سے جانچ کر ہم روایات کو اس درجہ تک پرکھ لیتے ہیں۔ جتنا پرکھنے کی اعمال کے لئے ضرورت ہے۔ مخالفین کا ہاتھ اس سے بھی خالی ہے۔ مخالفین اگر ہمارے اصول تنقید سے اپنی روایات کو پرکھیں۔ تو ایک روایت بھی ان کی جانچ میں پوری نہ اترے۔ اور مطلع صاف ہو جائے۔

تیسرا فرق

یہ ہے کہ ان کی روایات میں باہمی اختلاف اس قدر ہے۔ کہ کوئی مسئلہ ایسا

نہیں جس میں مختلف روایات نہ ہوں۔ ایک روایت میں اگر وضو میں پیر دھونے کی تعلیم ہے۔ تو دوسری روایت میں پیر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ ایک روایت میں اگر اذان فجر میں اَلصَّلٰوۃُ خَیۡرٌ مِّنَ النَّوۡمِ کہنے کی ممانعت ہے۔ تو دوسری روایت سے اس کا ثبوت ہے۔ ایک روایت میں اگر خون نکلنے سے وضو کا ٹوٹ جانا ثابت ہوتا ہے۔ تو دوسری سے نہ ٹوٹنا وعلیٰ ہذا القیاس۔ تمام مسائل میں شروع سے آخر تک یہی اختلاف ہے۔ اور ان اختلاف اقوال میں امام کا اصلی مذہب کیا ہے۔ اور یہ اختلاف کیوں ہے۔ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ خود ان کے علماء کا اقرار ہے۔ بخلاف اس کے اہل سنت کے یہاں اختلاف روایات کم اور بہت کم ہے۔ اس کا بھی علمائے مخالفین کو اقرار ہے۔ اور اس قدر قلیل اختلاف میں اصلی تعلیم کا معلوم کر لینا اور سبب اختلاف کا دریافت کر لینا نہایت آسان ہے۔ کیوں کہ یہاں سبب اختلاف وہی معدودے چند ہیں۔ جو اوپر بیان ہوئے۔ اور مخالفین کے یہاں تقیہ ہے۔ اور اماموں کا عمداً اختلاف ڈالنا تاکہ شیعہ راوی سچے نہ سمجھے جائیں وغیرہ وغیرہ بکثرت ہیں۔

چوتھا فرق

یہ ہے کہ ہمارے یہاں حدیث کی جو کتابیں اعلیٰ طبقہ کی ہیں۔ وہ اپنے مؤلفین سے متواتر ہیں۔ مثلاً مؤطا امام مالک ہے۔ کہ اس کو نوے ہزار آدمیوں نے ان سے پڑھا اور روایت کیا۔ علیٰ ہذا صحیح بخاری کو بیشمار لوگوں نے امام بخاری سے پڑھا اور روایت کیا۔ صدیوں تک بڑی سخت جانچ ان کتابوں کی ہوتی رہی۔ لہٰذا یہ بات یقینی ہو گئی۔ کہ یہ کتابیں جن بزرگوں کی تالیف کہی جاتی ہیں۔ فی الواقع اُنہیں کی ہیں۔ بخلاف کتب حدیث مخالفین کے۔ کہ اُن کی اصول اربعہ یعنی کافی۔ تہذیب۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ استبصار بھی اپنے مصنفین

سے متواتر نہیں۔ جس نے جو کتاب بنائی۔ اس کو عیب کی طرح چھپائے بیٹھا رہا۔ صدیوں تک چوری چھپے کا معاملہ رہا۔ اب چند روز سے جن کو مشکل دو سو برس ہوئے ہوں گے کہ وہ کتابیں صندوق تقیہ سے باہر نکلی ہیں

الحاصل اور بہت سے فرق ہیں۔ مگر اس وقت اختصار مد نظر ہے۔ الحاصل ہماری روایات بے دغدغہ بپابندی شرائط وضوابط مذکورۂ اصول حدیث واصول فقہ قابل عمل ہیں۔ مخالفین کی روایات عمل کے قابل نہیں۔ چہ جائیکہ اعتقادات میں پاس ولحاظ۔

مگر بے چاروں کی جان سخت مصیبت میں ہے۔ ان کے پاس بس یہی روایتیں ہیں۔ چاہیں ان کو بچھائیں چاہیں اوڑھیں۔ انہیں پر ان کے عقائد کی بنیاد ہے۔ اور انہیں پر ان کے اعمال کی۔ اور اگر کوئی مخالف یہ دعوے رکھتا ہو۔ کہ ان واہی تباہی روایات کو چھوڑ کر ان کا کوئی عقیدہ یا کوئی مخصوص مسئلہ قرآن سے ثابت ہو سکتا ہے۔ "تو ہمیں میدان، ہمیں چوگان ہمیں گوئے"

خوش بود گر محک تجربہ آمد بمیان
تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

اس سلسلۂ تفسیر کے التزامات

اس سلسلۂ تفسیر میں اس بات کا التزام ہے۔ کہ جس آیت کا جو مطلب بیان کیا جائے گا۔ اور نتائج اس سے نکالے جائیں گے۔ ان میں ظنیت کو دخل نہ ہونے پائے۔ لہذا آیات قرآنیہ کا مطلب کسی روایت آحاد کو ضمیمہ بنا کر نہ بیان کیا جائے گا۔ بلکہ جو کچھ بیان ہو گا وہ مسلم الکل قواعد زبان عرب اور محاورات قرآنیہ کے ذریعہ سے ہو گا۔

البتہ بطور شہادت کے بعد میں کچھ روایات بھی ذکر کی جائیں گی ۔ اور مفسرین کے اقوال بھی ۔

اگر کسی آیت کی تعیین مراد کے لئے کسی واقعہ کے ملانے کی ضرورت ہو گی تو اس بات کا لحاظ رہے گا ۔ کہ وہ واقعہ متواتر ہو یا بین الفریقین بلا خلاف واختلاف مسلّم ہو ۔

مخالفین کے اعتراضات یا استدلالات کے جواب میں ان کے مسلمات یا مسلم الکل قواعد سے کام لیا جائے گا ۔

انشاء اللہ تعالٰی اس سلسلہ تفسیر سے دو فائدے حاصل ہوں گے اول یہ کہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ مخالفین کی خانہ ساز امامت قرآن کریم کے قطعاً خلاف ہے ۔ اور حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے پسندیدہ و امام برحق ہونے میں چون و چرا کرنا خدا اور رسول کی تکذیب کرنا ہے ۔

دوم ۔ یہ کہ قرآن شریف کے سمجھنے کا ایک ڈھنگ لوگوں کو معلوم ہو گا ۔ اللہ تعالٰے میری اس آرزو کو پورا کرے ۔ آمین

هذا اٰخر الكلام والحمد لله رب العٰلمين ۔

تمّت

الحمد للہ کہ مقدمہ تمام ہو گیا ۔ اب اس کے بعد انشاء اللہ تعالٰی تفسیر آیات کا سلسلہ شروع ہو گا ۔ جس میں کم از کم دس دس آیتیں طرفین کے استدلال کی درج کی جائیں گی ۔ جن کو وہ نص صریح کہتے ہیں ۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ ۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

ترجمہ

بہ تحقیق یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سُناتا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیر آیتِ استخلاف

جس میں

سورۂ نور کی یہ آیت کریمہ:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الخ

معروف بہ آیت استخلاف کی کامل و مکمل تفسیر خالص قطعیات سے بغیر آمیزش ظنیات کے کرکے قطعی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچادی گئی ہے۔ کہ اس آیت کے مصداق حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور انہیں کی خلافتیں اس آیت کی موعودہ خلافت ہیں۔ مزید تائید کے لئے احادیث صحیحہ خصوصًا روایات شیعہ بھی پیش کی گئی ہیں، اور ان کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے احسانات ہر بندے پر بے شمار ہیں۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا لیکن سب سے بڑا انعام یہ ہے۔ کہ اپنی کتاب مقدس کا خادم دپاسبان ہمیں بنایا اور اس کے درس تدریس اور تعلیم و تفسیر کی توفیق ہمیں دی فله الحمد ملأ اذ كلمته والصلٰوة والسلام على سيدنا ومولانا محمدٍ وعلى اٰله واصحابه وازواجه وذرياته۔

امابعد سب سے بڑی چیز ہمارے پاس کتاب اللہ ہے۔ اور ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کہ اس کے ہر فیصلہ کو بے چون وچرا تسلیم کرے اور اس کے مقابلہ میں کسی چیز کو قابل التفات نہ سمجھے۔

مسئلہ امامت وخلافت جو سُنّی شیعہ کے درمیان میں بنیادِ اختلاف کہا جاتا ہے۔ اس کا ایسا واضح فیصلہ قرآن مجید نے کردیا ہے۔ کہ ہم کو کسی دوسری طرف جانے کی حاجت نہیں رہی۔

قرآن مجید میں صحابۂ کرامؓ خصوصاً مہاجرین وانصار کے مناقب وفضائل ان کی تعدیل وتقدیس کا بیان بکثرت ہے۔ اُن سب آیتوں سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت پر استدلال ہوسکتا ہے، کیونکہ ان تینوں خلافتوں کو بقول شیعہ ناجائز ماننے سے اُن آیات کا کوئی مصداق باقی نہیں رہتا اس لئے کہ ان تینوں خلفا کے ہاتھ پر تمام صحابہؓ نے بیعت کی تھی جیسا کہ فریقین[1] اس کے قائل ہیں۔ پس اگر ان کی خلافت صحیح نہ ہو تو اس ناجائز

---

[1] سُنّیوں کا قائل ہونا تو سب کو معلوم ہے۔ مگر شیعہ ناواقفوں کے سامنے اکثر انکار کرجاتے ہیں، لہٰذا نمونہ کے طور پر شیعوں کی بڑی معتبر کتاب احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صہ ۴۸۔ ملاحظہ ہو جہاں حضرت علیؓ کے حضرت صدیقؓ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کرنے کی روایت لکھی ہے۔ کہ مامن الامة احد بايع مكرها غير علي وا ربعتنا یعنی تمام امت میں کوئی ایسا نہیں جس نے بغیر رضا ورغبت کے بیعت کی ہو سوا علی کے اور ہمارے چار شخصوں کے ترجمہ ختم ان چار شخصوں سے مراد ابوذر۔

بیعت کی وجہ سے وُہ طبقہ کل کا کل کسی مدح و منقبت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور آیاتِ قرآنیہ غلط ہو جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

مگر ہم اس وقت مناقب و فضائل کی عام آیتوں کو نہیں بلکہ صرف ان آیات کو لیتے ہیں جو خاص طور پر خلافت ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی یا تو ان میں خلافت کا وعدہ ہے۔ یا خلافت کی پیشین گوئی ہے۔ یا ان حضرات میں لیاقت خلافت کا ہونا اور منصب خلافت کے لوازم کا پایا جانا بیان فرمایا گیا ہے۔ پھر بنظر اختصار ان آیات میں سے بھی چند کی تفسیر کا اس وقت ارادہ ہے۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پہلی آیت

آیۂ استخلاف۔ سُورۂ نور ساتواں رکوع۔ اٹھارواں پارہ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	کو جو ایمان لائے تم میں سے اور
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي	کئے انہوں نے اچھے کام کہ ضرور
الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ	ضرور خلیفہ بنائے گا اُن کو زمین
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	میں جیسے بنایا تھا ان لوگوں کو
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	جو ان سے پہلے تھے اور ضرور
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	ضرور تمکین دے گا ان کیلئے
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ	ان کے دین کو وہ دین جو پسند
خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ	کیا اللہ نے ان کے لئے اور
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَ	ضرور ضرور بدلے میں دے گا
مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ	ان کو بعد ان کے ڈرنے کے

فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؕ   اُسی عبادت کریں گے وہ میری نہ شریک کریں گے وہ میرے ساتھ کسی چیز کو اور جو کفر کرے بعد اس کے پس وہی لوگ ہیں (اعلیٰ درجہ کے) فاسق۔

اس آیت کی تفسیر چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے۔

فصل اول میں آیت کا سلیس اردو ترجمہ آیت کا ربط ماقبل و مابعد سے آیت کے الفاظ کی شرح۔

فصل دوم میں آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت پر استدلال۔

فصل سوم میں آیت کی تفسیر کے متعلق روایات اہل سنت و شیعہ و اقوال مفسرین فریقین۔

فصل چہارم میں شیعوں کے جوابات اس آیت کے استدلال کے متعلق اور ان جوابات کا رد۔

فصل اوّل

اس آیت استخلاف کا ربط آیات سابقہ سے یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اپنے دلائل قدرت و حلم نیت بیان فرما کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے۔ یہ آیہ استخلاف اس ترغیب کا تکملہ اور تمہ ہے۔ کہ دیکھو ایمان والوں کے لئے اس دنیا میں ان ان انعامات کا ہم نے وعدہ کیا ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ تو ان انعامات سے تم بھی فیض یاب ہو گے۔ آیت استخلاف کے بعد خدا نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ گویا یہ ظاہر فرمایا ہے۔ کہ آیہ استخلاف میں جن نعمتوں کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ وہ مقصود اصلی

خدا کی عبادت اور رسول کی اطاعت ہے۔ اور اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ آیۂ استخلاف کی موجودہ نعمتیں خدا کی عبادت اور رسول کی اطاعت سے ملیں گی۔ خدا کی رحمت اس سے نازل ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کفار کی کثرت ان کی قوت و شوکت ان وعدوں کے پورے ہونے میں سدِ راہ ہو گی۔ ہرگز نہیں کوئی ہم کو عاجز نہیں کر سکتا بلکہ جو کافر مزاحمت کریں گے وہ جہنم میں جو ان کا ماویٰ ہے۔ پہنچا دیئے جائیں گے، آیۂ استخلاف کا شانِ نزول باتفاق[1] فریقین یہ ہے کہ جب مسلمان تیرہ برس کفار مکہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے صبر و استقامت کی آخری حد تک پہنچ چکے تو خدا کی اجازت سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے مگر یہاں بھی ان کو امن نہ ملا اور کفار کی طرف سے پے در پے حملے ہونے لگے لیسا اوقات مسلمانوں کو ہر وقت مسلح رہنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ کبھی ہم کو امن و اطمینان کا زمانہ بھی نصیب ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں خدا نے ان انسانوں کو جو نزول آیت کے وقت روئے زمین پر موجود تھے۔ مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ہمارے رسول پر ایمان لا چکے اور عمل صالح کر چکے ہیں۔ ان سے ہمارا وعدہ ہے۔ کہ اسی زندگی میں دُنیا میں تین انعام ان کو دیں گے۔ اول یہ کہ اس کو زمین میں خلافت دیں گے۔ اور یہ خلافت ہم رنگ اس خلافت کے ہو گی جو اگلوں کو یعنی بنی اسرائیل کو ملی تھی۔ دوم یہ کہ جس دین کو خدا نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ یعنی دین اسلام جیسا کہ آیہ رضیت لکم الاسلام دینا میں اس کی تصریح ہے۔ اس کو تمکین دی جائے گی۔ سوم یہ کہ ان کو امن کامل ملے گا۔ کسی دشمن کا خوف ان کو نہ رہے گا۔ اور چونکہ سلطنت و حکومت کے نشہ میں مست ہو کر لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں۔ اس لئے یہ بھی فرما دیا کہ وہ لوگ اس رتبہ پر پہنچ کر بھی میری عبادت کریں

[1] ۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالےٰ تیسری فصل میں فریقین کے تفسیروں کی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔ ۱۲

گے ، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے پھر یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس انعام کے بعد بھی کفر کرے وہ اعلیٰ درجہ کا بدکار ہے ۔ مقصود یہ ہے ۔ کہ اس انعام کا فائدہ چونکہ انعام یافتہ لوگوں کی ذات تک محدود نہ رہے گا ۔ بلکہ اس کی برکات وانوار[1] مسلمانوں کے لئے صفحۂ ہستی پر قیام قیامت تک باقی رہیں گے اس لئے تمام مسلمانوں پر کافتہً اس انعام کی شکر گزاری لازم ہے ۔ جو ناشکری کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کے فاسقوں میں شمار ہوگا ۔

کس شکر گزار و چوں ایں دولت سر مدرا لطف زازل آمد تا عمر ابد پاید

کفر کے یہاں دو مطلب ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہ کہ کفر سے مراد کفر حقیقی لیا جائے ۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان خوشخبری کے بعد بھی جو شخص اسلام کی طرف راغب نہ ہو ۔ اور کفر پر قائم رہے ۔ وہ اعلیٰ درجہ کا نافرمان اور بدکار ہے ۔ دوسرے یہ کہ کفر سے مراد ناشکری لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں کے ملنے کے بعد جو شخص ان نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کرے گا ۔ وہ اعلیٰ درجہ کا بدکار ہوگا ۔ اس دوسرے مطلب کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے ۔ اور لکھا ہے ۔ کہ سب سے پہلے ان نعمتوں کی ناشکری حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں نے کی کہ خلیفہ برحق کو شہید کیا پھر ان کے بعد مخالفین صحابہ ان نعمتوں کی ناقدری کر رہے ہیں ۔ کہ جن بزرگوں کو خدا نے یہ نعمتیں دیں ان کو نہیں مانتے بلکہ اس فرقہ نے تو حد کر دی کہ خدا کی ان عظیم الشان نعمتوں کے نعمت ہونے ہی کا انکار کرتے ہیں ۔

اس آیت کی موعودہ خلافت کو خدا نے بنی اسرائیل کی خلافت سے تشبیہ دی اس تشبیہ کے بظاہر دو فائدے معلوم ہوتے ہیں ۔ اول یہ کہ بنی اسرائیل

[1] چنانچہ اسی خلافت راشدہ موعودہ کے انوار برکات ہیں جو آج بھی تمام روئے زمین پر نظر آرہے ہیں قرآن شریف جو ہمارے سینوں اور سفینوں میں ہے اور دین اسلام کی تعلیمات مسلمانوں کا وجود کلمہ طیبہ کا روح پرور زمزمہ یہ سب کچھ اسی بابرکت زمانہ کی مساعی جمیلہ کے نتائج ہیں ۔

میں خلافت انبیاء کو ملتی تھی نبی کا خلیفہ بھی نبی ہوتا تھا۔ جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ البتہ خلفاء ہوں گے۔ پس نتیجہ تشبیہ یہ نکلا کہ اس آیت کی موعودہ خلافت معمولی بادشاہت نہ ہوگی بلکہ ہمرنگ نبوت ہوگی۔ چنانچہ علمائے محققین نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت علی منہاج النبوت تھی۔

دوم یہ کہ جیسے خلفائے بنی اسرائیل کو سلطنت عظیمہ اور بڑے جاہ و جلال کی حکومت ملی تھی چنانچہ آیۂ کریمہ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا میں اس کی تصریح ہے۔ اسی طرح آیت کی موعودہ خلافت بھی کوئی چھوٹی سی ریاست نہ ہوگی بلکہ ملک عظیم ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت فاروق اعظم رض کے زمانہ میں خلافت اسلامیہ دنیا کی دونوں بڑی بادشاہتوں یعنی روم و ایران کو زیر نگیں کر چکی تھی۔ اس کے علاوہ تمام جزیرہ عرب ملک شام مصر سب قبضہ میں آچکا تھا۔ ملک عظیم کا مصداق اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ بنی اسرائیل کی خلافت سے باتفاق مفسرین حضرت موسیٰ کی خلافت مراد ہے۔ کہ ان کے بعد تین خلیفہ بڑے جاہ و جلال کے ہوئے حضرت یوشع رض۔ حضرت کالب حضرت یوسا قوس ان خلفائے بنی اسرائیل کے حالات اور فتوحات بھی ہمارے تینوں خلفا سے ملتے جلتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے حضرت داؤد ع کی خلافت مراد لی ہے۔ کہ ان کے بعد حضرت سلیمان ع خلیفہ ہوئے حضرت سلیمان کی سلطنت کی قوت و شوکت ضرب المثل ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دونوں مراد ہوں کما فی ازالۃ الخفاء۔

اس آیت میں دو تین لفظ شرح طلب ہیں، ان کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ استخلاف کے معنی خلیفہ بنانا یعنی کسی کو کسی کا جانشین کرنا یا بادشاہ بنانا قرآن شریف میں اور احادیث میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہے **قولہ تعالیٰ** یادَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ یعنی اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں

بادشاہ بنایا۔ استخلاف کے معنی کبھی ایک قوم کو دوسری قوم کی جگہ پر قائم کرنے کے بھی ہوتے ہیں یعنی وہ معنی یہاں نہیں مراد ہو سکتے اور اگر کوئی شخص خواہ مخواہ مراد لے تو بھی مضر نہیں جیسا کہ عنقریب معلوم ہو گا۔

آیت میں اگرچہ وعدہ استخلاف کا تمام مومنین صالحین سے کیا ہے مگر مراد یہ ہے۔ کہ ان کی جماعت میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنایا جائے گا جو نعمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ فرداً فرداً تمام اشخاص کو نہیں ملتیں وہ نعمتیں جب کسی قوم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو اس قوم کے تمام اشخاص مراد نہیں ہوتے بلکہ خاص اشخاص مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ نعمت بادشاہت بھی ایسی ہی چیز ہے۔ کہ قوم کا ہر شخص بادشاہ نہیں ہوتا لہذا جب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں انگریزوں کی بادشاہت ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ انگریزی قوم کا کوئی بادشاہ ہے اور چونکہ قوم کے ایک شخص کو اس نعمت کا ملنا تمام قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے، اس لئے وہ نعمت تمام قوم کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

آیت میں خدا نے فرمایا کہ ہم ان کو خلیفہ بنائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی خاص حکم ان کے خلیفہ بنانے کا نازل ہو گا۔ یا کوئی آواز آسمان سے آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایسے اسباب وسامان فراہم ہو جائیں گے۔ کہ ان کی خلافت منعقد ہو جائے گی یوں تو عالم میں جس قدر کام ہوتے ہیں سب خدا کی مشیت واذن سے ہوتے ہیں مگر جو کام از قسم خیر ہوتے ہیں ان کو حق تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔ اس کو اضافت تشریفی کہتے ہیں۔ جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں عبداللہ فرمایا نیک بندوں کو عبادی فرمایا کعبہ کو بیتی فرمایا حضرت عیسیٰ کو روح منہ فرمایا حالانکہ درحقیقت نیک و بد سب بندے خدا کے ہیں اور سب گھر اللہ کے ہیں یعنی اللہ کی مملوک و مخلوق ہیں۔ اور سب روحیں خدا کی ہیں۔ یعنی خدا کی مملوک و مخلوق ہیں مگر جن کو اپنی طرف منسوب فرمایا محض ان کی خصوصیت و رتبہ کا اظہار منظور ہے لیمکنن۔ تمکین کے معنی

ہیں جگہ دنیا مکان مراد یہ ہے۔ کہ دین اسلام کو روئے زمین پر جائے اقامت دی جائے گی یعنی ایسی قوت و شوکت اور کثرت واشاعت دین میں ہو جائے گی کہ پھر اس کے فنا کرنے پر کوئی دشمن قادر نہ رہے گا۔ جب تک دین اسلام نے جزیرہ عرب سے قدم باہر نہ رکھا تھا۔ تمکین کی صفت حاصل نہ تھی۔ لیکن جب ایران و روم کے ملک میں مصر میں شام میں دین پھیل گیا اب عادۃً محال ہو گا کہ کوئی اس کو فنا کر سکے۔ اور صفت تمکین پیدا ہو گئی

لیمکنن کے بعد لھم کی لفظ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں لام کلام عرب میں سبب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور نفع کے لئے بھی آتا ہے۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ سبب کے معنی لیجئے تو مطلب یہ ہوگا کہ دین اسلام کو خدا جو تمکین دے گا اس تمکین کا سبب بھی مومنین صالحین ہوں گے انہیں کی کوششوں کو خدا اپنے وعدہ کے پورا کرنے کا آلہ بنائے گا۔ اور نفع کے معنی لیجئے تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ دین اسلام کو جو تمکین ملے گی اس تمکین سے یہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ اور بڑے امن و اطمینان سے خدا کی عبادت کریں گے۔ آیت کے معنی بالکل صاف ہو گئے اب استدلال کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

فصل دوم

اس آیت سے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ راشد و امام برحق ہونے کا ثبوت ایسا قطعی ہے۔ اور اس قطعیت کو علمائے مسلمین نے ایسا واضح کر دیا ہے۔ کہ حجت خدا تمام منکروں پر بخوبی قائم ہو چکی ہے۔ ہرگز خدا کے سامنے وہ کوئی عذر بارد پیش نہیں کر سکتے۔ جس شخص نے علمائے شیعہ کے وہ جوابات دیکھے ہوں جو اس آیت کے استدلال کے متعلق انہوں نے دیئے ہیں۔ اس کو اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے دلوں کو یقین ہے۔ زبانوں سے انکار کرتے ہیں۔ جحدوا بہا

وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔

جیسی دلالت اس آیت میں حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر ہے ایسی دلالت اگر کسی شخص کے نبی و رسول ہونے پر ہوتی لوگ اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہو جاتے۔ دیکھو اللہ تعالےٰ نے یہود و نصاریٰ کو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ مکلف کیا۔ اور اس بارہ میں توریت انجیل کی ان نصوص کو کافی قرار دیا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق ہیں۔ قولہ تعالیٰ النبی[1] الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل بلکہ علمائے یہود و نصاریٰ کو جو معرفت آپ کی نبوت کی توریت و انجیل کی پیش گوئیوں سے حاصل ہوئی تھی اس کو کفار مکہ پر خدا نے حجت قرار دیا قولہ تعالیٰ اولم یکن لھم ایۃ[2] ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل حالانکہ توریت و انجیل بلکہ تمام صحف انبیا بنی اسرائیل میں کوئی ایسی نص[3] نہیں ہے جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اس سے واضح دلالت کرتی ہو

[1] ترجمہ وہ نبی امی جس کو یہ لوگ اپنے یہاں توریت انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں ۱۲

[2] ترجمہ کیا اہل مکہ کے لئے یہ دلیل کافی ہے۔ کہ ہمارے نبی کو تمام علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں

[3] کیونکہ کتب سماویہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ مذکور ہے۔

وہ از قبیل اوصاف و علامات ہے مثل اس کے نبی آخر الزماں بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہوں گے۔ ان کی شریعت موسیٰؑ کی شریعت کے مانند ہو گی۔ ان کی نبوت فاران پہاڑ (یعنی مکہ) سے شروع ہو گی اور ان کی سلطنت ملک شام تک پہونچیگی، ان پر کوئی لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہو گی۔ بلکہ خدا کا کلام ان کے منہ پر جاری ہوگا وغیرہ وغیرہ المختصر کوئی تشخیص و تعین آپکے نام و نسب کے ساتھ نہیں کی گئی تھی۔ اور نہ ممکن تھی۔ کیونکہ وہی نام دوسرا شخص رکھ سکتا ہے۔ اور اس وقت بے حد اشتباہ کا اندیشہ تھا۔ کتب سماویہ میں تحریف ضرور ہوئی مگر تحریف کے بعد بھی جس قدر باقی رہا اس سے حجت خداوندی قائم ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ممکن ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ان کتب میں تحریف ہوئی ہو۔ لیکن اب بھی

جیسا کہ علمائے اہل کتاب ... [illegible]

جیسی دلالت آیہ استخلاف میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت پر ہے۔ درحقیقت جو لوگ آیہ استخلاف کی دلالت حضرات خلفائے ثلاثہ رض کی خلافت پر نہیں مانتے وہ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی ایک عمدہ اور نفیس دلیل کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اور ان کا دلی مقصود بھی یہی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اس آیت استخلاف سے تینوں خلفا رضی اللہ تعالے عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کا علم بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح حدیث سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے محبوب و محب خدا ورسول ہونے کا علم ہوتا ہے۔

حدیث رایت یہ ہے کہ غزوہ خیبر میں ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا۔ کہ وہ اللہ و رسول کا محب و محبوب ہوگا۔ کرار غیر فرار ہوگا۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت کسی کو معلوم نہ تھا۔ کہ اس حدیث میں کس کے اوصاف جمیلہ بیان ہو رہے ہیں۔ سب کے دل اس دولت خداداد کی تمنا سے پڑھتے مگر جب دوسرے روز جھنڈا حضرت علی رض کو عنایت ہوگیا تو سب کو معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث آپ کی فضیلت میں ہے۔

جس طرح حدیث رایت سے جھنڈا ملنے کے قبل حضرت علی مرتضیٰ رض کے محب و محبوب خدا و رسول ہونے پر استدلال ممکن نہ تھا۔ بالکل اسی طرح آیہ استخلاف سے قبل اس کے کہ آیت کے موعودہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوں اس آیت سے ان کی خلافت راشدہ پر استدلال ناممکن تھا۔ یہی سبب تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب خلافت کا مشورہ ہونے لگا۔ تو آیت استخلاف یا کوئی دوسری آیت نہ پیش کی گئی بلکہ حضرت صدیق کے سوابق سلامیہ و اجازت امامت نماز وغیرہ وغیرہ سے استدلال کیا گیا مگر خلفائے ثلاثہ رض کو جب آیت کے موعودہ انعام حاصل ہوگئے۔ اس وقت سب کی آنکھیں کھل

گئیں اور روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ آیت استخلاف میں انہیں کی خلافت کی بشارت اور ان کے خلیفہ برحق ہونے کی دلالت ہے بوقت انعقاد خلافت یہ سمجھا گیا تھا۔ کہ حضرت صدیقؓ کی خلافت بیعت اہل حل وعقد کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور اہل حل وعقد نے آپ کا انتخاب بوجہ آپ کے بے مثل فضائل اور بوجہ بعض اشارات نبویہ وتصریحات قدسیہ ومعالات ولیعہدی مثل امامت نماز وغیرہ کے کیا ہے۔ لیکن آیہ استخلاف کی موعودہ تینوں نعمتوں کے ظہور کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں اور سب نے روز روشن کی طرح دیکھ لیا کہ یہ فعل ہمارا نہ تھا یہ تو وعدہ الٰہی تھا۔ جو سات آسمانوں سے اوپر سے اترا تھا۔ یہ حکم قضائے مبرم تھا جو عرش عظیم سے نازل ہوا تھا اسی روز قضا نے ہمارے پردہ میں اپنا مقصد پورا کیا۔ اس مضمون کو صاحب قلم مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ بعد انطباق اوصاف برہمہ منکشف شد وچشم داگشت برآنکہ فصل جماعت نبود وعداللہ بود کہ از پس پردہ چندیں افکار واقیہ بروز نمود۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

اس تمہید کے بعد اب آیت کے استدلال پر غور کرنا چاہیئے اگر تعصب اور ضد کی کدورت سے تھوڑی دیر کے لئے دماغ کو صاف کر کے اس آیت پر نظر ڈالی جائے۔ تو یقیناً روز روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ آیت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت پر اس وضاحت کیساتھ دلالت کر رہی ہے۔ کہ ان تینوں خلافتوں کا انکار کرنے کے بعد آیت کی تصدیق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں

آیت میں تحقیق طلب چند امر ہیں۔ اول یہ کہ وعدہ کس سے ہے۔ یعنی موعود لہ کون ہے۔ دوم یہ کہ وعدہ کس چیز کا ہے۔ سوم یہ کہ اس وعدے کے

پورے ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ۔ چہارم یہ کہ اشیائے موعودہ کس زمانہ میں پائی گئیں ان چار امور میں بحث طلب درحقیقت امر اول و چہارم ہے۔ کیونکہ امر دوم یعنی یہ کہ وعدہ کس چیز کا ہے ۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ سب مانتے ہیں کہ وعدہ تین نعمتوں کا ہے ۔

(۱) استخلاف فی الارض (۲) تمکین دین (۳) عطائی امن بعد خوف امر سوم بھی ظاہر ہے کہ وعدے کے پورے ہونے کی یہی صورت ہے کہ جن لوگوں سے وعدہ ہے ۔ ان کو یہ تینوں نعمتیں ملیں جن لوگوں سے وعدہ نہیں ان لوگوں کو تین کیا تین ہزار نعمتیں بھی مل جائیں تو وعدہ پورا نہ ہوگا ۔

اب امر اول و چہارم کی تحقیق سنو اور خدا توفیق دے تو قرآن کریم کو اپنا پیشوا بناؤ ۔ امر اول آیت میں خدا نے موعود لہم مومنین صالحین کو قرار دیا ہے ۔ معلوم ہوا کہ وعدہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ آپ کے متبعین سے ہے ۔ اور الذین آمنوا وعملو دونوں صیغہ ماضی کے ہیں ۔ پھر اس کے بعد لفظ منکم ہے ۔ جو ضمیر حاضر پر شامل ہے ۔ لہذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے ۔ اور نزول سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے۔ پس حضرت معاویہؓ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی امیہ و بنی عباس وغیرہ موعود لہم نہیں ہو سکتے ، موعود لہم وہی صحابہ کرام مہاجرین و انصار ہیں جو نزول آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے ۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم بھی انہیں میں ہیں ۔

اگر یہ وعدہ ان لوگوں کے ساتھ مخصوص نہ مانا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں ۔ اور ان دونوں میں متعدد خرابیاں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ کے مومنین صالحین مراد لئے جائیں اور سب کو اس کا موعود لہم قرار دیا جائے تو ایک خرابی تو یہ ہے ۔ کہ صیغے ماضی کے اور خصوصاً لفظ منکم

بے کار ہو جاتا ہے یہ مطلب تو بغیر منکم کے بھی حاصل تھا۔ دوسری خرابی یہ ہے۔ کہ اس صورت میں نعوذ باللہ آپ کا وعدہ غلط ہو جائے گا، کیونکہ ہر زمانے میں مومنین صالحین کو یہ تینوں موعودہ نعمتیں حاصل نہیں ہیں پھر لطف یہ ہے۔ کہ باوجود ان خرابیوں کے بھی ہمارا مدعا حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں حضرات خلفائے ثلاثہؓ کا زمانہ بھی آیت میں داخل رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وعدہ کا تعلق وقت نزول کے مومنین صالحین سے بالکل نہ رکھا جائے بلکہ آنے والے زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے مسلمانوں کے ساتھ اس وعدہ کو مخصوص کر دیا جائے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ امام مہدی کا زمانہ مراد ہے۔ اس میں بھی کئی خرابیاں ہیں۔ منجملہ ان کے بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ کسی زبان کا قاعدہ نہیں ہے کہ صیغہ حاضر کا بول کر حاضرین کا ایک فرد بھی نہ مراد لیا جائے اور صرف غائبین مراد ہوں اور منجملہ ان کے یہ کہ کسی ایسی نعمت کی بشارت کسی جماعت کو سنانا جس میں اس جماعت کا کچھ بھی حصہ نہ ہو سراسر فریب ہے۔ اور کلام الٰہی اس سے بری ہے۔ اب رہی یہ بات کہ حاضرین وقت نزول میں سے صرف حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس وعدہ کا موعود لہ قرار دیا جائے تو قطع نظر اس کے کہ یہ تخصیص محض بے دلیل ہے۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ ان کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ سنی شیعہ دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ فرق اس قدر ہے۔ کہ اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ دو نعمتیں ان کو ملی تھیں۔ استخلاف فی الارض کی نعمت ان کو حاصل تھی۔ کیونکہ اہل حل و عقد یعنی مہاجرین و انصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور تمکین دین بھی ان کو حاصل تھی

کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلاثہ

رضی اللہ عنہم کا تھا۔ اور وہ دین تمکین پا چکا تھا۔ البتہ ایک نعمت امن کی

اُن کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے عہد میں باہم مسلمانوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ امن و اطمینان کسی کو نہ تھا۔ اور مخالفین کہتے ہیں کہ صرف ایک نعمت ان کو ملی تھی یعنی استخلاف فی الارض کی وُہ بھی برائے نام اور دو نعمتیں تو برائے نام بھی ان کو نہ ملی تھیں وُہ اپنے عہد میں بھی اپنے اصلی مذہب کے اظہار پر قادر نہ تھے اسی وجہ سے متعہ کے حلال ہونے اور تراویح کے حرام ہونے کا فتویٰ نہ دے سکے۔ احکام قرآنی جو متروک ہو گئے تھے ان کا اجراء نہ کر سکے قرآن شریف میں جو تحریف ہو گئی تھی اس کی اصلاح نہ کر سکے فدک بھی وارثان جناب سیّدہ کو نہ دیا جو قوانین پہلے خلفا (نعوذ باللہ) جاری کر گئے انہیں کی پابندی پر وُہ مجبور رہے مخالفین کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری بجواب علامہ ابن روزبہان کے اس اعتراض کے کہ متعہ اگر حلال تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو جناب امیر نے اپنی خلافت میں کیوں نہ اس کی حلت کا اعلان کر دیا احقاق الحق میں لکھتے ہیں:۔

والحاصل ان امر الخلافة	اور حاصل یہ کہ خلافت کا کام
ما وصل الیہ الا باسم	جناب امیر کو نہیں ملا مگر برائے
دون المعنی وکان علیہ	نام نہ درحقیقت اور جناب امیر
السلام معارضا منازعا	علیہ السلام سے جھگڑا اور نزاع
مبغضا فی ایام ولایتہ	اور بغض کیا جاتا تھا۔ ان کے
وکیف یامن فی ولایتہ	زمانہ خلافت میں بھی اور وُہ
الخلاف علی المتقدمین	کیونکر اپنے عہد میں اگلے خلفاء
علیہ وکل من بایعہ و	کی مخالفت کر کے بے خوف
جمہورہم شیعۃ اعدائہ	رہ سکتے تھے جبکہ تمام وہ لوگ
ومن یرے انہم مغمرا	جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت
علی اعدال الامور افضلہا	کی تھی اُن کے دشمنوں کے گروہ
وان غایۃ امرمن	سے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اُن کے

بعدهم ان يتبع طرائقهم ويقتضي آثارهم

خلفا نہایت انصاف اور فضل جالت میں تھے اور ان کے بعد والے کی معراج یہ ہے کہ وہ ان کے راستہ کی پیروی کرے اور ان کے قدم بقدم چلے۔

نیز کتاب کافی کی کتاب الروضہ صہ ۲۹ میں خود حضرت علی مرتضیٰ رضی کی زبان سے منقول ہے کہ:

قد عملت الولاة قبلي اعمالا خالفوا فيها رسول الله متعمدين لخلافه ناقضين لعهده مغيرين لسنته ولوعملت الناس على تركها وحولتها الى مواضعها والى ما كانت في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فتفرق عني جندي۔

خود حضرت علی مرتضیٰ کی زبان سے منقول ہے ۔کہ مجھ سے پہلے حکام نے کچھ ایسے کام کئے ہیں جن میں رسول اللہ کی عمداً مخالفت کی ہے احکام رسول کو توڑا اور سنت رسول کو بدلا ہے۔ اور اگر میں لوگوں کو ان احکام کے ترک پر آمادہ کروں اور ان احکام کو اصلی صورت میں یعنی جس صورت میں وہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میں تھے کر دوں تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے۔

پھر اس کے بعد جناب ممدوح نے احکام ظلم جاری رکھنے کی کچھ مثالیں بیان فرمائیں چنانچہ اسی روایت میں ہے۔

لو رددت فدك الى ورثة فاطمة عليها السلام واقطعت قطائع اقطعها

اگر میں فدک وارثان فاطمہ علیہا السلام کو واپس کر دوں اور معافیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے

رسول الله صلے الله علیه وآله وسلم لاقوام لم تمض لهم ولم تنفذ وردت قضايا من الجور قضي بها ونزعت نساء تحت رجال بغير حق فرددتهن الى ازواجهن وعملت الناس على حكم القرآن ومحوت دواوين العطايا واعطيت كما كان رسول الله يعطي بالسوية وحرمت المسح على الخفين اذا لتفرقوا عني والله لقد امرت الناس ان لا يجتمعوا في شهر رمضان الا في فريضة واعلمتهم ان اجتماعهم في النوافل بدعة فنادى بعض اهل عسكري ممن يقاتل معي يا اهل الاسلام غيرت سنة عمر ينهانا عن الصلوة في شهر رمضان تطوعا ۔

کچھ لوگوں کو دی تھیں اور وہ ان کو نہیں ملیں ان کو دے دوں اور کچھ ظلم کے فیصلہ جو کئے گئے ہیں ان کو منسوخ کر دوں اور کچھ عورتیں جو ناحق لوگوں کے قبضہ میں ہیں ان کے شوہروں کو دلا دوں اور لوگوں کو قرآن پر عمل کرنے کا حکم دوں اور وظیفوں کا دفتر منسوخ کرکے لوگوں کو برابر دینا شروع کروں جیسا کہ رسول اللہ برابر دیتے تھے اور موزوں پر مسح کرنے کو منع کر دوں تو لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں ۔ واللہ میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں سوا فرض نماز کے جماعت نہ کریں اور میں نے ان کو بتلایا کہ نوافل میں جماعت کرنا بدعت ہے ۔ تو میرے لشکر کے کچھ لوگوں نے اعلان دیا وہ لوگ جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے ہیں کہ اے اہل اسلام عمرؓ کی سنت بدل دی گئی ۔ یہ شخص ہم کو ماہ رمضان میں نوافل باجماعت پڑھنے کو منع کرتا ہے ۔

اس قسم کی عبارات و روایات مخالفین کی کتابوں میں بکثرت ہیں۔ جن میں صاف مصرح ہے۔

پس یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے۔ کہ حضرت علیؓ کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا۔ لہٰذا ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت ہرگز نہیں ہوسکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہ کہے جاسکتے ہیں۔ پس قطعی طور پر یہ ثابت ہوگئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے۔

امر چہارم کی تحقیق یہ ہے۔ کہ تاریخ کے واقعات قطعیہ برملا اعلان دے رہے ہیں۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں آیت کی موعودہ تینوں نعمتیں باحسن وجوہ پائی گئیں کہ کوئی منکر انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔

استخلاف فی الارض کی کیفیت یہ ہے۔ کہ حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر جیسی کامل بیعت تمام اہل حل وعقد مہاجرین وانصار نے کی ظاہر ہے حتیٰ کہ شیعہ بھی یہ نہ کہہ سکے کہ حضرت علیؓ نے یا کسی ان کے ساتھی نے بیعت نہیں کی۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران کے صفحہ ۴۸ میں ہے:۔

ما من الامة احد	امت میں کوئی ایسا نہیں جس نے
ما بایع مکرھا	بغیر دلی رضا کے (حضرت ابوبکرؓ کے
غیر علیؓ و اربعتنا	ہاتھ پر) بیعت کی ہو سوا علیؓ
	اور ہمارے چار اشخاص کے۔

پھر خدا نے ان کی ایسی غیبی مدد کی کہ تمام ملک کسریٰ وقیصر کا ان کے قبضہ میں آیا عرب وعجم کی بادشاہت ان کو ملی ملک عظیم کے وہ مالک بنائے گئے۔

تمکین دین کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے عہد میں تمام اطراف عرب وعجم میں دین اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ مفتی اور فقیہ اور قاضی مقرر ہوگئے یہی دو سلطنتیں

اس وقت اسلام کی طاقت ور دشمن تھیں ۔ ایران و رُوم یہ دونوں سلطنتیں زیر و زبر ہو گئیں ۔ دینِ اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جم گئے کہ عادۃً ناممکن ہو گیا کہ کوئی قوت اسلام اور مسلمانوں کے فنا کرنے میں کامیاب ہو سکے ۔

امن کی یہ کیفیت کہ مسلمانوں کو اندرُونی بیرُونی ہر قسم کے خوف سے نجات کامل حاصل ہو گئی تھی ۔ آپس میں سب باہم متفق و موافق تھے ۔ کسی قسم کا اختلاف و نزاع ان میں نہ تھا ۔ یہ مضمون کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے ۔ چنانچہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم اوّل میں ہے ۔ کہ جب ایران کی لڑائی میں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ۔

والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فھم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع ۔

اہل عرب کی تعداد اگرچہ آج کم ہے ۔ لیکن وہ بسبب اسلام کے بہت طاقتور ہیں ۔ اور بہ سبب باہمی اتفاق کے بہت غالب ہیں ۔

لہٰذا جب باہم ایسا اتفاق و اجتماع تھا تو اندرُونی خوف کا نام و نشان نہیں آ سکتا ۔ بیرُونی خوف کی حالت یہ تھی کہ دُنیا میں کوئی دشمن مسلمانوں کی برابر طاقت رکھنے والا باقی ہی نہ تھا ۔ کفر کی تمام طاقتیں ٹوٹ چکی تھیں دُنیا میں جو کافر تھا ۔ مسلمانوں سے خائف و ترساں تھا ۔ خدا کی قدرت ایک وقت وُہ تھا کہ صبح سے شام تک شام سے صبح تک ہر وقت مسلمانوں کو ہتھیار بند رہنا پڑتا تھا ۔ ہر وقت خطرہ جان کا ہر شخص کو لگا ہُوا تھا اور بظاہر سبب یہی معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان امروز فردا میں فنا کر دئے جائیں گے ۔ یا چند ہی روز کے بعد معاملہ برعکس ہو گیا ہر قسم کا خوف و ہراس دشمنوں کے حملہ میں آ گیا اور مسلمان امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے ۔

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا — ادہر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

چاروں امور کی تحقیق ہو چکی اور اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ آیت کے موعود لہم صرف زمانہ نزول آیت کے مومنین صالحین یعنی مہاجرین و انصار ہیں۔ ان کے سوا آیت کا موعود لہ کسی کو بنانا عقلاً نقلاً لغتہً کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان موعود لہم میں سے تین بزرگوں کے ہاتھ پر خدا کا یہ دعویٰ پورا ہوا اور تینوں موعودہ نعمتیں انھیں موعود لہم یعنی مہاجرین و انصار کو تین بزرگوں کے ذریعہ سے ملیں پس کچھ شک نہ رہا کہ ان تینوں بزرگوں کی خلافت حقہ موعودہ قرآن کریم تھی والحمد للہ تعالیٰ علی ثبوت المرام باوضح دلیل و ابین کلام۔

فصل سوم

بہت سی روایات صحیحہ فریقین کی کتب معتبرہ میں جو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کرنے کے قابل ہیں۔ اور وہ روائتیں بتلاتی ہیں۔ کہ وحی آسمانی میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت معین ہو چکی تھی ہم نمونہ کے طور پر چند روایات فریقین کی نقل کرتے ہیں۔

روایات اہل سنت

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما انا نائم رایتنی علی قلیب علیہا دلو فنزعت منہا ما شاء اللہ ثم اخذہا ابن ابی قحافۃ فنزع	فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کہ میں سو رہا تھا میں نے خواب میں اپنے کو ایک کنویں پر دیکھا ڈول بھی اس پر تھا میں نے اس سے جس قدر خدا کو منظور تھا ڈول

منها ذنوبًا او ذنوبين	بھرے پھر اس ڈول کو ابوبکرؓ
وفي نزعه ضعف و	نے لے لیا اور انھوں نے ایک
الله يغفر له ثم	ڈول بلکہ دو ڈول بھرے مگر
استحالت غربًا فاخذها	ان کے بھرنے میں کچھ ضعف
ابن الخطاب فلم ار عبقرًا	تھا اللہ اس کو معاف کرے پھر
من الناس ينزع نزع	وہ ڈول پُر بن گیا اور اس کو
عمر حتى ضرب الناس	عمرؓ نے لے لیا میں نے کسی زور
بعطن اخرجه الشيخان	آور کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ عمرؓ
من حديث ابي هريرة و	کی طرح زور و طاقت سے بھرتا
الترمذي من حديث	ہو یہاں تک کہ لوگ سیراب
ابن عمرؓ	ہو گئے اس حدیث کو بخاری اور

مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے اور ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

ف: اس حدیث میں صریح اشارہ شیخین کی خلافت کی طرف ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی قوت اور کثرت فتوحات کا بھی بیان ہے۔ اور بمقابلہ ان کے حضرت صدیقؓ کی خلافت میں کچھ ضعف اضافی بھی بتایا گیا ہے۔ تو واقعی یہی بات ہے کہ ان کے عہد میں یہ شوکت و قوت یہ کثرت فتوحات نہیں ہے۔ گو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مدت ملی دو برس کئی ماہ ان کی خلافت رہی۔

(۲) اخرج ابوداؤد عن ابي	ابوداؤد نے حضرت ابوبکرہ
بكرة ان رجلا قال لرسول	سے روایت کی ہے کہ ایک
الله صلى الله عليه وسلم	شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ
رايت كان ميزانا	وسلم سے عرض کیا کہ میں نے

نزل من السماء فوزنت	خواب دیکھا کہ گویا ایک ترازو
انت وابوبکر فرجحت	آسمان سے اتری اس میں آپ اور
انت و وزن ابوبکر	ابوبکرؓ وزن کئے گئے پس آپ وزنی
وعمر فرجح ابوبکر	رہے پھر ابوبکرؓ وعمرؓ وزن کئے گئے
ووزن عمر وعثمان	ابوبکرؓ وزنی رہے۔ پھر عمرؓ اور
فرجح عمر ثم رفع	عثمانؓ وزن کئے گئے اور عمرؓ وزنی
المیزان فاستاء لها	رہے۔ بعد اس کے وہ ترازو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اوپر اٹھالی گئی اس خواب کو
وسلم یعنی فساءہ ذلک	سن کر ترازو اوپر اٹھالی گئی اس
فقال خلافة نبوة ثم	خواب کو سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ
یوتی اللہ الملک	وسلم کو رنج ہوا اور آپ نے
من یشاء۔	فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے۔

اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔

ف۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترازو میں تولے جانے کا خواب کچھ تھوڑا سا فرق عنوان بیان کا ہے اس روایت میں خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا بیان ہے۔

(۳) عن جبیر ابن معطم	جبیر بن معطم سے روایت ہے
ان امراۃ اتت رسول اللہ	کہ ایک عورت رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی
فکلمتہ فی شیء فامرھا	اور اس نے کسی معاملہ میں آپ
ان ترجع قالت ان لم	سے گفتگو کی آپ نے اسے
اجدك كانها تقول	حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا کہ
الموت قال ان تجدینی	اگر میں آپ کو نہ پاؤں مطلب

فاتی ابوبکر اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ۔

یہ کہ آپ کی وفات ہو جائے تو آپ نے فرمایا مجھے نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس جانا اس حدیث کو بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(۴) اخرج الحاکم عن انس بن مالك قال بعثنی بنو المصطلق الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی من ندفع زکوتنا اذا حدث لك حدثا فقال ادفعوھا الی ابی بکر فقلت ذلك لھم قال قالوا فسئلہ ان حدث بابی بکر حدث الموت فالی من ندفع زکوتنا فقلت لہ ذلك فقال تدفعونھا الی عمر قالوا فالی من ندفعھا بعد عمر فقلت لہ قال ادفعوھا الی عثمان۔

حاکم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں مجھے قبیلہ بنی مصطلق کے لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ پوچھو اپنی زکوٰۃ بعد آپ کے کس کو دیں آپ نے فرمایا ابوبکر کو میں نے یہی جاکر ان سے کہہ دیا انھوں نے کہا جاؤ پوچھو کہ اگر ابوبکرؓ کی وفات ہو جائے تو پھر کس کو دیں آپ نے فرمایا عمرؓ کو ان لوگوں نے کہا پھر عمرؓ کے بعد کس کو دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔

ف۔ اس مضمون کی روایات بہت ہیں۔ کسی میں زکوٰۃ کا حوالہ اپنے بعد خلفائے ثلاثہ پر فرمایا ہے۔ کسی میں اپنے قرض کی ادائی کا کسی میں اور

کسی معاملہ کا یہ سب ولیعہدی کے دلائل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ پوچھا حضرت عثمان رضؓ کے بعد تو فرمایا کہ حضرت عثمان رضؓ کے بعد ہو سکے تو مرجاؤ یعنی ان کے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔

(۵) عن ابن عباس قال و اللہ ان امارۃ ابی بکر و عمرؓ لفی کتاب اللہ قال اللہ تعالیٰ و اذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا قال لحفصۃ ابوک ابو عائشۃ اولیاء الناس بعدی فایاک ان تخبری بہ احدا اخرجہ الواحدی۔

ابن عباس سے روایت ہے وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت کتاب اللہ میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نبی نے اپنی بعض بیبیوں سے ایک راز کی بات کہی وہ راز کی بات یہ تھی کہ آپ نے حفصہؓ سے کہا کہ تمہارے والد اور عائشہؓ کے والد لوگوں پر میرے بعد حاکم ہوں گے اس کو کسی سے بیان نہ کرنا یہ روایت علامہ واحدی نے لکھی ہے۔

ف۔ یہ روایت کتب شیعہ میں بھی ہے چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ منقول ہوگی۔

(۶) عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قبیل مرضہ لقد هممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر و ابنہ فاعھد ان

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے فرمایا کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ کو اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہدنامہ لکھوا دوں تاکہ کہنے والے کچھ

یقول القائلون او یتمن المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدافع المومنون او یرفع اللہ ویابی المومنون اخرجہ البخاری	کہیں نہیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کریں پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان رد کردیں گے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی۔

اقوال مفسرین اہل سنت

امام محمد بن جریر طبری اپنی مشہور تفسیر موسوم بہ جامع البیان میں اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں۔

یقول تعالیٰ ذکرہ وعد اللہ الذین آمنوا باللہ ورسولہ منکم ایھا الناس وعملوا الصلحت یقول واطاعوا اللہ ورسولہ فیما امراو نھیا ولیستخلفنھم فی الارض لیورثھم اللہ ارض المشرکین من العرب والعجم فیجعلھم ملوکا وسیاستھا کما استخلف الذین	فرمایا ہے اللہ نے بلند ہے ذکر اس کا کہ وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تم میں سے اے لوگو اور کئے انہوں نے اچھے کام یعنی اطاعت کی انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی ان چیزوں میں جو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم کیں اور جو منع کیں کہ ضرور خلیفہ کرے گا ان کو زمین میں یعنی مالک بنائے گا ان کو اللہ مشرکوں کی زمین کا۔

من قبلهم يقول كما فعل من قبلهم ذلك بني اسرائيل اذ اهلك الجبابرة بالشام وجعلهم ملوكا وسكانها وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم يقول وليوطنن لهم دينهم يعنى ملتهم التى ارتضى لهم فامرهم بها۔	عرب کا اور عجم کا اور کر دے گا ان کو بادشاہ اور صاحب حکومت ان زمینوں کا جس طرح خلیفہ بنایا تھا ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ یعنی جیسا معاملہ کیا تھا اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ جبکہ ہلاک کیا جبابرہ کو شام میں اور کر دیا بنی اسرائیل کو بادشاہ اور سکونت پذیر وہاں کا اور ضرور ضرور تمکین دے گا ان کے لئے

دین کو یعنی ان کے مذہب کو جو پسند کیا واسطے ان کے اور حکم دیا ان کو اس مذہب کا۔

پھر من كفر ذالك کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں :۔

قال القاسم ابو علی بقتلهم عثمان ابن عفان رضى الله عنه۔	قاسم ابو علی نے کہا ہے کہ اس نعمت خلافت کے کفران کی ابتدار) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ کے قتل سے ہوئی۔

ف۔ تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ وعدہ مسلمانوں سے ہے اور عرب و عجم کی بادشاہت کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ وعدہ عہد رسول میں پورا نہیں ہوا بلکہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں پورا ہوا کیونکہ عرب و عجم کی بادشاہت انہیں کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلی ناشکری اس نعمت کی شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

(۲) تفسیر امام ابنِ کثیر میں ہے :۔

هذا وعد من الله تعالیٰ لرسوله صلوات الله وسلامه علیه بانه یجعل امته خلفاء الارض ای ائمة الناس وولاة علیهم وبهم تصلح البلاد وتخضع لهم العباد - لیبدلنهم من بعد خوفهم من الناس وفیهم وقد فعله تبارك وتعالیٰ وله الحمد والمنة. فانه صلی الله علیه وسلم لم یمت حتی فتح الله علیه مكة وخیبر والبحرین وسائر جزیرة العرب وارض الیمن بكمالها واخذ الجزیة من مجوس هجر ومن بعض اطراف الشام وهاداه هرقل ملك الروم وصاحب مصر واسكندریه وهو

یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو وُہ عنقریب آپ کی امت کو زمین کا خلیفہ یعنی لوگوں کا امام اور ان پر والی بنائے گا اور ان سے شہروں کی درستی ہوگی اور بندگان خدا سب ان کے فرمانبردار ہوں گے اور بعد اس کے کہ وُہ لوگوں سے کہ وُہ لوگوں سے ڈرتے تھے ان کو امن و حکومت عنایت کرے اور اس کو اللہ وتبارک نے پُورا کیا، اس کا شکر اور احسان ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہونے پائی کہ اللہ تعالےٰ نے آپ پر مکہ، خیبر، بحرین اور بقیہ جزیرہ عرب اور سرزمین یمن کامل فتح کردی اور آپ نے مجوس ہجر سے اور بعض اطراف شام سے جزیہ لیا۔ ہرقل شاہ روم اور مقوقس صاحب مصر و اسکندریہ اور نجاشی

المقوقس وملوك عمان
والنجاشي ملك الحبشة
الذي تملك بعد اصحمة
رحمة الله واكرمه
ثم لما مات رسول الله
صلى الله عليه وسلم
واختار الله له ما عنده
من الكرامة قام
بالامر بعده خليفة
ابوبكر الصديق فلم
شعث ما وهي بعد موته
صلى الله عليه وسلم
واخذ جزيرة العرب
ومهدها وبعث
جيوش الاسلام الى
بلاد فارس صحبة
خالد بن الوليد رضي
الله عنه ففتحوا طرفا
منها وقتلوا خلقا
من اهلها وجيشا آخر
صحبة ابي عبيدة رضي
الله عنه ومن اتبعه
من الامراء الى الارض

بادشاہ حبش نے اصحمہ رحمۃ اللہ
واکرمہ کے بادشاہ ہوئے تھے
آپ کی خدمت میں ہدایا
بھیجے پھر جب رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی
اور اللہ نے آپ کے لئے وہ
بزرگی پسند کی جو اُس کے پاس
ہے تو آپ کے خلیفہ ابوبکر
صدیق والی امیر ہوئے جو کچھ
کمزوری حضورؐ کی وفات سے
پیدا ہوگئی تھی اس کو انہوں
نے درست کیا اور جزیرۂ عرب
کو لے کر آراستہ کیا اور افواج
اسلام کو بلادِ فارس کی طرف
ہمراہی خالد بن ولیدؓ بھیجا۔
انہوں نے ایک حصہ اس کا فتح
کیا اور وہاں کے بہت سے
لوگوں کو قتل کیا اور ایک اور لشکر
ہمراہی حضرت ابوعبیدہؓ اور ان
سرداران کے جو ان کے ساتھ
تھے سرزمین شام کی طرف بھیجا
اور تیسرا لشکر ہمراہی عمرو بن
العاصؓ ملک مصر کی طرف بھیجا

الشام وثالثاً صحبة
عمرو بن العاص رضی
الله عنه الی بلاد مصر
ففتح الله للجیش الشامی
فی ایامه بصری و
دمشق ومخالیفهما من
بلاد حران وما والاها
توفاه الله عزوجل و
اختار له ما عنده من
الکرامة ومن علی
اهل الاسلام بان
لهم الصدیق ان
استخلف عمر الفاروق
فقام بالامر بعده قیاما
تاما لم یر الفلک
بعد الانبیاء علی مثله
فی قوة سیرته وکمال
عدله وتم فی ایامه
فتح البلاد الشامیه
ودیار مصر الی اخرها
واکثر اقالیم فارس
وکسر کسری واهان
غایته الهوان

پس اللہ تعالیٰ نے شامی لشکر پر ان کے
زمانہ میں بصری اور دمشق اور
ان کے اطراف وجوانب یعنی
حران اور اس کے مضافات
فتح کر دئیے اور اُن کے لئے وہ
عزّت پسند کی جو اس کے پاس
ہے اور مسلمانوں پر یہ احسان
کیا کہ حضرت صدیق کو یہ الہام
کیا کہ اُنہوں نے حضرت عمر فاروقؓ
کو خلیفہ بنایا انہوں نے ان کے
بعد مہمات خلافت پوری
طرح انجام دئیے۔ انبیاء
کے بعد ان کا مثل آسمان نے
نہیں دیکھا، ان کی سیرت کی
قوت اور کمال عدل میں اور
ان کے زمانہ میں بلادِ شامیہ
کی فتح کامل ہوئی اور ملک مصر
پورا فتح ہو گیا اور اکثر حصّہ
ملک فارس کا۔ انہوں نے
کسریٰ توڑ دیا اور اس کو نہایت
درجہ ذلیل کیا اور اس کو انتہائے
ملک تک بھگا دیا۔ اور قیصر کو
بھی توڑ دیا اور اس کا ہاتھ بلادِ

وشفق الی اقصی مملکته
وقصر قیصر واسترغ
یده عن بلادِ الشام
والخذر الی القسطنطنیة
ونفق اموالها فی سبیل
الله کما اخبر بذلك
وعدته رسول الله
صلی الله علیه وسلم
من ربه اتم سلاما
وازکی صلوٰة ثم لما
کانت الدولة العثمانیه
امتدت الممالك
الاسلامیة الی اقصی
مشارق الارض و
مغاربها ففتحت بلاد
مغرب الی اقصی ما
بینهما لك الاندلس
وقبرص وبلاد القیروان
وبلاد سته مما یلی
البحر المحیط ومن
ناحیة المشرق الی
اقصی بلاد الصین وقتل
کسری وباد ملکه با

شام سے اٹھا دیا اور قسطنطنیہ
کی طرف رُخ کیا اور ان کے
مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیے۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی
اور رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس کا وعدہ کیا گیا تھا پھر
جب دولت عثمانیہ کا زمانہ
آیا تو اسلامی ممالک بہت
بڑھ گئے اور انتہائے مشرق و
مغرب تک پہنچ گئے۔ پھر بلاد
مغرب آخر تک یعنی اندلس اور
قبرص اور بلاد قیروان و بلادِ ستہ
جو بحرِ محیط سے ملے ہوئے ہیں
فتح ہو گئے۔ اور اطراف مشرق
سے انتہائے ملک چین تک
فتح ہو گئے اور کسری بھی قتل
ہو گیا اور بدائن ،عراق خراسان
و ہوازنہ اور مسلمانوں نے ترکیوں
سے جنگ عظیم کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے
ان کے بادشاہ اعظم خاقان
کو ہلاک کر دیا اور مشرق و مغرب
سے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان
رضی اللہ عنہ کے حضور میں خراج

الكلية وفتحت مدائن العراق و خراسان والاهواز و قتل المسلمون من الترك مقتلة عظيمةً جداً واخذل الله ملكهم الاعظم خاقان وجبئ بالخراج من المشارق والمغارب الى حضرة امير المومنين عثمان بن عفان رض۔

لایا۔
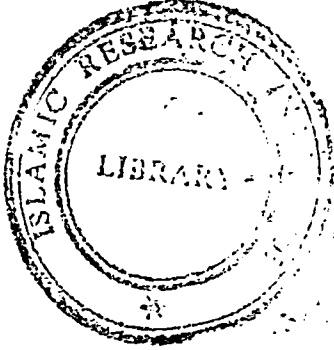
(۳) امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں :۔

وفی الآیۃ دلالۃ علی خلافۃ الصدیق وامامۃ الخلفاء الرشدین ۔	اس آیت میں حضرت صدیق کی خلافت پر اور خلفائے راشدین کے امام برحق ہونے پر دلالت ہے۔

(۴) تفسیر کبیر میں ہے :۔

مراد بھذا طریقۃ امامۃ ومعلوم ان بعد الرسول الاستخلاف الذی ھذا وصفہ انما کان فی ایام ابی بکر وعمر وعثمان لان فی ایامھم کانت الفتوح العظیمۃ	مراد اس استخلاف سے وہی طریقہ امامت (یعنی) خلافت کا ہے۔ اور معلوم ہے۔ کہ جس استخلاف کی یہ صفت ہے۔ وہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ ہی کے زمانہ میں پایا گیا۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے فتوحات

وحصل التمکین وظهور الدین والامن ولم یحصل ذلك فی ایام علیؓ	ہوئے۔ اور تمکین اور غلبۂ دین اور امن حاصل ہوا۔ اور یہ باتیں علیٔ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں پائی گئیں۔

(۵) تفسیر مدارک :۔

والاٰیۃ اوضح دلیل علی حقیقۃ خلافۃ الخلفا الراشدینؓ لان المستخلفین الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات ھم ھم۔	یہ آیت واضح دلیل ہے خلفائے راشدینؓ کی خلافت پر۔ کیونکہ وہ لوگ جو لوگ جو خلیفہ بنائے گئے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ وہی ہیں

(۵) تفسیر بیضاوی میں ہے۔

والاٰیۃ دلیل علی صحۃ النبوۃ بالاخبار من الغیب علی ماھو بہ وخلافۃ الخلفاء الراشدین اذلم یجتمع الموعود والموعود علیہ بغیرھم بالاجماع۔	جو اس آیت میں دلیل ہے۔ نبوت کے صحیح ہونے پر بوجہ پیشگوئی کے مطابق نہ ہونے کے نیز دلیل ہے خلفائے راشدین کی خلافت کی۔ کیونکہ نہیں جمع ہوئے موعود اور موعود علیہ ان کے غیر من الاجماع۔

ف: بالاجماع کا لفظ کس وضاحت سے بتا رہا ہے کہ اس آیت سے حقیت خلفائے راشدین کے ثابت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(۷) تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

یستخلفنھم والقسم	لیستخلفنہم میں قسم محذوف ہے۔

ونحن وفی ای اقسمتم	یعنی میں قسم کھاتا ہوں کہ ان کو
لیجعلنکم خلفاء فی	زمین میں بادشاہ کروں گا۔
الارض کما فعل ببنی	جس طرح بنی اسرائیل کو کیا تھا۔
اسرائیل حین اورثهم	جب کہ ان کو مصر اور شام کا
مصر والشام من بعد	وارث بنایا۔ بعد ہلاک کرنے
اهلاك الجبابرة ولیمکن	جبابرہ کے۔ اور ضرور
لاجلهم الدین المرتضی	ضرور ان کے ذریعہ سے دین
وهو دین الاسلام۔	پسندیدہ یعنی دین اسلام کو
	مضبوط کر دے گا۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فانجز الله وعده واظهرهم	پس پورا کیا اللہ جل شانہٗ نے
علی جزیرة العرب	اپنے وعدہ کو اور غالب کیا ان
وورثوا ملك الاکاسرة	لوگوں کو جزیرہ عرب پر اور
وخزائنهم وهذا	مالک بنائے گئے وہ لوگ
اخبار بالغیب فیکون	شاہ ایران کی سلطنت اور خزانوں
معجزۃ	کے۔ اور چونکہ یہ پیشین گوئی
	ہے لہذا معجزہ ہے۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:-

ومن کفر بهذه النعم	جو شخص ان بڑی بڑی نعمتوں کا
الجسام وهی الاستخلاف	یعنی استخلاف اور تمکین اور
والتمکین والامن بعد	امن بعد الخوف کی ناشکری
الخوف بعد حصول ذلك	کرے بعد ان نعمتوں کے
بعد ما الذکر فاولئك	حاصل ہو جانے کے یا بعد

هم الكاملون في
الفسق قال اهل السنة
في الاية على امامة
الخلفاء الراشدين
لان قوله منكم للتعيين
وذلك البعض يجب
ان يكون من الحاضرين
في وقت الخطاب ومعلوم
ان الائمة الاربعة
كانوا من اهل الايمان
والعمل الصالح وكانوا
حاضرين وقتئذ وقد
فعل لهم الاستخلاف و
الفتوح فوجب ان
يكونوا مرادا من
الاية ۔

ان کے مذکور ہو جانے کے تو
وہی لوگ اعلیٰ درجہ کے فاسق
ہیں اہل سنت نے کہا ہے کہ
اس آیت میں دلالت ہے
خلفائے راشدین کے امام
(برحق) ہونے پر کیونکہ منکم
میں من تعیین کے لیے اور
ضرور ہے کہ یہ بعض وہی لوگ
ہوں جو خطاب کے وقت
موجود تھے اور معلوم ہے کہ
ائمہ اربعہ صاحب ایمان و
صاحب عمل صالح تھے اور
بوقت خطاب موجود بھی تھے
اور ان کو استخلاف اور فتوحات
بھی حاصل ہوئیں لہذا ضروری
ہوا کہ وہی لوگ اس آیت سے
مراد ہوں ۔

(۸) تفسیر خازن میں ہے :-

وفي الاية دليل على
صحة خلافة ابي
بكر الصديق والخلفاء
الراشدين بعده لان
في ايامهم كانت الفتوحات

اور آیت میں دلیل ہے حضرت
ابوبکر صدیق اور ان کے بعد
کے خلفائے راشدین کی خلافت
کے صحیح ہونے پر کیونکہ ان کے
زمانہ میں بڑے بڑے فتوحات

العظيمة وفتحت كنوز كسرى وغيره من الملوك وحصل الامن والتمكين وظهور الدين۔

اور شاہِ فارس اور نیز دوسرے بادشاہوں کے خزانوں پر مسلمان قابض ہوئے اور امن اور تمکین اور غلبہ دین بھی حاصل ہوا۔

(۹) تفسیر ابو مسعود میں ہے:۔

ليستخلفنهم فى الارض اى ليجعلهم خلفاء متصرفين فيها تصرف الملوك فى ممالكهم۔

لیستخلفنہم کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان کو خلیفہ بنائے گا کہ وہ زمین میں ایسا تصرف کریں گے جیسا بادشاہ اپنی سلطنت میں کرتے ہیں۔

(۱۰) تفسیر روح المعانی میں ہے:۔

واستدل كثير بهذه الاية على صحة خلافة الخلفاء الاربعة رضى الله تعالى عنهم لان الله تعالى وعد فيها من فى حضرة الرسالة من المؤمنين بالاستخلاف وتمكين الدين والامن العظيم من الاعداء ولا بد من وقوع ما وعد به ضرورة امتناع الخلف

بہت لوگوں نے اس آیت سے خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت میں ان مسلمانوں میں سے جو بارگاہ رسالت میں موجود تھے وعدہ کیا ہے۔ استخلاف کا اور تمکین دین کا۔ اور اعدا سے امن عظیم عنایت کرنیکا اور جو اس نے وعدہ کیا ہے اس

فی وعدہ ولم یقع	کا واقع ہونا ضروری ہے۔
ذلک المجموع الا فی	بوجہ محال ہونے خلاف
عہدھم فکان	وعدگی اللہ تعالیٰ کے۔ اور
کل منھم خلیفۃ	یہ مجموعہ نہیں پایا گیا مگر انہیں
حقا باستخلاف اللہ	خلفا کے عہد میں۔ لہذا وہ
تعالیٰ ایاہ جسما وعد	سب خلیفہ برحق ہوئے
جل وعلا - ان الآیۃ	اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کرنے سے
ظاھرۃ فی نزاھۃ	جیسا کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے
الخلفاء الثلاثۃ	وعدہ کیا تھا پھر اس کے بعد
رضی اللہ تعالیٰ عنھم	لکھتے ہیں بے شک یہ آیت
عما رماھم الشیعۃ	ظاہر ہے خلفائے ثلثہ رضی اللہ
بہ من الظلم والجور	عنہم کی پاکیزگی میں ان عیوب
والتصرف فی الارض	سے جو شیعوں نے ان پر افترا
بغیر الحق لظھور تمکین	کئے ہیں۔ از قسم ظلم وجور و
الدین والامن التام	تصرف در زمین بہ ناحق کیونکہ
من اعدائہ فی	تمکین دین اور دشمنان خدا
زمانھم۔	کی طرف سے امن تام کا ظہور
	ان کے زمانہ میں ہوا۔

(۱۰) تفسیر جلالین میں ہے:-

ولیمکنن لھم دینھم	ضرور ضرور تمکین دیگا ان کیلئے
الذی ارتضی لھم وھو	ان کے اس دین کو جو پسند
الاسلام بان یظھرہ	کیا اللہ نے ان کے لئے اور
علی جمیع الادیان و	وہ دین اسلام ہے یعنی غالب

يوسع لهم البلاد فيملكوها وليبدل بالتخفيف والتشديد من بعد خوفهم من الكفار امنا وقد انجز الله وعده لهم بما ذكره واثنى عليهم بقوله يعبدونني لا يشركون بي شيئا وهو مستأنف في حكم التعليل ومن كفر بعد ذلك الانعام منهم فاولئك هم الفاسقون واول من كفر به قتلة عثمان رضي الله عنه فصاروا يقتتلون بعد ان كانوا اخوانا

کردے گا۔ دین اسلام کو تمام دینوں پر اور ان کو شہروں میں وسعت دے گا کہ وہ ان شہروں کے مالک ہو جائیں گے اور ضرور بدل دے گا خوف کفار کے بدلہ میں امن اور یہ تحقیق پورا کیا اللہ نے وعدہ اپنا ان سے جیسا کہ بیان فرمایا اور ان لوگوں کی تعریف کی اپنے اس قول سے کہ وہ لوگ میری پرستش کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ یہ ایک علیحدہ جملہ ہے گویا مضمون سابق کی دلیل ہے اور جو لوگ ان میں سے بعد اس انعام کے ناشکری کریں گے وہ لوگ فاسق ہیں سب سے پہلے جس نے اس نعمت کی ناشکری کی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین تھے اس کے بعد مسلمانوں میں باہم جنگ شروع ہوگئی بعد اس کے کہ وہ بھائی بھائی تھے۔

(۱۱) تفسیر سراج المنیر میں ہے :-

ليستخلفنهم في الارض اي ارض العرب والعجم

زمین میں خلیفہ بنائے گا یعنی زمین عرب و عجم میں اس طرح

بان یمد زمانھم و ینفذ احکامھم فیجعلھم متصرفین فی الارض تصرف الملوک فی ممالیکھم	کہ ان کا زمانہ بڑھا دے گا اور ان کے احکام کو نافذ کردے گا اور ان کو زمین میں تصرف کرنے والا بنائے گا جس طرح بادشاہ لوگ اپنی سلطنت میں تصرف کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں :-

وانجز اللہ تعالیٰ وعدہ وافتحوا بعد بلاد المشرق والمغرب ومزقوا ملک الاکاسرۃ وملکوا خزائنھم واستولوا علی الدنیا واستعبدوا ابناء القیاصرۃ وتمکنوا شرقا وغربا تمکنۃ لم تحصل قبلھم لامۃ من الامم۔	اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان لوگوں کو جزیرۂ عرب پر فتحیاب کیا اور اس کے بعد انہوں نے بلاد مشرق ومغرب کو فتح کیا اور شاہان فارس کی سلطنت کو انہوں نے پامال کر دیا اور ان کے خزانوں کے مالک ہو گئے اور دنیا پر غالب آ گئے اور شاہان روم کے بیٹوں کو انہوں نے غلام بنایا اور مشرق سے لے کر مغرب تک ان کو وہ تمکین حاصل ہوئی جو ان سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔

(۱۲) تفسیر فتح البیان میں ہے :-

وانجز اللہ وعدہ و	اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان

اظهرهم على جزيرة
العرب وافتحوا بعد
بلاد المشرق والمغرب
ومزقوا ملك الاكاسرة
وملكوا خزائنهم
واستولوا على الدنيا
وفي الاية اوضح دليل
على صحة خلافة ابي
بكر الصديق والخلفاء
الراشدين بعده لان
المستخلفين الذين
امنوا وعملوا الصلحت
هم هم وفي ايامهم
كانت الفتوحات العظيمة
وفتحت كنوز كسرى وغيره
من الملوك وحصل
الامن والتمكين و
ظهور الدين وعن
سفينة قال سمعت
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول الخلافة
بعدي ثلثون سنة
ثم تكون ملكا

لوگوں کو جزیرۂ عرب پر غالب
کر دیا اور بعد اس کے انہوں
نے مشرق اور مغرب کے شہروں
کو فتح کیا اور شاہان فارس
کی سلطنت کو پامال کر دیا اور
ان کے خزانوں کے مالک ہو
گئے اور دنیا پر غالب آگئے
اور اس آیت میں بہت
واضح دلیل ابوبکر صدیقؓ اور
ان کے بعد کے خلفائے راشدین
کی خلافت کے صحیح ہونے کی
ہے کیونکہ وہ مومنین صالحین
جو خلیفہ بنائے گئے وہی ہیں اور
انہیں کے زمانہ میں فتوحات
عظیمہ حاصل ہوتے اور شاہ
فارس اور نیز دوسرے بادشاہوں
کے خزانے مفتوح اور امن
اور تمکین وظہور دین حاصل
ہوا اور سفینہ سے مروی ہے
کہ وہ کہتے تھے میں نے رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا
آپ فرماتے تھے خلافت میرے
بعد تیس برس تک رہے گی

ثم قال امسك خلافة
ابي بكر رض سنتين و
خلافة عمر رض عشر
سنين وخلافة عثمان رض
اثنتي عشرة سنة و
علي رض ستا قال علي قلت
كماء القائل لسعيد
امسك سفينة قال
نعم اخرجه ابوداؤد
الترمذي ۔

پھر سلطنت ہو جائے گی راوی
نے کہا تم گن لو۔ ابوبکر رض کی
خلافت دو برس رہی اور
عمر رض کی خلافت دس برس اور عثمان رض
کی خلافت بارہ برس اور
علی رض کی چھ برس جنھوں نے
سعید سے کہا تھا کہ گن لو پوچھا
کہ کیا یہ حساب سفینہ کا بتایا ہوا
ہے انہوں نے کہا ہاں اس
روایت کو ابوداؤد و ترمذی نے لکھا ہے۔

(۱۳) علامہ جار اللہ زمخشری جو عربیت کے مسلم الثبوت امام اور معتزلی المذہب ہیں جن کے مذہب کی بنا تمام تر عقلیات محضہ پر ہے۔ اپنی تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں :۔

الخطاب لرسول الله
صلى الله عليه وسلم
ولمن معه و منكم
للبيان كالتي في آخر سورة
الفتح وعدهم الله ان
ينصر الاسلام على
الكفر ويورثهم الارض
ويجعلهم فيها خلفاء
كما فعل ببني اسرائيل
حين اورثهم مصر

خطاب ہے رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم سے اور ان لوگوں
سے جو آپ کے ساتھ تھے اور
منکم واسطے بیان کے ہے جیسے
کہ سورہ فتح کے اخیر میں ہے۔
اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ
اسلام کو کفر پر فتحمند کرے گا۔
اور ان لوگوں کو زمین کا وارث
بنائے گا اور ان کو زمین میں
بادشاہ کرے گا جیسا کہ بنی اسرائیل

والشام بعد اهلاك الجبابرة وان يمكن الدين المرتضى وهو دين الاسلام وتمكينه وتثبيته وتوطيده وان يومن سرهم و يزيل كانوا عليه وذلك ان النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه مكثوا بمكة عشر سنين خائفين ولما هاجروا كانوا بالمدينة يصبحون فى السلاح وعبون فيه حتى قال هل ياتي علينا يوم نامن فيه ونضع السلاح فقال صلى الله عليه وسلم لا تغبرون الا يسيرا حتى يجلس الرجل منكم فى الملأ العظيم محتبيا ليس معه حديدة فانجز الله وعده و اظهرهم على جزيرة

کے ساتھ کیا تھا جبکہ ان کو جبابرۃ کے ہلاک کرنے کے بعد مصر اور شام کا وارث بنایا اور یہ کہ دین پسندیدہ یعنی دین اسلام کو تمکین دے گا۔ تمکین دینے کا مطلب یہ ہے کہ قائم کر دینا اور مضبوط کر دینا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ ان کے خوف اور دہشت کو ان سے دور کرے گا جو ان پر طاری تھا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ میں دس برس تک نہایت خوف کی حالت میں رہے اور جب وہ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو تمام دن اور تمام رات ہتھیار پہنے گزر جاتی تھی یہاں تک کہ ایک شخص نے کہا کہ ہم پر کوئی دن ایسا نہ آئے گا جس میں ہم امن سے ہوں اور ہتھیار رکھ دیں۔ پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں

العرب وافتحوا بعد	کے بعد یہ حالت ہوگی کہ تم
بلاد المشرق والمغرب	میں سے کوئی شخص ایک بڑی
فمزقوا ملك الاكاسرة	جماعت میں بیٹھے گا اور اس کے
وملكوا خزائنهم و	پاس ایک ہتھیار بھی نہ ہوگا
استولوا على الدنيا ثم	پس اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا
خرج الذين على خلاف	اور ان لوگوں کو جزیرۂ عرب پر غالب
سيرتهم فكفروا	کردیا اور بعد میں ان لوگوں نے
بتلك الانعم وفسقوا	مشرق ومغرب کے شہروں کو
وذلك قوله صلى الله	فتح کرلیا اور شاہان ایران کی
عليه وسلم الخلافة	سلطنت کو پامال کردیا۔ اور
بعدى ثلثون سنة	ان کے خزانوں کے مالک بن
ثم يملك الله من	گئے اور دنیا پر غالب آگئے۔
يشآء فتصير ملكا	بعد اس کے وہ لوگ پیدا ہوئے
ثم تصير بزيزى	جو ان کی روش کے خلاف
قطع سبيل وسفك	تھے۔ انہوں نے ان نعمتوں
دماء واخذ اموال	کی ناشکری کی اور فاسق ہو
بغير حقها ۔	گئے یہی مطلب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ اس کے بعد پھر اللہ جس کو چاہے گا بادشاہ بنائے گا پس وہ سلطنت ہوجائے گی۔ پھر خلافت رہزنی اور خونریزی اور بناحق لوگوں کے مال لے لینے کا نام ہوجائے گی پھر بعد اس کے الفاظ آیت کی تشریح سے فارغ ہوکر لکھتے ہیں۔

فان قلت هل فى هذه — اگر تو کہے کہ کیا اس آیت میں

الآیۃ دلیل علیٰ امر الخلفاء الراشدین	خلفائے راشدین کے معاملہ کی کچھ دلیل ہے تو میں جواب
قلت اوضح دلیل وابینہ لان المستخلفین	دوں گا کہ بہت واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ جو
الذین امنوا وعملوا الصلحت ھم ھم	مومنین صالحین خلیفہ بنائے گئے وہ وہی ہیں

(۱۴۱) تفسیر غایۃ البرہان میں ہے یہ آیت ولاۃ امر مسلمین پر بعد حضورؐ کے ہے۔ پس مثابت حضرت موسیٰؑ وحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فصل سفر مستثنےٰ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ہوا کہ قوم مرہ بن کعب جدامجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خلیفہ نہ ہوا جیسے بنی لاوی سے بعد موسےٰ کے کوئی خلیفہ نہ ہوا بلکہ مثل یوشع افریمی کی قوم تیم بن کعب سے بعد آپ کے ابوبکر صدیقؓ حسب وعدہ خلیفہ ہوئے اور یوشعؑ کی سی انہوں نے فتوحات حاصل کیں اور جیسے یوشعؑ نے کالب کو اپنا خلیفہ کیا ویسے صدیقؓ نے عمرؓ کو خلیفہ کیا جو عدی بن کعب سے ہیں اور کالب کی طرح سے بڑی فتوحات فاروق کی ہوئیں اور مسلمانوں کو دشمنان دین کا خوف جاتا رہا اور عبادت خدا بلا شرکت کے جاری ہوئی اور عمرؓ کے بعد یوساتوس کی طرح سے عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ ان کے آخر زمانہ میں جیسے بنی اسرائیل نے کفران نعمت کی ویسے ہی خارجیوں نے کفران نعمت کی کہ خلیفہ برحق پر خروج کیا اور سخت خرابی اہل اسلام میں واقع ہوئی تو علی مرتضےٰؓ خلیفہ برحق ہوئے۔ ان پر بھی خروج بناحق ہوا۔ اس سے صاف تمثیل کی حقیقت ظاہر ہوئی۔

روایات وتفاسیر شیعہ

واضح رہے کہ اس آیہ استخلاف سے حقیقت ہر سہ خلافت پر سب سے پہلے جس نے استدلال کیا وہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ ہیں انہوں نے اس آیت کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر منطبق فرمایا چنانچہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم اوّل ص ۲۸۲ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہادِ فارس کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خود اپنے جانے کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:۔

(۱) ان ھذا الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا بقلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ۔

بے شک اس دین کی فتح و شکست کثرت و قلت لشکر کے سبب سے نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا دین ہے جس نے اس کو غالب کیا اور یہ اسی کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا اور مدد دی یہاں تک کہ پہنچا اور پھیلا۔ جہاں تک پھیلا اور ہم لوگ اللہ کے ایک وعدہ پر ہیں اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کو مدد دینے والا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خداوند تعالیٰ کے وعدہ کا حوالہ جو اس کلام میں دیا ہے تمام شارحین نہج البلاغت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ وعدہ آیۃ استخلاف سے ہی انہوں نے اخذ کیا ہے اور عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے کہ ضرور

اس آیت کی طرف اشارہ ہے ۔ کیونکہ اور کسی آیت میں خلافت و تمکین کی خبر وعدہ کے لفظ کے ساتھ نہیں ہے ۔ علامہ ابن میثم بحرانی اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

وعدنا بموعود ھو	اللہ نے ہم سے وعدہ کیا ہے
النصر والغلبۃ واستخلاف	یعنی مدد اور غلبہ اور خلافت
فی الارض کما قال	زمین میں جیسا کہ فرمایا وعداللہ الذین
وعد اللہ الذین	آمنوا الخ یعنی اللہ نے وعدہ
امنوا منکم و	دیا ہے ان لوگوں کو جو ایمان
عملوا الصلحت	لائے تم میں سے اور انہوں نے
لیستخلفنھم فی	اچھے کام کئے کہ ضرور ان کو خلیفہ
الارض ۔	بنائے گا زمین میں ۔

حضرت علی رضی مرتضٰے نے اپنے اس کلام میں کس فصاحت و بلاغت سے حضرت عمر رضی کا خلیفہ برحق ہونا ان کی خلافت کا اس آیت کی موعودہ خلافت ہونا بیان فرمایا ان کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کو اللہ کا لشکر بنایا اور اپنے آپ کو حضرت عمر رضی کی جماعت میں شامل کر کے بتلایا کہ ہم سے خدا کا وعدہ ہے ۔

اسی قسم کا کلام حضرت علی رضی مرتضٰے نے اس وقت بھی فرمایا جب جہادِ روم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ لیا ۔ نہج البلاغہ قسم اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۷۱ میں ہے ۔

قد توکل اللہ لاھل	بہ تحقیق اللہ ذمہ دار ہو گیا ہے
ھذا الدین باعزاز	اس دین والوں کے لئے ان
الحوزۃ وستر	کی جماعت کو غالب کرنے اور
العورۃ ۔	ان کی کمزوریوں کے چھپانے کا ۔

اس کلام کی شرح میں بھی شارحین نہج البلاغہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ نے اللہ کے ذمہ دار ہونے کا مضمون آیۂ استخلاف سے لیا ہے۔

علامہ ابن میثم لکھتے ہیں۔

وهذا الحكم من قوله تعالیٰ وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصلحت۔	یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے قول وعدہ اللہ الذین آمنو منکم وعملوا لصلحت الخ سے جناب امیر نے لیا ہے۔

(۳) علامہ محسن کاشی تفسیر صافی مطبوعہ طہران ۔ ۔ ۔ ۔ آیۂ استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ليجعلنهم خلفاء بعد نبيكم۔	لیستخلفنہم کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو بعد نبی کے خلیفہ بنائے گا۔

پھر یہی مفسر اسی صفحہ میں ائمہ اہل بیت سے روایت کرتا ہے۔

وعن الباقر ولقد قال الله في كتابه لولاة الامر من بعد محمد خاصة وعد الله الذين امنوا منكم الى قوله فاولئك هم الفاسقون	امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خالص ان صاحبان کو حکومت کے لئے جو بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے فرمایا کہ وعداللہ الذین آمنوا منکم سے فاولئک الفاسقون تک۔

(۴) نیز یہی مفسر ہیں سورۂ تحریم کی تفسیر میں تفسیر قمی سے نقل کرتا ہے کہ،

فقال ان ابابكر يلي الخلافة بعدي ثم بعده	رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ ابوبکرؓ

الیوك فقالت من انباك هذا۔ قال نبأنی العلیم الخبیر ۔ میرے بعد والیٔ خلافت ہوں گے پھر ان کے بعد تمہارے والد۔ حفصہؓ نے پوچھا آپ کو یہ کس نے خبر دی۔ تو آپؐ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر یعنی خدا نے خبر دی ہے۔ تفسیر صافی میں عبارت منقولہ کے بعد پھر یہی مضمون بحوالہ تفسیر مجمع البیان وتفسیر عیاشی امام باقر سے نقل کیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ وحی الٰہی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی خلافت کی خبر دے گئے تھے۔ اور یہ خبر بطور خوشخبری کے اپنی بی بی کو خوش کرنے کے لئے آپ نے دی تھی اگر ان کی خلافت حقہ نہ ہوتی تو کیا رسول اللہ ایک ناجائز چیز کی خبر سنا کر اپنی بی بی کو خوش کرنا چاہتے تھے۔

(۵) علامہ طبرسی مجمع البیان میں آیت استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وعد اللہ الذین امنوا منکم ای صدقوا باللہ ورسولہ وبجمیع مایجب بقولہ وعملوا الصلحت ای الطاعات الخالصۃ للہ لیستخلفنھم فی الارض والمعنی لیورثنھم ارض الکفار من العرب والعجم فیجعلھم سکانھا وملوکھا۔ وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے یعنی انہوں نے اللہ ورسول کی اور تمام ان باتوں کی تصدیق کی جن کا قبول کرنا واجب ہے اور اچھے کام یعنی خالص اللہ کے لئے عبادتیں کیں کہ ضرور ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا مطلب یہ ہے کہ ان کو کافروں کی زمین عرب وعجم کا وارث بنائے گا یعنی ان کو ان زمینوں کا ساکن اور بادشاہ بنائے گا۔

حضرت علیؓ مرتضٰی اپنے زمانۂ خلافت میں اکثر حضرات خلفائے ثلثہ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہما کی تعریف فرمایا کرتے تھے اور مسئلہ تفضیل شیخین میں توجس قدر اہتمام انہوں نے کیا اس قدر اہتمام توکسی نے نہیں کیا۔ چند کلام بطور نمونہ حسب ذیل ہیں۔

(۶) نہج البلاغہ قسم دوم صـ۲۵۳ میں ہے۔

وولیھم وال فاقام	اور حاکم ہوا مسلمانوں پر ایک
واستقام حتی ضرب	حاکم پس اس نے قائم کیا دین
الدین بجرانہ۔	اور ٹھیک چلا یہاں تک کہ دین
	نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا

اونٹ جب راحت کی حالت میں ہوتا ہے تو اپنا سینہ زمین پر رکھ دیتا ہے۔ حضرت علی مرتضٰی نے اس کلام میں دین کو اونٹ سے تشبیہ دی ہے مطلب یہ کہ اس حاکم کے عہد میں دین کو کمال قوت اور راحت حاصل ہوگئی۔ گو اس کلام میں نام کسی کا نہیں لیکن اوصاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت عمر کے سوا کوئی مراد نہیں ہوسکتا۔ علامہ فتح اللہ کاشانی ترجمہ نہج البلاغہ میں پہلے فقرہ کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ والی ایشاں شد والی کہ آں عمر بن خطاب است۔ اور آخری فقرہ کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ کہ تا آنکہ بزد دین پیش سینہ خود را بر زمین و ایں کنایت است از استقرار و تمکین اہل اسلام۔

(۷) نہج البلاغہ قسم دوم ... میں ہے کہ حضرت علیؓ مرتضٰی نے حضرت امیر معاویہؓ کو خط بھیجا جس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

انہ بایعنی القوم	بہ تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے
الذین بایعوا ابابکر	ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت
وعمر وعثمان علی ما	کی تھی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ سے
بایعوھم علیہ فلم	انہیں شرائط پر جن شرائط کے

يكن للشاهد ان يختار	ساتھ ان سے کی تھی - لہذا
ولا للغائب ان يرد و	اب حاضر کو نہ اختیار حاصل
انما الشوری للمهاجرين	ہے کہ کسی اور کو پسند کرے
والانصار فان اجتمعوا	اور نہ غائب کو کہ میری خلافت
على رجل و سموه اماماً	کو رد کرے خلافت کے مشورہ
كان ذلك لله رضیٰ	کا حق مہاجرین اور انصار
فان خرج من امرهم	کو ہے وہ اگر کسی شخص پر متفق
خارج بطعن او بدعة	ہو جائیں اور اس کو امام کہہ
ردوه الى ما خرج منه	دیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام
فان ابى قاتلوه على	ہے - مہاجرین اور انصار کے
اتباعه غير سبيل	مشورہ سے جو شخص خلاف ہو
المؤمنين وولاه الله	جائے کوئی اعتراض کر کے یا
ما تولّى ولعمري يا	نئی بات نکال کر تو لوگ اس کو
معاوية لئن نظرت	واپس لائیں اسی بات کی طرف
بعقلك دون هواك	جس سے وہ نکل گیا ہے اور
لتجدنى ابرء الناس	اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال
من دم عثمان ولتعلمن	کریں کیونکہ اس نے ایمان والوں
انى كنت فى عزلة	کی راہ کے خلاف راہ اختیار
منا -	کی اور اللہ اس کو اس طرف

پھیرے گا جدھر وہ پھرا ہے اور قسم اپنی جان کی اے معاویہ رض! اگر تم عقل سے غور کرو خواہش نفسانی کو دخل نہ دو تو یقیناً مجھ کو خون عثمان رض سے سب سے زیادہ بے تعلق پاؤگے اور یقیناً تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اس خون سے بالکل علیحدہ ہوں -

اس خط میں حضرت علی المرتضیٰ نے نہایت تصریح کے ساتھ نام لے کر حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کی تصریح فرمائی۔ اپنی خلافت کے برحق ہونے کے ثبوت میں اسباب کو پیش کیا۔ کہ میرے ہاتھ میں ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ان تینوں خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہ بھی اس خط میں لکھ دیا کہ عقد خلافت کا مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے اور وہ جس کو خلیفہ بنا دیں وہی خلیفہ پسندیدہ یعنی خلیفہ برحق ہے۔ یہ بھی لکھ دیا کہ مہاجرین و انصار کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ کو جو نہ مانے وہ واجب القتل ہے اس سے زیادہ تصریحات اور کیا ہو سکتی ہیں۔

(۸) علامہ باقر مجلسی نے حیات القلوب ص۲۵۵ جلد دوم میں حضرت امام باقر سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں ابتدائی زمانہ کا بیان ہے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے قریش کو دعوت دین دی۔ اسی روایت کا بقدر ضرورت حصہ نقل کیا جاتا ہے حق تعالیٰ امر فرمودہ آں حضرت را باظہار دعوت خود پس حضرت بمسجد آمد و بر حجر اسمٰعیل استاد و بصدائے بلند ندا کرد کہ اے گروہ قریش۔ و ای طوائف عرب شما را مے خوانم بسوئے شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن بہ پیغمبری من و امر میکنم بشما را کہ ترک کنید بت پرستی را و اجابت نمائید مرا در آنچہ شما را باآں میخوانم تا بادشاہاں عرب گردید و گروہ عجم شما را فرماں برداران کردند و در بہشت بادشاہاں باشید۔

(ترجمہ) حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو دعوت نبوت ظاہر کرنے کا حکم دیا پس حضرت مسجد میں آئے اور حجر اسمٰعیل پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے آپ نے پکارا کہ اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب! تم کو میں بلاتا ہوں خدا کی وحدانیت کی گواہی دینے اور میری پیغمبری پر ایمان لانے کی طرف اور میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی کو چھوڑ دو اور جس کام کی طرف میں بلاتا ہوں اس کو مانو تاکہ تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ اور گروہ عجم تمہارے

فرمانبردار ہوجائیں اور بہشت میں تم بادشاہ ہوجاؤ۔

(ف) اس حدیث کا مطلب صاف ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث میں بادشاہت کی جو پیشینگوئی کی ہے یہ بادشاہت انہیں لوگوں کو ملنا چاہیئے جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ اور آپ کی اطاعت کی ہو۔ اور اس وقت کے لوگوں میں بادشاہت عرب وعجم کی ملی حضرات خلفائے ثلاثہ کو۔ حضرت علیؓ ان کے محکوم ومغلوب رہے۔ چوتھے نمبر پر حضرت علیؓ کو بھی بادشاہت ملی پس اگر حضرات خلفائے ثلثہؓ اور ان کے رفقاء جو دعوت نبی کا قبول کرنے والا آپ کی اطاعت کرنے والا نہ مانا جائے تو حدیث کی پیشین گوئی کے پورا نہ ہونا چہ معنی۔ اس کے برعکس کا ظہور ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں نے دعوت قبول کی وہ تو مغلوب ومحکوم ومظلوم رہے اور جنہوں نے قبول دعوت و ______ اطاعت سے انحراف کیا وہ تمام موجودہ نعمتوں پر قابض ______ ہوگئے۔ حیات القلوب کی یہ حدیث آیۂ استخلاف کی بہترین تفسیر میں آیۂ استخلاف کی تفسیر میں اور بھی احادیث کتب شیعہ کی نقل کی جاسکتی ہیں۔ لیکن اب زیادہ ضرورت معلوم نہیں ہوئی۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرات شیعہ ایسی صاف وصریح آیت اور ایسے واضح وروشن استدلال کے مقابلہ میں کیا تاویلات کرتے ہیں۔ ان تاویلات کو دیکھ کر ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اچھی طرح فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر نہیں ہے۔ مگر اپنے کو اسلامی فرقوں میں شمار کرانے کے لئے صاف صاف نہیں کہتے لیکن اور حق انصاف ان تاویلات سے بدرجہا بہتر تھا کہ وہ صاف صاف کہہ دیتے کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے۔ ان تاویلات کا پورا ذخیرہ جوابات تحفۂ اثنا عشریہ نیز مجتہدین لکھنؤ کے تصانیف کے متعلق مسئلہ امامت میں موجود ہے ہم اس میں سے محض نمونہ کے طور پر چند امور دکھلاتے ہیں۔ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔

فصل چہارم

حضرات مخالفین نے اس آیت کے خوب خوب جوابات دیئے ہیں جتنے منہ اتنی باتیں مگر ان سب میں جو سب سے بڑھیا جواب ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔
(۱) قرآن مجید محرف ہے۔ اس میں پانچ قسم کی تحریف کی گئی ہے۔
اول : اس میں سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئی ہیں الفاظ بھی نکال ڈالے گئے ہیں معلوم نہیں اس آیت سے کتنے الفاظ نکال دیئے گئے اور ان کے نکل جانے سے مطلب کیا سے کیا ہو گیا۔
دوم : اس قرآن میں بہت سی عبارتیں صحابہ نے اپنی طرف سے بنا کر بڑھا دیں جس سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے۔ اور وہ عبارتیں قابل نفرت اور خلاف فصاحت بھی ہیں۔
سوم : اس قرآن مجید کے الفاظ بدل دیئے گئے ہیں۔
چہارم : اس قرآن مجید کے حروف بھی بدل دیئے گئے ہیں۔
پنجم : اس قرآن مجید کی ترتیب بھی خراب کر دی گئی ہے۔ ترتیب چار قسم کی ہے سورتوں کی ترتیب، آیتوں کی ترتیب، الفاظ کی ترتیب، حروف کی ترتیب۔ یہ چاروں قسم کی ترتیب قرآن موجود میں خلاف مرضی خدا و رسول ہیں۔ المختصر یہ قرآن ہرگز اس قابل نہیں کہ اس سے مخالفین پر کوئی حجت و الزام قائم ہو سکے۔ اس جواب سے اگرچہ مخالفین کی گلو خلاصی اس آیت استخلاف بلکہ پورے قرآن کریم کے احکام و مسائل سے ہو جاتی ہے لیکن پھر اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرانے کا اور مسلمانوں کو مل کر تباہ کرنے کا کوئی حیلہ ان کے پاس نہیں رہتا لہذا تحریف قرآن کا عذر خاص خاص مواقع کے سوا کہیں نہیں بیان کیا جاتا۔

۲ - قرآن معمہ (چیستان) ہے ۔ سوا پیغمبر کے اور اماموں کے کوئی اس کو سمجھ نہیں سکتا لہذا آیت استخلاف کیا معنی قرآن کریم کی کسی آیت کا نہ کوئی مطلب معلوم ہو سکتا ہے نہ جو ظاہری مطلب دوسروں کی سمجھ میں آتا ہو اس سے مخالفین کو الزام دیا جا سکتا ہے ماحصل اس جواب کا بھی قریب قریب مثل پہلے کے ہے اور جس طرح پہلا جواب دنیا میں کسی معمولی عقل والے کے سامنے بھی پیش کرنے کے قابل نہیں اسی طرح یہ جواب بھی ۔

(۳) آیت استخلاف میں خدا نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ مومنین صالحین سے ہے اور حضرات خلفائے ثلثہ کا مومن ہونا تسلیم نہیں صالح ہونا تو بعد کی بات ہے ۔

(جواب الجواب) یہ ہے کہ بے شک آیت میں وعدہ مومنین صالحین سے ہے مگر حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کا مومن کامل بلکہ سرتاج اہل ایمان ہونا ایسا قطعی اور ضروری مسائل دین الہی کا ہے کہ کسی کلمہ گو کا اس سے انحراف ہو ہی نہیں سکتا ۔ کسی اچھے سے اچھے مدعا پر اس سے زیادہ دلائل قائم نہیں ہو سکتے جتنے اس مدعا پر قائم ہیں جس کو اس میں شک ہو وہ رسالہ مباحثہ میکریاں و رسالہ ہزیمت شیعیان پنجاب دیکھئے کہ ان دونوں رسائل میں اسی۸۰ دلائل اس مسئلہ کے متعلق مذکور ہیں اور قطع نظر اس سے سو بات کی ایک بات یہ ہے کہ اگر اس آیت کے وعدہ کا حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہونا نہ مانا جائے اور ان کی خلافتوں کو آیت کی موعودہ خلافت تسلیم نہ کیا جائے خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آیت کی پیشین گوئی صادق نہ ہوئی ۔ خدا کا وعدہ خلاف ہو گیا (معاذ اللہ منہ) کیونکہ حاضرین وقت نزول میں سے کسی وقت میں سوا حضرات خلفائے ثلثہ کے آیت کی موعودہ تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں پایا گیا ۔ پس اگر قرآن کریم اور اس کے وعدوں اور پیشین گوئیوں کی صداقت ضروری ہے تو بے چون وچرا مان لینا چاہیئے کہ حضرات خلفائے ثلثہ رض

کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت تھی اور یہ آیت ان کے خلیفہ برحق ہونے کی روشن دلیل ہے اور جس کو حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت کا انکار بہت زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہو تو اس کو اختیار ہے۔

(۴) آیت استخلاف میں تو خداوند تعالیٰ نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے اور اہل السنت بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو مہاجرین و انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ بنایا یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کی لہذا وہ بالاتفاق خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ نہ ہوئے۔ پس ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت نہیں ہو سکتی۔

(جواب الجواب) بے شک اس آیت میں خدا نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ مگر خدا کے خلیفہ بنانے کا اس میں وہی مطلب ہے۔ جو آیات قرآنیہ میں اللہ کے رزق دینے کھانے کھلانے کا مطلب ہوتا ہے قولہ تعالیٰ نحن نرزقهم و ایاکم وقولہ تعالیٰ اطعمهم من جوع۔ نیز قرآن کریم میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹی پھینکنے کو اپنا فعل فرمایا و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ اسی طرح حضرات خلفائے ثلثہ کے خلیفہ بنانے کو اپنا فعل فرمایا۔ اصل یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں حق تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ سبب و سبب کے پردہ میں کرتا ہے اور یوں تو چیز نیست سے ہست ہوتی ہے چھوٹی سے چھوٹی شئے ہو یا بڑی سے بڑی وہ حقیقتاً خدا ہی کے کرنے سے ہوتی ہے لیکن بعض چیزوں میں کوئی خصوصیت ایسی پائی جاتی ہے کہ ان چیزوں کو خدا اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔ اور بعض میں وہ خصوصیت نہیں پائی جاتی ان کو اپنی طرف منسوب نہیں فرماتا۔ ان بزرگوں کی خلافت چونکہ ایک اعلیٰ درجہ کا خیر ہے اور خبر محض الہام غیبی و تائید سماوی سے خدا کے مقبول و محبوب بندوں کے ہاتھ سے ظہور میں آیا اور کتنی نصوص قرآن و حدیث کی تصدیق کا ذریعہ بنا اس لئے خدا نے اس کو اپنا فعل فرمایا۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں "و باز معنی لیستخلفنہم آں است کہ خدا تعالیٰ متخلف ایشاں است و ایں استخلاف منسوب با دست حقیقتش آں است کہ خدائے تعالیٰ مدبر السموات والارض است ولطیف لما یشاء پس وقتے کہ صلاح عالم در نصب خلیفہ باشد الہام مے فرماید در قلوب امت تا شخصے را کہ حکمت الٰہی مقتضی است استخلاف او ست خلیفہ سازند بحقیقت جمیع حوادث منسوب بحق است لیکن چوں در بعض تائیدا و سبحانہ الٰہی بجہت اقامت خیر متحقق مے شود و در بعض تائید او سبحانہ کہ از قبیل فرق عوائد باشد بیش مے آید و علی ہذا القیاس معانی دیگر مخصص ایں حادثہ بحق باشد ایں استعمال اختیار مے کنند کمالہ تعالیٰ فلم تقتلوہم ولکن اللہ قتلہم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ پس نسبت استخلاف بخود ظاہر کمال تشریف و بیان آنکہ ایں استخلاف نعمتے است عظیم و امرے است راسخ در حقیقت چنانکہ لفظ عبادی و بیت اللہ و نفخت فیہ من روحی بر کمال تشریف و رضا میکند۔

(ترجمہ) لیستخلفنہم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ ان کو خلیفہ بنانے والا ہے۔ اور یہ خلیفہ بنانا خدا کی طرف منسوب ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے اور جو چاہے بڑی خوبی سے کر سکتا ہے۔ پس جس وقت کہ عالم کی درستی خلیفہ کے تقرر میں ہوتی ہے تو امت کے دلوں میں الہام کرتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنا لیں جس کے خلیفہ بنانے کو حکمت الٰہی مقتضی ہو۔ یوں تو تمام حوادث حقیقۃً خدا کی طرف منسوب ہیں مگر بعض حوادث میں چونکہ خدا کا الہام خیر کے قائم کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بعض میں حق تعالےٰ کی تائید جواز قسم فرق عادت ہوتی ہے شامل ہو جاتی ہے وعلی ہذا القیاس کچھ اور باتیں جو اس حادثہ کو حق تعالےٰ کے ساتھ خصوصیت پیدا کر دیں لہٰذا ایسے حوادث میں یہ استعمال اختیار کرتے ہیں (یعنی کہتے ہیں خدا نے اس کام کو کیا) چنانچہ قرآن میں فرمایا کہ اے اصحاب نبی تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور فرمایا کہ اے نبی آپ نے مٹی نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔ پس اس استخلاف کو اپنی طرف منسوب کرنا اسکی انتہائی بزرگی ظاہر کرنے کیلئے

ہے کہ یہ استخلاف ایک بڑی نعمت اور ایک مقرر طے شدہ چیز ہے جیسے کہ لفظ عبادی، بیت اللہ اور نفخت فیہ من روحی میں اضافت ان اشیاء کی خدا کی طرف ان کی بزرگی اور پسندیدگی پر دلالت کرتی ہے۔

(۵) اہل السنت خلافت و امامت کو اصول دین میں شمار نہیں کرتے بلکہ فروعات میں سمجھتے ہیں نیز ان کا اجماع و اتفاق [illegible] بات پر ہے کہ خلیفہ منصوص نہیں ہوتا نیز خاص حضرت ابوبکر کے متعلق بھی محققین اہل سنت اسی بات کے قائل ہیں کہ ان کی خلافت نص سے نہیں ہوئی ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ آیت استخلاف بلکہ کسی آیت سے حضرات خلفائے ثلٰثہ کی خلافت ثابت نہیں۔

(جواب الجواب) خلافت و امامت کو اصول دین میں نہ شمار کرنا اس سبب سے ہے کہ خلافت و امامت شریعت کے مقاصدِ اصلیہ میں سے نہیں ہے، نہ اعتقادات سے اس کو کچھ تعلق ہے بلکہ بعض مقاصد اصلیہ جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں بغیر خلیفہ کے حاصل نہیں ہوسکتے اس لئے اس کو فروعات ہی میں ہونا چاہیئے۔ دیکھو مقدمہ تفسیر آیات خلافت اور اہل سنت کا یہ قول ہرگز نہیں کہ خلیفہ منصوص نہیں ہوتا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ منصوص ہونا ضروری نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ایک نص سے نہیں بلکہ نصوص کثیرہ سے ثابت ہے بعض لوگ جو نص کی نفی کرتے ہیں ان کا مقصود کچھ اور ہے (دیکھو کتاب ازالۃ الخفا)

(۶) تمام امور مذکورہ بالا کے بعد آخری جواب یہ ہے کہ خدا کو بدا ہوتا ہے۔ اصول کافی مطبوعہ نولکشور ص ۸۶ یعنی بہت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا خدا کو علم نہیں (اساس الاصول مطبوعہ شاہی لکھنؤ ص ۲۱۹) لہٰذا ممکن ہے کہ جس وقت یہ آیت استخلاف نازل ہوئی اس وقت تک خدا ان تینوں خلیفوں سے خوش رہا ہو اور ان کے خلیفہ بنانے کا وعدہ کر لیا ہو مگر پھر خدا ان سے ناخوش ہوگیا اور اس کی رائے بدل گئی اس وجہ سے آیۂ استخلاف کا وعدہ پورا نہ فرمایا۔ [illegible] خدا کے اور کئی وعدے ٹل چکے ہیں۔ امام مہدی کے ظہور کا وعدہ خدانے

بہ تعین تاریخ کئی مرتبہ کیا مگر ہر مرتبہ ٹل گیا (اصول کافی ص ۲۳۲)
امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے اسمٰعیل کو امام بنانے کا وعدہ کیا اور جب یہ وعدہ ٹل گیا تو امام کو کہنا پڑا ما بدا اللہ فی شیٔ کما بدا لہ فی اسمٰعیل بنی۔ اللہ کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا جیسا میرے بیٹے اسمٰعیل کے بارے میں ہوا (رسالہ اعتقادیہ صدوق) امام نقی کے بعد ان کے بیٹے محمد کے امام بنانے کا وعدہ کیا اور یہ وعدہ ٹل گیا (اصول کافی ص ۲۰۴) جواب الجواب کی ضرورت نہیں۔
ہذا آخر الکلام والحمد للہ رب العالمین۔

احقاق حق اور ابطال باطل پر ایک لاجواب کتاب

سُنّی مذہب حق ہے

از قلم حقیقت رقم

وکیل صحابہؓ، ترجمان اہل سنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم

بانی وامیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان

شیعہ مصنف عبدالکریم مشتاق کے دس ہزار روپیہ انعام کے معرکۃ الآراء

دس سوالوں کا مدلل و مسکت اور دندان شکن جواب

ہر سنی مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اس کا مطالعہ کر کے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرے۔

تفسیر آیات مذمّت منافقین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ جاعل الامتیاز بین المسلمین والمجرمین ناصر المومنین وخاذل المنافقین والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامین المامور بجہاد الکفار والمنافقین وعلی الہٖ وصحبہ الذین جعلوا اشداء وعلی من بعدہم اجمعین۔

اما بعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں اس وقت مذمت منافقین کی آیتوں کی تفسیر اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ بات سب پر روشن ہو جائے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و رفعت کے اظہار میں قرآن مجید کو کس قدر اہتمام منظور ہے۔

پہلی آیت

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ	منافق مرد اور منافق عورتیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں خلاف شریعت بات کا حکم دیتے ہیں اور موافق شریعت بات سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو سمیٹے رہتے ہیں۔

ف اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقوں میں دو نشانیاں ضرور ہوتی ہیں۔
اوّلاً یہ کہ وہ خلاف شریعت امور کی لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں اور
موافق شریعت باتوں سے روکتے ہیں۔
دوم یہ کہ بخیل ہوتے ہیں۔ مگر جن کو یہ لوگ منافق کہتے ہیں۔ ان میں یہ
دونوں نشانیاں مفقود بلکہ ان کی ضد ان میں موجود ہے حضرات خلفائے ثلثہ
رضی اللہ عنہم کے متعلق خود ان لوگوں نے باآں بغض و عداوت ان دونوں باتوں
کا اقرار کیا ہے یعنی یہ کہ وہ احکام شرعی کو قائم رکھتے تھے اور بخیل نہ تھے۔
علامہ ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ میں اس شبہہ کے جواب میں کہ جناب
امیر علیہ السلام نے حضرت معاویہؓ سے تو جنگ کی لیکن خلفائے ثلثہ سے کیوں نہ
کی لکھتے ہیں کہ

ان الفرق بین الخلفاء	بہ تحقیق خلفائے ثلثہؓ اور امیر
الثلثۃ وبین معاویۃ	معاویہؓ کے درمیان میں اللہ کی
فی اقامۃ حدود اللہ	حدوں کے قائم رکھنے اور اوامر و
والعمل بمقتضیٰ اوامرہ	نواہی شریعت کے مطابق عمل
ونواھیہ ظاھرٌ۔	کرنے میں جو فرق تھا وہ ظاہر ہے

اور علامہ محقق جیلانی فتح السبل میں لکھتے ہیں۔
آنہا نفوس خود را از اموال باز داشتند و شیوہ زہد در دنیا پیش گرفتند و
رغبت بدنیا و زینت آں را ترک کردند و قناعت باقلیل و اکل خشن و لباس
کرباس ملک خود ساختند در حالیکہ اموال برائے ایشاں حاصل و دنیا رو کردہ
بود و آں را درمیان قوم قسمت میکردند و خود را باآں اصلا آلودہ نمی کردند۔
تینوں خلیفہ نے اپنے آپ کو مال و دنیا سے علیحدہ رکھا اور دنیا میں زہد کا طریقہ
اختیار کیا اور دنیا کی طرف رغبت اور اس کی زینت کو ترک کر دیا اور تھوڑی چیز
پر قناعت کرنا اور موٹا کھانا اور ٹاٹ پہننا اختیار کیا جس وقت کہ مال ان

کے لئے موجود تھے اور اس کو لوگوں پر تقسیم کردیتے تھے اور اپنے کو اس کے ساتھ آلودہ نہ کرتے تھے۔

دوسری آیت

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ	اور بعض وہ بدوی لوگ جو تمہارے
الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَ	(شہر مدینہ کے) آس پاس رہتے
مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا	ہیں منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ
عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ	کے رہنے والوں میں سے سخت
نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ	ہیں نفاق پر اے نبیؐ آپ ان کو نہیں
مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ	جانتے ہم ان کو جانتے ہیں
عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝	ہم ان کو دو مرتبہ عذاب کریں گے

پھر اس کے بعد وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

(ف) اس آیت سے منافقوں کے متعلق چند نہایت واضح باتیں معلوم ہوئیں۔

اولؔ یہ کہ منافقوں کو خدا نے دو قسموں میں منحصر کردیا ایک وہ بدوی لوگ جو مدینہ کے آس پاس کی بستیوں میں رہتے تھے۔ دوسرے خاص مدینہ کے رہنے والے تو ان کو بھی سب کو منافق نہیں فرمایا بلکہ ان میں سے بعض کو معلوم ہوا کہ مہاجرین میں سے کوئی بھی منافق نہ تھا۔ لہذا مہاجرین پر نفاق کا شبہہ کرنا اس آیت کی خلاف ورزی کرنا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

دوؔم یہ کہ منافقوں کا نفاق اس قدر مخفی تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس فراست کاملہ کے اور باوجود اس روشن ضمیری کے ان کے نفاق سے واقف نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ جن کو منافق کہتے ہیں وہ ہرگز منافق نہ تھے کیونکہ بقول ان کے ان کا نفاق اس قدر ظاہر تھا کہ اول روز سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے نفاق سے باخبر تھے۔ سفر ہجرت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اسی لئے ہمراہ لیا تھا کہ کہیں وہ افشائے راز نہ کر دیں (معاذ اللہ منہ)

سوم یہ کہ منافقوں کو عذاب آخرت سے پہلے دو مرتبہ دنیا میں عذاب ہونا ضروری ہے کیونکہ عذاب عظیم سے مراد بلاشبہ آخرت کا عذاب ہے پس اس سے پہلے جو دو مرتبہ عذاب کرنے کو فرمایا لامحالہ دنیا میں ہے اس کی تصریح بھی دوسری آیتوں میں وارد ہو گئی ہے۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ دنیا میں دو مرتبہ عذاب کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کا نفاق ظاہر کر کے ان کی فضیحت کی جائے گی۔ اور دوسری مرتبہ ان کو قتل کی سزا ملے گی۔ بہرکیف یہ لوگ جن کو منافق کہتے ہیں ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی دنیا میں ان کو عذاب کا ملنا کوئی نہیں ثابت کر سکتا بلکہ دنیا میں تو ان کی عزت روز بروز ترقی کرتی رہی اور خدا نے ان کو اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کا مالک بنایا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

تیسری آیت

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ	اے نبیؐ آپ کافروں اور
وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ	منافقوں کی بات نہ مانیئے اور
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى	ان کی ایذاؤں پر صبر کیجئے اور
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا	اللہ پر بھروسہ کیجئے اللہ کارسازی
(احزاب)	کے لئے کافی ہے۔

ف۔ اس آیت سے بھی منافقوں کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں۔

اول یہ کہ منافقوں کی بات ماننے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت تھی مگر مخلصوں کے متعلق حکم تھا کہ ان سے ہر کام میں مشورہ لیا کیجئے۔

قولہ تعالٰے وشاورھم فی الامر۔

لہذا جن صحابہ کرامؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشوروں میں شریک رکھتے تھے ان کو منافق کہنا اس آیت کی صریح مخالفت ہے۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰے عنہما کا ہر مشورہ میں شریک رہنا ایک ایسی بات ہے کہ کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان دونوں کو اپنے سے جدا نہیں کرتے کہیں باہر بھیجتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاغنی عنہما فانہما من الدین کالسمع والبصر۔

یعنی مجھے ان دونوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے یہ دونوں دین کیلئے مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔ یہ حدیث دونوں جماعتوں کی کتابوں میں ہے۔

دوم یہ کہ منافقوں کے مقابلہ میں خدا نے آپ سے کارسازی کا وعدہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ منافقوں کو کبھی آپ کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہوسکتی لیکن اگر بقول ان کے شیخین کو معاذ اللہ منافق مانا جائے گا تو لازم آئے گا کہ خدا کا وعدہ خلاف ہوگیا کیونکہ بقول ان حضرات کے عمرؓ کو ایسی نمایاں کامیابی ہوئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری عمر کی محنت ان کے دو لفظوں حسبنا کتاب اللہ نے برباد کردی جو انہیں نے چاہا وہی ہوا اور جو رسول چاہتے تھے وہ نہ ہوا مصباح الظلم کے مصنف لکھتے ہیں۔

وہ کہ چونکہ عمر بن خطاب کے قول حسبنا کتاب اللہ کے عشر عشیر کی برابر بھی یہ قول نبوی عملی تاثیر نہیں پیدا کرسکا،، ہر چند حضرت رسول کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے۔ مگر حضرت عمر کے قول بالا نے قول نبوی کو عملی پیرایہ حاصل ہونے نہ دیا" اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی اس قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کرڈالا،، یہ حضرت عمر ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کردیا۔،،

چوتھی آیت

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۚ (توبہ)

پس اگر یہ منافق لوگ توبہ کرلیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر یہ منہ پھیریں یعنی توبہ نہ کریں گے تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور زمین میں نہ ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔

اس آیت سے بھی دو باتیں منافقوں کے متعلق معلوم ہوئیں۔
اوّل یہ کہ جو منافق توبہ نہ کریں گے تو ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی دُنیا کے عذاب کی صاف تصریح اس آیت میں ہے۔ جس کا بیان اُوپر ہو چکا۔
دوم یہ کہ روئے زمین پر منافقوں کا کوئی دوست مددگار نہ ہوگا۔ مگر یہ لوگ جن کو منافق کہتے ہیں ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہما کہ جس قدر دوست اور مددگار ان کے ہوئے کبھی کسی کے نہیں ہوئے ان کے وقت سے لیکر آج تک روئے زمین پر کلمہ گویان اسلام کی ایک بڑی جماعت ان کی دوست اور مددگار رہی اور ہے حتیٰ کہ آج بھی ان کی حمایت میں جان دینا ایک سعادت عظمیٰ خیال کیا جاتا ہے ان حضرات کو اس بات کا اقرار ہے کہ قرن اوّل میں جمہور اہل اسلام شیخین کے اس قدر معتقد اور جان نثار تھے کہ اوروں کی انتہائی معراج اس میں سمجھتے تھے کہ وہ شیخین کے قدم بہ قدم چلیں حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں جن لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب کے سب شیخین کے معتقد تھے۔

پانچویں آیت

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

(احزاب)

اگر نہ باز آئیں گے منافق (یعنی نفاق سے توبہ نہ کریں گے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ وحشت انگیز خبریں مدینہ میں اڑایا کرتے ہیں تو اے نبیؐ ضرور ہم آپ کو ان پر برانگیختہ کریں گے پھر وہ آپ کے پڑوس میں (یعنی مدینہ میں) نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دنوں ان پر لعنت ہو گی اور جہاں کہیں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کئے جائیں گے۔ سنت ہے اللہ کی ان لوگوں میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور آپ ہرگز اللہ کی سنت میں تبدیلی نہ پائیں گے۔

یہ آیت منافقین اور مخلصین کے درمیان میں ایک ایسا مابہ الامتیاز فرقان قائم کر رہی ہے کہ اس کے بعد کسی مخلص پر کوئی شخص نفاق کی تہمت نہیں لگا سکتا۔ بجز اس صورت کے کہ قرآن مجید کی تکذیب کر دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول کے بعد جو منافق اپنے نفاق پر قائم رہیں گے ان کو حسب ذیل سزائیں دنیا میں ملیں گی۔

(۱) نبی کو ان پر مسلط کیا جائے گا یعنی ان پر جہاد کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ اس کے بعد کی آیت میں یہ حکم موجود ہے (۲) منافقین مدینہ میں نہ رہ سکیں گے

مگر تھوڑے دنوں اور سزا دی ہے کہ یہ تھوڑے سے دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ختم ہو جائیں کیونکہ آپ کی وفات کے بعد پھر آپ کے پڑوسی ہونے کی کوئی صورت نہیں (۳) مدینہ سے بھاگ کر جہاں جائینگے وہیں پکڑے جائیں گے اور قتل کئے جائیں گے (۴) منافقوں کو ان سزاؤں کا ملنا خدا کا لاتبدیل قانون ہے جو اگلے زمانے میں بھی تھا۔

پس اب اس کے بعد اس زمانے کے جس شخص کو بھی منافق کہا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی نفاق پر قائم رہا تو اس کے متعلق یہ سب سزائیں دکھلانا پڑیں گی کہ رسول کو اس پر جہاد کا حکم ہوا ہو وہ مدینہ سے بھاگا ہو اور جہاں گیا ہو وہیں پکڑا گیا ہو اور قتل کیا گیا ہو۔

چھٹی آیت

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُط۔ یہ آیت دو جگہ	اے نبی جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں سے اور درشتی و سختی کیجئے ان پر اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے اور وہ بری جگہ لوٹنے کی ہے

ہے اوّل سورۂ توبہ میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ حکم خداوندی ملا کہ منافقوں پر جہاد کیجئے۔ لیکن کوئی جہاد آپ کا منافقوں کے ساتھ منقول نہیں ہے پس اب دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہا جائے کہ اس آیت کے نزول کے بعد منافقوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور کچھ اپنی موت سے مر گئے لہذا جہاد کی ضرورت ہی پیش نہ آئی اور یہی بات واقعات کے مطابق ہے۔ اور یا یہ کہا جائے

کہ رسول نے حکم الہٰی کی نافرمانی کی معاذ اللہ من ذالک۔

بعض مفسرین نے جو یہ لکھا ہے کہ منافقوں سے جو جہاد کا حکم ہے وہ جہاد زبان سے ہے نہ تلوار سے یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ زبان کا جہاد تو واغلظ علیہم میں آگیا لہٰذا یہاں بھی اس کو مراد لینا بے فائدہ ہے علاوہ اس کے منافقوں اور کافروں دونوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے بس جس قسم کا جہاد کافروں سے ہے اسی قسم کا جہاد منافقوں سے مراد ہونا چاہیئے۔

ساتویں آیت

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا (سورۂ منافقین)

وہی لوگ ہیں (اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے پاس جو لوگ ہیں ان کو خرچ نہ دیا کرو تاکہ وہ (آپ کے پاس سے) ہٹ جائیں۔

ف۔ قرآن مجید میں ایک سورہ منافقین کے نام سے ہے اس سورت میں بہت سے حالات منافقوں کے بیان فرمائے گئے ہیں انہیں حالات میں ایک آیت یہ ہے جو اوپر نقل کی گئی جس میں منافقوں کا ایک قول نقل فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو رسول خداؐ کے پاس رہنے والوں کی مالی امداد سے منع کرتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مخلصین اور منافقین میں ایک فرق یہ بھی تھا کہ مخلصین آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر باش رہتے تھے تو ان کو من عند رسول اللہ کہا گیا اور منافقین حاضر باش نہ رہتے تھے کبھی کبھی آجاتے تھے۔ لیکن یہ جن اصحاب کو منافق کہتے ہیں ان کا ملازم صحبت ہونا اور ہر وقت سفر و حضر میں حاضر باش رہنا ایک ایسا واقعہ ہے کہ کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

اس مقام پر یہ سات آیتیں قرآن کی کافی ہیں جن میں ایسی کھلی کھلی علامتیں منافقوں کی بیان کی گئی ہیں کہ کوئی شخص صحابہ کرام خصوصًا خلفائے راشدین پر نفاق کا شبہہ بھی نہیں کرسکتا اگر ایسا نہ ہوتا اور قرآن مجید میں منافقوں کے اوصاف وعلامات نہ بیان فرمائے ہوتے تو مدح صحابہ کی آیتیں سب معاذ اللہ لغو ہو جاتیں بلکہ ایک بڑا دھوکا فریب اور بڑی تلبیس وتدلیس کلام الٰہی میں لازم آتی (نعوذ باللہ من ذالک) کہ مناقب صحابہ کی کسی آیت سے کسی خاص صحابی کے فضائل پر استدلال ممکن ہی نہ ہوتا۔ مگر قرآن مجید کے جہاں اور بہت سے اعجاز ہیں وہاں ایک معجزہ اس کا یہ بھی ہے کہ اس کے کسی بیان میں کبھی التباس واقع نہیں ہوتا اور اگر کسی مقام پر کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے تو اس شبہ کا دفعیہ بھی ایسی مقام پر موجود ہوتا ہے کیوں نہ ہو اس کی شان ہے۔

لاریب فیہ

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ

تفسیر آیت مودۃ القربیٰ

اس رسالہ میں سورۂ شوریٰ کی آیہ کریمہ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کی صحیح تفسیر اور تمام موجودہ تفاسیر کی عبارتیں نقل کر کے روز روشن کی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ مخالفین صحابہ کرام جو بحوالہ اس آیت کے محبت اہل بیت کو اجر رسالت کہتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کی معنوی تحریف اور بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر نہایت سخت حملہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

اللہ اکبر! کہاں حق جل شانہٗ کا اتنا بڑا انعام اور کہاں یہ مشت خاک نام کاموں سے بے کام کر کے اپنے دین پاک کی خدمت میں لگایا۔ اور خدمات دینیہ میں بھی چن کردہ خدمت سپرد کی۔ جو براہ راست بارگاہ نبوت (وعلی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پاسبانی سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں دلائل نبوت۔ یعنی ذوات مقدسہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم وارضاہم، کی حفاظت اور قرآن عزیز کی حمایت اور اس کے مطالعہ کا کام رہتا ہے ؎

اے خدا قربان احسانت شوم
ایں چہ احسان است قربانت شوم

آیت مودۃ القربیٰ

سورہ شوریٰ۔ تیسرا رکوع پچیسواں پارہ

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً

یہ انعام وہ ہے۔ جس کی خوشخبری سناتا ہے اللہ اپنے ان بندوں کو جنہوں نے ایمان قبول کیا۔ اور انہوں نے اچھے کام کئے (اے نبی کہہ دیجئے) کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ اجرت سوا محبت

نَزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝

کے قرابت میں۔ اور جو شخص کماتا ہے کچھ نیکی۔ بڑھا دیتے ہیں ہم (اپنی طرف سے) اس نیکی میں خوبی۔ بہ تحقیق اللہ بخشنے والا اور قدر دانی کرنے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے

فصل اوّل: میں آیت کا صحیح مطلب اور اس کے دلائل کا بیان۔
فصل دوم: میں کتب تفاسیر اہلِ سنت کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔
فصل سوم: میں مخالفینِ صحابہ کرام رضی کی تحریف اور اس ناپاک تہمت کا بیان ہے۔ جو انہوں نے بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب مقدس پر لگائی ہے۔
فصل چہارم: میں ان پاکیزہ تعلیمات کا بیان جو اس آیت سے حاصل ہوتی ہیں۔

فصل اوّل

اس آیت سے پہلے حق سبحانہ نے آغاز رکوع میں دار آخرت اور دنیا دونوں کا تقابل اور دونوں کے طالبوں کا حال و مآل بیان فرمایا ہے۔ دار دنیا کے طلب گاروں کو عذاب شدید کی وعید سنائی ہے۔ اور دارِ آخرت کے طلب گاروں یعنی مومنین صالحین کو بڑے انعام کی خوش خبری ان کلمات سے دی ہے۔ کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ یعنی جو لوگ ایمان لائے۔ اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے۔ ان کے لئے جو کچھ وہ

چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہے۔ یہ ہے وہ بڑی بخشش اس کے بعد ہی علی الاتصال وہ آیت ہے جس کو ہم نے اوپر نقل کیا۔ جس کا نام آیہ مودۃ القربیٰ ہے۔

اس آیت مودۃ القربیٰ کا مقصود اصلی یہ ہے۔ کہ جو نصیحت اوپر کی گئی۔ اور خوشخبری سنائی گئی۔ وہ اچھی طرح دل نشین ہو جائے۔ اور نصیحت کا خلوص معلوم کرکے کامل گرویدگی قلوب میں پیدا ہو۔ ناصح مشفق کا یہ فطری دستور ہے کہ نصیحت کے بعد وہ اس نصیحت کو مؤثر بنانے کے لئے کہتا ہے۔ کہ جو نصیحت میں نے کی اس میں میرا کوئی فائدہ نہیں۔ اس پر عمل کرنے میں جو کچھ فائدہ ہے۔ وہ صرف تمہارا ہے۔ اور بس۔

بالکل اسی دستور کے مطابق خداوند رحیم وکریم نے اپنی پاک نصیحت کو زیادہ سے زیادہ پر تاثیر بنانے کے لئے یہ آیت مودۃ القربیٰ ارشاد فرمائی۔ اور اس میں کئی طرق سے تاثیر کی روح پھونکی۔

اوّل:۔ یہ کہ اس خوش خبری کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ پھر اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام پاک جو دلربائی کی بے مثال طاقت رکھتا ہے۔ ذکر کرکے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ خوشخبری اللہ سنا رہا ہے۔

دوم:۔ یہ کہ خوش خبری کے مخاطب کو بڑی عزت کے کلمات سے مخصوص فرمایا۔ کہ وہ مومنین صالحین ہیں۔ ترغیب وتحریص کا ایک بہترین طریقہ ہے کہ بادشاہ کوئی حکم دے اور فرمائے۔ کہ یہ حکم میں اپنے مخلص اور جان نثار لوگوں کو دے رہا ہوں۔

سوم: یہ کہ آپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ آپ اعلان فرمادیجئے۔ کہ میں اس نصیحت وتعلیم کی کوئی اجرت کسی قسم کا کوئی معاوضہ لوگوں سے نہیں چاہتا۔ بالکل خالص اور بے غرض نصیحت کرتا ہوں۔ نصیحت کے خلوص کا انکشاف نصیحت کی طرف قلوب کو کھینچنے میں کیسا مقناطیسی اثر رکھتا ہے۔ سب جانتے ہیں۔ چہ خوش گفتہ اند ؎

نصیحت کہ خالی بود از غرض
چو داروی تلخ ست دفع مرض

چہارم: یہ کہ نیکیوں میں اپنی طرف سے خوبی پیدا کرنے کا وعدہ کیا۔ خوبی یہ کہ نیکیوں کی ماہیت بدل کر ادنیٰ سے اعلیٰ کر دی جائے۔ یا ان کی تعداد بڑھا دی جائے۔ کوئی شخص کمائی کر کے کچھ پیسے جمع کرنا چاہتا ہو۔ اور اس کو معلوم ہو جائے کہ جتنے پیسے میں جمع کروں گا۔ وہ تھوڑے دنوں کے بعد تعداد میں دس گنے اور ماہیت میں بجائے تانبے کے سونے کے ہو جائیں گے۔ تو بتاؤ کہ کتنی رغبت اس کو کمائی کی طرف پیدا ہوگی۔

پنجم: یہ کہ ان تمام ترغیبات کا اختتام اپنی ان دو صفتوں پر فرمایا:۔ غفور اور شکور۔ پہلی صفت خطاؤں کے معاف ہو جانے کی امید دلاتی ہے۔ اور دوسری صفت اچھی خدمتوں پر انعام ملنے کی توقع پیدا کرتی ہے ان تمام باتوں پر غور کر کے دیکھو کہ کیسا ولولہ قلب میں موجزن ہوتا ہے ؏

اے بہ قربانت چہ نیکو داوری

اب درمیان میں جو ایک جملہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ہے۔ جس کے مطلب کو مخالفین صحابہ کرامؓ نے خراب کر کے ساری آیت کو خبط بے ربط کرنے کی بے سود کوشش اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ناکام حملہ کرنے کی تیاری کی ہے۔ اس کا سمجھ لینا بالکل آسان ہو گیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ حق تعالےٰ نے جو آپ کو معاوضہ طلب نہ کرنے کا اعلان دینے کو فرمایا۔ اس اعلان کی تاکید کی جا رہی ہے۔ کہ فرما دیجئے میں کوئی اجرت نہیں چاہتا۔ سوا اس کے کہ قرابت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت و مہربانی کرو۔ یعنی مجھے[1] ایذا نہ پہنچاؤ۔ تبلیغ رسالت میں مزاحمت نہ کرو۔ ؏ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

---

[1] مہربانی کا مطلب ایذا نہ پہنچانا اس لئے لیا گیا کہ واقعات سے اس کی تصریح ثابت ہے ۱۲

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جن کا مثیل[1] رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے، اسی قسم کی بات اپنی قوم سے فرمائی تھی کہ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اے میری قوم کے لوگو! مجھے کیوں ایذا دیتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ درخواست کسی معاوضہ و اجرت کی درخواست نہیں ہے بلکہ معاوضہ کی نفی کو اور موکد کرنے والی چیز ہے۔ بالکل ویسی ہی بات ہے۔ کہ کوئی واعظ حقانی کہے کہ میں اپنے وعظ کی کوئی فیس تم لوگوں سے نہیں مانگتا۔ میری فیس اگر ہے تو یہ ہے۔ کہ تم اس وعظ کو سن لو۔ اور اس پر عمل کرو۔ بلکہ اس درخواست میں کہ "مجھے اپنا رشتہ دار جان کر ایذا نہ پہنچاؤ" یہ مہربانی کرو" درپردہ اپنی مظلومیت کا اظہار ہے۔ اور یہ اظہار بھی نصیحت میں ایک خاص تریاقی اثر پیدا کر دیتا ہے۔

ف۔ الا المودۃ بقاعدۂ نحو استثنائے منقطع ہے۔ استثناء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متصل دوسری منقطع استثنائے متصل میں مستثنیٰ ہم جنس مستثنیٰ منہ کا ہوتا ہے۔ اور استثنائے منقطع میں ہم جنس نہیں ہوتا استثنائی منقطع کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا۔ یعنی دوزخی دوزخ میں ٹھنڈک اور کوئی پینے کی چیز چکھنے کو بھی نہ پائیں گے۔ سوا آب گرم اور پیپ کے۔ آب گرم اور پیپ مستثنیٰ ہے۔ اور ٹھنڈک اور پینے کی چیز مستثنیٰ منہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں ہم جنس نہیں ہیں اسی طرح آیت مبحوثہ میں مودۃ فی القربیٰ مستثنیٰ ہے۔ اور اجر مستثنیٰ منہ ہے۔ مودۃ فی القربیٰ بالبداہت اجر کا ہم جنس نہیں ہے کیونکہ اجر کسی شئے کا وہ چیز ہوتی ہے

---

[1] سورہ مزمل میں ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ہ یعنی ہم نے اے اہل مکہ تمہاری طرف بھی ایک رسول ویسا ہی بھیجا ہے۔ جیسا فرعون کی طرف بھیجا تھا ۱۲

جو اس شے کی وجہ سے ثابت ہوئی ہو۔ اور مودت فی القربیٰ قرابت کی وجہ سے ثابت ہوئی ہے۔ نہ تبلیغ رسالت کی وجہ سے۔ لہٰذا اس کو تبلیغ رسالت کا اجر کہنا کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

اھل سُنت کہتے ہیں کہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا کوئی ایسا مطلب لینے میں جس سے مودة فی القربیٰ اجر رسالت کہی جا سکے۔ قطع نظر اس سے کہ سخت توہین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ جو کام آج علماء کے لئے عار وننگ ہے۔ حضورؐ کے لئے ثابت کیا جائے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اور قطع نظر اس سے کہ آیت کے کلمات بھی اس مطلب کی مساعدت نہیں کرتے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فصل سوم میں ہم بیان کریں گے۔

بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ اور انبیاء علیہم السلام کی روش سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روش مخالف ہو جائے گی۔ حالانکہ قرآن مجید میں جا بجا اس کا اظہار ہے۔ کہ آپ کی روش انبیائے سابقین کی روش کے بالکل مطابق ہے قولہ تعالےٰ أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ یعنی یہ انبیاء ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت کی آپ انہیں کی روش پر چلیئے۔ وقولہ تعالےٰ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ اے نبی فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی نرالا اور نیا رسول نہیں ہوں۔ اور اس بات کو مخالفین صحابہ کرام بھی مانتے ہیں۔ کہ اور کسی پیغمبر نے اپنی تعلیم وتبلیغ کی اجرت مخلوق سے نہیں مانگی۔ اور خدا کی طرف سے ان کو اس کی ممانعت تھی۔ سورۂ شعراء نکال کر دیکھو۔ حضرت نوح حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تذکروں میں علیحدہ علیحدہ یہ آیت متفق اللفظ ملے گی۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ!

دوسری بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ متعدد آیتوں میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرت مانگنے کی ممانعت اور آپ کے اجرت نہ مانگنے کا اعلان ہے۔

مثلاً سورہ انعام پارہ ۷ میں فرمایا۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ط یعنی اے نبی کہہ دیجئے۔کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتا۔یہ تو نصیحت ہے سارے جہان کے لئے۔

اور مثلاً سورۂ یوسف پارہ ۱۲ میں ہے۔ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ط یعنی اے نبی! آپ ان لوگوں سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتے۔یہ تو ایک نصیحت ہے۔ سارے جہان کے لئے۔

اور مثلاً سورۂ مومنوں پارہ ۱۸ میں ہے، اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ٥ یعنی اے نبی! کیا آپ ان لوگوں سے کچھ خرچ مانگتے ہیں؟ آپ کے پروردگار کا دیا ہوا خرچ آپ کے لئے بہتر ہے۔ اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اور مثلاً سورۂ فرقان پارہ ۱۹ میں ہے:۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الیٰ ربہ سبیلاً۔ یعنی اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں اس کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ جو چاہے اپنے پروردگار تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔

اور مثلاً سورۂ سبا پارہ ۲۲ میں ہے: قل ما سالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ وھو علی کل شئ شھیداہ یعنی اے نبی کہہ دیجئے کہ میں نے اگر تم سے کوئی اجرت مانگی ہو۔ تو وہ تمہارے لئے ہے۔ یعنی اس کو تم اپنے ہی پاس رکھنا۔ مجھے نہ دینا۔ میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے۔ اور وہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

اور مثلاً سورہ صٓ پارہ ۲۳ میں ہے:۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر و ما انا من المتکلفین ۔ان ھو الا ذکر للعٰلمین ٥ یعنی اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ اور میں تکلیف

کرنے والوں میں نہیں ہوں (کہ دل میں تو اجرت کی خواہش ہو۔ اور زبان سے انکار کروں) یہ تو ایک نصیحت ہے سارے جہاں کے لئے۔

اور مثلاً سورۂ طور پارہ ۲۷ میں ہے:۔ ام تسئلھم اجرا فھم من مغرم مثقلون ؁ یعنی اے نبی! کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں۔ جس کے دینے کے خیال سے یہ لوگ بوجھل ہو رہے ہیں۔

لہذا آیت مودۃ القربیٰ کا ایسا مطلب بیان کرنا جس سے اجرت طلب کرنے کا ثبوت ہو۔ ان آیات قرآنیہ کے خلاف ہوگا۔ جو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

تیسری خرابی یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی بڑی وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ وہ کسی سے کچھ اجرت نہیں مانگتے سورۂ یٰسین میں ہے:۔ اتبعوا من لا یسئلکم اجراً وھم مھتدون یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتے۔ اور وہ ہدایت پر ہیں۔ لہذا آیت مودۃ القربیٰ کا غلط مطلب بیان کرکے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے اجرت طلب کرنے والا کہنا گویا آپ کے واجب الاتباع ہونے کی نفی کرنا ہے (نعوذ باللہ منہ)

قرآن مجید عجیب کتاب ہے۔ خود اس کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ کوئی شخص کسی آیت کا غلط مطلب بیان کرکے اپنی کسی غرض فاسد کو پورا کرنا چاہے تو دوسری آیتیں اس کو چلنے نہیں دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین صحابہ کرام نے جب دیکھا کہ قرآن میں ان کی دال نہیں گلتی۔ تو اوّل تو انہوں نے قرآن کے مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو قرآن مجید میں تحریف معنوی کا ڈھنگ نکالا۔

کیا خوب ارشاد ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا جو مخالفین صحابہ کرامؓ پر ہوبہو منطبق ہے۔ اس ارشاد کو ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب

جلد دوم صفحہ ۱۶ پر بایں الفاظ روایت کیا ہے:-

سلمان بر دم گفت کہ گریختید از قرآن بسوئے حدیث زیرا کہ قرآن را کتاب رفیعے یافتید۔ در انجا شمار احساب شے نمایند بر تقرر قطمیر و فتیل یعنی بہ امر خورد سے در یزہ ہر قدر دانہ خردے پس تنگی کرد بر شما احکام قرآن۔ پس گریختید بسوئے احادیث کہ کار را بر شما کشادہ و آسان کردہ است۔

حضرت سلمان رضی نے لوگوں سے فرمایا۔ کہ تم قرآن سے بھاگ کر حدیث کی طرف گئے۔ کیوں کہ قرآن کو تم نے ایک ایسی کتاب پایا۔ کہ اس میں ذرہ ذرہ سی چیزوں پر گرفت ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن کے احکام نے تم پر تنگی کی۔ اس لئے ان حدیثوں کی طرف تم بھاگے جنہوں نے کام کو تم پر کشادہ اور آسان کر دیا۔
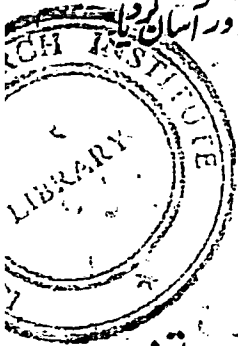
فصل دوم ۲

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں روایت کرتے ہیں:-

حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عبد الملك بن ميسرة قال سمعت طاؤسا عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ سئل

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبد الملک بن میسرہ سے روایت کر کے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے میں نے طاؤس

عن قولہ الا المودۃ فی القربٰی ۔ فقال سعید بن جبیر قربٰی آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس عجلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بطن من قریش الا کان لہ فیھم قرابۃ فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابۃ ۔

سے سنا ۔ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے کہ ان سے آیۃ المودۃ فی القربٰی کا مطلب پوچھا گیا ۔ سعید بن جبیر نے کہا قرابت آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہے ۔ تو ابن عباس نے کہا ۔ کہ تم نے جواب دینے میں، عجلت کی اصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی لہذا فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان میں جو قرابت ہے ۔ اس کا لحاظ کرو ۔

ف :- یہ روایت اس کتاب کی ہے ۔ جو قرآن کریم کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے ۔ اور منقول ہے ترجمان القرآن خیر الامۃ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس سے ۔ اور اس روایت میں سعید بن جبیر رض کے اس قول کا رد بھی ہے ۔ کہ قربٰی سے اہل قرابتِ رسول مراد ہیں ۔ ابن جبیر رض کا سکوت کرنا ظاہر کر رہا ہے ۔ کہ ان کا قول محض بے دلیل تھا ۔ اور انہوں نے اس سے رجوع کیا ۔

(۲ و ۳) جو روایت صحیح بخاری سے حضرت ابن عباس کی منقول ہوئی ۔ اسی مضمون کی روایت صحیح مسلم میں اور جامع ترمذی میں بھی ہے ۔

(۴) امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں لکھتے ہیں :-

القول فی تاویل قولہ تعالٰی ذٰلک الذی یبشر اللہ عبادہ الذین اٰمنوا و

اللہ تعالٰے کے قول ذٰلک الذی یبشر اللہ عبادہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت

عملوا الصلحت ط قل لا
اسئلکم علیہ اجرا الا
المودۃ فی القربیٰ ط ومن
یقترف حسنۃ نزد لہ
فیھا حسنا ط ان اللہ غفور
شکور - یقول تعالیٰ
ذکرہ ھذا الذی
اخبرتکم ایھا الناس
انی اعددتہ للذین امنوا
وعملوا الصلحت فی
الاخرۃ من النعیم و
الکرامۃ البشریٰ التی
یبشر اللہ عبادہ الذین
امنوا فی الدنیا وعملوا
بطاعتہ فیھا ؛
قل لا اسئلکم علیہ اجرا
یقول تعالیٰ ذکرہ لنبیہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
قل یا محمد للذین
یماردونک فی الساعۃ من
مشرکی قومک لا اسئلکم
ایھا القوم علی دعایتکم
الی ما ادعوکم الیہ من

قل لا اسئلکم علیہ
اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
ومن یقترف حسنۃ
نزد لہ فیھا حسنا - ان
اللہ غفور شکور کی تفسیر
حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو
یہ جو تم سے میں نے بیان کیا -
کہ میں نے مومنین صالحین کے
لئے آخرت میں نعمت اور
بزرگی مہیا کی ہے - یہ وہ خوش
خبری ہے - جو اللہ اپنے ان بندوں
کو سناتا ہے جو دنیا میں ایمان
لاتے - اور دنیا میں انہوں نے
خدا کی اطاعت پر عمل کیا -

قل لا اسئلکم علیہ اجرا حق تعالیٰ
اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سے فرماتا ہے - کہ اے محمد!
ان لوگوں سے کہہ دیجئے - جو آپ
سے قیامت سے متعلق جھگڑتے
ہیں - یعنی اپنی قوم کے مشرکوں
سے - کہ اے قوم کے لوگو! میں
تم سے بعوض اس کے تم کو حق

الحق الذی جئتکم و	کی طرف بلاتا ہوں جو میں لے
النصیحۃ التی انصحکم	کر آیا ہوں۔ اور بعوض اس
ثوابًا وجزاءً وعوضًا	نصیحت کے جو تم کو کرتا ہوں۔
من اموالکم تعطونیہ	کوئی بدلہ اور جزا اور عوض
الا المودۃ فی القربیٰ فقال	تمہارے مال سے نہیں مانگتا۔
بعضہم معناہ الا ان	کہ تم مجھے دو۔ سوا مودۃ فی القربیٰ
تودونی فی قرابتی	کے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ
منکم وتصلوا رحمی	مودت فی القربیٰ کے معنی یہ
بینی و بینکم۔	ہیں کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ

اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے۔ اور صلہ رحم جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔

(ذکر من قال ذٰلك) کون لوگ اسکے قائل ہیں

حدثنا ابو کریب و یعقوب	ہم سے ابوبکر کریب اور یعقوب نے
قالا ثنا اسمٰعیل بن ابراهیم	بیان کیا وہ دونوں کہتے تھے۔
عن داؤد بن ابی ھند	ہم سے اسمٰعیل بن ابراہیم نے
عن الشعبی عن ابن	داؤد بن ابی ہند سے انہوں نے
عباس فی قولہ قل لا	شعبی سے انہوں نے ابن عباس
اسئلکم علیہ اجرا الا	سے روایت کر کے بیان کیا کہ
المودۃ فی القربیٰ قال لم	اللہ تعالےٰ کے قول قل لا اسئلکم
یکن بطن من بطون	علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ کا
قریش الا وبین رسول اللہ	مطلب یہ ہے کہ کوئی خاندان

صلی اللہ علیہ وسلم وبینھم قرابۃ فقال قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ ان تودونی فی القرابۃ التی بینی وبینکم۔

قریش میں ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔ اسی واسطے فرمایا کہ اے نبی کہہ دیجیے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر محبت قرابت میں۔ یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔

حدثنا[2] ابوکریب قال ثنا اسامۃ قال ثنا شعبۃ عن عبد الملک بن میسرۃ عن طاؤس فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال سال عنھا ابن عباس فقال ابن جبیر ھم قربیٰ آل محمد فقال ابن عباس عجلت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بطن من بطون قریش الا ولہ فیھم قرابۃ قال فنزلت قل لا اسئلکم

ہم[2] سے ابوکریب نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے۔ ہم سے ابواسامہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبد الملک بن میسرہ سے۔ انہوں نے طاؤس سے اللہ تعالےٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کر کے بیان کیا کہ ابن عباس سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا۔ تو ابن جبیر نے کہا کہ اس سے مراد آل محمد کے اقربا ہیں ابن عباس نے کہا کہ انہوں نے (جواب دینے میں) عجلت کی (صحیح مطلب یہ ہے کہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی۔ اسی کے بار

عليه اجرًا الا المودّة في القربىٰ قال الا القرابة التي بيني وبينكم ان تصلوها ۔

میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے ۔ اس کا صلہ ادا کرو ۔

حدثني علي قال نا ابو صالح قال ثني معاوية عن علي عن ابن عباس قوله قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربىٰ قال كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم قرابة في جميع قريش فلما كذبوه وابوا ان يبايعوه قال يٰقوم اذا ابيتم ان تبايعوني فاحفظوا قرابتي فيكم لا يكن غيركم من العرب اولى بحفظي ونصرتي منكم ۔

مجھ سے علیؓ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو صالحؓ نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے مجھ سے معاویہؓ نے علیؓ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کر کے بیان کیا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تمام قریش سے تھی۔ جب ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اور آپ سے بیعت کرنا منظور نہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم مجھ سے بیعت کرنا منظور نہیں کرتے (تو خیر) مگر میری قرابت جو تم سے ہے لحاظ رکھو تمہارے سوا عرب کا کوئی اور شخص میری حفاظت اور مدد کرنے کا تم سے زیادہ حقدار نہیں۔

حدثني محمد بن سعد قال ثني ابي قال ثني عمي قال

مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے میرے والد نے

ثنی ابی عن ابیہ عن ابن عباس قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ یعنی محمدًا صلے اللہ علیہ وسلم قال لقریش لا اسئلکم من اموالکم شیئًا ولکن اسئلکم ان لا تؤذونی لقرابۃ ما بینی وبینکم فانکم قومی واحق من اطاعتی واجابتی۔

بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے میرے چچا نے اپنے والد سے انہوں نے ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کر کے بیان کیا کہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انہوں نے قریش سے فرمایا کہ میں تمہارے مال نہیں مانگتا۔ بلکہ تم سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایذا نہ دو بوجہ اس قرابت کے۔ جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے کیونکہ تم میری قوم کے لوگ ہو اور سب سے زیادہ مستحق میری اطاعت اور فرمانبرداری کے ہو۔

حدثنا ابن حمید قال ثنا جریر عن مغیرۃ عن عکرمۃ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان واسطًا فی قریش کان لہ فی کل بطن من قریش نسب فقال لا اسئلکم علی ما ادعوکم الیہ الا ان تحفظونی فی

ہم سے ابن حمید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے جریر نے مغیرہ سے انہوں نے عکرمہ سے روایت کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق تمام قریش سے تھا۔ قریش کے ہر خاندان سے آپ کی رشتہ داری تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں بعوض اس چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں تم سے کچھ

قرابتی قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔	نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری حفاظت کرو بوجہ میری قرابت کے یہی مطلب

ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کا۔

حدثنی یعقوب قال ثنا هشیم قال اخبرنا حصین عن ابی مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسط النسب من قریش لیس حی من احیاء قریش الا وقد ولدوہ فقال اللہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ الا ان تودونی لقرابتی منکم و تحفظونی۔	مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے ہیشم نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہمیں حصین نے ابو مالک سے روایت کرکے خبر دی۔ وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام قریش سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ کوئی قبیلہ قریش کا ایسا نہ تھا جس سے آپ کو یک جدی نہ ہو۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یعنی صرف یہ چاہتا ہوں کہ بوجہ

اس کے کہ تم سے میری قرابت ہے۔ مجھ سے محبت کرو۔ اور میری حفاظت کرو۔

حدثنا ابو حصین عبد اللہ بن احمد بن یونس قال ثنا عنتر قال ثنا حصین عن ابی مالک فی هذه الآیہ	ہم سے ابو حصین یعنی عبد اللہ بن احمد بن یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عنتر نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہم سے حصین نے ابو مالک سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی ھاشم و امہ من بنی زھرۃ و ام ابیہ من بنی مخزوم فقال احفظونی فی قرابتی ۔

فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم سے تھے اور آپ کی والدہ بنی زھرہ سے تھیں اور آپ کی دادی بنی مخزوم سے غرض قریش کی ہر شاخ سے آپ کو تعلق تھا، لہٰذا آپ نے فرمایا کہ میری حفاظت کرو۔ بوجہ میری قرابت کے ۔

حدثنا ابن المثنیٰ قال ثنا جری قال شعبۃ قال اخبرنی عمارۃ عن عکرمۃ فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال تعرفون قرابتی وتصلونی بما جئت بہ وتمنعونی۔

ہم سے ابن مثنیٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے جری نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے مجھ سے عمارہ نے عکرمہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے خبر دی کہ عکرمہ کہتے تھے کہ مطلب یہ ہے، کہ تم میری قرابت کا لحاظ کرو۔ اور جو دین میں لایا ہوں۔ اس کی تصدیق کرو۔ اور میری حفاظت کرو ۔

حدثنا بشر قال ثنا یزید قال لنا سعید عن قتادۃ فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا ...

ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے یزید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ

الا المودۃ فی القربیٰ و
ان اللہ تبارک وتعالیٰ
امر محمداً صلی اللہ علیہ
وسلم ان لا یسئل الناس
علی ھذا القرآن اجراً
الا ان یصلوا ما بینہ
وبینھم من القرابۃ
وکل بطون قریش قد
ولدتہ و بینہ وبینھم
قرابۃ ۔

فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے
بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ
نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم
دیا کہ لوگوں سے تعلیم قرآن کا معاوضہ
نہ طلب کریں۔ مگر وہ لوگ اس قرابت
کا صلہ کریں۔ جو آپ کے اور ان کے
درمیان میں ہے تو کچھ مضائقہ
نہیں۔ قریش کے ہر
خاندان سے آپ کو تعلق تھا۔
اور ان سے قرابت تھی۔

حدثنی محمد بن عمرو
قال ثنا ابو عاصم ثنا عیسیٰ
وحدثنی الحرث قال ثنا
ورقاء جمیعاً عن ابن
ابی نجیح عن مجاھد
قولہ الا المودۃ فی
القربیٰ ان تتبعونی و
تصدقونی و تصلوا
رحمی ۔

مجھ سے محمد بن عمرو نے بیان کیا۔
وہ کہتے تھے ہم سے ابو عاصم نے
بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عیسیٰ
نے بیان کیا۔ نیز ہم سے حرث
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے
ورقاء نے بیان کیا۔ یہ دونوں
ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے
روایت کرتے ہیں کہ الا المودۃ
فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ
میری اتباع کرو۔ اور میری تصدیق کرو۔ اور میری قرابت کا صلہ کرو۔

حدثنا محمد قال ثنا احمد
قال ثنا اسباط عن السدی
فی قولہ قل لا اسئلکم

ہم سے محمد نے بیان کیا وہ کہتے
تھے ہم سے اسباط نے سدی
سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ

عليه اجرًا الا ان تودوني لقرابتي منكم۔

فی القربیٰ کے متعلق نقل کرکے بیان کیا کہ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو بسبب قرابت کے جو میری تم سے ہے۔

حدثنا[۱۲] الحسين قال سمعت ابا معاذ يقول اخبرنا عبيد فقال سمعت الضحاك يقول في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربىٰ يعني قريشًا يقول انما انا رجل منكم فاعينوني على عدوي واحفظوا قرابتي وان الذي جئتكم به لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربىٰ ان تودوني لقرابتي منكم وتعينوني على عدوي۔

مجھ سے[۱۲] حسین سے نقل کرکے بیان کیا ۔ وہ کہتے تھے میں نے ابو معاذ سے سنا وہ کہتے تھے ہمیں عبید نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے ضحاک سے سنا وہ آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہتے تھے کہ خطاب قریش سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں تو تمہیں میں سے ایک شخص ہوں۔ لہٰذا تم میری مدد کرو۔ میرے دشمن کے مقابلہ میں اور میری قرابت کا لحاظ کرو۔ اور جو دین میں لایا ہوں۔ اس پر کچھ معاوضہ تم سے نہیں مانگتا۔ سوا مودۃ فی القربیٰ کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت سے جو مجھ سے تم سے ہے۔ اور میری مدد کرو میرے دشمن کے مقابلہ میں۔

حدثني[۱۳] يونس قال اخبرنا ابن وهب قال قال

مجھ سے[۱۳] یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے۔ ہمیں ابن وہب نے

ابن زید فی قولہٖ قل	خبر دی وہ کہتے تھے کہ ابن زید
لا اسئلکم علیہ اجراً	آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا
الا المودۃ فی القربٰی	المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہتے تھے ۔
قال یقول الا ان تودونی	مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت
لقرابتی کما تو ادون فی	کرو بوجہ میری قرابت کے جس
قرابتکم و تواصلون	طرح کہ تم اپنے قرابت والوں سے
بھا لیس ھذا الذی	محبت کرتے ہو ۔ اور قرابت کا
جئت بہٖ یقطع ذلک	صلہ کرو جو دین میں لایا ہوں وہ
عنی فلست ابتغی علی الذی	میری قرابت کو قطع نہیں کرتا ۔
جئت بہٖ اجراً اخذہٗ	میں تم سے اس کے معاوضہ
علی ذلک ۔	میں کچھ اجرت نہیں لینا چاہتا ۔
حدثنی[۱۷] یونس قال اخبرنا	مجھ[۱۷] سے یونس نے بیان کیا وہ
ابن وھب قال اخبرنی	کہتے تھے ۔ ہمیں ابن وہب نے
سعید ابن ابی ایوب عن	خبر دی وہ کہتے تھے مجھ سے سعید
عطاء بن دینار فی قولہٖ	بن ابی ایوب نے عطاء بن دینار
قل لا اسئلکم علیہ	سے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا
اجراً الا المودۃ فی	المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل
القربٰی قال کل قریش کانت	کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے ۔ تمام
بینھا و بین رسول اللہ	قریش سے رسول خدا صلے اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وسلم	وسلم کی قرابت تھی ۔ لہٰذا اللہ
قرابۃ فقال قل لا اسئلکم	نے فرمایا کہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے
علیہ اجراً الا ان تودونی	تعلیم قرآن کا کچھ معاوضہ نہیں
بالقرابۃ التی بینی و	مانگتا ۔ بوجہ اس قرابت کے جو

وبینکم۔ میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔

وقال اٰخرون بل معنی ذٰلك قل لمن تبعك من المؤمنين لا اسئلکم علی ما جئتکم به اجرًا الا ان تودوا قرابتی۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے۔ کہ ان مسلمانوں سے جو آپ کے پیرو ہیں کہہ دیجئے کہ جو دین میں لایا ہوں اس کا معاوضہ تم سے نہیں مانگتا۔ مگر یہ کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو۔

ذکر من قال ذٰلك

کون لوگ اس کے قائل ہیں

حدثنی محمد بن عمارة قال ثنا اسمٰعیل بن ابان قال ثنا الصباح بن یحیٰی المری عن السدی عن ابی الدیلم قال لما جیٔ بعلی بن الحسین رضی اللہ عنهما فاقیم علی درج دمشق قام رجل من اهل الشام فقال الحمد للہ الذی قتلکم واستاصلکم وقطع قرنی الفتنة قال له علی

مجھ سے محمد بن عمارہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے صباح بن یحییٰ مری نے سدی سے انہوں نے ابو دیلم سے روایت کرکے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے جب علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما قید ہو کر آئے اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے کئے گئے۔ تو ایک شخص نے اہل شام میں سے کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو قتل کرا دیا اور تمہاری بیخ کنی کر دی۔ اور فتنہ

بن الحسين رضي الله عنه اقرأت القرآن قال نعم قال اقرأت آل حم قال لا قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربى قال وانكم لانتم هم قال نعم ـ

کے دونوں سرے کاٹ دیئے: اُس سے علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تونے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا ہاں! پھر کہا کیا تونے آل حم پڑھی ہے؟ اس نے کہا میں نے قرآن تو پڑھا مگر آل حم نہیں پڑھی! انہوں نے کہا کیا تونے یہ آیت پڑھی ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ اس نے کہا کیا قربیٰ تمہیں لوگ ہو! انہوں نے کہا ہاں۔

حدثنا[2] ابو كريب قال ثنا مالك بن اسمعيل قال ثنا عبد السلام قال ثنا يزيد بن ابي زياد عن مقسم عن ابن عباس قال قالت الانصار فعلنا وفعلنا فكانهم فخروا فقال ابن عباس او العباس شك عبد السلام لنا الفضل عليكم فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتاهم في مجالسهم فقال يا

ہم[2] سے ابوکریب نے بیان کیا وہ کہتے تھے۔ ہم سے مالک بن اسمٰعیل نے بیان کیا: وہ کہتے تھے ہم سے عبدالسلام نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم سے یزید بن ابی زیاد نے مقسم سے انہوں نے ابن عباس سے نقل کرکے بیان کیا کہ انصار نے کہا ہم نے چنیں کیا چناں کیا۔ وہ لوگ فخر کر رہے تھے۔ تو ابن عباس نے یا عباس نے کہا (یہ شک عبدالسلام کو ہوا ہے) کہ ہم کو تم پر فضیلت ہے۔ یہ خبر

معشر الانصار الم تکونوا اذلۃ فاعزکم اللہ بی؟ قالوا بلیٰ یارسول اللہ قال افلا تجیبونی قالوا اما نقول یارسول اللہ قال الا تقولون الم یخرجک قومک فاویناک اولم یکذبوک فصدقناک اولم یخذلوک فنصرناک قال فما زال یقول حتی جثوا علی الرکب وقالوا اموالنا وما فی ایدینا للہ ولرسولہ قال فنزلت قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو انصار کی مجلس میں گئے اور فرمایا کہ اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل نہ تھے؟ خدا نے تمہیں میرے سبب سے عزت دی انصار نے کہا ہاں یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے؟ خدا نے تمہیں میرے ذریعہ سے ہدایت کی انصار نے کہا ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تم لوگ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ ہم کیا جواب دیں آپ نے فرمایا تم کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو آپ کی قوم نے نکال دیا تھا۔ ہم نے آپ کو جگہ دی۔ لوگوں نے آپ کی تکذیب کی تھی ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ لوگوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا تھا ہم نے آپ کا ساتھ دیا۔ آپ اسی قسم کے کلمات کہتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔

حدثنی[۳] یعقوب قال ثنا مروان عن یحییٰ بن کثیر

مجھ[۳] سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے۔ ہم سے مروان نے یحییٰ

عن ابي العالية عن
سعيد بن جبير
في قوله قل لا اسئلكم
عليه اجرا الا المودة
في القربى قال هي قربى
رسول الله صلى الله عليه
وسلم ۔
حدثني محمد بن عمارة
الاسدي ومحمد بن
خلف قال ثنا عبيد الله
قال اخبرنا اسرائيل عن
ابي اسحاق قال سألت
عمرو بن شعيب عن
قول الله عزوجل قل
لا اسئلكم عليه اجرا
الا المودة في القربى
قال قربى النبي صلى الله
عليه وسلم ۔
وقال آخرون بل معنى
ذلك قل لا اسئلكم
ايها الناس على ما
جئتكم به اجرا الا
ان تودوا الى الله

بن کثیر نے انہوں نے ابو العالیہ
سے انہوں نے سعید بن جبیر سے
آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ
فی القربیٰ کے متعلق روایت
کرکے بیان کیا کہ انہوں نے کہا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قرابت مراد ہے۔
مجھ سے محمد بن عمارہ اسدی نے
اور محمد بن خلف نے بیان کیا۔ وہ
دونوں کہتے تھے ہم سے عبید اللہ
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں
اسرائیل نے ابو اسحاق سے روایت
کرکے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے
عمرو بن شعیب سے اللہ عزوجل
کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا
الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق پوچھا
تو انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی قرابت مراد ہے۔
اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے
کہ معنی آیت کے یہ ہیں۔ کہ
اے نبی! کہہ دیجئے اے لوگو!
میں اس دین کے معاوضہ میں
میں لایا ہوں کچھ اجرت تم

وتتقربوا بالعمل الصالح والطاعة۔

سے نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ عمل صالح اور اطاعت کے ذریعہ سے محبت وتقرب حاصل کرو۔

ذکر من قال ذلک

کون لوگ اس کے قائل ہیں؟

حدثنی علی بن داؤد ومحمد بن داؤد اخوہ ایضاً قال ثنا فزعۃ بن سوید عن ابی نجیح عن مجاھد عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قل لا اسئلکم علی ما اتیتکم بہ من البینت والھدی اجرا الا ان تودوا اللہ وتتقربوا الیہ بطاعتہ۔

مجھ سے علی بن داؤد نے اور ان کے بھائی محمد بن داؤد نے بھی بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے تھے۔ ہم سے فزعہ بن سوید نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ کہ (مطلب آیت کا یہ ہے کہ) کہہ دیجئے میں جو بینات اور ہدایت لایا ہوں اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ اللہ سے محبت اور تقرب پیدا کرو۔ بذریعہ اس کی اطاعت کے۔

حدثنا ابن المثنی قال ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبۃ عن منصور بن زاذان عن

ہم سے ابن مثنی نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے منصور بن زاذان سے انہوں

الحسن إنه قال في هذه الاٰية قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربٰى قال القربٰى الى الله ۔	نے حسن (بصری) سے اس آیت یعنی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے معنی بیان کئے کہ اللہ کی طرف تقرب مراد ہے ۔
حدثني يعقوب قال ثنا هشيم قال اخبرنا عوف عن الحسن في قوله لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربٰى قال الا التقرب الى الله والتودد بالعمل الصالح ۔	مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ہشیم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں عوف نے حسن (بصری) سے اللہ تعالےٰ کے قول لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کر کے خبر دی کہ اللہ کی طرف عمل صالح کے ذریعہ سے تقرب اور محبت پیدا کرنا مراد ہے ۔
حدثنا بشر قال ثنا يزيد قال سعيد عن قتادة قال الحسن في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربٰى الا ان تودّدوا الى الله فيما يقربكم اليه ۔	ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ کہتے تھے کہ حسن (بصری) نے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہا کہ (مطلب یہ ہے کہ) اللہ سے محبت پیدا کرو ان اعمال کے ذریعہ سے جو خدا سے تم کو مقرب کر دیں ۔
وقال اٰخرون بل معنى ذٰلك الا ان تصلوا قرابتكم ۔	اور بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی قرابت کا صلہ کرو ۔

ذکر مَنْ قال ذٰلك (کون لوگ اس کے قائل ہیں)

حدثنا بشر قال ثنا ابو عامر ثنا قرۃ عن عبد الله بن قاسم فی قوله الا المودة فی القربیٰ قال امرت ان تصلوا قرابتکم۔	ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو عامر نے بیان کیا وہ کہتے تھے۔ ہم سے قرہ نے عبداللہ بن قاسم سے الا المودة فی القربیٰ کے معنی نقل کر کے بیان کئے۔ کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ اپنی قرابت کا صلہ کرو۔
واولی الاقوال فی ذلك بالصواب واشبهها بظاهر التنزیل:۔	مگر ان تمام اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ظاہر قرآن کے مناسب:۔
قول من قال معناه قل لا اسئلکم علیه اجرًا یا معشر قریش الا ان تودونی فی قرابتی منکم وتصلوا الرحم التی بینی و بینکم۔	اسی شخص کا قول ہے جس نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کہہ دیجئے کہ اے گروہ قریش! میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ تو جو اس قرابت کے جو

مجھے تم سے ہے۔ اور اس قرابت کا صلہ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔

وانما قلت هٰذا التاویل اولیٰ بتاویل الآیة لدخول	میں نے جو کہا کہ یہ معنی تفسیر آیت سے زیادہ مناسب ہیں۔ اس

رفی، فی قوله الا المودة فی القربیٰ ولوکان معنیٰ ذلك علی ما قاله من قال الا ان تودوا قرابتی او تقربوا الی الله لم یکن لدخول فی فی الکلام وجه معروف ولکان التنزیل الا مودة القربیٰ. ان عنی به الامر بمودة قرابة رسول الله صلے الله علیه وسلم او الا المودة بالقربیٰ او ذوالقربیٰ ان عنی به التودد والتقرب وفی دخول فی فی الکلام اوضح الدلیل علی ان معناه الا مودتی فی قرابتی منکم وان الالف واللام فی المودة ادخلتا بدلاً من الاضافة کما قیل فان الجنة هی الماوی۔ وقوله الا فی هذا الموضع استثناء منقطع ومعنی الکلام قل لا اسئلکم الا المودة فی

کی وجہ یہ ہے کہ الا المودۃ فی القربیٰ میں فی کا لفظ ہے اور اگر معنی اس کے وہ ہوتے جو کسی نے بیان کیے ہیں کہ میرے اہل قرابت سے محبت کرو۔ یا اللہ سے داخل ہونے کی کوئی عمدہ وجہ نہیں ہوسکتی۔ اور عبارت یوں ہوتی۔ اَلّا المودۃ القربیٰ۔ اگر اس سے مراد قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی، یہ تو یا الا المودۃ بالقربیٰ یا ذی القربیٰ ہوتی۔ اگر مراد اس سے تقرب الٰہی ہوتا۔ لفظ فی کا کلام میں داخل ہونا بہت واضح دلیل اس بات کی ہے کہ معنی اس کے یہی ہیں کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور المودۃ میں الف لام بعوض مضاف الیہ کے ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فان الجنۃ ھی الماوی میں ہوا ہے۔ اور الا اس مقام میں استثنائے منقطع ہے اور مطلب کلام کا یہ ہے کہ اے نبی

القربیٰ فالمودۃ منصوبۃ	کہہ دیجئے کہ تم سے تبلیغ قرآن پر
علی المعنی الذی ذکرت	کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ ولیکن
وقد کان بعض نحوی	تم سے درخواست کرتا ہوں کہ
البصرۃ یقول ھی منصوبۃ	بوجہ قرابت کے مجھ سے محبت
بمضمر من الفعل بمعنی	کرو۔ پس لفظ مودۃ اس
الا ان اذکر مودۃ قرابتی۔	مطلب کے اعتبار سے منصوب ہے۔

اور بصرہ کے بعض نحوی کہتے تھے کہ وہ منصوب ہے۔ ایک فعل مضمر سے۔ یعنی میں تم کو وہ اپنی قرابت کی محبت یاد دلاتا ہوں۔

ف:۔ اس تفسیر میں جو اقدم التفاسیر کا لقب رکھتی ہے۔ آیہ مبحوثہ کے متعلق چار قول نقل کئے:۔

اوّل:۔ وہی جس کو ہم نے اختیار کیا۔ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ قرابت کے محبت کرنا اور اس قول کو خود مصنف نے سب پر مقدم کیا۔ اور اس کو ابن عباس سے چار سندوں کے ساتھ۔ اور عکرمہ سے دو سند کے ساتھ۔ اور ابو مالک سے دو سند کے ساتھ اور قتادہ و مجاہد و سدی و ابن زید و بن دینار سے نقل کیا۔

دوسرا قول:۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ کہ اللہ تعالےٰ سے محبت کرنا اور تقرب حاصل کرنا مراد ہے۔

چوتھا قول:۔ یہ کہ آپس میں محبت کرنا یعنی صلہ رحم مراد ہے۔

ان اقوال کے لکھنے کے بعد خود امام ممدوح نے فیصلہ کر دیا کہ پہلا ہی قول صحیح ہے۔ اور اس کا صحیح ہونا الفاظ آیت سے بھی ثابت کر دیا۔

ف اس تفسیر کے مصنف کی وفات ۳۱۰ھ ہجری میں ہوئی۔ اُن سے پہلے کی کوئی تفسیر پائی نہیں جاتی ۱۲

(۲) امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ اخبرنا عبد الواحد بن احمد الملیحی عن احمد بن عبد الله النعیمی عن محمد بن یوسف ثنا محمد بن اسمٰعیل ثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن عبد الملک بن میسرة قال سمعت طاؤساً عن ابن عباس انه سئل عن قوله الا المودة فی القربیٰ فقال سعید بن جبیر قربیٰ آل محمد صلی الله علیه وسلم فقال ابن عباس عجلت ان النبی صلی الله علیه لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابة وکذلک روی	قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ"۔ ہمیں عبد الواحد بن احمد ملیحی نے خبر دی۔ وہ کہتے تھے ہمیں احمد بن عبد اللہ النعیمی نے خبر دی۔ وہ کہتے تھے ہمیں محمد بن یوسف نے خبر دی۔ وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبد الملک بن میسرہ سے نقل کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے طاؤس سے سنا۔ وہ ابن عباس سے روایت کرتے تھے۔ کہ ان سے الا المودة فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا۔ تو سعید بن جبیر نے کہا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت مند مراد ہیں۔ ابن عباس نے کہا تم نے عجلت سے کام لیا (یہ مطلب نہیں ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی۔ لہذا فرمایا کہ

الشعبي وطاؤس عن
ابن عباس قال ان المودة
في القربى يعني ان
تحفظوا قرابتي وتودوني
وتصلوا رحمي واليه
ذهب مجاهد وقتادة
وعكرمة و مقاتل
والسدي ۔ والضحاك
وقال عكرمة لا اسئلكم
على ما ادعوكم اليه اجرًا
الا ان تحفظوني وقرابتي
بيني و بينكم وليس كما
يقول الكذابون ۔ وروى
ابن ابي نجيح عن مجاهد
عن ابن عباس في معنى
الآية الا ان تودوا الله
تتقربوا اليه بالطاعة
والعمل الصالح ۔ وقال
بعضهم معناه الا ان
تودوا قرابتي وعترتي
وتحفظوني فيهم وقول
سعيد بن جبير و عمر
بن شعيب ۔ واختلفوا

اس قرابت کا صلہ کرو جو میرے
اور تمہارے درمیان میں ہے۔
اور اسی قسم کی روایت شعبی
اور طاؤس نے بھی ابن عباس
سے نقل کی ہے ۔ کہ مودۃ فی
القربیٰ کا مطلب یہ ہے ۔ کہ
میری قرابت کا لحاظ کرو اور
مجھ سے محبت کرو ۔ اور میرے
ساتھ صلہ رحم کرو ۔ یہی قول مجاہد
اور قتادہ اور عکرمہ اور مقاتل
اور سدی اور ضحاک کا ہے ۔
اور عکرمہ نے کہا ہے کہ مطلب
یہ ہے ۔ کہ میں جو تعلیم تم کو دیتا
ہوں اس کی کچھ اجرت تم سے
نہیں مانگتا ۔ سوا اس کے کہ میری
حفاظت کرو ۔ اور میرے تمہارے
درمیان میں جو قرابت قائم ہے ۔
اس کا لحاظ کرو ۔ اور آیت کا
وہ مطلب نہیں جو کذاب لوگ
بیان کرتے ہیں ۔ اور ابن ابی
نجیح نے مجاہد سے ۔ انہوں نے
ابن عباس سے اس آیت کے
معنے میں روایت کی ہے کہ اللہ

فی قرابتہ قیل ھم
فاطمۃ الزھراء وعلی
وابناھما فیھم نزول
انما یرید اللہ لیذھب
عنکم الرجس اھل
البیت وروینا عن
یزید بن حیان عن زید
بن ارقم عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال انی تارک
فیکم الثقلین - کتاب اللہ
واھل بیتی اذکرکم اللہ
فی اھل بیتی قیل لزید بن
ارقم من اھل بیتہ قال
ھم ال علی وال عقیل
وال جعفر وال عباس اخبرنا
عبد الواحد الملیحی عن
احمد بن عبد اللہ النعیمی
عن محمد بن یوسف - ثنا
محمد بن اسمٰعیل - ثنا
عبد اللہ بن عبد الوھاب
ثنا خالد ثنا شعبۃ
عن واقد قال سمعت
ابی یحدث عن ابن عمر

سے محبت کرو - اور عبادت
اور عمل صالح کے ذریعہ سے اس
کا تقرب حاصل کرو - اور بعض
لوگوں نے کہا ہے - کہ مطلب
یہ ہے - کہ میری قرابت اور
قربت سے محبت کرو - اور ان
کے بارہ میں میرا خیال رکھو - یہی
قول ہے سعید بن جبیر اور عمرو
شعیب کا - اور آپ کے اہل قرابت
کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے -
بعض نے فاطمہ زہراؓ اور علیؓ اور
ان کے دونوں صاحبزادوں کو
بیان کیا ہے - کہ انہیں کے حق
میں یہ آیت اتری ہے " انما
یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل
البیت " اور ہم سے بحوالہ یزید
بن حیان بیان کیا گیا - وہ زید بن
ارقم سے - وہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے روایت کرتے تھے - کہ
آپ نے فرمایا میں تم میں دو گراں
قدر چیزیں چھوڑتا ہوں کتاب خدا
اور اپنے اہل بیت - تم کو خدا
کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت

عن ابی بکر قال ارکبوا - محمد فی اھل بیتہ وقیل ھم الذین تحرم علیھم الصدقۃ من اقاربہ ویقسم فیھم الخمس وھم بنوھاشم وبنوالمطلب الذین لم یفترقوا فی جاھلیتہ ولا فی اسلام۔ وقال قوم ھٰذہ الاٰیۃ منسوخۃ وانما نزلت بمکۃ وکان المشرکون یؤذون رسول اللّٰہ علیہ وسلم فانزل اللّٰہ ھٰذہ الاٰیۃ فامرھم فیھا بمودۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وصلۃ رحمہ فلما ھاجر الی المدینۃ واواہ الانصار ونصروہ احب اللّٰہ عزوجل ان یلحقہ ما اخواتہ من الانبیاء علیھم السلام حیث قال وما اسئلکم

کے بارے میں - زید بن ارقم سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہل بیت کون ہیں ؟ انہوں نے کہا علیؓ اور عقیلؓ اور جعفر اور عباس کی آل - ہمیں عبدالواحد بلیحی نے خبر دی وہ کہتے تھے ہمیں احمد بن عبداللہ نعیمی نے خبر دی - وہ کہتے تھے ہمیں محمد بن یوسف نے خبر دی - وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن اسمٰعیل نے بیان کیا - وہ کہتے تھے ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے خالد نے بیان کیا - وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے واقد سے نقل کر کے بیان کیا - وہ کہتے تھے میں نے اپنے والد سے سنا - وہ ابن عمرؓ سے ، وہ حضرت ابوبکرؓ سے روایت کرتے تھے کہ انہوں نے کہا - محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھو ان کے اہل بیت کے بارے میں - اور بعض کا قول ہے کہ اہل قرابت وہ لوگ ہیں - جن پر صدقہ حرام ہے - جن کو خمس ملتا

عليه من اجر ان اجري
الا على رب العالمين
فانزل الله تعالٰى قل
لا اسئلكم عليه اجرا
قل ما سألتكم من
اجر فهو لكم ان
اجري الا على الله -
فهي منسوخة - بهذا
الآية و بقوله قل
ما اسئلكم عليه من
اجر وما انا من المتكلفين
وغيرها من الآيات
والى هذا ذهب الضحاك
بن مزاحم والحسين
بن الفضل و هذا قول
غير مرضي لان مودة
النبي صلى الله عليه وسلم
وكف الأذى عنه ومودة
اقاربه والتقرب الى الله
بالطاعة والعمل الصالح
من فرائض الدين وهذه
اقاويل السلف في معنى
الآية فلا يجوز المصير

ہے۔ اور وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب
ہیں۔ جن میں کبھی جدائی نہیں ہوئی۔
نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں۔ اور
ایک جماعت کا قول ہے۔ کہ یہ
آیت منسوخ ہے۔ مکہ میں نازل
ہوئی تھی۔ مشرکین رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے تھے پس
اللہ نے یہ آیت اتاری۔ اور ان
کو اس آیت میں رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے
صلۂ رحم کا حکم دیا پھر جب آپ
ہجرت کر کے مدینہ آئے اور انصار
نے آپ کو جگہ دی۔ آپ کی مدد
کی تو اللہ کو منظور ہوا کہ آپ کو
آپ کے بھائیوں یعنی انبیاء ع
علیہم السلام کے ساتھ ملا دے۔
کیونکہ اور انبیاء کے متعلق
فرمایا کہ کہہ دو میں تم سے اس
پر کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ میری
اجرت رب العلمین کے ذمہ ہے۔
لہذا اللہ تعالٰی نے یہ آیتیں
نازل فرمائیں۔ کہ اے نبی! کہہ
دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت

الی نسخ شیٔ من ھذہ الاشیاء وقولہ الا المودۃ فی القربیٰ۔ لیس باستثناء متصل بالاقل حتی یکون ذلک اجرًا فی مقابلۃ الرسالۃ بل ھو منقطع ومعناہ ولکنی اذکرکم المودۃ فی القربیٰ واذکرکم المودۃ فی قرابتی منکم کما رُوِّینا فی حدیث زید بن ارقم اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔

کی کچھ اُجرت نہیں مانگتا۔ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے کچھ اُجرت مانگی ہو تو تمہیں کو مبارک رہے میری اجرت اللہ کے ذمہ ہے۔ پس آیت مبحوثہ ان آیات سے اور نیز اس آیت سے کہ اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا۔ اور میں تکلف کرنے والوں سے نہیں ہوں۔ اور اسی قسم کی دوسری آیات سے منسوخ ہے۔ یہی مذہب ہے۔ ضحاک بن مزاحم اور حسین بن فضل کا۔ مگر یہ بات پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور آپ کو تکلیف نہ دینا اور آپ کے اقارب سے محبت کرنا اور بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرنا دین کے فرائض میں سے ہے۔ اور یہ اقوال سلف کے اس آیت کے متعلق موجود ہیں۔ پس ان چیزوں میں سے کسی کو منسوخ کہنا جائز نہیں۔ اب رہا الا المودۃ فی القربیٰ یہ استثنائے متصل نہیں ہے۔ تاکہ یہ چیز بمقابلہ تبلیغ رسالت کے اُجرت کہی جائے۔ بلکہ یہ استثنا منقطع ہے۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ میں تمہیں مودۃ فی القربیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ اور جو قرابت مجھے تم سے ہے اس کی محبت کی یاد دلاتا ہوں جیسا کہ زید بن ارقم کی حدیث ہم سے بیان کی گئی۔ کہ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

ف :- امام بغوی نے بھی سب سے پہلے اسی قول کو نقل کیا ہے۔ جو اہل سنت کا مختار ہے۔ اور ابن عباس اور ان کے اجلّہ تلامذہ سے منقول ہے۔ اور آخر میں کس تصریح اور وضاحت کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کر دیا۔ کہ الا المودۃ استثنائے منقطع ہے۔ اور یہ اُجرت رسالت نہیں ہے۔ اور امام المفسرین ابن عباس کے جلیل الشان شاگرد عکرمہ سے اس آیت کی تفسیر میں دوسرے اقوال کا کذب اور ان کے قائلین کا کذاب ہونا بھی روایت کیا فجزاہ اللہ خیرًا۔

(۴) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں رقم فرماتے ہیں۔

واعلم انہ تعالیٰ لما	جاننا چاہیئے کہ جب محمد مصطفےٰ صلی
اوحی الی محمد صلے اللہ علیہ	اللہ علیہ وسلم کے اوپر یہ کتاب
وسلم ھٰذا الکتاب الشریف	بزرگ بلند رتبہ والی نازل ہوئی
العالی واودع فیہ ثلاثۃ	اور اس میں تینوں قسم کی دلیلیں
اقسام الدلائل واصناف	اور طرح طرح کے احکام بیان
التکالیف ورتب علی الطاعۃ	کئے گئے۔ اور فرمانبرداری پر
الثواب وعلی المعصیۃ	ثواب اور نافرمانی پر عذاب کا
العقاب بین انی لا اطلب	نتیجہ رکھا گیا۔ تو یہ بیان کیا گیا کہ
منکم بسبب ھٰذا التبلیغ	میں تم سے اس تبلیغ کے سبب سے
نفعًا عاجلًا ومطلوبًا حاضرًا	کوئی فوری نفع اور کوئی وقتی
لئلا یتخیل جاھل مقصود	مقصد نہیں مانگتا تاکہ کوئی جاہل
صلے اللہ علیہ وسلم من	یہ خیال نہ کرے کہ محمد
ھٰذا التبلیغ المال والجاہ	صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس
فقال اجرا الا المودۃ فی	تبلیغ سے مال اور جاہ ہے۔ اسی
القربیٰ وفیہ مسائل :-	لئے فرمایا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا

الا المودۃ فی القربیٰ۔ اور اس میں کئی مسئلے ہیں۔

المسألة الاولی: ذکر الناس فی هٰذہ الآیة ثلاثة اقوال الاول قال الشعبی اکثر الناس علینا فی هٰذہ الآیة فکتبنا الی ابن عباس نسألہ عن ذلك فکتب ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان واسط النسب من قریش لیس بطن من بطونهم الا وقد ولدہ فقال اللّٰہ قل لا اسئلکم علی ما ادعوکم الیہ اجرًا الا ان تودونی لقرابتی منکم والمعنی انکم قومی واحق من اجابنی واحق من اجابنی واطاعنی فاذا قد ابیتم ذلك فاحفظوا حق القربی ولا تؤذونی ولا تهیجوا علی۔

پہلا مسئلہ:۔ لوگوں نے اس آیت کے متعلق تین قول بیان کئے ہیں:۔

پہلا قول:۔ یہ ہے کہ شعبی نے کہا لوگوں نے ہم سے اس آیت کے متعلق بکثرت پوچھا۔ تو ہم نے ابن عباس کو خط لکھ کر اس کے متعلق دریافت کیا۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے۔ کوئی خاندان قریش میں ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے میں تم سے اس دعوت دین کی اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے مطلب یہ کہ تم میری قوم کے لوگ ہو۔ اور میری اطاعت وفرمانبرداری کے زیادہ مستحق ہو۔ لیکن تم نے اطاعت نہ کی۔ تو کم از کم حق قرابت کا لحاظ کرو۔ مجھے ایذا نہ دو۔ میرے اوپر لوگوں کو برانگیختہ نہ کرو۔

القول الثانی روی الکلبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم المدینۃ کانت تعروہ نوائب وحقوق ولیس فی یدہ سعۃ فقال الانصار ان ھذا الرجل قد ھداکم علی یدہ وھو ابن اختکم وجارکم فی بلدکم فاجمعوا لہ طائفۃ من اموالکم ففعلوا۔ ثم اتوہ بہ فردہ علیھم۔ فنزل قولہ تعالیٰ قل لا اسئلکم علیہ اجرا ای علی الایمان الا ان تودوا اقاربی فحثھم علی مودۃ اقاربہ۔

دوسرا قول :۔ کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کو حاجتیں اور حقوق پیش آتے تھے۔ اور آپ کو وسعت نہ تھی۔ لہذا انصار نے باہم مشورہ کیا۔ کہ تم کو خدا نے آپ کے ہاتھ پر ہدایت دی۔ اور وہ تمہارے بھانجے اور پڑوسی ہیں۔ تمہارے شہر میں رہتے ہیں۔ لہذا ان کیلئے کچھ مال جمع کرو۔ چنانچہ انہوں نے جمع کیا۔ اور وہ مال لے کر آپ کے پاس آئے۔ آپ نے انہی پر واپس کر دیا۔ پس قل لا اسئلکم علیہ اجرا نازل ہوئی یعنی ایمان کے عوض میں اجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اقارب سے محبت کرو۔ پس آپ نے اپنے اقارب کی محبت پر ان کو ترغیب دی۔

القول الثالث ماذکرہ الحسن قال الا ان تودوا الی اللہ فیما یقربکم الیہ من التودد الیہ

تیسرا قول :۔ وہ ہے جو حسن (بصری) نے ذکر کیا کہ اللہ سے محبت کرو۔ جو اعمال تمہیں اللہ سے مقرب کر دیں وہ اختیار کرو۔

بالعمل الصالح فالقربى على القول الاول القرابة التي بمعنى الرحم وعلى الثاني القرابة التي هي بمعنى الاقارب وعلى الثالث هي فُعلى من القرب و التقرب -

فان قيل الاية مشكلة وذلك لان طلب الاجرة على تبليغ الوحي لا يجوز ويدل عليه وجوهٌ الاول انه تعالى حكى عن اكثر الانبياء عليهم السلام انهم صرحوا بنفي طلب الاجرة فذكر في قصة نوح عليه السلام وما اسئلكم عليه من اجر ان اجري الا على رب العالمين وكذا في قصة هود و صالح وفي قصة لوط و شعيب عليهم السلام ورسولنا افضل من سائر الانبياء عليهم السلام

پس قول اول کے موافق قربیٰ بمعنی قرابت و رحم ہے۔ اور قول دوم کی بنا پر قربیٰ بمعنی اقارب ہے۔ اور قول سوم کی بنا پر قربیٰ بروزن فعلیٰ نزدیک ہونے اور نزدیکی حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس آیت میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ اجرت مانگنا تبلیغ وحی پر جائز نہیں ہے۔ اور اس کے بہت دلائل ہیں

اول: یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اکثر انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے طلب اجرت کی صاف صاف نفی کی۔ نوح علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا کہ انہوں نے کہا وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین۔ اور ایسا ہی ہود، صالح لوط اور شعیب علیہم السلام کے قصوں میں بیان کیا اور ہمارے رسول تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ پس وہ نبوت

فكان بان لا يطلب الاجر	ورسالت کے معاوضہ میں اجرت
على النبوة والرسالة اولى	نہ مانگنے کے زیادہ مستحق ہیں ۔
والثانی انہ صلی اللہ	دوم : یہ کہ آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم صرح بنفی	علیہ وسلم نے بھی اجرت مانگنے
طلب الاجر فی سائر الآیات	کی نفی بہت سی آیات میں کی
فقال ما سالتکم من اجر	ہے ۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر
فهو لکم و قال قل ما	فہو لکم اور قل ما اسئلکم علیہ
اسئلکم علیہ من اجر وما	من اجر و ما انا من المتکلفین ۔
انا من المتکلفین ۔	
والثالث العقل یدل علیہ	سوم : یہ کہ عقل بھی اسی کو چاہتی
وذلك لان التبلیغ کان	ہے ۔ کیونکہ تبلیغ آپ پر واجب
واجبا علیہ قال تعالی	تھی ۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ
بلغ ما انزل الیك من ربك	اے نبی ! پہنچا دے جو کچھ تیرے
وان لم تفعل فما بلغت	پروردگار کی طرف سے نازل
رسالتہ و طلب الاجر	کیا گیا ہے ۔ اور اگر تو نہ کرے
علی اداء الواجب لا یلیق	گا تو تو نے رسالت خدا نہ
باقل ما الناس فضلا	ادا کی ۔ اور امر واجب کے
عن اعلم العلماء ۔	معاوضہ میں اجرت مانگنا ادنیٰ

شخص کے لئے بھی زیبا نہیں ہے ۔ چہ جائیکہ اعلم العلماء ۔

الرابع ان النبوة افضل من	چہارم : یہ کہ نبوت حکمت سے
الحکمۃ وقد قال تعالی فی	افضل ہے ۔ اللہ تعالے نے
صفۃ الحکمۃ ومن یؤتی	حکمت کی صفت میں کہا ہے کہ
الحکمۃ فقد اوتی خیرا	جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر

كثيرًا وقال فى صفة الدنيا قل متاع الدنيا قليل ۔ فكيف يحسن فى العقل مقابلة اشرف الاشياء باخس الاشياء ۔

کثیر ملا ۔ اور دنیا کے بارے میں فرمایا ہے ۔ کہ دُنیا کا سامان تھوڑا ہے ۔ پس عقل کے نزدیک یہ بات کیونکر اچھی ہو سکتی ہے کہ اشرف چیز کا معاوضہ ارذل چیز کے ساتھ کیا جائے ۔

الخامس ان طلب الاجر كان يوجب التهمة وذلك ينافى القطع بصحة النبوة فثبت بهذا الوجوه انه لا يجوز من النبى صلى الله عليه وسلم ان يطلب اجرًا البتة على التبليغ والرسالة وظاهر هذا الاية يقتضى انه طلب اجرًا على التبليغ والرسالة وهو المودة فى القربى هذا تقرير السوال و الجواب عنه انه لا نزاع فى انه لا يجوز طلب الاجر على التبليغ والرسالة بقى قوله الا المودة فى القربى نقول الجواب

پنجم : یہ کہ طلب اجرت تہمت کو واجب کرتی ہے ۔ اور یہ صحت نبوت کے یقین کے منافی ہے ۔ پس ان دلائل سے ثابت ہو گیا ۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طلب اجرت تبلیغ رسالت کے معاوضہ میں یقیناً ناجائز ہے حالانکہ اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے ۔ کہ آپ نے تبلیغ اور رسالت پر اجرت طلب کی ۔ اور وہ مودۃ فی القربیٰ ہے یہ تقریر اعتراض کی ہے ۔ اور جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں کچھ نزاع نہیں کہ تبلیغ اور رسالت کے معاوضہ میں اجرت طلب کرنا جائز نہیں ۔ باقی رہا ایک جملہ الا المودۃ فی القربیٰ ۔

عنه من وجهين الاوّل
ان هٰذا من باب قوله ؎
ولا عيب فيهم غير ان
سيوفهم بها من قراع
الدارعين فلول للمعنى انا
لا اطلب منكم الا هٰذا
في الحقيقة ليس اجرًا لان
حصول المودة بين المسلمين
امر واجب قال تعالى
والمؤمنون والمومنات
بعضهم اولياء بعض
وقال صلى الله عليه وسلم
المؤمنون كالبنيان يشد
بعضهم بعضًا والآيات
والاخبار في هٰذا الباب
كثيرة واذا كان حصول
المودة بين جمهور المسلمين
واجبًا فحصولها في حق
اشرف المسلمين واكابرهم
اولٰى وقوله تعالى قل لا
اسئلكم عليه اجرًا الا
المودة في القربٰى تقديره
والمودة في القربٰى ليست

اس کا جواب ہم دو طرح دیں گے۔
اوّل یہ کہ یہ کلام مثل اس شعر کے ہے۔

(ترجمہ شعر) ان میں کچھ عیب
نہیں سوا اس کے کہ ان کی تلواریں
لڑتے لڑتے کُر گئی ہیں۔
مطلب یہ کہ میں تم سے سوا اس
کے کچھ اجرت طلب نہیں کرتا اور
یہ فی الحقیقۃ اجرت نہیں ہے۔
کیونکہ عام طور پر باہم مسلمانوں
میں محبت کا ہونا ضروری ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان
والے مرد اور ایمان والی عورتیں
باہم ایک دوسرے کے دوست
ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
مسلمان مثل عمارت کے ہیں۔
کہ بعض کو بعض سے مضبوطی ہوتی
ہے۔ آیتیں اور حدیثیں اس
بارے میں بہت ہیں۔ اور جب
کہ عام طور پر مسلمانوں میں باہم
محبت کا ہونا ضروری ہے۔ تو
تو اشرف المسلمین اور اکابر مسلمین

اجراً فرجع الحاصل الی انہ لا اجر البتۃ والوجہ الثانی فی الجواب ان ھذا استثناء منقطع وتم الکلام عند قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً ثم قال الا المودۃ فی القربی ای لکن اذکرکم قرابتی منکم وکانہ فی اللفظ اجر فلیس باجر۔

ہیں باہم محبت کا ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔ اور آیہ قل لااسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کی تقدیر یہ ہوگی کہ مودۃ فی القربیٰ اجرت نہیں ہے۔ بس حاصل اس جواب کا یہ ہوا کہ مودۃ فی القربیٰ یقیناً اجر رسالت نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ استثنائے منقطع ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً پر کلام ختم ہوگیا۔ پھر جو فرمایا۔ الا المودۃ فی القربیٰ، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی قرابت یاد دلاتا ہوں۔ پس کہنے میں تو اجر ہے۔ مگر درحقیقت اجر نہیں۔

ف: امام رازی کی اس تفسیر کو دیکھو۔ کہ کس طرح انہوں نے اس قول ضعیف کو کہ مودۃ قربیٰ سے اہل بیت رسول کی محبت مراد ہے۔ اور یہ کہ محبت اجر رسالت ہے۔ باطل کیا ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے۔ کہ طلب اجر سے نبوت مشکوک ہو جاتی ہے۔

(۵) علامہ ابو سعود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیہ روی انہ اجتمع المشرکون فی مجمع لھم فقال بعضھم لبعض اترون محمداً ایسال علی ما یتعاطاہ

قل لا اسئلکم علیہ۔ روایت ہے کہ مشرکین اپنی ایک محفل میں جمع ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے، کہ کیا تم کو معلوم ہے۔ کہ محمدؐ اس تعلیم کے

اجرًا فنزلت ای لا
اطلب منکم علی ما انا
علیه من التبلیغ والبشارة
اجرًا نفعًا الا المودة فی
القربیٰ ای الا ان تودونی
لقرابتی منکم او تودوا اهل
قرابتی و قیل الاستثناء
منقطع و المعنی لا اسئلکم
اجرًا قط ـ ولکن اسئلکم
المودة ـ وفی القربیٰ حال
منها ای الا المودة ثابتة
فی القربیٰ متمکنة فی اهلها
او فی حق القرابة والقربیٰ
مصدر کالزلفیٰ بمعنیٰ
القرابة روی انها لما
نزلت قیل یا رسول الله
من قرابتک هؤلاء الذین
وجبت علینا مودتهم
قال علی وفاطمة وابنا
هما وعن النبی صلی الله
علیه وسلم حرمت الجنة
علی من ظلم اهل بیتی
واذانی فی عترتی ومن

معاوضہ میں کچھ اجرت طلب
کرتے ہیں! پس یہ آیت اتری۔
کہ میں جو تبلیغ و بشارت تم کو
دیتا ہوں اس کی اجرت یعنی
کوئی نفع نہیں مانگتا ، سوا مودۃ
فی القربیٰ کے۔ یعنی سوا اس کے
کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ قرابت
کے جو مجھے تم سے ہے۔ اور بعض
لوگوں نے کہا ہے۔ کہ استثنائے
منقطع ہے اور مطلب یہ ہے
کہ میں تم سے کچھ اجرت ہرگز نہیں
مانگتا۔ ولیکن محبت چاہتا ہوں
اور (ترکیب نحوی میں فی القربیٰ
المودۃ کا حال ہوگا) یعنی وہ محبت
جو قربیٰ میں ہو۔ اور اہل قرابت
میں پائی جائے۔ اور بوجہ قرابت
کے پائی جائے۔ قربیٰ مصدر ہے
مثل زلفیٰ کے بمعنی قرابت۔ روایت
ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
تو کہا گیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ
کے قرابت والے کون ہیں جن
کی محبت ہم پر واجب ہے آپ نے
فرمایا۔ علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے

اصطنع صنیعة الی احد من ولد عبد المطلب و لم یجازه فانا اجازیه علیها غداً اذا لقینی یوم القیامة و قیل القربی التقرب الی الله ای الا ان تودوا الله ورسوله فی تقربکم الیه بالطاعة والعمل الصالح وقری الا مودة فی القربی۔

دونوں صاحب زادے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ جنت اس شخص پر حرام ہے۔ جو میری اہل بیت پر ظلم کرے۔ اور میری عزت کے متعلق مجھے ایذا دے۔ اور جو شخص اولاد عبد المطلب میں سے کسی کے ساتھ کوئی حرکت کرے اور وہ اس کا انتقام نہ لے تو میں کل اس کا انتقام لوں گا۔ جب وہ قیامت میں مجھے ملیگا۔ اور کہا گیا ہے کہ قربیٰ بمعنی تقرب الی اللہ کے ہے مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرو۔ بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرو۔ اور ایک قرأت میں الا مودة فی القربیٰ ہے۔

ف: علامہ ابو سعود نے بھی سب سے پہلے وہی قول مختار نقل کیا۔ اور استثنار کا منقطع ہونا بیان کر دیا۔ اس کے بعد وہ قول ضعیف نقل کیا ہے۔ مگر بصیغہ تمریض۔ جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے۔ اور وہ کیونکر اس کے خلاف کر سکتے تھے۔ اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ رسالت کی اجرت نہیں لیتے۔

(۶) تفسیر خازن میں ہے۔

قوله عز وجل، قل لا اسئلکم علیه ای علی تبلیغ الرسالة

قولہ عز وجل، قل لا اسئلکم علیہ۔ یعنی تبلیغ رسالت پر میں تم سے کچھ اجرت

اجرًا ای جزاءً الا المودۃ فی القربٰی (خ) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ سئل عن قولہ الا المودۃ فی القربٰی فقال سعید بن جبیر قربٰی اٰل محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن عباس عجلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم تکن بطن من قریش الا ولہ فیھم قرابۃ فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابۃ وعن ابن عباس ایضًا فی قولہ الا المودۃ فی القربٰی یعنی ان تحفظوا قرابتی وتودونی وتصلوا رحمی والیہ ذھب مجاھد وقتادۃ وعکرمہ ومقاتل والسدی والضحاک (خ) عن ابن عمر ان ابا بکر قال ارقبوا محمدًا صلی اللہ علیہ

یعنی معاوضہ نہیں مانگتا۔ سوا مودت فی القربٰی کے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ ان سے الا المودۃ فی القربٰی کا مطلب پوچھا گیا۔ تو سعید بن جبیر نے کہا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ابن عباس نے کہا تم نے (جواب) میں عجلت کی (اصل یہ ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریش کے ہر خاندان سے تھی۔ لہذا نبی صلعم نے فرمایا۔ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ اس کا صلہ کرو۔ نیز ابن عباس سے الا المودۃ فی القربٰی کے متعلق مروی ہے۔ کہ تم میری قرابت کی حفاظت کرو۔ اور میرا صلہ رحم کرو۔ یہی مذہب مجاہد اور قتادہ اور عکرمہ اور مقاتل اور سدی اور ضحاک کا ہے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ محمد صلی اللہ

وسلم۔ فی اھل
بیتہ۔
ثم بعد ان ذکر
الاختلاف فی معنی
اھل البیت، فان قلت
طلب الاجر علی تبلیغ
الرسالۃ والوحی لا یجوز
لقولہ فی قصۃ نوح علیہ
السلام وغیرہ من الانبیاءُ
وما اسئلکم علیہ من
اجران اجری الا علی رب
العلمین قلت لا نزاع
فی انہ لا یجوز طلب الاجر
علی تبلیغ الرسالۃ بقی
الجواب عن قولہ الا المودۃ
فی القربی فالجواب عنہ
من وجھین۔ الاول معناہ
لا اطلب منکم الا ھذا۔
وھذا فی الحقیقۃ۔ لیس
باجر ومنہ قول الشاعر
ولا عیب فیھم ان
سیوفھم بھن فلول
من قراع الکتائب معناہ

علیہ وسلم کا خیال ان کے اہلبیت
کے بارے میں رکھو۔
پھر اہل بیت کے معنی میں
اختلافات نقل کر کے لکھتے ہیں
اگر تم کہو کہ تبلیغ رسالت اور
وحی پر اجرت لینا جائز نہیں۔
کیونکہ نوح علیہ السلام اور ا
دوسرے انبیاء کے قصوں میں
ہے۔ کہ میں تم سے اس کی کچھ
اجرت نہیں مانگتا۔ میری اجرت
رب العلمین کے ذمہ ہے۔ تو
میں کہوں گا کہ اس پر کچھ نزاع
نہیں ہے۔ کہ تبلیغ رسالت پر
اجرت طلب کرنا جائز نہیں۔
باقی رہا الا المودۃ فی القربی کا
جواب! وہ دو طرح پر ہے۔
اوّل یہ کہ مطلب یہ ہوا کہ میں تم
سے صرف یہ چیز مانگتا ہوں۔ اور
یہ چیز فی الحقیقتہ اجرت نہیں
ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کا کلام
ہے۔ مطلب اس شعر کا یہ ہوا کہ
جب ان کا یہ عیب ہوا۔ تو عیب
نہیں۔ بلکہ ان کی مدح ہے۔ اور

اذا كان هذا فلا عيب
بل هو مدح فيهم ولان
المودة بين المسلمين
امر واجب واذا كان
كذلك جميع المسلمين
كان فى اهل بيت النبى
صلى الله عليه وسلم
اولى فقوله قل لا اسئلكم
عليه اجرًا الا المودة فى
القربىٰ والمودة فى القربىٰ
ليست اجرًا فى الحقيقة
لان قرابته قرابتهم
فكانت مودتهم و
صلتهم لازمة لهم
فثبت ان لا اجر البتة
والوجه الثانى ان هذا
الاستثناء منقطع وتم
الكلام عند قوله قل
لا اسئلكم عليه اجرًا
ثم ابتداء فقال الا
المودة فى القربىٰ اى
لكن اذكركم المودة فى
قرابتى الذين هم قرابتكم

اس لئے کہ مسلمانوں میں باہم محبت
ایک واجب چیز ہے۔ اور
عام طور پر مسلمانوں میں محبت
ضروری ہے۔ تو اہل بیت نبی
صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اولیٰ
پس قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ
فے القربیٰ میں مودۃ فی الحقیقت
اجرت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی
قرابت ان کی بھی قرابت تھی۔
پس آپ کی قرابت سے محبت
رکھنا اور ان کا صلہ کرنا ان پر لازم
تھا۔ پس ثابت ہوا۔ کہ یہ یقینًا
اجرت نہیں ہے۔ دوسرا جواب
یہ ہے۔ کہ استثنا منقطع ہے۔
اور قل لا اسئلکم علیہ اجرًا پر کلام
تمام ہو گیا۔ پھر نیا کلام شروع کر کے
فرمایا۔ الا المودۃ فی القربیٰ یعنی
میں تمہیں یاد دلاتا ہوں اپنے
اہل قرابت کہ وہ تمہارے بھی اہل قرابت
ہیں۔ ان کو نہ ستاؤ۔
اور بعض لوگوں کا بیان ہے۔ کہ
یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ یہ
مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور مشرکین
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا

فلا تؤذوهم وقيل ان
هذه الاية منسوخة
وذلك لانها نزلت بمكة
وكان المشركون يؤذون
رسول الله صلى الله عليه
وسلم فانزل الله تعالى
هذه الاية . فامرهم فيها
بمودة رسول الله صلى الله
عليه وسلم وصلة رحمه
فلما هاجر الى المدينة و
اواه الانصار ونصروه
احب الله تعالى ان يلحقه
باخوانه من النبيين
فانزل الله تعالى قل ما
سألتكم من اجر فهو
لكم ان اجري الا على الله
فصارت هذه الاية ناسخة
لقوله قل لا اسئلكم عليه
اجرا الا المودة في القربى
واليه ذهب الضحاك والحسين
بن الفضل . والقول بنسخ
هذه الاية غير مرضي لان
مودة النبي صلى الله عليه وسلم

کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے
یہ آیت نازل فرمائی۔ اور ان
کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبت کا اور آپ کے ساتھ
صلہ رحم کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب
آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔
اور انصار نے آپ کو جگہ دی۔
اور آپ کی مدد کی۔ تو اللہ تعالیٰ
کو یہ منظور ہوا۔ کہ آپ کے بھائیوں
یعنی نبیوں کے ساتھ ملا دے
لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل
فرمائی قل ما سألتکم من اجر
فھو لکم ان اجری الا علی اللہ پس
اس آیت نے قل لا اسئلکم علیہ
اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کو منسوخ
کر دیا۔ یہی مذہب ہے۔ ضحاک
اور حسین بن فضل کا۔ مگر اس
آیت کو منسوخ کہنا پسندیدہ
نہیں ہے کیونکہ آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے
تکلیف نہ دینا اور آپ کے اقارب
کے ساتھ محبت کرنا دین کے فرائض
سے ہے۔ یہی قول سلف کا ہے

وكف الاذى عنه ومودة اقاربه من فرائض الدين وهو قول السلف فلا يجوز المصير الى نسخ هذه الاية۔

پس آیت کو منسوخ کہنا جائز نہیں۔

وروى عن ابن عباس فى معنى الاية قول اٰخر قال لا تودوا الله وتقربوا اليه بطاعته وهو قول الحسن قال هو القربى الى الله يقول الا التقرب الى الله تعالى والتودد اليه بالطاعة والعمل الصالح۔

اور ابن عباس سے اس آیت کے معنی کے متعلق ایک دوسرا قول بھی منقول ہے۔ کہ انہوں نے کہا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ سے محبت کرو۔ اور اسکی عبادت کے ذریعہ سے اس سے تقرب حاصل کرو۔ یہی قول ہے۔ حسن بصری کا۔ وہ کہتے ہیں کہ قربیٰ الی اللہ کا مطلب ہے۔ اللہ سے تقرب حاصل کرنا۔ اور بذریعہ عبادت وعمل صالح کے اس سے محبت پیدا کرنا۔

ف :۔ تفسیر خازن کی عبارت بھی غور سے دیکھو۔ سب سے پہلے وہی قول ہے۔ جس کو النجم میں اہل سنت کا مذہب بیان کیا گیا ہے۔ اسی کو ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ اور ابن عباس سے اس قول ضعیف کا رد بھی روایت کیا ہے۔

(۷) تفسیر مدارک میں ہے :۔

قل لا اسئلكم عليه (على التبليغ) اجرا الا المودة فى القربى يجوز ان يكون استثناءً متصلاً ويجوز ان يكون منقطعا اى لا اسئلكم

قل لا اسئلکم علیہ۔ یعنی میں تبلیغ پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ مگر مودت فی القربیٰ ممکن ہے۔ کہ یہ استثنا متصل ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ منقطع ہو یعنی میں تم

اجرًا قط ولكني اسئلكم
ان تودوا قرابتي اي لا
اسئلكم عليه اجرًا الا
هذا وهو ان تودوا اهل
قرابتي الذين هم
قرابتكم ولا تؤذوهم
ولم يقل الا مودة القربى
اذ المودة للقربى لانهم
جعلوا مكانا للمودة ومقرًا
لها كقولك لي في آل فلان
مودة ولي فيهم حب شديد
يراد احبهم ومكان حبي
ومحله وليست في بصلة
للمودة كاللام اذا قلت
الا المودة للقربى انما هي
متعلقة بمحذوف تعلق
الظرف به كما في قولك
المال في الكيس وتقديره
الا المودة ثابتة في القربى
ومتمكنة فيها والقربى
مصدر كالزلفى والبشرى
بمعنى القرابة والمراد في
اهل القربى وروي انه لما

سے اجرت بالکل نہیں مانگتا
ولیکن تم سے یہ درخواست کرتا
ہوں کہ میرے اہل قرابت سے محبت
کرو یعنی میں تم سے صرف یہی اجر
چاہتا ہوں ۔ کہ میرے اہل قرابت
سے جو تمہارے بھی اہل قرابت
ہیں محبت کرو ۔ یا بوجہ میری
قرابت کے اُن سے محبت کرو
کیونکہ وہ لوگ محبت کا مکان
اور اس کا مقر قرار دیئے گئے
ہیں ۔ جس طرح تم کہتے ہو کہ ’’لی
فی آل فلان مودۃ ولی فیہم حب
شدید‘‘ مراد یہ ہوتی ہے کہ میں
ان سے محبت کرتا ہوں ۔ اور
وہ میری محبت کا مکان ومحل ہیں
لفظ فی مودت کا صلہ نہیں ہے ۔
جس طرح للقربیٰ میں لام صلہ
ہوتا ہے ۔ بلکہ وہ ایک محذوف
کے ساتھ متعلق ہے جیسے المال
فی الکیس میں ظرف کا تعلق ہے ۔
تقدیر عبارت یہ ہے ۔ الا المودۃ
ثابتۃ فی القربیٰ ومتمکنۃ فیہا اور
قربیٰ مثل زلفیٰ اور بشریٰ کے مصدر

نزلت ۔ قیل یارسول اللہ من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم ۔ قال علي وفاطمة وابناهما ۔ وقيل معناه الا ان تؤذوني ولا تهيجوا علي اذلم يكن بطن من بطون قريش الا بين رسول الله و بينهم قرابة۔

ہے بمعنی قرابت کے ۔ اور مراد اہل قربیٰ ہیں ۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کہا گیا یارسول اللہ! آپ کے قرابت دار کون لوگ ہیں۔ جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ آپ نے فرمایا علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دونوں لڑکے اور بعض لوگ کہتے ہیں ۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ ہیں صرف یہ چاہتا ہوں ۔ کہ تم مجھ سے محبت۔ کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے ۔ اور مجھے ایذا نہ دو ۔ اور میرے اوپر برانگیختہ نہ کرو کیونکہ کوئی خاندان قریش کا ایسا نہ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔

وقیل القربی التقرب الی اللہ تعالے الا ان تحبوا اللہ ورسولہ فی تقربکم الیہ بالطاعة والعمل الصالح ۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قربیٰ معنی میں تقرب الی اللہ کے ہے ۔ مطلب یہ ہوا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کرو ۔ اللہ سے تقرب حاصل کرتے میں اطاعت اور عمل صالح کے ذریعے سے ۔

ف : صرف اس ایک تفسیر میں محبت اہل بیت والا قول سب سے پہلے لکھا ہے اور استثناء کا متصل ہونا بھی جائز مانا ہے ۔ مگر بحمد اللہ یہ مضمون قبیح اس میں بھی نہیں ہے کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے ۔

(۸) علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور میں لکھتے ہیں :

قل لا اسئلکم علیه اجرًا الا المودة فی القربیٰ اخرج احمد وعبد بن حمید والبخاری والمسلم والترمذی وابن جریر وابن مردویه من طریق طاؤس عن ابن عباس رضی الله عنهما انه سئل عن قوله الا المودة فی القربیٰ فقال سعید بن جبیر رضی الله عنه قربیٰ ال محمد فقال ابن عباس رضی الله عنه عجلت ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بینی وبینکم من القرابة ۔

واخرج ابن ابی حاتم و الطبرانی وابن مردویه من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لهم رسول الله

قل لا اسئلکم علیه اجرًا الا المودة فی القربیٰ امام احمد اور عبد بن حمید اور بخاری ومسلم وترمذی وابن جریر وابن مردویہ نے بذریعہ طاؤس کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان سے الا المودة فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا ۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ قربت مندان آل محمد مراد ہیں ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ۔ کہ تم نے عجلت کی ۔ قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا ۔ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو ۔ لہذا آپ نے فرمایا کہ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کی رعایت کرو ۔

اور ابن ابی حاتم وطبرانی وابن مردویہ نے بذریعہ سعید بن جبیر کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے

صلی اللہ علیہ وسلم لا اسئلکم علیہ اجرًا الا ان تودونی فی نفسی لقرابتی منکم و تحفظوا القرابۃ التی بینی و بینکم۔

کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم میری ذات سے محبت کرو۔ بوجہ میری قرابت کے جو تم سے ہے۔ اور جو قرابت میرے تمہارے درمیان میں ہے اس کی حفاظت کرو۔

و۳۳ اخرج سعید بن منصور وابن سعد و عبد بن حمید والحاکم و صححہ و ابن مردویۃ والبیھقی فی الدلائل عن الشعبی رضی اللہ عنہ۔ قال اکثر الناس علینا فی ھذہ الایۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربٰی فکتبنا الی ابن عباس رضی اللہ عنہ نسألہ فکتب ابن عباس رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان واسط النسب فی قریش لیس بطن من بطونھم الا وقد ولدوہ فقال اللہ قل لا

اور۳۳ سعید بن منصور نے اور ابن سعد و عبد بن حمید نے اور حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ و بیہقی نے کتاب دلائل میں شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ لوگوں نے ہم سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربٰی کے متعلق بہت پوچھا تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دریافت کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جواب لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے۔ قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے آپ کا سلسلہ نسب نہ ہو۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے ہیں تم سے بعوض اس چیز کے جس کی طرف

اسئلكم عليه اجرًا
على ما ادعوكم اليه
الا المودة في القربى تودوني
لقرابتي منكم وتحفظوني
بها -

و[4] اخرج ابن جرير وابن
المنذر وابن ابي حاتم والطبراني
من طريق علي عن ابن عباس
رضي الله عنهما في قوله الا
المودة في القربى قال كان
لرسول الله صلى الله عليه
وسلم قرابة من
جميع قريش فلما كذبوه
وابوا ان يبايعوه قال يا
قوم اذا ابيتم ان تبايعوني
فاحفظوا قرابتي فيكم
ولا يكون غيركم من
العرب اولى بحفظي و
نصرتي منكم -

و[5] اخرج ابن ابي حاتم وابن
مردويه من طريق الضحاك
عن ابن عباس رضي الله عنهما -

تم کو بلاتا ہوں۔ کوئی اجرت نہیں
مانگتا۔ سوا مودت فی القربیٰ کے
یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ
میری قرابت کے جو تم سے ہے۔
اور میری حفاظت اسی خیال سے کرو۔

اور[4] ابن جریر و ابن منذر و ابن
ابی حاتم وطبرانی نے بواسطہ علی
کے ابن عباس رضی اللہ عنہما
سے الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق
روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تمام
قریش سے تھی۔ جب ان لوگوں
نے آپ کی تکذیب کی۔ اور آپ
کی بیعت سے انکار کر دیا۔ تو آپ
نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو!
جب کہ تم میری بیعت سے انکار
کرتے ہو۔ تو میری قرابت جو تم میں
ہے۔ اسی کی حفاظت کرو عرب
کا کوئی اور شخص میری حفاظت
اور مدد کا تم سے زیادہ حق دار نہیں۔

اور[5] ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے
بواسطہ ضحاک کے ابن عباس رضی
اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ

قال نزلت هذه الآیۃ	آپ نے فرمایا! یہ آیت مکہ میں
بمکۃ وکان المشرکون	نازل ہوئی تھی۔ اور مشرکین رسول
یؤذون رسول اللہ صلی اللہ	خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت
علیہ وسلم فانزل اللہ	دیا کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالے
تعالیٰ قل یا محمد لا اسئلکم	نے یہ آیت نازل کی۔ کہ اے محمد
علیہ۔ ای علی ما ادعوکم	صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے۔ کہ
الیہ اجراً عوضاً من	میں تم سے بعوض اس چیز کے جس
الدنیا الا المودۃ فی القربیٰ	کی طرف تم کو بلاتا ہوں کوئی اجرت
الا الحفظ لی فی قرابتی فیکم	معاوضہ دنیاوی نہیں مانگتا سوا
قال المودۃ انما ھی لرسول	مودت فی القربیٰ کے۔ یعنی سوا
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	اس کے کہ میری حفاظت کرو۔ بوجہ
فی قرابتہ فلما ھاجر الی	اس قرابت کے جو تم میں ہے انہوں
المدینۃ احب ان یلحقہ	نے کہا کہ محبت رسول خدا صلی اللہ
باخوانہ من الانبیاء علیہم	علیہ وسلم کی مراد ہے۔ بوجہ ان
السلام فقال قل ما اسئلکم	کی قرابت کے۔ پھر جب آپ نے
من اجر فھو لکم ان	مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تو خدا کو
اجری الا علی رب العلمین	منظور ہوا کہ
وکما قال ھود و صالح و	آپ کو آپ کے بھائی یعنی دوسرے
شعیب لم یستثنوا اجرًا	انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملادے
کما استثنی النبی صلی	لہذا فرمایا کہ اے نبی! کہہ دیجئے کہ
اللہ علیہ وسلم فردہ	میں نے تم سے کچھ اجرت مانگی تو
علیہم وھی منسوخۃ۔	تم اپنے پاس رکھو۔ میری اجرت

رب العالمین کے ذمہ ہے اور جیسا کہ ہود و صالح اور شعیب نے کہا تھا

اور انہوں نے کسی اجرت کو مستثنیٰ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو استثناء فرمایا تھا۔ اس کو واپس کر دیا۔ اور یہ آیت منسوخ ہے۔

وأخرج احمد وابن ابي حاتم والطبراني والحاكم وصححه وابن مردويه من طريق مجاهد رضي الله عنه عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم في الاية قل لا اسئلكم على ما اتيتكم به من البينت والهدى اجرًا الا ان توددوا لله وان تتقربوا اليه بطاعته	اور امام احمد وابن ابی حاتم و طبرانی نے اور حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ نے بواسطہ مجاہد رضی اللہ عنہ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق روایت کیا کہ مطلب یہ ہے کہ) اے نبی کہہ دو کہ جو بینات وہدایت میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ اس کی کچھ اجرت تم سے نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم اللہ سے محبت کرو۔ اور اس کی عبادت سے اس کا تقرب حاصل کرو۔
وأخرج عبد بن حميد وابن المنذر عن مجاهد رضي الله عنه في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربى قال ان تتبعوني وتصدقوني وتصلوا رحمي	اور عبد بن حمید وابن منذر نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میری اتباع کرو اور میری تصدیق کرو۔ اور میرا صلہ رحم کرو۔
وأخرج عبد بن حميد وابن	اور عبد بن حمید وابن مردویہ نے

مردویہ من طریق العوفی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الآیۃ قال ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قال لقریش لا اسئلکم الا تودونی لقرابۃ ما بینی وبینکم فانکم قومی واحق من اطاعنی واجابنی	بذریعہ عوفی کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا۔ کہ میں تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا۔ صرف یہ درخواست تم سے کرتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے

جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ کیونکہ تم میری قوم کے لوگ ہو۔ اور سب سے زیادہ میری اطاعت اور اتباع کے مستحق ہو۔

واخرج ابن مردویہ من طریق عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الآیۃ قال۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن فی قریش بطن الا ولہ فیہم ام حتی کانت لہ من ھذیل ام فقال اللہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا ان تحفظونی فی قرابتی ان کذبتمونی فلا توذونی۔	اور ابن مردویہ نے بواسطہ عکرمہ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کی ہر خاندان سے قرابت تھی ہر خاندان میں آپ کا ننہال تھا، یہاں تک کہ قبیلہ ہذیل میں بھی آپ کا ننہال تھا۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے۔ میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری حفاظت کرو۔ بوجہ میری قرابت کے۔ اگر

تم میری تکذیب کرتے ہو تو کرو۔ لیکن مجھے ایذا تو نہ دو۔

وَأخرج جرير وابن ابي حاتم وابن مردويه من طريق مقسم عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قالت الانصار فعلنا وفعلنا وكانهم فخروا فقال ابن عباس رضي الله عنهما لنا الفضل عليكم فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتاهم في مجالسهم فقال يا معشر الانصار الم تكونوا اذلة فاعزكم الله؟ قالوا بلى يا رسول الله! قال افلا تجيبوني؟ قالوا ما نقول يا رسول الله؟ قال الا تقولون الم يخرجك قومك فاويناك؟ او لم يكذبوك فصدقناك؟ الم يخذلوك فنصرناك؟ فما زال يقول حتى جثوا على الركب وقالوا اموالنا

اور ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے بواسطہ مقسم کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا (ایک روز) انصار باہم کہنے لگے۔ کہ ہم نے یہ کیا اور یہ کیا گویا کہ وہ فخر کر رہے تھے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم کو تم پر فضیلت ہے یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ ان کی مجلسوں میں تشریف لے گئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل نہ تھے۔ اللہ نے تم کو عزت دی؟ ان لوگوں نے کہا۔ کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ پھر تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ ان لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم کیا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں کہتے کہ کیا آپ کو آپ کی قوم نے نکال نہ دیا تھا۔ پھر ہم نے جگہ دی! کیا انہوں نے آپ کی تکذیب

ومالی ایدینا لله ورسوله.	نہ کی تھی۔ ہم نے آپ کی تصدیق
فنزلت قل لا اسئلکم	کی ہے کیا انہوں نے آپ کا ساتھ
علیه اجراً۔ الا المودة	نہ چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے آپ کی
فی القربیٰ۔	مدد کی! آپ ایسے ہی کلمات

کہتے رہے۔ یہاں تک کہ انصار گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارا مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ و رسول کا ہے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ۔

واخرج الطبرانی فی الاوسط	اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن
وابن مردویة بسند	مردویہ نے بسند ضعیف سعید
ضعیف من طریق سعید	بن جبیر سے روایت کی ہے۔ کہ
بن جبیر قال قالت الانصار	انہوں نے کہا: انصار اپنے آپس
فیما بینهم لو لا جمعنا	میں کہنے لگے کہ کاش ہم رسول خدا
لرسول الله صلی الله علیه	صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ مال
وسلم مالاً یبسط یداه	جمع کر دیں۔ تاکہ آپ کا ہاتھ
ولا یحول بینه احد فقالوا.	کشادہ ہو جائے۔ اور آپ کو
یا رسول الله انا اردنا ان	اس مال کے خرچ میں کوئی مانع
تجمع لك اموالنا فانزل	نہ ہو پس ان لوگوں نے کہا: کہ
الله قل لا اسئلکم علیه	یا رسول اللہ! ہم ارادہ کرتے ہیں
اجراً الا المودة فی القربیٰ	کہ آپ کے لئے اپنا مال جمع کر
فخرجوا مختلفین فقالوا	دیں۔ پس اللہ نے یہ آیت نازل
لمن ترون ما قال رسول	فرمائی: قل لا اسئلکم علیه اجراً
الله صلی الله علیه وسلم	الا المودة فی القربیٰ۔ پس وہ لوگ
فقال بعضهم انما قال.	باہم اختلاف کرتے ہوئے نکلے۔

لنقاتل عن اهل بيته وننصرهم فانزل الله ام يقولون افترى على الله كذبا الى قوله هو الذی يقبل التوبة عن عبادہ ،، فعرض لهم بالتوبة الى قوله و يستجيب الذين امنوا وعملوا الصالحات و يزيدهم من فضله هم الذين قالوا هذا ان يتوبوا الى الله ويستغفرونه

کہنے لگے کہ یہ حکم محبت جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تم کس کے متعلق سمجھتے ہو۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کے اہل بیت کی طرف سے لڑیں۔ اور ان کی مدد کریں۔ پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ نبی نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا۔ الی قولہ وہی اللہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ پس ان کو توبہ کی ترغیب دی گئی الی قولہ ویستجیب الذین آمنوا وعملوا الصالحات ویزیدہم من فضلہ۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں۔ جن سے یہ قول صادر ہوا تھا بشرطیکہ وہ توبہ و استغفار کریں۔

و[12] اخرج ابونعيم والديلمی من طريق مجاهد عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فی القربی ان تحفظونی فی اهل بيتی وتودهم لی۔

اور[12] ابونعیم ودیلمی نے بواسطہ مجاہد کے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا۔ سوا مودت فی القربیٰ کے یعنی یہ کہ تم میرے اہل بیت کے بارہ میں میرا لحاظ رکھو۔ اور ان سے میری وجہ سے محبت کرو۔

و[۱۳] اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی و ابن مردویہ بسند ضعیف من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الایۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی قالوا یا رسول اللہ من قرابتک هؤلاء الذین وجبت علینا مودتهم قال علی و فاطمۃ و ولدا هما۔	اور[۱۳] ابن منذر و ابن ابی حاتم و طبرانی و ابن مردویہ نے بسند ضعیف سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربی تو صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کے اہل قرابت کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہوئی ہے ؟ آپ نے فرمایا علیؑ اور فاطمہؑ اور ان کے دونوں صاحبزادے
و[۱۴] اخرج سعید بن منصور عن سعید بن جبیر الا المودۃ فی القربی قال قربی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔	اور[۱۴] سعید بن منصور نے سعید بن جبیر سے الا المودۃ فی القربی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ وہ کہتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مراد ہے۔
و[۱۵] اخرج ابن جریر عن ابی الدیلم قال لما جئی بعلی بن الحسین اسیراً فاقیم علی درج دمشق قام رجل فقال الحمد للہ الذی	اور ابن جریر نے ابوالدیلم سے روایت کی ہے۔ کہ جب علی بن حسین قید کر کے لائے گئے۔ اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے کیئے گئے۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ کہ اللہ کا شکر ہے۔ کہ

قتلكم واستاميلكم فقال له علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اقرأت القرآن قال نعم ۔ قال اقرأت آل حٰمٓ قال لا ۔ قال اما قرأت قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة فی القربیٰ قال فانكم لانتم هم ۔ قال نعم ۔

اس نے تمہیں قتل کرادیا اور تمہاری بیخ کنی کردی ۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں انہوں نے کہا کیا تو نے آل حم پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں ۔ انہوں نے کہا کیا تو نے "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودة فی القربیٰ" نہیں پڑھی ؟ اس نے کہا کیا وہ تمہیں ہو؟ انہوں نے کہا ہاں

وأخرج[16] ابن ابی حاتم عن ابن عباس ومن يقترف حسنة قال المودة لآل محمد ۔

اور[16] ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے "ومن یقترف حسنة" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا محبت آل محمد مراد ہے ۔

وأخرج[17] احمد والترمذی وصححه والنسائی والحاکم عن المطلب بن ربیعة رضی اللہ عنہ قال دخل العباس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انا لنخرج فنری قریشا تحدث فاذا

اور[17] امام احمد نے اور ترمذی نے بہ تصریح صحت اور نسائی و حاکم نے مطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عباس رضی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے ۔ اور کہنے لگے کہ ہم باہر نکلتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قریش باہم باتیں

راؤنا سكتوا فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم ودرعرق بين عينيه ثم قال والله لا يدخل قلب امرء مسلم ايمان حتى يحبكم الله ولقرابتي.

کر رہے ہیں۔ اور ہم کو دیکھتے ہی چپ ہو جاتے ہیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا۔ اور وہ رگ جو دونوں آنکھوں کے درمیان تھی ابھر آئی۔ اور آپ نے فرمایا کہ واللہ کسی مسلمان کے دل میں ایمان نہیں داخل ہو سکتا یہاں تک کہ تم سے اللہ کے لئے اور بلحاظ میری قرابت کے محبت کرے۔

و[۱۸] اخرج الترمذی وحسنه وابن الانباری فی المصاحف عن زید بن ارقم رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی تارك فیكم ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر كتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا كیف تخلفونی

اور[۱۸] ترمذی نے بتصریح حسن اور ابن انباری نے مصاحف میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس سے تمسک کرو گے۔ تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ دو چیزیں ہیں ایک کا رتبہ دوسرے سے زیادہ ہے۔ کتاب اللہ جو ایک رسی ہے۔ آسمان سے زمین کی طرف کی ہوئی۔ اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت۔ اور وہ دونوں ہرگز جدا جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک

فیہما۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ پس خیال رکھنا کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو۔

و[19] اخرج الترمذی و حسنہ والطبرانی و الحاکم والبیہقی فی الشعب عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبوا اللہ لما یغدوکم من نعمہ واحبونی بحب اللہ واحبوا اہل بیتی بحبی۔

اور[19] ترمذی نے بتصریح حسن اور طبرانی وحاکم وبیہقی نے شعب میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت کرو بوجہ اس کے کہ اسکی نعمتیں تم پر نازل ہوتی ہیں۔ اور مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ محبت خدا کے اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری وجہ سے۔

و[20] اخرج البخاری عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال ارقبوا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل بیتہ۔

اور[20] بخاری نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ رکھو ان کے اہل بیت میں۔

و[21] اخرج ابن عدی عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابغضنا اہل البیت فھو منافق۔

اور[21] ابن عدی نے ابوسعید سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہمارے اہل بیت سے بغض رکھے۔ وہ منافق ہے۔

و[۲۲]اخرج احمد وابن حبان والحاكم عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذي نفسي بيده لا يبغضنا اهل البيت رجل الا ادخله الله النار۔

اور[۲۲] احمد وابن حبان وحاکم نے ابوسعید سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم اسکی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ ہمارے اہل بیت سے جو شخص بغض رکھے گا۔ اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

و[۲۳]اخرج الطبراني و الخطيب من طريق ابي الضحى عن ابن عباس قال جاء العباس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انك قد تركت فينا منذ صنعت الذي صنعت فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا يبلغوا الخير او الايمان حتى يحبوكم۔

اور[۲۳] طبرانی وخطیب نے بذریعہ ابوالضحیٰ کے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے۔ حضرت عباس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے درمیان میں کینے قائم کردیئے۔ جب سے آپ نے یہ کام شروع کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نیکی کو، یا فرمایا ایمان کو نہیں حاصل کرسکتے۔ یہاں تک کہ تم لوگوں سے محبت کریں۔

و[۲۴]اخرج الخطيب من طريق ابي الضحى عن مسروق عن عائشة رضي

اور[۲۴] خطیب نے ابوالضحیٰ سے انہوں نے مسروق سے انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہم سے

اللہ عنہا قالت اتی العباس	روایت کی ہے۔ وہ کہتی تھیں
بن عبد المطلب رسول اللہ	کہ عباس بن عبد المطلب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم۔	خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
فقال یا رسول اللہ انا لنعرف	آئے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ
الضغائن فی اناس من	ہم اپنی قوم کے کچھ لوگوں میں
قومنا من وقائع اوقعنا	کینے محسوس کر رہے ہیں۔ بوجہ
ها فقال اما واللہ انہم	ان واقعات کے جو ہم نے کیے۔
لن یبلغوا خیرا حتی	آپ نے فرمایا آگاہ رہو واللہ
یحبوکم لقرابتی یرجون	وہ لوگ بھلائی حاصل نہیں کر
سلیم شفاعتی ولا یرجوها	سکتے یہاں تک کہ تم لوگوں سے
بنو عبد المطلب۔	بوجہ میری قرابت کے محبت

کریں۔ رعجب تماشہ ہے کہ وہ تو میری شفاعت کے امیدوار رہیں
مگر بنی عبد المطلب اس کے امیدوار نہ ہوں۔

[۲۵] واخرج ابن النجار۔ فی	[۲۵] اور ابن بخار نے اپنی تاریخ میں
تاریخه عن الحسن بن	حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے
علی رضی اللہ عنہ قال	روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ
قال رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم بکل شیٔ	نے فرمایا ہر شے کی بنیاد ہوتی
اساس و اساس الاسلام	ہے اور اسلام کی بنیاد اصحاب
حب اصحاب رسول اللہ	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
صلی اللہ علیہ وسلم	محبت اور آپ کے اہل بیت
وحب اهل بیته۔	کی محبت ہے۔
[۲۶] واخرج عبد بن حمید عن	[۲۶] اور عبد بن حمید نے حسن رضی

الحسن رضی اللہ عنہ فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألهم علی هذا القرآن اجرًا ولکنہ امرھم ان یتقربوا الی اللہ بطاعتہ وحب کتابہ۔

اللہ عنہ سے "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" کے متعلق روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کی تعلیم پر لوگوں سے اجرت نہیں مانگتے تھے۔ بلکہ آپ نے ان کو یہ حکم دیا کہ اللہ سے تقرب حاصل کریں۔ بذریعہ اس کی عبادت اور اس کی کتاب کی محبت کے۔

و[۲۷] اخرج البیھقی فی شعب الایمان عن الحسن رضی اللہ عنہ فی الآیۃ قال کل من تقرب الی اللہ بطاعتہ وجبت علیہ محبتہ۔

اور[۲۷] بیہقی نے شعب الایمان میں حسن رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا جو شخص بذریعہ اسکی عبادت کے تقرب حاصل کرنا چاہیے اس پر محبت خدا لازم ہے۔

و[۲۸] اخرج عبد بن حمید عن عکرمۃ فی الآیۃ قال کن لہ عشر امھات فی المشرکات کان اذا مر بھم اذوہ فی تنقیصھن وشتمھن فھم قولہ الا المودۃ فی القربیٰ یقول لا تؤذونی

اور[۲۸] عبد بن حمید نے عکرمہ سے اسی آیت کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ وہ کہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس مائیں تھیں جب آپ کا گزرا مشرکوں کی طرف ہوتا تو وہ انہیں ماؤں کی توہین وبدگوئی کرکے آپ کا دل دکھاتے۔ یہی مطلب ہے۔ الا المودۃ فی

فی قرابتی — القربیٰ کا کہ تم مجھے میری قرابت کے متعلق ایذا نہ دو۔

ف :۔ تفسیر در منثور میں اگرچہ جمع روایات کا التزام ہے۔ تصحیح و تقسیم روایات سے تعرض کرنا ان کے ملتزمات سے باہر ہے مگر پھر بھی جمع روایات اس سلیقہ سے ہے کہ جاننے والا نتیجہ نکال لیتا ہے۔ سب سے پہلے اسی قول مختار کو ذکر کیا ہے۔ اور اس کی متعدد روایات کتب معتبرہ سے نقل کر کے اس کا راجح ہونا بنا دیا ہے۔ اور قول ضعیف کی بعض روایات پر جرح بھی کی ہے۔

(۹) تفسیر فتح البیان میں ہے۔

سُورۃ الشوریٰ وتسمّٰی سورۃ حٰمٓ عٓسٓقٓ وسُورۃ شوریٰ من غیر الف و لام وسورۃ حم عسق وھی ثلث وخمسون ایۃ وھی مکیۃ کلھا قال ابن عباس وابن الزبیر و کذا قال الحسن وعکرمۃ وعطاء وجابر وروی عن ابن عباس وقتادۃ انھا مکیۃ الا اربع ایات منھا نزلت بالمدینۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربٰی الی اٰخرھا۔

سورۂ شوریٰ جس کا نام سورہ حٰم عسق بھی ہے۔ اس میں ترپن آیتیں ہیں۔ اور وہ مکی ہے پوری سورت۔ یہ ابن عباس اور ابن زبیر کا قول ہے۔ اور حسن و عکرمہ و عطاء و جابر نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ ابن عباس و قتادہ سے مروی ہے۔ کہ یہ سورت مکی ہے باستثنار چار آیتوں کے۔ کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ الی آخرہا۔

ف : صحیح قول وہی ہے۔ کہ پوری سورت مکی ہے۔ ایک آیت بھی مستثنیٰ نہیں۔
اسی وجہ سے اس قول کو بصیغہ جزم بیان کیا۔ اور دوسرے قول کو بصیغہ تمریض۔
پھر اسی تفسیر میں آیت مبحوثہ کے متعلق وہ تمام اقوال بیان کرکے فیصلہ اس
طرح لکھا ہے۔

والمعنى الاول هو الذى
صح عنه ورواه عنه
الجمع الجم من تلامذته
فمن بعدهم ولا ينافيه
ما روى عنه من النسخ
فلا مانع من ان يكون
قد نزل القرآن فى مكة
بان يوده كفار قريش
لما بينه وبين القريش
من القربى ويحفظوه بها
ثم ينسخ ذلك ويذهب
هذا الاستثناء من اصله
كما يدل عليه ما ذكرنا
ثم يدل عليه على انه
لم يسال على التبليغ اجرا
على اعلان ولا يقوى
ما روى من حملها على
آل محمد صلى الله عليه
وسلم على معارضة ما صح

اور پہلا ہی مطلب بسند صحیح
ابن عباس سے منقول ہے۔
اور ان سے ان کے شاگردوں
وغیرہ کی ایک بڑی جماعت نے
روایت کیا ہے۔ اور ان سے
جو قول منقول ہے۔ وہ اس کے
منافی نہیں۔ کون مانع ہے۔ کہ
مکہ میں یہ حکم قرآنی نازل ہوا ہو۔
کہ کفار قریش آپ سے محبت
کریں۔ بوجہ اس قرابت کے جو
آپ کے اور ان کے درمیان
میں تھی۔ اور آپ کی حفاظت
کریں۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو جائے
اور استثناء بالکل جاتا رہا ہو۔
جیسا کہ ہماری منقولہ روایات سے
معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے کبھی
تبلیغ کے عوض میں اجرت نہیں
مانگی۔ اور جن لوگوں نے اس
آیت کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

عن ابن عباس من تلك	محمول کیا ہے ۔ ان کا قول اس قابل
الطرق الكثيرة وقد	نہیں کہ ابن عباس سے جو روایت
اغنى الله ال محمد ۔ عن	اتنی بہت سندوں کے ساتھ منقول
هذا بما لهم من الفضائل	ہے اس کا معارضہ کر سکے ۔ اور
الجليلة و للمزايا الجميلة	خدا نے آل محمد کو ایسی روایات
وقد بيناذلك عند	سے بے نیاز کر دیا ہے ۔ بوجہ
تفسيرنا لقوله انما	ان فضائل جلیلہ اور مناقب جمیلہ
يريد الله ليذهب	کے ۔ جو ان کو حاصل ہیں ۔ اور ہم
عنكم الرجس اهل البيت	نے ان کو انما یرید اللہ لیذہب
وكما لا يقوى هذا على	عنکم الرجس اہل البیت کی تفسیر میں
المعارضة فكذا لا يقوى	بیان کیا ہے ۔ اور جس طرح یہ قول
ما روى عنه من ان المراد	معارضہ کی طاقت نہیں رکھتا ۔ اسی
بالمودة ان يودوا الله وان	طرح وہ قول بھی معارضہ کی طاقت
يتقربوا اليه بطاعته	نہیں رکھتا کہ مراد مودت سے یہ ہے
ولكنه ليشد من عضده	کہ اللہ سے محبت کریں ۔ اور بذریعہ
هذا انه تفسير مرفوع	اس عبادت کے اس سے تقرب
الى رسول الله صلى الله	حاصل کریں ۔ مگر اس کو اس بات
عليه وسلم ۔	سے قوت دی جاتی ہے ۔ کہ وہ

تفسیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے ۔

ف : ۔ اس تفسیر میں بھی نہایت توضیح کے ساتھ قول اول کا صحیح ہونا اور جماعت عظیمہ کی روایت سے منقول ہونا مذکور ہے ۔

(۱۰) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں رقم فرماتے ہیں :۔

ذكر فيه حديث طاؤس	بخاری نے اس باب میں طاؤس

عن ابن عباس سئل عن
تفسيرها فقال سعيد
بن جبير قربى آل محمد
فقال ابن عباس عجلت
اى اسرعت فى التفسير
وهذا الذى جزم به
سعيد بن جبير قد جاء
عنه من روايته عن ابن
عباس مرفوعا فاخرج
الطبرى[1] وابن ابى حاتم
من طريق قيس بن الربيع
عن الاعمش عن سعيد
بن جبير عن ابن عباس
قال لما نزلت قالوا يارسول
الله من قرابتك الذين
وجبت علينا مودتهم
الحديث واسناده ضعيف
وهو ساقط لمخالفة
هذا الحديث الصحيح
والمعنى الا ان تودونى
لقرابتى فتحفظونى ف
الخطاب لقريش خاصة۔

کی روایت ذکر کی ہے۔ جو ابن
عباس سے منقول ہے۔ کہ ان
سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی۔
تو سعید بن جبیر بول اٹھے کہ قرابت
مندان آل محمد مراد ہیں ابن عباس
نے فرمایا کہ تم نے عجلت کی۔ یعنی
تفسیر بیان کرنے میں جلدی کی ۔
یعنی تفسیر تمہاری صحیح نہیں ہے،
یہ قول جو سعید بن جبیر نے بیان کیا۔
بواسطہ سعید ابن عباس سے مرفوعاً
بھی روایت کیا گیا ہے چنانچہ
طبری نے اور ابن حاتم نے بروایت
قیس بن ربیع اعمش سے انہوں
نے سعید بن جبیر سے انہوں نے
ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا
ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
تو صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ
آپ کے قرابت والے کون ہیں۔
جن کی محبت ہم پر واجب ہے
الی آخر الحدیث۔ مگر سند اس
روایت کی ضعیف ہے اور یہ
روایت قابل اعتبار نہیں۔ بوجہ اس

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر میں اسی طرح ہے۔ مگر صحیح لفظ بجائے طبری کے طبرانی ہے۔

والقربى قرابة العصوبة والرحم فكانه - قال احفظونى للقرابة ان لم تتبعونى للنبوة ثم ذكر ما تقدم عن عكرمة فى سبب نزول[1] بياض باصله - وقد جزم بهذا التفسير جماعة من المفسرين و استندوا الى ماذكرته عن ابن عباس من الطبرانى وابن ابى حاتم واسناده واه فيه ضعيف ورافضى وذكر الزمخشرى ههنا احاديث ظاهر وضعها ورده الزجاج بما صح عن ابن عباس من رواية طاؤس فى حديث الباب وبما نقله الشعبى عنه وهو المعتمد وجزم بانه

کے کہ اُس حدیث صحیح کے مخالف ہے، اور روآیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ دیں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ میری قرابت کے۔ اور میری حفاظت کرو۔ خطاب صرف قریش سے ہے۔ اور قرابت سے مراد پدری اور مادری رشتہ داریاں ہیں۔ گویا یہ فرمایا کہ میری حفاظت بخیال قرابت کرو۔ اگر بوجہ نبوت کے میری اتباع نہیں کرتے پھر عکرمہ سے سبب نزول میں وہی مضمون سابق نقل کیا ہے۔ اور اس تفسیر کو چند مفسروں نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے۔ جو میں نے ابن عباس سے بحوالہ طبرانی وابن ابی حاتم نقل کی۔ مگر سند اس کی واہی ہے۔ اس میں ایک راوی ضعیف اور رافضی ہے۔ اور زمخشری نے اس

---

[1] یہاں فتح الباری کی عبارت کچھ مختصر ہے۔ چنانچہ مصری نسخہ میں جو میرے پاس ہے۔ سبب نزول کے بعد بیاض چھوڑی ہے۔ اور مصحح نے لکھا ہے کہ بیاض باصلہ۔ مگر مطلب ظاہر ہے ۱۲۔

الاستثناء منقطع وفي
سبب نزولها قول آخر
ذكره الواحدي عن
ابن عباس قال لما قدم
النبي صلى الله عليه وسلم
المدينة كانت تنوبه
نوائب وليس بيده شئ
فجمع الانصار مالاً فقالوا
يارسول الله انك ابن
اختنا وقد هدانا الله
بك وتنوبك النوائب
وحقوق وليس لك سعة
فجمعنا لك من اموالنا
ما تستعين به علينا
فنزلت هذا من رواية
الكلبي ونحوه من
الضعفاء واخرج من
طريق مقسم عن ابن
عباس ايضاً قال بلغ
النبي صلى الله عليه
وسلم عن الانصار شئ
فخطب فقال الم تكونوا
ضلالاً فهداكم الله

مقام پر کچھ حدیثیں ذکر کی ہیں۔
جن کا موضوع ہونا ظاہر ہے۔
اور زجاج نے روایت کر دیا
ہے۔ بذریعہ اس روایت
کے۔ جو ابن عباس سے اس
باب میں منقول ہے۔ اور
بذریعہ اس روایت کے جو شعبی
نے ابن عباس سے نقل کی ہے۔
اور وہ روایت معتبر ہے اور
انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ
استثناء منقطع ہے۔ اور اس
کے سبب نزول میں ایک قول
اور ہے جس کو واحدی نے ابن
عباس سے نقل کیا ہے۔ کہ
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ
میں آئے۔ تو آپ کو ضروریں
پیش آتی تھیں۔ اور آپ کے
پاس کچھ نہ تھا۔ تو انصار نے
آپ کے لئے مال جمع کیا۔ اور
کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے
بھانجے ہیں۔ اور خدا نے آپ کے
ذریعہ سے ہمیں ہدایت کی ہے۔
آپ کو حاجتیں اور ضروریں

لی الحدیث ۔ وفیه فجثوا
علی الرکب و قالوا انفسنا و
اموالنا لك فنزلت و
هذا ایضاً ضعیف ویبطله
ان الاٰیة مکیة والاقوی
فی سبب نزولها ماروی
عن قتادة قال قال
المشرکون لعل محمداً
یطلب اجراً علی مایتعا
طاه فنزلت وزعم بعضهم
ان هذه الاٰیة منسوخة
وردہ الثعلبی بان الاٰیة
دالة علی الامر بالتودد
الی الله بطاعته او باتباع
نبیه او صلة رحمه بترك
اذیته او صلة اقاربه من
اجله وکل ذلك مستمر
الحکم غیر منسوخ و
الحاصل ان سعید بن
جبیر ومن وافقه کعلی
بن الحسین والسدی
وعمرو بن شعیب فیما
اخرجه الطبری عنهم

درپیش رہتی ہیں۔ اور آپ کو
وسعت نہیں ہے لہذا ہم نے
آپ کے لئے مال جمع کر دیا ہے
جس سے آپ اپنی حاجت روائی
کریں۔ مگر یہ روایت کلبی اور
انہیں جیسے لوگوں کی ہے۔ اور
انہوں نے بواسطہ مقسم کے ابن
عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے۔
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار
کی طرف سے کچھ شکایت پہنچی
تو آپ نے خطبہ پڑھا۔ اور
فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے۔ خدا
نے تم کو میرے ذریعہ سے ہدایت
کی! الی آخر الحدیث۔ اسی میں
یہ مضمون بھی ہے۔ کہ وہ لوگ
گھٹنوں کے بل گر گئے۔ اور کہا
کہ ہماری جانیں اور ہمارے
مال آپ ہی کے لئے ہیں۔ پس یہ
آیت نازل ہوئی یہ روایت بھی
ضعیف ہے۔ اور ان سب
روایات کو باطل کرتی ہے، یہ بات
کہ آیت مکی ہے۔ اور قوی روایت
اسی کے سبب نزول میں قتادہ

حملوا الاٰیۃ علی امر الخاطبین بان یوادوا اقارب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابن عباس حملہا علی ان یوادوا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اجل القرابۃ التی بینہم و بینہ فعلی الاول الخطاب عام لجمیع المکلفین وعلی الثانی الخطاب خاص لقریش ویوید ذٰلک ان السورۃ مکیۃ وقد قیل ان ھٰذہ الاٰیۃ نسخت بقولہ قل ما اسئلکم علیہ من اجر ویحتمل ان یکون ھٰذا ماخص بما دلت اٰیۃ الباب والمعنی ان قریشا کانت تصل ارحامہا فلما بعث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قطعوہ فقال صلونی کما تصلون

سے مروی ہے کہ مشرکوں نے کہا شاید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ اُجرت چاہتے ہوں۔ بمعاوضہ اس کام کے جو کرتے ہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے۔ کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور اس کو ثعلبی نے رد کر دیا ہے۔ کہ یہ آیت یا تو اللہ سے تقرب حاصل کرنے اور اس کی اطاعت اور اس کے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے۔ یا آپ کے صلہ رحم کا حکم دیتی ہے۔ بایں طور کہ آپ کو اذیت نہ دی جائے۔ یا آپ کی وجہ سے آپکے اقارب کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اور یہ سب باتیں قائم ہیں۔ منسوخ نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ سعید بن جبیر اور جو لوگ ان کے موافق ہیں مثل امام زین العابدین اور سدی اور عمرو بن شعیب کے جیسا کہ طبری نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان لوگوں نے آیت کو اس بات پر محمول کیا ہے۔

غیری من اقاربکم
وقد روی سعید بن
منصور من طریق الشعبی
قال اکثروا علینا فی
هذه الآیة فکتبت
الی ابن عباس اسأله
عنها فکتب ان رسول
اللہ صلی اللہ علیه وسلم
کان واسط النسب
فی قریش لم یکن حی
من احیاء قریش الا ولده
فقال اللہ قل لا اسئلکم
علیه اجرا الا المودة
فی القربی تودونی لقرابتی
منکم وتحفظونی فی
ذلک وفیه قول ثالث
اخرجه احمد طریق
عن ابن عباس ایضاً
ان النبی صلی اللہ علیه
وسلم قال قل لا اسئلکم
علیه اجرا علی ما
جئتکم به من
البینات والهدی

کہ مخاطبین کو حکم ہو رہا ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب
سے محبت کرو۔ اور ابن عباس
نے اس بات پر محمول کیا ہے۔
کہ مخاطبین کو حکم ہو رہا ہے۔
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
اقارب سے محبت کرو۔ اور
ابن عباس نے اس بات
پر محمول کیا ہے۔ کہ خود نبی صلی
اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں
بوجہ اس قرابت کے جو آپ
کے اور ان کے درمیان میں
تھی۔ پس پہلی صورت میں
خطاب جمیع مکلفین کو شامل
ہے۔ اور دوسری صورت
میں خطاب صرف قریش سے
ہوگا اسکی تائید اس سے بھی
ہوتی ہے۔ کہ یہ سورت مکی
ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے
کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ قل
ما اسئلکم علیہ من اجر سے۔ اور یہ
بھی احتمال ہے۔ کہ وہ آیت
عام ہو۔ اور آیت مبحوث سے
اس کی تخصیص ہوگئی ہو۔ مطلب

إلاّ ان تقربوا الى الله - بطاعته و اسناده ضعيف وثبت عن الحسن البصري نحوه والاعلى هذا مجاز وقوله القربى هو مصدر كالزلفى والبشرى بمعنى القرابة والمراد في اهل القربى وعبّر بلفظ في دون اللام كانه جعلهم مكانا للمودة و مقرًا لها كما يقال "لي في آل فلان هوى" اى هم مكان هواى و يحتمل - ان تكون في سببية وهذا على ان الاستثناء فان كان منقطعًا فالمعنى لا اسئلكم عليه اجرًا قط ولكن ان تودوني بسبب قرابتي فيكم -

یہ ہے کہ قریش اپنی قرابتوں کا صلہ کرتے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے قطع قرابت کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے بھی صلہ کرو۔ جس طرح اوروں سے صلہ کرتے ہو۔ اور سعید بن منصور نے شعبی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے۔ لوگوں نے ہم سے اس آیت کے متعلق بہت پوچھا۔ تو ہم نے ابن عباس کو خط لکھ کر دریافت کیا۔ انہوں نے لکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے کوئی قبیلہ قبائل قریش میں سے ایسا نہ تھا۔ جس سے آپ کا نسب نہ ہو۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کچھ اُجرت نہیں مانگتا۔ بلکہ مودۃ فی القربیٰ چاہتا ہوں۔ یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو تم سے ہے اور میری حفاظت بھی اسی خیال سے کرو۔ یہاں ایک تیسرا قول اور

ہے جس کو امام احمد نے مجاہد سے ۔ انہوں نے ابن عباس سے روایت
کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے اس پر یعنی جو بینات
و ہدایت میں لایا ہوں ۔ اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت نہیں مانگتا۔
سوا اس کے کہ تم اللہ سے تقرب حاصل کرو بذریعہ اس کی عبادت
کے ۔ اس کی سند ضعیف ہے ۔ اور حسن بصری سے بھی اسی کے مثل
منقول ہے ۔ اس صورت میں اجر بمعنی مجازی ہے ۔ اور قربی مصدر
ہے مثل زلفیٰ اور بشریٰ کے بمعنی قرابت اور مراد قربیٰ سے ۔ اہل
قربیٰ ہیں ۔ اور لفظ فی کا استعمال ہوا ۔ بجائے لام کا ۔ گویا کہ ان لوگوں کو
مکان محبت اور مقر محبت قرار دیا ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "لی فی
آل فلان ہوایٰ" یعنی وہ لوگ میری محبت کے مکان ہیں ۔ اور یہ بھی
احتمال ہے کہ فی سببیہ ہو ۔ یہ تقریر اس بنا پر ہے ۔ کہ استثنا متصل
ہو ۔ اور اگر منقطع ہو تو معنی یہ ہونگے کہ میں تم سے بالکل اجرت نہیں
مانگتا ۔ بلکہ تم سے یہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے محبت کرو ۔ بہ سبب میری
قرابت کے جو تم میں ہے ۔

ف :۔ دیکھو حافظ الحدیث شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے اپنی اس کتاب
میں جو بخاری کی شروح میں الیسی بے نظیر مانی گئی ہے کہ امت پر
بخاری کی شرح قرض تھی ۔ اور وہ قرض اس کتاب نے ادا کیا ۔ کس تصریح
کے ساتھ محبت اہل بیت والے قول کو رد کیا ہے ۔ اور ابن کی روایت کو سنداً
و متناً دونوں طرح مجروح کر دیا ۔ سنداً تو اس طرح کہ اس کی سند کو ضعیف اور
واہی کہا ۔ اس کے ایک راوی کو ضعیف اور رافضی بتایا ۔ اور بعض روایات کو
ظاہر الوضع فرمایا ۔ اور اس طرح کہ اس کے مضمون کو احادیث صحیحہ معتمد
کے خلاف کہا ۔

(۱۱) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر شہیر بہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں ۔
وقولہ عزوجل قل لا اسئلکم   قولہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ اجراً

عليه اجرًا الا المودة في القربى اى قل يا محمد لهؤلاء المشركين من كفار قريش لا اسئلكم على هذا البلاغ و النصح لكم مالاً تعطونيه وانما اطلب منكم ان تكفوا شركم عني وتذروني ابلغ رسالات ربي ان لم تنصروني فلا توذوني بما بيني وبينكم من القرابة ۔

الا المودة في القربى ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کفار قریش سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ اور نصیحت کے عوض میں کچھ مال نہیں مانگتا۔ کہ تم مجھ کو دو ۔ میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں ۔ کہ تم مجھے ایذا نہ پہنچاؤ ۔ اور مجھے چھوڑ دو ۔ تاکہ میں اپنے پروردگار کے احکام پہنچاؤں ۔ میری مدد نہیں کرتے تو نہ کرو ۔ مگر مجھے ایذا تو نہ دو بسبب اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے ۔

اس کے بعد صحیح بخاری وغیرہ سے دلائل ابن مطلب کے نقل کرکے اور امام زین العابدین وغیرہ سے جو مطلب منقول ہے ۔ اس کی روایت کا ضعیف و ناقابل اعتبار ہونا بیان کرکے لکھتے ہیں ۔

وذكر نزول الاية في المدينة بعيد فانها مكية ۔

اور یہ کہنا کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تھی ۔ بعید از صحت ہے ۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے ۔

پھر کہتے ہیں ۔

والحق تفسير هذه الاية بما فسرها حبر الامة وترجمان

اور صحیح تفسیر اس آیت کی وہی ہے جو حبر الامۃ ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کما رواہ عنہ البخاری	نے بیان کی ہے۔ جیسا کہ ان سے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ف :۔ دیکھو کس تصریح کے ساتھ اس جلیل الشان محدث نے اسی ایک قول کو جو اہل سنت کا مختار ہے۔ حق کہہ کر اس کے خلاف کا باطل ہونا ظاہر کر دیا۔ اور پوری سورت کے مکی ہونے کو بیان کر دیا۔

(۱۲) تفسیر روح البیان میں ہے :۔

المودۃ مودۃ الرسول علیہ السلام وذلك لانہ لا یجوز من النبی علیہ السلام ان یطلب الاجر ایا کان علی تبلیغ الرسالۃ لان الانبیاء لم یطلبوہ۔	مودۃ سے مراد رسول علیہ السلام کی محبت ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ نبی علیہ السلام کے لئے جائز نہیں کہ تبلیغ رسالت کی اجرت طلب کریں جو کچھ بھی ہو۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے اجرت نہیں مانگی۔

(۱۳) علامہ شہاب الدین الوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیہ ای علی ما انعاطاہ لکم من التبلیغ والبشارۃ وغیرھما اجرا ای نفعا ما و یختص فی العرف بالمال الا المودۃ ای الا مودتکم ایای فی	کہیئے میں تم سے اس پر یعنی جو چیز میں تمہیں تعلیم کرتا ہوں از قسم تبلیغ و بشارت وغیرہ۔ اس کے عوض میں کچھ اجرت یعنی کسی قسم کا نفع نہیں مانگتا۔ اور اجرت عرف میں مال کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور المودۃ فی القربی!

القربی ای لقرابتی منکم۔

کا مطلب یہ ہے۔ کہ مجھ سے محبت کرو قرابت کے بارے میں۔ یعنی بوجہ اس کے کہ مجھے تم سے قرابت ہے۔

والی ھذا المعنی ذھب مجاھد وقتادة وجماعة

اور اسی معنی کو مجاہد اور قتادہ اور ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

پھر جو روایات اس کے متعلق ہیں۔ ان کو ذکر کرکے اور دوسرے معانی کو بیان کرکے اور ان کی تضعیف وتقسیم کے بعد آخری فیصلہ لکھتے ہیں:۔

وقد ذھب الجمھور الی المعنی الاول وقیل فی ھذا المعنی انہ لاینا سب شان النبوة لما فیہ من التھمة فان اکثر طلبة الدنیا یفعلون شیئا ویسألون علیہ ما یکون فیہ نفع لاولادھم وقرابتھم وایضا لہ منافاة بقولہ تعالیٰ وما تسألھم علیہ من اجر۔

جمہور نے پہلے معنی کو اختیار کیا۔ دوسرے معنی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ شان نبوت کے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں تہمت کی بات ہے۔ اکثر طالبان دنیا کا شیوہ ہوتا ہے کہ کوئی کام کرتے ہیں۔ تو اس میں چاہتے ہیں۔ کہ ان کی اولاد اور ان کے اہل قرابت کا نفع ہو۔ نیز یہ منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے۔ کہ تو ان سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔

وھو اولی بذلک لانہ افضل ولامنہ صرح بنفیہ فی قولہ

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت نہ مانگنے کے زیادہ سزاوار ہیں کیونکہ افضل الانبیاء ہیں۔

قل ما اسئلکم علیہ من اجر ۔ | اور نفی اجرت کی تصدیق اللہ تعالےٰ کے قول قل ما اسئلکم علیہ من اجر میں موجود ہے ۔

تفسیر سراج المنیر میں بھی پہلا قول اسی کو قرار دیا ہے ۔ اور نفی اجر کی کی ہے۔ گویا خلاصہ تفسیر کبیر کا ہے ۔

(۱۴) غایۃ البرہان میں ہے :۔

(۱۵) فرمایا میں نہیں چاہتا ہوں تم سے اس پر اجر ۔ مگر محبت، قرابت داری کہ وہ بار بار مقتضی خیر خواہی ہے ۔ یہ استثنا منقطع ہے ۔ اور آیت (قبل از پیدائش امام حسن وحسین علیہما السلام، مکیہ ہے ۔ مکہ میں نازل ہوئی ۔

(۱۶) حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن میں بذیل ترجمہ آیت مبحوثہ لکھتے ہیں :۔

" بگو نمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن، ہیچ مزدے ۔ لیکن باید کہ بپیش گیرید دوستی درمیان خویشاوندان "۔

اور پھر اس پر حاشیہ لکھتے ہیں : کہ

" یعنی با من صلہ رحم کیند و ایذا نہ رسانید "

(۱۷) حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنے ترجمہ، قرآن میں لکھتے ہیں :۔ کہ " نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ بدلا ، مگر دوستی بیچ قرابت کے "۔

(۱۸) حضرت شاہ عبدالقادر اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں :۔

" تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پر کچھ نیگ ۔ مگر دوستی چاہیئے ناتے میں "، اور اس پر حاشیہ لکھتے ہیں ، " یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا ۔ مگر قرابت کی دوستی ۔ یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدی نہ کرو ۔

(۱۹) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں بجواب شیخ علی امام اعظم شیعہ فرماتے ہیں :۔

قال الرافضي البرهان السابع في قوله تعالىٰ قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربىٰ۔ روى احمد بن حنبل في مسنده عن ابن عباس قال لما نزلت قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربىٰ قالوا يارسول الله من قرابتك الذين وجبت علينا مودتهم قال علي وفاطمة وكذلك في تفسير الثعلبي ونحوه في الصحيحين وغير علي من الصحابة والثلاثة لا تجب مودته فيكون علي افضل فيكون هو الامام ولان مخالفته تنافي المودة وبامتثال اوامره تكون مودته فيكون واجب الطاعة و معنى الامامة ۔

رافضی کہتا ہے۔ کہ ساتواں برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔ احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے۔ کہ جب "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" نازل ہوئی۔ تو لوگوں نے کہا یارسول اللہ آپ کے قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے آپ نے فرمایا علیؓ اور فاطمہؓ اور ایسا ہی تفسیر ثعلبی میں ہے۔ اور اسی کے مثل صحیحین میں ہے۔ اور علیؓ کے سوا کسی صحابی کی اور خلفائے ثلاثہ کی محبت واجب نہیں۔ لہذا علیؓ افضل ہوئے پس وہی امام ہوں گے۔ اور چونکہ ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے۔ اور ان کے احکام کے ماننے ہی سے ان کی محبت ہوسکتی ہے۔ لہذا وہ واجب الطاعۃ ہوئے۔ یہی معنی امامت کے ہیں۔

والجواب من وجوه ۔

اور جواب کئی طور پر ہے۔ اوّل

أحدها المطالبة بصحة هذا الحديث وقوله أن أحمد رواه هذا كذب بيّن فان مسند أحمد موجود به من النسخ ما شاء الله ليس فيه هذا الحديث و أظهر من ذلك كذبا قوله ان هذا في الصحيحين وليس هو في الصحيحين بل فيهما وفي المسند ما يناقض ذلك ولا ريب ان هذا الرجل وامثاله جهال بكتب أهل العلم لا يطالعونها ولا يعلمون ما فيها ورأيت بعضهم جمع لهم كتابا في أحاديث من كتب متفرقة معزوة تارة الى الصحيحين و تارة الى مسند أحمد و تارة الى المغازي والموفق خطيب خوارزم والثعلبي

یہ کہ اس حدیث کی صحت کا ثبوت مانگا جائے۔ اور رافضی کا یہ کہنا کہ امام احمد نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ کذب صریح ہے۔ امام احمد کے مسند کے بے تعداد نسخے موجود ہیں ان میں یہ حدیث کہیں نہیں ہے۔ اور اس سے زیادہ واضح جھوٹ اس کا یہ قول ہے کہ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیحین میں نہیں ہے۔ بلکہ صحیحین میں اور مسند میں اس کے خلاف روایت موجود ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ شخص اور اس کے مثل دوسرے کسی اہل علم کی کتابوں سے جاہل ہیں۔ نہ ان کا مطالعہ کرتے ہیں نہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا ہے۔ میں نے ان میں سے بعض لوگوں کو دیکھا ہے۔ کہ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں متفرق کتابوں کی حدیثیں ہیں کوئی صحیحین کی

وامثاله وسماه الطرائف
في الرد على الطوائف و
آخر صنف كتابا لهم
سماه العمدة و اسم
مصنفه ابن البطريق
وهؤلاء مع كثرة
الكذب فيما يروونه فهم
امثل حالاً من ابي جعفر
محمد بن علي الذي صنف
لهم وامثاله فان هؤلاء
يروون من اكاذيب ما
لا يخفى الا على من هو
من اجهل الناس ورايت
كثيرا من ذلك المعزو
الذي عزاه اولئك
الى المسند والصحيحين
وغيرهما باطلا لا حقيقة
له يعزون الى مسند
احمد ماليس فيه
اصلا لكن احمد صنف
كتابا في فضائل ابي بكر
وعمر وعثمان وعلي و
قد يروي في هذا الكتاب

طرف منسوب ہے۔ کوئی مسند
امام احمد کی طرف، کوئی مغازی
اور کوئی موفق خطیب خوارزم
کی طرف اور ثعلبی وغیرہ کی طرف
اس کتاب کا نام الطرائف فی
الرد علی الطوائف ہے۔ اور
ایک اور شخص نے اور کتاب
لکھی ہے جس کا نام عمدہ ہے۔
اور اس کے مصنف کا نام ابن
بطریق ہے۔ یہ لوگ اپنے مرویات
میں بکثرت جھوٹ بولنے پر بھی
ابوجعفر یعنی محمد بن علی وغیرہ سے
بہتر ہیں۔ جس نے ان کے مذہب
کی کتابیں لکھی ہیں۔ کیونکہ ابوجعفر
وغیرہ تو ایسی ایسی جھوٹ باتیں
روایت کرتے ہیں۔ جو سوا اس
شخص کے جو اجہل الناس ہو۔
کسی پر مخفی نہیں۔ ان لوگوں نے
جو حدیثیں مسند اور صحیحین وغیرہ
کی طرف منسوب کی ہیں۔ ان میں
سے بہت حوالوں کو میں نے
غلط بے اصل پایا۔ مسند کے حوالے
سے کوئی حدیث لکھتے ہیں۔ حالانکہ

مالیس فی المسند و
لیس کل ما رواہ احمد
فی المسند وغیرہ
یکون حجۃ عندہ بل
یروی ما رواہ اہل
العلم و شرطہ فی
المسند ان لا یروی
عن المعروفین بالکذب
عندہ وان کان فی ذلك
ماھو ضعیف وشرطہ
فی المسند مثل شرط
فی المسند مثل شرط
ابی داود فی سننہ
واما کتب الفضائل فیروی
ما سمعہ من شیوخہ
سواء کان صحیحا او
ضعیفا فانہ لم یقصد
ان لا یروی فی ذلك الا
ما ثبت عندہ ثم زاد
ابن احمد زیادات وزاد
ابوبکر القطیعی زیادات
وفی زیادات القطیعی احادیث
کثیرۃ موضوعۃ فظن

وہ اس میں نہیں ہوتی۔ ہاں
امام احمد نے ایک کتاب
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ
و علیؓ کے فضائل میں تصنیف
کی ہے۔ اور اس کتاب میں
بعض حدیثیں انہوں نے ایسی
لکھی ہیں۔ جو مسند میں نہیں ہیں۔
اور مسند وغیرہ میں جو حدیثیں
امام احمد لکھتے ہیں تو کچھ ضروری
نہیں۔ کہ ان کے نزدیک معتبر
ہوں۔ بلکہ جو حدیثیں اور علماء
نے روایت کی ہیں۔ ان کو وہ
بھی روایت کرتے ہیں۔ شرط ان
کی مسند میں صرف اس قدر ہے۔
کہ جو لوگ ان کے نزدیک جھوٹے
ثابت ہو چکے۔ ان سے روایت
نہ لیں۔ اور سب سے لیں۔
اگرچہ وہ ضعیف ہوں۔ اور
ان کے شروط مسند میں مثل
ابوداؤد کی شرط کے ہے سنن
میں باقی رہیں کتب فضائل۔ ان
میں وہ تمام حدیثیں روایت
کر دیتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے

ذلك الجاهل ان تلك
من رواية احمد وانه
رواها في المسند و
هذا اخطاء قبيح فان
الشيوخ المذكورين
شيوخ القطيعي كلهم
متاخرون عن احمد وهم
ممن يروي عن احمد
لا ممن يروي احمد
عنه - وهذا المسند
احمد وكتاب الزهد و
كتاب الناسخ والمنسوخ
وكتاب التفسير وغير
ذلك من كتبه يقول حدثنا
وكيع حدثنا عبد الرحمن
بن مهدي حدثنا سفيان
حدثنا عبد الرزاق فهذا
احمد وتارة يقول حدثنا
ابو معمر القطيعي حدثنا
علي بن الجعد حدثنا
ابو نصر التمار فهذا عبد الله
وكتابه في فضائل الصحابة
له فيه هذا وهذا وفيه

اساتذہ سے سنیں ۔ خواہ وہ صحیح
ہوں یا ضعیف ۔ کیونکہ انہوں نے
یہ ارادہ نہیں کیا کہ جو حدیث
ان کے نزدیک ثابت ہو ۔ اسی
کو روایت کریں ۔ پھر امام احمد
کے بیٹے نے کچھ حدیثیں بڑھائی
ہیں اور ابوبکر قطیعی نے کچھ حدیثیں
بڑھائی ہیں ۔ قطیعی کی بڑھائی
ہوئی حدیثوں میں بہت موضوع
ہیں ۔ اس جاہل نے یہ سمجھ لیا کہ
ان تمام مرویات کو امام احمد نے
لکھا ہے ۔ اور انہوں نے اپنے
مسند میں روایت کیا ہے حالانکہ
یہ خطائے قبیح ہے ۔ کیونکہ جن
اساتذہ کا نام بتایا گیا ہے ۔ وہ
سب قطیعی کے اساتذہ ہیں ۔ جو
امام احمد سے بعد کے ہیں ۔ اور
وہ ان لوگوں میں ہیں ۔ جو امام
احمد سے روایت کرتے ہیں ۔ نہ
ان لوگوں میں جن سے امام
احمد روایت کریں ۔ امام احمد
کا مسند انکی کتاب الزہد
کتاب الناسخ والمنسوخ اور

من زیادات القطیعی
یقول حدثنا احمد بن
عبد الجبار الصوفی وامثاله
ممن هو مثل عبد اللہ
بن احمد فی الطبقۃ
وھو ممن غایتہ ان یروی
عن احمد فان احمد ترک
الروایۃ فی آخر عمرہ
لما طلب الخلیفۃ ان
یحدثہ ویحدث ابنہ
ویقیم عندہ فخاف علی
نفسہ من الحدیث
مطلقاً لیسلم من ذلک
لانہ قد حدث بما کان
عندہ قبل ذلک فکان
یذکر الحدیث باسنادہ
بعد شیوخہ ولا یقول
حدثنا فلان فکان
من یسمعون منہ ذلک
یفرحون بروایتھم
عنہ فھذا القطیعی یروی
عن شیوخہ زیادات
وکثیر منھا کذب موضوع

کتاب التفسیر اور زہد اور کتابیں
ہیں جن میں ان کی سند یہ ہوتی
ہے۔ حدثنا وکیع حدثنا عبد الرحمن
بن مہدی حدثنا سفیان حدثنا
ابو معمر القطیعی حدثنا علی بن
الجعد حدثنا ابو نصر التمار یہ
عبد اللہ بن احمد کی سند ہے۔
اور یہ سند بھی۔ اور اس میں
قطیعی کی بڑھائی ہوئی روایات
بھی ہیں جن کی سند یوں ہے۔
حدثنا احمد بن عبد الجبار الصوفی
یہ لوگ طبقہ میں عبد اللہ بن احمد
کی مثل ہیں۔ ان لوگوں کی انتہا یہ
ہے۔ کہ امام احمد سے روایت
کریں۔ امام احمد نے اخیر عمر میں
روایت چھوڑ دی تھی۔ جب
بادشاہ نے ان سے درخواست کی
کہ مجھ کو اور میرے بیٹے کو حدیث
پڑھا دیجیے۔ اور میرے ہی
پاس قیام کیجیے۔ ان کو اپنی
ذات پر فتنہ دنیا کا اندیشہ
ہوا۔ لہذا انہوں نے حدیث
پڑھانا بالکل چھوڑ دیا تاکہ
اس فتنہ سے بالکل محفوظ رہیں اور

وهؤلاء قد وقع لهم
هذا الكتاب ولم ينظروا
ما فيه من فضائل سائر
الصحابة بل عرض
ذلك على وكلما زاد
حديثاً ظنوا ان القائل
ذلك هو احمد بن
حنبل فانهم لا يعرفون
الرجال وطبقاتهم و
ان شيوخ القطيعي
يمتنع ان يروى احمد
عنهم شيئاً ثم انهم
لفرط جهلهم ما سمعوا
كتاباً الا المسند فلما
ظنوا ان احمد رواه و
انه انما يروى فى المسند
صاروا يقولون لما رواه
القطيعي رواه احمد
فى المسند هذا ان لم
يزيدوا على القطيعي
ما لم يروه فان الكذب
عندهم غير مامون
ولهذا يعزو صاحب

جس قدر حدیثیں ان کے پاس
تھیں وہ اس سے پہلے بیان
کر چکے تھے۔ پس اس کے بعد
وہ حدیث کو اپنی سند کے ساتھ
اپنے اساتذہ کے نام کے بعد
سے بیان کرتے تھے۔ یہ نہ کہتے
تھے مجھ سے فلاں نے بیان کیا۔
لہذا جو لوگ ان سے سنتے تھے۔
وہ ان سے روایت کرنے میں
خوش ہوتے تھے۔ یہ قطیعی ہیں
جو اپنے اساتذہ سے بہت سی
روایتیں نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ
ان میں اکثر جھوٹ اور موضوع
ہوتی ہیں۔ ان کو یہی کتاب مل
گئی ہے۔ اور انہوں نے اس
کتاب میں دوسرے صحابہ
کے فضائل نہ دیکھے صرف علیؓ
کے دیکھے۔ اور جس قدر حدیثیں
بڑھائی ہوئی تھیں۔ ان کا قائل
بھی امام احمد کو سمجھ لیا۔ کیونکہ
یہ لوگ اسماء الرجال کو اور
ان کے طبقات کو نہیں جانتے۔
اور یہ کہ محال ہے۔ کہ امام احمدؒ

الطرائف وصاحب العمدة
احاديث الى احمد لم
يروها احمد لا في هذا
ولا في هذا ولا سمعها
احمد قط واحسن حال
هؤلاء ان تكون تلك مما
رواه القطيعي فيه من
الموضوعات القبيحة
الوضع مالا يخفى على عالم
ونقل هذا الرافضي من
جنس صاحب كتاب
العمدة والطرائف فما
ادري نقل عنه او عمن
ينقل عنه والا فمن له
بالنقل او في معرفة يستحي
ان يعزو مثل هذا الحديث
الى مسند احمد والصحيحين
والصحيحان والمسند
نسخهما ملاء الارض
وليس هذا في شئ منها و
هذا الحد لم يروفي شئ
من كتب العلم المعتمدة
اصلاً وانما يروى مثل

قطیعی کے اساتذہ سے کچھ روایت
کریں۔ پھر ان لوگوں نے اپنی
فرطِ جہالت سے کوئی کتاب
مسند کے سوا سنی نہ تھی۔ لہذا یہ
سمجھا کہ جب امام احمد نے اس
کو روایت کیا ہے تو ضرور ہے۔
کہ مسند میں روایت کیا ہوگا
لہذا قطیعی کی روایت کو کہنے لگے
کہ امام احمد نے اس کو مسند میں
روایت کیا ہے۔ یہ اس وقت
ہے۔ کہ جھوٹ حوالہ قطیعی کا نہ دیں
ورنہ جھوٹ نہ بولنے کا ان لوگوں
کی طرف سے اطمینان نہیں ہے
چنانچہ صاحب طرائف اور صاحب
عمدہ ایسی حدیثیں امام احمد کی
طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ جو
انہوں نے نہ اس کتاب میں روایت
کی ہیں۔ نہ اس کتاب میں اور
نہ امام احمد نے کبھی ان روایتوں
کو سنا سب سے عمدہ حالت ان کی
یہ ہے۔ کہ وہ قطیعی کی روایتیں
ہیں۔ اور قطیعی کی روایت میں
بڑے بڑے موضوعات ہیں جو کسی

هذا من يحطب بالليل كالثعلبي وامثاله الذين يروون الغث والسمين بلا تمييز۔

عالم سے پوشیدہ نہیں۔ اس رافضی نے اسی قسم کی کسی کتاب سے جس کتاب عمدہ اور کتاب طرائف ہے یہ روایتیں نقل کی ہیں۔ یہ مجھے معلوم نہیں کہ بلا واسطہ ان کتابوں سے نقل کی ہیں یا نقل در نقل ہے۔ ورنہ جس کو منقولات کا کچھ بھی علم ہو۔ وہ اس قسم کی روایات کو مسند امام احمد اور صحیحین کی طرف منسوب کرنے سے شرم کرے گا۔ مسند اور صحیحین کے نسخے دنیا بھر میں موجود ہیں۔ یہ روایت کسی میں نہیں ہے۔ اس قسم کی روایت وہی لوگ کرتے ہیں جو حاطب اللیل ہوتے ہیں۔ مثل ثعلبی وغیرہ کے جو صحیح وغیر صحیح ہر قسم کی روایات بلا امتیاز روایت کردیا کرتے ہیں۔

الوجه الثاني ان هذا الحديث كذب موضوع باتفاق اهل المعرفة بالحديث وهم المرجوع اليهم في هذا ولهذا لا يوجد في شئ من الحديث التي يرجع اليها۔

دوم۔ یہ کہ یہ حدیث باتفاق علمائے حدیث جھوٹی ہے موضوع ہے۔ اور اس بارہ میں علمائے حدیث ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ روایت حدیث کی کسی ایسی کتاب میں جس کی طرف رجوع کیا جائے نہیں پائی جاتی۔

الوجه الثالث ان هذه الاية في سورة الشورى وهي مكية باتفاق اهل السنة بل جميع ال حم مكيات وكذلك ال طس

سوم۔ یہ کہ یہ آیت سورۂ شوریٰ میں ہے۔ اور وہ باتفاق اہلسنت مکی ہے بلکہ تمام آل حم کی سورتیں مکی ہیں۔ اور اسی طرح آل طس۔ اور یہ بات قطعی ہے کہ حضرت علیؓ

ومن المعلوم ان عليا
انما تزوج فاطمة بالمدينة
بعد غزوة بدر والحسن
ولد في السنة الثالثة
من الهجرة والحسين
في السنة الرابعة فتكون
هذه الاية قد نزلت
قبل وجود الحسن والحسين
بسنين متعددة فكيف
يفسر النبي صلى الله عليه
وسلم الاية بوجوب
مودة قرابة لا تعرفه
ولم يخلق
الوجه الرابع ان تفسير
الاية الذي في الصحيحين
عن ابن عباس يناقض
ذلك ففي الصحيحين
عن سعيد بن جبير
قال سئل ابن عباس
عن قوله تعالى قل لا
اسئلكم عليه اجرا الا
المودة في القربى فقلت
ان لا تؤذوا محمدا

نے حضرت فاطمہ رضؓ سے مدینہ میں
نکاح کیا ہے۔ غزوہ بدر کے بعد
اور حضرت حسن رضؓ ۳ سنہ ہجری
میں اور حضرت حسین رضؓ ۴ سنہ ہجری
میں پیدا ہوئے۔ پس یہ آیت
حضرت حسن و حسین رضی اللہ
عنہما کے وجود سے کئی سال قبل
نازل ہوئی تھی پس کیونکر نبی
صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت
کی تفسیر ایسی قرابت کی محبت
واجب ہونے کے ساتھ کر سکتے
ہیں۔ جو ابھی معلوم بھی نہیں۔
موجود بھی نہیں۔
چہارم:۔ یہ کہ تفسیر اس آیت
کی جو صحیحین میں حضرت عباس رضؓ
سے مروی ہے اس روایت کے
خلاف ہے۔ صحیحین میں سعید
بن جبیر رضؓ سے روایت ہے۔ وہ
کہتے تھے یہ کہ ابن عباس رضؓ سے
اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم
علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے
جواب دیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

فی قرابتہ فقال ابن عباس
عجلت انہ لم یکن بطن
من قریش الا لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
فیھم قرابۃ فقال
لا اسئلکم علیہ اجراً
لکن ان تصلوا القرابۃ
التی بینی وبینکم فھذا
ابن عباس ترجمان
القرآن واعلم اھل
البیت بعد علی یقول
لیس معناھا مودۃ ذوی
القربیٰ لکن معناھا لا
اسئلکم یا معشر العرب
ویا معشر قریش علیہ
اجراً لکن اسئلکم ان
تصلوا القرابۃ التی
بینی وبینکم فھو
سأل الناس الذین
ارسل الیھم اولا ان
یصلوا رحمہ فلا یعتدوا
علیہ حتی یبلغ رسالۃ
ربہ -

کو ان کی قرابت کے بارے میں
نہ ستاؤ۔ تو ابن عباسؓ نے کہا کہ
تم نے جواب دینے میں عجلت
کی (دراصل یہ ہے کہ) قریش کا
کوئی خاندان ایسا نہ تھا۔ جس
سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی قرابت نہ ہو۔ لہذا فرمایا کہ
میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی
اُجرت نہیں مانگتا۔ لیکن یہ کہ
تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو
میرے اور تمہارے درمیان
میں ہے۔ پس یہ ابن عباسؓ
جو ترجمان القرآن ہیں۔ اور حضرت
علیؓ کے سوا تمام اہل بیت سے
زیادہ علم رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں۔
کہ اس کے معنی ذوی القربیٰ کی
محبت نہیں ہیں۔ بلکہ معنی اس
کے یہ ہیں کہ اے گروہ عرب اور
اے گروہ قریش! میں تم سے تبلیغ
کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا صرف
یہ کہتا ہوں کہ قرابت کا صلہ کرو۔
جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔
پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان لوگوں سے جن کی طرف آپ بھیجے گئے تھے۔ یہ درخواست کی کہ صلہ رحم کریں۔ اور آپ پر ظلم نہ کریں۔ تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام پہنچادیں۔

الوجه الخامس انه قال لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى، لم يقل الا المودة للقربى ولا المودة لذوي القربى فلو اراد المودة لذوي القربى لقال المودة لذوي القربى كما قال واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول ولذي القربى، وقال ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى وقوله فات ذا القربى حقه وقوله واتى المال على حبه ذوي القربى وهكذا في غير موضع فجميع ما في القران من توصية بحقوق ذوي

پنجم :۔ یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودة فی القربیٰ۔ یہ نہیں فرمایا الا المودة للقربیٰ القربیٰ۔ پس اگر ذوی القربیٰ کی محبت مراد ہوتی تو المودة لذوی القربیٰ فرماتا۔ جیسا فرمایا ”واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ و للرسول ولذی القربیٰ“ اور ایسا ہی فرمایا ”فآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل“۔ اور فرمایا ”وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ“ اسی طرح بہت مقام میں ہے۔ پس تمام قرآن میں جہاں کہیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی قربیٰ یا کسی شخص کے ذوے القربیٰ کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ تو وہاں ذوی القربیٰ کہا گیا ہے۔ فی القربیٰ نہیں کہا گیا۔ پس جب کہ یہاں مصدر مذکور ہوا نہ اسم۔ تو معلوم

قربی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذوی قربی الانسان انما قیل فیہا ذوی القربیٰ ولم یقل فی القربیٰ فلما ذکرھھنا المصدردون الاسم دل علی انہ لم یرد ذوی القربیٰ۔	ہوا کہ ذوی القربیٰ مراد نہیں ہے۔
الوجہ السادس انہ لواریدللمودۃ لھم لقال المودۃ لذوی القربیٰ ولم یقل فی القربیٰ فانہ لایقول من طلب المودۃ لغیرہ اسئلک المودۃ فی فلان ولا فی قربی فلان ولکن اسئلک المودۃ لفلان المحبۃ لفلان فلما قال المودۃ فی القربیٰ علم انہ لیس المودۃ لذوی القربیٰ	ششم یہ کہ اگر ذوی القربیٰ کی محبت مراد ہوتی۔ تو المودۃ لذوی القربیٰ فرماتا۔ فی القربیٰ نہ فرماتا۔ کیونکہ جو شخص اپنے سوا کسی کے لئے محبت طلب کرتا ہے یہ نہیں کہتا کہ اسئلک المودۃ فی فلان۔ اور نہ یہ کہتا ہے کہ فی قربی فلان بلکہ کہتا ہے یہ کہ اسئلک المودۃ لفلان والمحبۃ لفلان پس یہ جو فرمایا کہ المودۃ فی القربیٰ۔ تو معلوم ہوا کہ ذوی القربیٰ مراد نہیں ہیں
الوجہ السابع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یسئل علی تبلیغ رسالۃ ربہ اجراً البتۃ بل اجرہ	ہفتم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اپنے رب کا پیغام پہنچانے کی اجرت نہیں مانگ سکتے بلکہ ان کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

على الله كما قال ما
اسئلكم عليه من اجر
وما انا من المتكلفين
وقوله ام تسئلهم
اجرا فهم من مغرم
مثقلون وقوله قل ما
سالتكم من اجر فهو
لكم ان اجرى الا على
الله ولكن الاستثناء
ههنا منقطع كما
قال قل ما اسئلكم عليه
من اجر الا من شاء ان
يتخذ الى ربه سبيلا
ولا ريب ان محبة اهل
بيت النبي صلى الله عليه
وسلم واجبة لكن
لم يثبت وجوبها
بهذه الاية فلا
لمحبتهم اجر النبي صلى
الله عليه وسلم بل هو
مما امر الله به كما
امرنا بسائر العبادات
وفي الصحيح عنه انه

جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اے نبی!
کہدو! کہ میں تبلیغ کی اجرت
نہیں مانگتا۔ اور میں تکلیف
کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔
اور فرمایا کہ اے نبی! کیا تم ان سے
کچھ اجرت مانگتے ہو۔ جس کے بوجھ
سے یہ گھبراتے ہیں۔ اور فرمایا کہ
اے نبی! کہدو۔ کہ جو کچھ اجرت
میں نے تم سے مانگی ہو۔ وہ تم
اپنے ہی پاس رکھو۔ میری اجرت
تو اللہ کے ذمہ ہے۔ بلکہ استثناء
یہاں منقطع ہے۔ جیسا کہ دوسری
آیت میں فرمایا۔ اے نبی! کہدو!
کہ میں تبلیغ کی کچھ اجرت نہیں
مانگتا۔ سوا اس کے کہ جو شخص
پروردگار کی طرف راہ بنانا چاہے
(وہ بنائے) اس میں کچھ شک
نہیں۔ کہ نبی صلعم کے اہل بیت
کی محبت واجب ہے۔ مگر اس
کا وجوب اس آیت سے ثابت
نہیں ہے۔ اور نہ محبت ان کی نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی اجرت ہے۔
بلکہ وہ محبت منجملہ ان چیزوں کے

خطب اصحابہ بغدایر	ہے۔ جن کا اللہ نے ہمیں حکم دیا
یدعی خما بین مکۃ	ہے۔ جس طرح اور عبادت کا
ومدینۃ فقال اذکرکم	حکم دیا ہے۔ صحیح حدیث میں
اللہ فی اہل بیتی وفی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
السنن عنہ انہ قال	منقول ہے۔ کہ آپ نے بمقام
والذی نفسی بیدہ لا	غذیر خم میں مکہ اور مدینہ کے
یدخلون الجنۃ حتی	درمیان میں اپنے صحابہ کے سامنے
یحبوکم اللہ ولقرابتی	خطبہ پڑھا۔ اور اس میں فرمایا
فمن جعل محبۃ اہل	کہ میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت
بیتہ اجرًا لہ یوفیہ	کے بارے میں! خدا کی یاد دلاتا
فقد اخطأ خطأً	ہوں۔ اور سنن میں آنحضرت
عظیمًا ولو کان اجرًا	صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے
لہ لم نثب علیہ عن	کہ آپ نے (اپنے اہل بیت سے)
لو نا اعطیناہ اجرہ	فرمایا کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ
الذی یستحقہ	میں میری جان ہے۔ کہ کوئی
بالرسالۃ فھل یقول	شخص جنت میں داخل نہیں ہو
مسلم مثل ھذا؟ ۔	سکتا۔ یہاں تک کہ تم لوگوں سے

اللہ کے لئے اور میری قرابت کی وجہ سے محبت کرے۔ پس جس شخص نے محبت اہل بیت کو اجر رسالت کہا۔ اس نے سخت خطا کی اگر وہ اجر ہوتا تو ہمیں اس پر ثواب نہ ملتا۔ کیونکہ وہ اجرت ہم نے پیغمبر کو اس وجہ سے دی۔ کہ بسبب رسالت کے وہ اس اجرت کے مستحق تھے۔ کیا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے؟

الوجہ الثامن ان القربیٰ	ہشتم: یہ کہ قربیٰ یہاں صرف

معرفة بالامر فلابد
ان یکون معروفا عند
المخاطبین الذین امر
ان یقول لهم لا اسئلکم
علیه اجرا و ذکر
انها لما نزلت لم یکن
قد خلق الحسنؓ والحسینؓ
ولا تزوج علیؓ بفاطمةؓ
فالقربی التی کان المخاطبون
یعرفونها یمتنع ان تکون
هذه بخلاف القربی
التی بینه و بینهم فانها
معروفة عندهم کما
تقول لا اسئلك الا المودة
فی الرحم التی بیننا
وکما تقول لا اسئلك
الا ان تتقی الله فی هذا
الامر۔

بالامر تھا۔ پس ضروری ہوا۔ کہ
اس کو وہ لوگ جو مخاطب
کے لیئے حکم دیا گیا تھا۔ کہ نبی
ان سے فرماویں کہ میں تم سے
کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ الی آخرہٖ
وہ اس کو جانتے ہوں۔ اور
ابھی بیان ہو چکا۔ کہ جب یہ آیت
نازل ہوئی۔ تو حسنؓ وحسینؓ پیدا
بھی نہ ہوئے تھے۔ اور نہ حضرت
علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا
تھا۔ پس وہ قرابت جس کو مخاطب
لوگ جانتے تھے محال ہے کہ یہ
قرابت ہو۔ بخلاف اس قرابت
کے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اور کفار قریش کے درمیان میں تھی۔ اس کو سب جانتے تھے۔ یہ
ویسا ہی ہے جیسے تم کہو۔ کہ میں تجھ سے کچھ نہیں چاہتا سوا مودت
فی الرحم کے جو ہمارے درمیان میں ہے۔ اور کہو کہ میں کچھ نہیں چاہتا۔
سوا انصاف باہمی کے۔ اور میں کچھ نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ اس
معاملہ میں اس سے ڈرو۔ اور اللہ سے۔

الوجه التاسع انا نسلم ان علیا تجب مودته بدون الاستدلال بهذه الآیة لکن لیس فی وجوب موالاته و مودته ما یوجب اختصاصه بالامامة ولا بالفضیلة واما قوله والثلاثة لا تجب موالاتهم فانه ثبت ان اللہ یحبهم ومن کان اللہ یحبه وجب علینا مودته فان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ واجب وهو اوثق عری الایمان و کذلک هو اکابر اولیاء اللہ المتقین و قد اوجب اللہ موالاتهم بل قد ثبت ان اللہ رضی عنهم ورضوا عنه بنص القرآن وکل من رضی اللہ عنه فانه یحبه و اللہ یحب المتقین و المحسنین والمقسطین

نہم - یہ کہ ہم اس کو مانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی محبت واجب ہے۔ اس کو اس آیت سے ثابت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں مگر محبت کے واجب ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ صرف حضرت علیؓ امام ہیں ۔ اور نہ ان کی کوئی فضیلت اس سے ثابت ہوتی ہے ۔ اور رافضی کا یہ کہنا کہ ثلاثہ کی محبت واجب نہیں۔ ہم نہیں مانتے ۔ بلکہ ان کی محبت بھی واجب ہے ۔کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ محبت رکھتا ہو اس کی محبت ہم پر بھی واجب ہے۔ کیونکہ حب للہ اور بغض للہ واجب ہے اور وہ ایمان کی مضبوط رسیوں میں سے ہے ۔ نیز حضرات ثلاثہ اولیاء اللہ متقین کے اکابر سے ہیں ۔ اور تحقیق خدا نے ان کی محبت واجب کی ہے ۔ بلکہ یہ بات نص قرآن سے ثابت ہے ۔کہ خدا ان سے

والصابرين وهؤلاء افضل
من دخل فی هذه النصوص
من هذه الامة بعد نبيها
وفی الصحيحين عن
النبی صلی الله عليه وسلم
انه قال مثل المؤمنين فی
توادهم وتراحمهم و
تعاطفهم كمثل الجسد الواحد
اشتكی منه عضو تداعی
له سائر الجسد بالحمی
والسهر فهو اخبرنا ان
المؤمنين يتوادون و
يتعاطفون ويتراحمون
وانهم فی ذلك كالجسد
الواحد وهؤلاء قد ثبت
ايمانهم بالنصوص والاجماع
كما قد ثبت ايمان
علی بل كل طريق دل علی
ايمانهم اقوی والطريق
التی يقدح بها فيهم
يجاب عنها كما يجاب عن
القدح فی علی واولی فان
الرافضی الذی يقدح

راضی ہے۔ وہ خدا کے محبوب
ہیں۔ اور اللہ کے محبوب متقی
محسن اور مقسط اور صابر لوگ
ہوتے ہیں۔ اور خلفائے ثلثہ!
ان تمام لوگوں سے افضل ہیں۔
جو ان نصوص میں اس امت
میں سے داخل ہیں نبی کے بعد۔
اور صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا
مؤمنین کی مثال آپس کی محبت و
مہربانی میں مثل ایک جسم کے ہوتی
ہے۔ کہ اگر ایک عضو اس میں سے
بیمار ہو۔ تو باقی اعضاء بھی درد مند
ہو جاتے ہیں۔ بخار آتا ہے۔ نیند
نہیں آتی پس حضرت نے ہمیں یہ
خبر دی کہ مؤمنین باہم دوستی و
الفت و مہربانی کیا کرتے ہیں۔
وہ اس بارہ میں مثل ایک جسم
کے ہیں۔ اور حضرات خلفائے ثلاثہ
کا ایمان نصوص سے اور اجماع
سے ثابت ہے۔ بلکہ جتنے دلائل
حضرت علیؓ کے ایمان کے ہیں۔
وہ حضرات ثلاثہؓ کے ایمان پر

فيهم ويتعصب لعلي فهو
منقطع الحجة كاليهود
والنصارى الذين يريدون
اثبات نبوة موسى وعيسى و
القدح في نبوة محمد صلى
الله عليه وسلم ولهذا
لا يمكن الرافضي ان
يقيم الحجة على النواصب
الذين يبغضون عليا
او يقدحون في ايمانه
من الخوارج وغيرهم
فانهم قالوا له باي شئ
علمت ان عليا مؤمن او
ولي الله تعالى فان قال
بالنقل المتواتر باسلامه
وحسناته قيل له هذا
النقل موجود في ابي بكر
وعمر وعثمان وغيرهم
من اصحاب النبي صلى الله
عليه وسلم بل النقل
المتواتر بحسنات هؤلاء
السليمة عن المعارض
اعظم من النقل المتواتر

زیادہ واضح دلالت کرتے ہیں
اور جو اعتراض کسی دلیل پر ہوتا
ہے اس کا جواب اسی طرح دیا
جاتا ہے۔ جس طرح حضرت
علیؓ کے اعتراضات کا بلکہ اس سے
بہتر۔ کیونکہ رافضی جو خلفائے ثلاثہؓ
پر قدح کرتا ہے۔ اور حضرت
علیؓ کی حمایت کرتا ہے۔ اس کے
پاس کوئی دلیل نہیں۔ مثل یہود و
نصاریٰ کے۔ جو حضرت موسیٰ اور
حضرت عیسیٰؑ کی نبوت ثابت
کرنا چاہتے۔ اور محمد صلے اللہ
علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض
کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے رافضی
کے لئے ممکن نہیں۔ کہ نواصب
کے سامنے کوئی دلیل پیش کر
سکے۔ جو کہ حضرت علیؓ سے بغض
رکھتے ہیں۔ یا انکے ایمان میں قدح
کرتے ہیں۔ مثل خوارج وغیرہ کے۔
وہ لوگ رافضی سے کہتے ہیں۔ کہ
تجھ کو کس بات سے معلوم ہوا
کہ علیؓ مومن تھے یا اللہ تعالیٰ کے ولی
تھے۔ اگر رافضی کہے۔ کہ نقل متواتر

فی مثل ذلک لعلی وان
قال بالقرآن الدال علی
ایمان علیؓ قیل لہ القرآن
انما دل باسماء عامۃ
کقولہ لقد رضی اللہ
عن المؤمنین ونحو ذلک
وانت تخرج اکابر الصحابۃ
فاخراج واحد اسہل
وان قال بالاحادیث الدالۃ
علی فضائلہ فی نزول
القرآن فیہ قیل احادیث
اولئک اکثر واصح وقد
قدحت فیہم وقیل
لہ تلک الاحادیث التی
فی فضائل علی انما رواھا
الصحابۃ الذین قدحت
فیہم فان کان القدح
صحیحا بطل النقل وان
کان النقل صحیحا بطل
القدح وان کان بنقل
الشیعۃ او تواترھم
قیل لہ الصحابۃ لم
یکن فیہم من الرافضۃ

سے ان کا اسلام اور انکی نیکیاں
ثابت ہیں۔ تو اس سے کہا جائے
کہ ایسی نقل تو حضرت ابوبکرؓ و
عمرؓ و عثمانؓ اور دوسرے صحابہؓ
کے بارے میں بھی موجود ہے۔ بلکہ
اُن حضرات کی نیکیوں کے بارے
جو نقل کہ معارض سے محفوظ ہیں اس نقل متواتر
سے جو حضرت علیؓ کی نیکیوں کے بارہ
میں ہے۔ بہت زیادہ ہیں۔ اور
اگر رافضی کہے کہ قرآن سے معلوم
ہوا جو حضرت علیؓ کے ایمان پر
دلالت کرتا ہے۔ تو اس سے کہا
جائے۔ کہ قرآن تو اوصاف عامہ
پر دلالت کرتا ہے "لقد رضی
اللہ عن المؤمنین" اور مثل اس کے
اور جب کہ اکابر صحابہ کو اس سے
خارج کر دیتا ہے۔ تو ایک کا
خارج کر دینا زیادہ آسان ہے۔
اور اگر رافضی کہے۔ کہ احادیث
سے معلوم ہوا۔ جو علیؓ کے فضائل
پر دلالت کرتی ہیں۔ یا ان کے
بارہ میں نزول قرآن پر دلالت
کرتی ہیں تو اس سے کہا جائے گا
کہ جو حدیثیں زیادہ اور صحیح

لم يكن فيهم من الرافضة احد والرافضة	اور اس سے کہا جائے گا کہ جو حدیثیں علیؓ کے فضائل میں ہیں
احد والرافضة تطعن في جميع الصحابة الانفرا	ان کو انہیں صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ جن پر تو قدح کر چکا۔
قليلاً بضعة عشر ومثل هذا قد يقال انهم تواطئوا	اگر وہ قدح صحیح ہے۔ تو ان کی روایت غلط۔ اور اگر روایت
على مانقلوه فمن قدح في نقل الجمهور كيف يمكنه	صحیح ہے تو تیری قدح غلط۔ اور اگر رافضی کہے۔ کہ شیعوں کی روایت
اثبات نقل قليل وهذا مبسوط في موضعه و	ہے اور ان کے تواتر سے معلوم ہوا تو اس سے کہا جائے گا کہ
المقصود ان قوله وغير على من الثلاثة لاتجب	صحابہؓ میں تو کوئی رافضی نہ تھا۔ اور رافضی تو تمام صحابہؓ میں سوا
مودته كلام باطل عند الجمهور بل مودة هؤلاء	معدودے چند کے جو دس سے کچھ اوپر ہیں قدح کرتے ہیں۔ اور
اوجب عند اهل السنة من مودة على لان وجوب	ایسی قلیل جماعت ممکن ہے کہ جھوٹ پر اتفاق کرے۔ پس
المودة على مقدار الفضل فكل من كان افضل كانت	جو شخص جمہور کی روایت پر قدح کرتا ہو اس کے لئے کیسے ممکن
مودته اكمل و قال تعالیٰ الذين آمنوا وعملوا	ہے۔ کہ ایک قلیل جماعت کی روایت کو ثابت کر سکے۔ یہ
الصلحت سيجعل لهم الرحمٰن ودا قال يحبهم	مبحث اپنے مقام میں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ رافضی کا یہ کہنا
ويحببهم الى عباده و	کہ علیؓ کے سوا خلفاء ثلثہؓ کی محبت

هؤلاء افضل من آمن
وعمل صالحا من هٰذه
الامة بعد نبیها کما
قال ”محمد رسول اللہ
والذین معه اشداء
علی الکفار رحماء بینهم
تراهم رکعا سجدا
یبتغون فضلا من اللہ
ورضوانا سیماهم فی
وجوههم من اثر
السجود “ الی آخر السورۃ.
وفی الصحیحین عن النبی
صلی اللہ علیه وسلم
انه سئل ای الناس
احب الیك قال عائشة
قال فمن الرجال قال
ابوها وفی الصحیح
ان عمر قال لابی بکر
رضی اللہ عنهما یوم
السقیفة بل انت
سیدنا وخیرنا واحبنا
الی رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم وتصدیق

واجب نہیں۔ جمہور کے نزدیک
ایک غلط بات ہے۔ بلکہ ان
حضرات کی محبت سے زیادہ
واجب نزدیک حضرت علیؓ کی
محبت سے زیادہ واجب ہے۔
کیونکہ محبت کا وجوب بقدر بزرگی
کے ہوتا ہے۔ جس کی بزرگی زیادہ
ہوگی۔ اس کی محبت بھی کامل ہوگی
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ جو
لوگ ایمان لائے اور انہوں
نے اچھے کام کئے۔ عنقریب
رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا
کردے گا۔ یعنی ان سے محبت
کرے گا۔ اور ان کو اپنے
بندوں کا محبوب بنا دے گا۔
اور خلفاء ثلثہ نبی کے سوا تمام
ان لوگوں سے افضل ہیں۔ جو
اس اُمت میں سے ایمان لائے
اور عمل صالح کئے۔ جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ محمد
رسول اللہ والذین معه
اشداء علی الکفار
رحماء بینهم تراهم

ذلك مما استفاض في
الصحاح من غير وجه
ان النبي صلى الله عليه
وسلم قال لو كنت متخذا
من اهل الارض خليلا
لاتخذت ابابكر خليلا
ولكن مودة الاسلام
فهذا يبين انه ليس في
اهل الارض احق بمحبته
ومودته من ابي بكر
وما كان احب الى رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فهو احب الى الله وما
كان احب الى الله ورسوله
فهو احق ان يكون احب
الى المؤمنين الذين يحبون
ما احبه الله ورسوله
والدلائل الدالة على انه احق
بالمودة كثيرة فضلا عن
ان يقال المفضول تجب
مودته وان الفاضل
لا تجب مودته واما قوله
ان مخالفته تنافي المودة

ركعا سجدا يبتغون فضلا
من الله ورضوانا سيماهم
في وجوههم من اثر السجود"
اخیر سورۃ تک۔ اور صحیحین میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی
ہے۔ کہ آپ سے پوچھا گیا۔
کون شخص آپ کو زیادہ محبوب
ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ رض۔
پوچھا گیا۔ مردوں میں ؟ فرمایا
ان کے والد۔ نیز حدیث صحیح
میں ہے۔ کہ حضرت عمر رض نے حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سقیفہ کے
دن فرمایا کہ آپ ہمارے سردار
اور ہم سب میں بہتر ہیں۔ اور
سب سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ اور
اسی کی تصدیق وہ حدیث ہے۔
جو صحاح میں بہت سندوں سے
مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ اگر میں زمین والوں
میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ضرور
ابوبکر رض کو خلیل بناتا ولیکن
محبت اسلام کی ہے۔ یہ حدیث

وبامتثال اوامره تكون
مودته فيكون واجب
الطاعة وهو معنى الامامة
فجوابه من وجوه (احدها)
ان كانت المودة توجب
الطاعة فقد وجبت
مودة ذي القربى فتجب
طاعتهم فيجب ان تكون
فاطمة ايضاً اماماً وان
كان هذا باطلاً فهذا مثله
(الثاني) ان المودة ليست
مستلزمة للامامة فحال
وجوب المودة فليس من
وجبت مودته كان
اماماً حينئذ بدليل
ان الحسن والحسين تجب
مودتهما قبل مصيرهما
امامين وعلى تجب مودته
في زمن النبي صلى الله عليه
وسلم ولم يكن اماما
بل تجب وان تاخرت امامته
الى مقتل عثمان (الثالث)
ان وجوب المودة ان كان

بیان کر رہی ہے۔ کہ زمین والوں
میں کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ
سے زیادہ آپ کا محبوب بننے
کا مستحق نہ تھا۔ وہ اللہ کو بھی
زیادہ محبوب ہوئے۔ اور جو
شخص اللہ و رسول کا سب سے
زیادہ محبوب ہو وہی اس بات
کا مستحق ہوگا۔ کہ ان مسلمانوں
کا بھی سب سے زیادہ محبوب
ہو۔ جو اللہ و رسول کے محبوب
سے محبت کرتے ہیں حضرت
ابوبکرؓ کے احق بالمودۃ ہونے کی
بہت دلیلیں ہیں۔ چہ جائیکہ
یہ کہا جائے کہ مفضول کی محبت
واجب ہے۔ اور فاضل کی محبت
واجب نہیں۔ اور رافضی کا
یہ کہنا کہ حضرت علیؓ کی مخالفت
محبت کے منافی ہے۔ اور
ان کے احکام کی فرماں برداری سے
ان کی محبت ہو سکتی ہے پس
وہ واجب الاطاعۃ ہوئے۔
اور یہی معنی امامت کے ہیں۔
اس کا جواب بھی کئی طور سے ہے۔

ملزوم الامامة يقتضى
انتفاء اللازم فلا تجب
مودة الا من يكون
اماما معصوما فحينئذ
لا يود احد من المؤمنين
ولا يحبهم فلا تجب
مودة احد من المومنين
ولا محبته اذا لم يكونوا
ائمة لا شيعة علی ولا
غيرهم وهذا خلاف
الاجماع وخلاف ما علم
بالاضطرار۔

ایک یہ کہ اگر محبت اطاعت کو
واجب کرے تو رسول کے تمام
ذوی القربیٰ کی محبت واجب
ہے۔ لہذا سب کی اطاعت
واجب ہو جائے گی۔ پس لازم
آئے گا کہ حضرت فاطمہؓ بھی امام
ہوں اور اگر وہ امام نہیں ہیں
تو محبت کا موجب اطاعت
ہونا بھی باطل ہے۔ دوسرے
محبت اگر فی الفور امامت کو
مستلزم ہو تو غلط ہے کیونکہ
جس کی محبت واجب ہو۔ اس
کا اسی وقت امام ہونا ضروری نہیں۔ بدلیل اس کے کہ حسن وحسین
کی محبت قبل ان کے امام بننے کے بھی واجب تھی۔ اور حضرت علیؓ
کی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی واجب تھی۔ حالانکہ
اس وقت امام نہ تھے پس وہ واجب المحبۃ ہیں۔ اگرچہ امامت حضرت
عثمانؓ کی شہادت تک متاخر ہوئی۔ تیسرے یہ کہ وجوب محبت اگر
ملزوم امامت ہو۔ تو امامت کے نہ ہونے سے وجوب محبت کا نہ ہونا
بھی لازم آئے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ محبت اسی کی واجب ہوگی جو
امام معصوم ہو اور اس صورت میں کوئی مومن کسی مومن سے محبت
نہیں کر سکتا۔ لہذا کسی مومن سے محبت واجب نہ ہوئی۔ جب کہ وہ
امام نہ ہو۔ نہ شیعہ علی کی نہ کسی اور کی۔ اور یہ خلاف اجماع کے اور
خلاف ضروریات دین اسلام کے ہے۔

من دین الاسلام۔ الرابع) ان قولہ والمخالفۃ تنافی المودۃ یقال متی اذا کان ذلک واجب الاطاعۃ او مطلقا الثانی ممنوع و الا لکان من اوجب علی غیرہ شیئا لم یوجبہ اللہ علیہ ان خالفہ فلا یکون محبا لہ فلا یکون مومن محبا لمومن حتی یعتقد وجوب طاعتہ و ھذا معلوم الفساد۔ واما الاوّل۔ فیقال اذا لم تکن المخالفۃ قادحۃ فی المودۃ الا اذا کان واجب الطاعۃ فحینئذ یجب ان یعلم اولا وجوب الطاعۃ حتی تکون المخالفۃ قادحۃ فی مودتہ فاذا ثبت وجوب الطاعۃ بمجرد وجوب المودۃ کان ذلک باطلا وکان ذلک دوراً ممتنعا فانہ لا یعلم ان المخالفۃ تقدح

چوتھے یہ کہ رافضی کا یہ قول کہ مخالفت منافی محبت ہے۔ اس رافضی سے پوچھا جائے کہ کب؟ جب کہ وہ شخص واجب الاطاعۃ ہو یا ہر حال میں؟ دوسری صورت ہم نہیں مانتے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص کسی پر ایسی بات لازم کر دے۔ جو خدا نے لازم نہیں کی۔ اور وہ اس کی مخالفت کرے۔ تو اس کا محب نہ رہے۔ اس صورت میں کوئی کسی مومن کا محب نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ اس کی وجوب طاعت کا معتقد نہ ہو۔ اور یہ بات یقیناً غلط ہے۔ رہی پہلی صورت تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جب مخالفت منافی محبت صرف اسی صورت میں ہوئی جب وہ شخص واجب الاطاعۃ ہو تو غیر واجب الاطاعۃ ہونے کے مخالفت منافی محبت نہ ہوئی۔ تو اگر وجوب محبت سے ثابت کیا جائے۔ تو یہ محال ہوگا اور یہ دور ہوگا کیونکہ

في المودة حتى يعلم وجوب الطاعة ولا يعلم وجوب الطاعة الا اذا علم انه امام ولا يعلم انه امام حتى يعلم ان مخالفته تقدح في مودته -

مخالفت منافی محبت ہونا وجوب اطاعت سے معلوم ہوگا۔ اور وجوب اطاعت ثبوت امامت موقوف ہے اس پر کہ اس مخالفت منافی محبت ہو۔

(الخامس) ان يقال المخالفة تقدح المودة اذا امر بطاعته اولم يامر والثاني منتف ضرورة واما الاول فالنعلم ان عليا لم يامر الناس بطاعته في خلافة ابي بكر وعمر وعثمان -

پانچویں یہ کہ اس رافضی سے پوچھا جائے۔ کہ مخالفت منافی محبت صرف اس وقت ہے۔ جب کہ وہ شخص اپنی اطاعت کا حکم دے یا ہر وقت ہے دوسری صورت بداہتہً باطل ہے رہی پہلی صورت تو ہم یقیناً جانتے ہیں۔ کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کی خلافت میں اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔

(السادس) ان يقال هذا بعينه يقال في حق ابي بكر وعمر وعثمان فان مودتهم ومحبتهم وموالاتهم واجبة كما تقدم و مخالفتهم تقدح ذلك -

چھٹے یہ کہ یہی بات بعینہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کے متعلق کہی جا سکتی ہے کہ ان کی محبت واجب ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے۔

(السابع) التوجيه(١) من هذا الحديث لان القوم

ساتویں یہ کہ ہم ترقی کرکے کہیں۔ کہ مسلمانوں نے لوگوں کو خلفائے ثلثہؓ

دعوا الناس الى ولايتهم
وطاعتهم فخالفهم عبد الله
وهؤلاء القوم مع اهل
السنة بمنزلة النصارٰى
مع المسلمين فالنصارٰى
يجعلون المسيح الٰها ويجعلون
ابراهيم وموسٰى ومحمدًا
اقل من الحواريين الذين
كانوا مع عيسٰى وهؤلاء
يجعلون عليا هو الامام
المعصوم وهو النبي وآله
والخلفاء الثلاثة اقل
من مثل الاشتر النخعي
وامثاله الذين قاتلوا
معه ولهذا كان جهلهم
وظلمهم اعظم من ان
يوصف يتمسكون بالمنقولات
المكذوبة والالفاظ المتشابهة
والاقيسة الفاسدة
ويدعون المنقولات الصادقة
والنصوص البينة و
المعقولات الصريحة -

کی بیعت واطاعت کے لئے
بلایا۔ اور ان حضرات نے
امامت کا دعویٰ کیا پس ضرور
ہؤا کہ ان کا مخالف دشمن خدا
ہو یہ روافض مسلمانوں کے مقابلے
میں ایسے ہیں۔ جیسے نصاریٰ مسلمانوں
کے مقابلے میں۔ نصاریٰ مسیح کو
خدا کہتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ اور
موسیٰؑ اور محمدؐ کو ان حواریوں سے
بھی کمتر قرار دیتے ہیں۔ جو حضرت
عیسیٰؑ کے ہمراہ تھے۔ ایسا ہی
روافض حضرت علیؓ کو تو امام معصوم
یعنی نبی کہتے ہیں۔ اور ان کی آل
کو بھی۔ اور خلفائے ثلاثہؓ کو
اشتر نخعی وغیرہ سے جو حضرت علیؓ
کے ہمراہ لڑتے تھے۔ کمتر قرار
دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان
کی جہالت اور ان کا ظلم بیان
سے باہر ہے۔ جھوٹ منقولات
سے اور الفاظ متشابہ اور قیاسات
فاسدہ سے تمسک کرتے ہیں اور
صحیح روایتوں کو جو متواتر ہیں اور
نصوص واضح اور معقولات صریحہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

خلاصہ

اس فصل میں انیس کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کی عبارتیں نقل کی گئیں۔ تاکہ اس افترا و بہتان کی حقیقت واضح ہو جائے۔ کہ تمام مفسرین اہل سُنت اس آیت کا وہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے۔

ان عبارات سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ بفضلہ تعالیٰ علمائے اہل سُنت کا دامن اس بدنما داغ سے بالکل پاک ہے۔ کہ وہ آیت قرآنی میں تحریف معنوی کر کے خدا کی طرف ایسی قبیح چیز منسوب کریں۔ کہ اس نے اپنے نبی کو طلب اجر رسالت کا حکم دیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ رسالت کی اجرت مانگنے کا ناپاک الزام لگا کر آپ کی توہین کریں۔ اور منکرین کو آپ کی نبوت میں قدح کرنے کا موقع دیں۔

ان عبارات سے واضح ہو گیا۔ کہ اہل سنت کے اکابر محدثین و مفسرین نے اس قول کو کہ ”مودۃ فی القربیٰ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کی محبت مراد ہے“ اچھی طرح مردود و مخذول کیا۔ اس کی سند کے راویوں پر بھی جرح کی۔ کہ وہ ضعیف ہیں۔ اور رافضی ہیں۔ اور اس کے متن پر کئی جرحیں کیں۔

اوّل: یہ کہ دوسری آیات قرآنیہ کے خلاف ہے۔

دوم: یہ کہ احادیث صحیحہ مرویہ صحیح بخاری وغیرہ کے خلاف ہے۔

سوم: یہ کہ شان نبوت کے خلاف ہے۔

چہارم: یہ کہ عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس قول کی روایت میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا تذکرہ ہے۔ حالانکہ سورۂ شوریٰ جس میں یہ آیت ہے۔ بالاتفاق[1] مکی ہے۔ اور قبل ہجرت حضرات حسنین رض کا وجود تو کجا حضرت سیدہ رض کا

[1] شیعوں کے قبلہ مولوی مقبول احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن میں بھی اس سورت کو مکی لکھا ہے۔ اور اس آیت کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا۔ ۱۲

نکاح بھی نہ ہوا تھا۔

کیا ان متعدد اور لاجواب جروح کے بعد پھر اہل سنت کے سامنے اس قول کا ذکر کرنا انصاف اور حیا کا خوف کرنا نہیں ہے۔ اور اس بے نظیر بے انصافی کا مرتکب اپنے کو حق پر سمجھ سکتا ہے۔

فصل سوم

اب سنو! کہ مخالفین صحابہ کرامؓ جن کے مذہب کی روز اول سے قرآن کریم کی عداوت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی مخالفت پر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

اس موقع پر سب سے پہلے اس بات کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ کہ شریعت الہیہ نے بڑا اہتمام اس امر کا کیا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کا دامن لوث دنیا سے اس قدر پاک رہے۔ کہ کوئی منکر کتنی ہی بے حیائی اور بے انصافی پر کمر باندھ لے۔ لیکن اغراض دنیاوی کا دھبہ ان کے دامن مقدس پر نہ دکھلا سکے۔ اور ان کی مساعی جمیلہ کی بابت یہ نہ کہہ سکے۔ کہ یہ شاقہ محنتیں یہ روح فرسا اذیتیں انہوں نے فلاں نفع دنیاوی کے لئے برداشت کی تھیں۔ اور درحقیقت یہ اہتمام ایک ضروری اہتمام ہے۔ جو ان کی نبوت وصداقت کا یقین پیدا کرنے کے لئے ہزارہا دلائل سے زیادہ پرتاثیر ہے۔

ہر انسان فطرۃً اس بات کا یقین رکھتا ہے۔ کہ کسی عقلمند کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کا صاحب عقل سلیم ہونا خود ان کے افعال واقوال سے اس درجہ واضح ہے۔ کہ اس کو اگر اصل میں شمار کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ پس لامحالہ فطرت انسانی اس بات کا حکم لگاتی ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ کوششیں ان کی یہ محنتیں جن میں انہوں نے اپنی ساری عمریں ختم کر دیں۔ اپنی

ہستی کو قربان کردیا۔ اور ہر قسم کے خطرات کا آماجگاہ اپنے کو بنایا۔ عبث نہیں ہو سکتیں۔ اور جب کہ کوئی دنیاوی منفعت اپنی ان کوششوں سے انہوں نے حاصل نہ کی۔ موقع بھی ملا۔ لیکن دنیاوی اغراض کو اپنے پاس نہ آنے دیا تو لامحالہ یہ قطعی اور یقینی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ان کا مقصود آخرت تھی۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا۔ سب خدا کے حکم سے محض اس کی خوشنودی اور اس کا انعام حاصل کرنے کے لئے کیا۔ ایک بے انصاف منکر بھی اس نتیجہ پر پہنچ کر بے اختیار ان کی نبوت کا اعتراف کرنے لگتا ہے۔ زبان اگر انکار بھی کرے۔ تو ضمیر اس اقرار سے بچ نہیں سکتا۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ عام قانون کے خلاف انبیاء علیہم السلام کے ترکہ سے ان کی اولاد ان کے رشتہ دار محروم کردیئے گئے۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ صدقات و خیرات کے مال سے انبیاء علیہم السلام کی اولاد اور ان کے مخصوص قرابت والے اگرچہ کیسے ہی مسکین و محتاج ہوں۔ محروم کردیئے گئے۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ سلاطین دنیا کے عام قانون کے خلاف انبیاء علیہم السلام کی جانشینی کے لئے ان کی اولاد یا ان کے عزیز و قریب ہونے کی شرط بالکل اڑا دی گئی۔ اور ان کی جانشینی کا استحقاق جسمانی رشتوں پر نہیں۔ بلکہ روحانی اوصاف اور قابلیتوں پر رکھا گیا۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے اپنی تعلیم و تبلیغ کا کوئی معاوضہ کسی قسم کی اجرت کا کسی مخلوق سے لینا ممنوع قرار پایا۔ اور قرآن مجید میں اس کا اعلان اس شدومد کے ساتھ کیا گیا۔ کہ ہر نبی کے تذکرہ میں اس کا اظہار فرمایا گیا۔ خصوصاً سید الانبیاء خاتم النبیین کے لئے تو اس اعلان کا اہتمام اس درجہ کیا گیا۔ کہ متعدد آیتیں اس کے متعلق نازل کی گئیں جیسا کہ پہلی فصل میں تم دیکھ چکے ہو۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کا جو عملی نمونہ تمام دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں ۔ کہ ہم لوگ ہر چند کوشش کرتے تھے ۔ کہ حضورؐ کی کوئی خدمت انجام دیں ۔ لیکن کبھی ایسا نہ ہوا ۔ کہ ہم نے حضرتؐ کا کوئی کام کیا ہو اور حضرتؐ نے اس سے زیادہ ہمارا کام نہ کر دیا ہو ۔ ایک سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام تھے ۔ کسی منزل پر گوشت پکانے کی رائے ہوئی ۔ کام تقسیم کئے گئے ۔ کسی کے ذمہ بکری کا ذبح کرنا، کسی کے ذمہ پکانا وغیرہ وغیرہ ۔ حضرتؐ کے ذمہ کوئی کام نہ رکھا گیا ۔ آپؐ خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر جنگل کے ایک جانب تشریف لے گئے ۔ کسی کا خیال بھی نہ ہوا کہ کیوں جا رہے ہیں ۔ تھوڑی دیر کے بعد لکڑیوں کا ایک بوجھ لیے ہوئے تشریف لائے صحابہ کرام رضؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ نے یہ تکلیف کیوں کی ۔ کیا ہم اس کام کو انجام نہ دیتے ؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ! لیکن انصاف کے خلاف تھا کہ محنت تم سب کرتے ۔ اور کھانے میں میں بھی شریک ہوتا ۔ تحفہ اور ہدیہ آپ قبول فرماتے تھے ۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ التزام تھا ۔ کہ تحفہ دینے والے کو آپؐ خود بھی تحفہ دیتے تھے ۔ جو اس کے تحفہ سے بدرجہا زیادہ قیمتی ہوتا ۔ حضرت زبیر بدوی کا ایک خاص واقعہ اس کے متعلق شمائل ترمذی میں موجود ہے ۔ وفات سے پانچ دن پہلے جو خطبہ آپ نے پڑھا ۔ جو صحیح بخاری میں بھی موجود ہے ۔ اس میں آپ نے اعلان فرمایا کہ ماکان عندنا فامن بن الا کا فیناہ الخ یعنی جس کسی نے ہمارے ساتھ کوئی سلوک کیا ۔ ہم نے اس کا بدلہ ضرور کر دیا سوا ابوبکر رضؓ صدیق کے ۔ کہ ان کی جان نثاریوں کا بدلہ ہم نہیں کر سکے ۔ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ان کو بدلہ دے گا ۔

المختصر آپ نے کسی قسم کا معاوضہ کسی قسم کی خدمت یا اجرت نہ مخلوق سے کبھی طلب فرمائی نہ بغیر طلب لی ۔ اگر اس مقصد کے متعلق واقعات جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں میراث جاری ہونے کا بھی دعویٰ کیا گیا اور مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اس دعویٰ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

کی طرف داری کا پہلو نمایاں کیا گیا۔ صدقات و خیرات کے متعلق اگرچہ بظاہر اہل سُنت سے مخالفت نہیں کی۔ مگر اس مقصد کو دوسرے طور پر حاصل کیا۔ اور اولادِ پیغمبر کے لئے دُنیاوی منافع کے حاصل ہونے کی دوسری صورتیں منجانب شرع تجویز کر دیں۔ جانشینی پیغمبر کے مسئلہ میں بھی دنیاوی بادشاہوں کی طرح ان کی اولاد کو حق دار قرار دیا۔ اور تبلیغ رسالت کی اجرت مانگنے کا الزام بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم کیا گیا۔ اور اس الزام میں عجیب و غریب کارروائی یہ کی ہے۔ کہ اور انبیاء کو اس الزام سے بری قرار دے کر صرف آپؐ ہی کی ذاتِ اقدس کو نشانۂ ملامت بنایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مخالفینِ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ

اس آیت مودۃ القربیٰ کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا اپنے نبی کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ تم لوگوں سے کہہ دو۔ کہ میں اپنی تعلیم و تبلیغ کی اور کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کرتا۔ اس کی اجرت صرف یہ مانگتا ہوں۔ کہ میری قرابت والوں سے محبت کرو۔ اور میرے قرابت والے بس یہ چار ہیں۔ فاطمہؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ۔ حضرت عباسؓ جیسا برگزیدہ چچا اور عبداللہ بن عباس امام المفسرین جیسا چچازاد بھائی بھی قرابت والوں کی فہرست سے خارج۔ اور قرابت والوں کی محبت سے مراد یہ ہے۔ کہ ان کو اور ان کی اولاد کو میرے بعد بادشاہ بناؤ۔ غرضکہ میری اس جان فشانی اور خوش تدبیری سے جو ایک سلطنت قائم ہو گئی ہے۔ اس کو میری اولاد سے باہر نہ جانے دینا۔ میں نے اتنی محنت کی۔ اس کا پھل میری اولاد کو تو ملے۔ وہ لوگ تو چین کریں۔

مخالفین صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے گویا پیغمبر ایک مزدور ہیں۔ اور ان کی مزدوری مخالفین صحابہ کرامؓ ادا کر رہے ہیں۔

جو شخص مخالفین صحابہؓ کی طرح ان چار بزرگوں کو اور ان کی اولاد میں سے وقتاً فوقتاً ایک ایک شخص کو مثل نبی معصوم و مفترض الطاعۃ نہ مانے اور دنیا کی بادشاہت کا حق دار ان کو نہ سمجھے۔ اور بارہویں امام کو غائب نہ جانے۔ وہ پیغمبر کی مزدوری نہیں دیتا۔ اور ایسی حالت میں وہ اگر قرآن سے اور پیغمبر کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تو ناجائز اور حرام ہے اور ناقابل برداشت ظلم تو یہ ہے۔ کہ اپنے اس اعتقاد کی بنیاد اس آیت قرآنی کو قرار دیتے ہیں۔

میرے نزدیک مخالفین صحابہ کرامؓ کا یہی ایک عقیدہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے متنفر کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر جن کے دل پر خدا نے مہر کر دی ہو۔ اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہوں۔ ان کا کچھ علاج نہیں۔

مخالفین صحابہ کرام کا بیان کیا ہوا مطلب آیت کا قطع نظر ان سب عقلی ونقلی قباحتوں کے جو اوپر بیان ہو چکیں۔ تحریف معنوی بھی ہے اس لئے کہ از روئے قواعد عربیت آیت کی عبارت اس مطلب کی مساعدت نہیں کرتی۔ کیونکہ آیت میں قربیٰ کا لفظ مصدر ہے۔ جس کے معنی قرابت کے ہیں اس سے قرابت والے مراد لینا۔ اور قرابت والے کس کے رسول کے۔ گویا یہ کہنا ہے۔ کہ آیت کی عبارت یوں ہونی چاہیئے:۔ الا المودۃ فی اھل القربیٰ لی۔ قربیٰ سے پہلے لفظ اہل اور قربیٰ کے بعد لفظ مقدر ہے اور دونوں مقدرات کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں۔ اس کو تحریف معنوی کہتے ہیں۔

مخالفین صحابہؓ کرام بڑی دلیری کیساتھ

اپنے بیان کئے ہوئے مطلب پر اور اپنے اعتقاد پر آج تک مصر ہیں۔ اور ان قباحتوں کا جواب ان کے اسلاف و اخلاف نے نہ کچھ دیا اور نہ دے سکتے ہیں۔

البتہ بمقتضائی مثل "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" اہل سنت کی بیان کی ہوئی صحیح تفسیر پر کچھ بے سروپا اعتراضات کرنے کو آمادہ ہیں۔ چنانچہ مخالفین صحابہ کرام کے قبلہ فخرالحکماء صاحب نے اصلاح نمبر ۵ جلد ۱۸ میں جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ ان اعتراضات کو بیان کیا ہے۔ اور تفسیر مودۃ القربیٰ کی اشاعت سابقہ میں ان کے اعتراضات کا جواب بھی دیا جا چکا۔ پھر آج تک جواب الجواب کی ہمت کسی کو نہ ہوئی۔ خلاصہ ان اعتراضات وجوابات کا حسب ذیل ہے۔

اعتراض اوّل: یہ کہ پیغمبر پر طلب اجرت کا الزام اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر بھی عائد ہوتا ہے۔ وہ اجرت مودت اہل بیت نہ سہی۔ اپنی حفاظت سہی۔

اعتراض دوم: یہ کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر پیغمبر کا غیراللہ سے ڈرنا لازم آتا ہے۔ اور یہ بھی حسب اعتقاد اہل سنت انبیا کے لئے جائز نہیں ہے۔ اگر غیراللہ سے ڈرتے نہیں تھے۔ تو پھر اپنی حفاظت کی درخواست ان سے کیوں کی۔

اعتراض سوم: یہ کہ اہل سُنت کی تفسیر کی بنا پر لازم آتا ہے۔ کہ رسول کو وعدہ ہائے خداوندی پر اعتماد نہ ہوا۔ کیونکہ خدا نے بہت سی آیتوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحفاظت کا وعدہ فرمایا۔ بلکہ خدا پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ کہ اس نے اپنے رسول کو غیروں سے امان مانگنے کا حکم دیا۔

اعتراض چہارم: یہ کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر رسول کا خود غرض ہونا لازم آتا ہے۔ کہ اپنے لئے تو بہت کوشش کی اور کفار سے امان مانگی۔ حفاظت کے خواستگار ہوئے۔ مگر اپنے بال بچوں کے لئے کچھ بھی فکر نہ کی۔ یعنی ان کی معاش دنیاوی کا بھی سامان نہ کیا۔

اعتراض پنجم: یہ کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر آیت کا مفہوم بالکل خلاف عقل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خطاب کفار سے ہوگا۔ کہ میں تم سے اپنی دشمنی کی اجرت مانگتا ہوں۔ میں تمہاری بیخ کنی کرتا ہوں۔ مگر تم مجھ کو ایذا نہ دو

میں تمہارے دین و مذہب کا خاتمہ کردوں ۔ مگر تم مجھ کو اپنا عزیز سمجھ کر ستانے سے باز رہو۔ بھلا ایسی درخواست کیوں کر عقل کے موافق ہوسکتی ہے ۔

الجواب واللہ الموفق للصواب

اعتراض اوّل کا جواب یہ ہے کہ تمام یوسف زلیخا خواندی و ہنوز ندانستی کہ زلیخا مرد بود یا زن ۔ اتنی مفصل بحث کے بعد بھی مخالفین صحابہ کرام کے علماء کو یہ پتہ نہ چلا کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر طلب اجرت لازم ہی نہیں آتی ۔ کیونکہ الا المودة کو ہم استثنائی منقطع مانتے ہیں ۔ اور اپنی حفاظت جس کی درخواست بر بنائے قرابت کی گئی ہے ۔ اجر رسالت ہو ہی نہیں سکتی ۔ اجر ہر شئے کا اس شئے کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے ۔ اور یہ حفاظت قرابت کی وجہ سے ہے ۔ نہ کہ رسالت کی وجہ سے ۔

اعتراض دوم کا جواب یہ ہے ۔ کہ بیشک غیر اللہ سے ڈرنا اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کیا معنی ۔ عامہ مومنین کے لئے بھی سخت نقص و عیب ہے ۔ قرآن مجید میں بے شمار آیتیں ہیں ۔ جن میں عموماً تمام اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے ۔ کہ میرے سوا کسی سے نہ ڈرو ۔ لیکن اپنی حفاظت کی درخواست کرنا یعنی یہ سمجھانا کہ دیکھو میں تمہارا قرابت دار ہوں ۔ اور قرابت دار کی ایذا رسانی تم بھی جائز نہیں سمجھتے ۔ اس سے کافروں کا خوف نہیں ثابت ہوتا ۔ اس قسم کی تفہیمات اکثر بغرض اتمام حجت ہوتی ہیں ۔ اس قسم کی تفہیمات تو کلام خدا میں بھی بہت ہیں ۔ خود حق تعالے نے کافروں کو جا بجا سمجھایا ہے ۔ کہ ہمارے رسول کو ایذا نہ دو ۔ ان کی توقیر و تعظیم کرو ۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ دین الہٰی کی مدد کرو ۔ ہماری مدد کرو ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ خدا بھی کافروں سے ڈرتا تھا ؟ مخالفین صحابہ کرام کو تو شاید اس کہنے میں بھی باک نہ ہو۔

کیونکہ ان کا خدا تو صحابہ کرام سے ڈرتا ہی تھا۔ کافروں سے اگر ڈر گیا۔ تو کیا تعجب۔

اعتراض سوم کا جواب یہ ہے۔ کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ لہٰذا یہاں کسی کام کی تدبیر کرنے سے وعدہ ہائے خداوندی پر بے اعتمادی لازم نہیں ورنہ جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح تمام جانداروں کے لئے روزی رسانی کا وعدہ فرمایا گیا ہے لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ کسب معاش کی تدبیر کرنا خدا کے وعدے پر بے اعتمادی ہے۔ اور ناجائز ہے۔ اور جتنے لوگ کسب معاش کی سعی کرتے ہیں۔ سب بے ایمان ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

نکتہ: حق تعالےٰ کی طرف سے جب کسی چیز کا وعدہ ہو جاتا ہوتا ہے تو اس چیز کے حاصل کرنے کے لئے تدبیر کرنے کے متعلق خاصان خدا کا یہ دستور ہے کہ اگر حق تعالےٰ نے وعدہ کے ساتھ بہ تصریح بھی فرما دی ہو۔ کہ باوجود اسباب ظاہری کی مباشرت نہ کرنے کے بھی میسر آ کر وعدہ پورا ہو گا۔ تب تو وہ حضرات تدابیر ظاہری کو ترک نہیں کرتے۔ اور کبھی اگر ترک بھی کر دیتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہاں کوئی اشارۂ غیبی ترک تدبیر کے متعلق ان کے دل پر منعکس ہوتا ہے اس نکتہ کی تفصیلی تقریر اور خاصان خدا کے ان حالات مختلفہ کی مثالوں کا بیان اگرچہ بہت سے نفیس فوائد پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ مقام اس کے لئے زیادہ مناسب نہیں۔

اعتراض چہارم کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ اس کی

ملہ خدا کے صحابہ کرام سے ڈرنے کے بہت سے واقعات کتب حق الیقین صحابہ کرام میں مذکور ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ حسب روایت احتجاج طبرسی جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے قرآن مجید میں آل محمد کا لفظ صاف طور پر اس لئے نازل نہ کیا۔ کہ اس کو علم تھا کہ جامعین قرآن نے جس طرح اور چیزوں کو قرآن سے نکال ڈالا اسی طرح اس لفظ کو بھی نکال ڈالیں گے ۱۲۔

بنیاد محض اس بات پر ہے۔ کہ مخالفین صحابہ کرام کے علماء اپنی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک بندۂ دنیا سمجھتے ہیں۔ جس کا مقصد زندگی سوا دنیا کمانے کے کچھ نہ ہو۔ جو صرف اپنی زندگی بھر اپنے اور اپنے بال بچوں کی خوش گزرانی پر قناعت کرے۔ اور اپنے بعد کے لئے سامان کر جائے۔ مگر واضح رہے کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ اپنے لئے راحت دنیائے فانی کی کچھ کوشش کی۔ نہ اپنے بال بچوں کے لئے۔ اس آیت میں جو اپنی ایذا رسانی نہ کرنے کی درخواست ہے۔ وہ محض اس لئے ہے کہ اس ایذا رسانی سے تبلیغ رسالت میں خلل پڑتا تھا۔ بال بچوں کو اول تو نہ کوئی ایذا پہنچاتا تھا۔ اور نہ ان کے ایذا پہنچانے سے کار تبلیغ میں خلل آسکتا تھا۔ اس تفہیم کو امان مانگنے سے تعبیر کرنا سوا خوش فہمی کے کیا کہا جائے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا اپنی مدد کے لئے اپنے شعائر کی بے حرمتی نہ کرنے کے لئے کافروں کو تفہیم کی ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ خدا نے کافروں سے امان مانگی۔

اعتراض پنجم کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض بھی لغو اور معترض کی بے عقلی کا کامل نمونہ ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے ساتھ نہ کوئی دشمنی کی تھی۔ نہ دشمنی کی اجرت مانگتے تھے۔ اول تو دنیا میں کسی صاحب عقل نے اپنے خلاف وعظ و تبلیغ کو دشمن نہیں سمجھا۔ اور نہ فی الحقیقت دشمنی کی تعریف وعظ و تبلیغ پر صادق آتی ہے۔ بلکہ عند العقل وعظ و تبلیغ ہی اصلی محبت و مہربانی ہے۔

بر نزد من آنکس نکو خواہ تست
کہ گوید فلاں خار در راہ تست

عیسائیوں کی سلطنت میں رہ کر ہم ان پادریوں سے مباحثات کرتے ہیں غرضکہ تبلیغ و وعظ کا کام انجام دیتے ہیں۔ لیکن وہ عیسائی سلطنت نہ ہم کو اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ اور نہ اپنے ہم مذہب پادریوں کو۔ اور اگر ہم کسی موقع پر اس

عیسائی سلطنت سے عدل و انصاف کے خواستگار ہوں۔ تو ہم کو یہ جواب نہیں ملتا۔ کہ تم ہمارے ساتھ دشمنی کرتے ہو۔ اور ہمیں سے اپنی دشمنی کی اُجرت مانگتے ہو۔ دوسرے اگر بالفرض کفرض المحال مخالفین صحابہ کرامؓ[1] کا خاطر سے وعظ اور تبلیغ کا عداوت و دشمنی ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو بھی دشمنی کی اُجرت مانگنا تو اس وقت کہا جا سکتا۔ جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تبلیغ کے معاوضہ میں مودت کی درخواست کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ مودت کی درخواست محض بر بنائے قرابت تھی۔

فصل چہارم

اس آیہ کریمہ سے جو پاکیزہ تعلیمات حاصل ہو رہی ہیں۔ ان میں سے صرف دو تین اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱) اس آیت میں مخلوق سے تبلیغ و تعلیم دین کی اُجرت مانگنے کی ممانعت فرما کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بڑی زبردست دلیل ارشاد فرمائی گئی۔ اور زیادہ غائر نظر سے دیکھو تو خدا کی ہستی کی ایک مضبوط نشانی اس سے پیدا ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ مافوق الفطرت ان تھک شاقہ محنتیں جو مسلسل یکساں زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہنے والی ہیں۔ اور پھر ان محنتوں کا کوئی معاوضہ نہ مانگنا نہ لینا بلکہ جائز منافع سے بھی نہ صرف ذات کو بلکہ اپنی بی بی بچوں اور قریبی رشتہ داروں کو ہمیشہ کے لئے محروم کر دینا بجز اس کے کہ کسی اور عالم سے ان کو اس کا کچھ بدلا ملتا ہے۔ کوئی اور ہستی ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اور کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔ سچ ہے۔ " اگر ہیچ نہ دیدہ انداز برائے چہ دویدہ اند" ؎

زیں تعب گر نہ خدا یافتہ اند ٭ ہمہ از بہر چہ بشتافتہ اند

---

[1] مخالفین صحابہ کرامؓ اپنے مذہب کے وعظ و تبلیغ کو ہمیشہ دشمنی و عداوت سمجھتے رہتے۔

(۲) طلب اجرت کی نفی انبیاء علیہم السلام کے اتباع و اطاعت کی تشویق و ترغیب کے لئے بھی ایک بے نظیر ہے جس کو سورۂ یٰسین کی آیت میں بہت وضاحت سے بیان فرمایا ہے ۔ یہ آیت تفسیر ہذا میں نقل ہو چکی ہے۔
(۳) گو اس آیت میں طلب اجر کی نفی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے ۔ مگر چونکہ قرآن مجید میں یہ قانون کلی تعلیم دیا گیا ہے ۔ کہ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ اور اتبعونی یحببکم اللّٰہ لہٰذا جس قدر احکام آپ کو مخاطب کر کے دیئے گئے ہیں ۔ جب تک ان کے متعلق اس بات کی تصریح نہ ہو ۔ کہ یہ حکم نبی کے ساتھ مخصوص ہے اس وقت تک وہ تمام احکام امت کے لئے بھی ثابت ہوں گے ۔

اور یہ حکم چونکہ منصب تبلیغ سے تعلق رکھتا ہے ۔ لہٰذا خصوصیت کے ساتھ اس کی پابندی علمائے امت پر جو نیابت نبی کا شرف رکھتے ہیں ۔ لازم ہوگی ۔

الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ کہ اہل سنت و جماعت میں ایسے علمائے ربانی اب بھی موجود ہیں ۔ جو تبلیغ و تعلیم دین کی اجرت مخلوق سے نہیں لیتے اُجرت تو بڑی چیز ہے ۔ اجرت کی مشابہت سے بھی ان کا پرہیز لائق دید و قابل شنید ہے ۔ بیشک انہیں علمائے ربانیین سے سید الانبیاء کی مسند عالی آباد ہے ۔ اور انہیں کے انفاس قدسیہ کی برکت سے آسمان و زمین کا قیام ہے۔

مخالفین صحابہ کرام اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں ۔ جن کے مشہور مشہور علماء علانیہ اپنے وعظوں اور خالص دینی خدمتوں کی فیس مقرر کر کے لیتے ہیں اور اپنی فیس کا اعلان عام دیتے ہیں ۔ حتےٰ کہ بعض اوقات بذریعہ عدالت اپنی فیس وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اور ان کی قوم میں یہ چیز کوئی عیب نہیں سمجھی جاتی ۔ بلکہ اس پر فخر و مباہات کیا جاتا ہے ۔ کہ ہمارے یہاں فلاں عالم ہیں ۔ جن کی فیس سو روپیہ ہے فلاں کی دو سو ۔ فلاں کی پانچ سو ۔ اہل سنت میں بھی ایسا کوئی ہے ؟
اے خداوند کریم اپنے فضل عمیم سے بطفیل قرآن عظیم اور صاحب قرآن

نبی رؤف ورحیم کے اپنے اس عاجز اور ناکارہ بندہ کو بھی ان علمائے ربانیین کے نقش قدم پر چلنے والا بنا دے۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ وآلہ اجمعین۔

الٓمّٓ

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

بے تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے۔ اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

★

تفسیر آیت تقسیم فے

ملقب بہ

★

وظیفہ مدح صحابہؓ

جس میں

سورۂ حشر کی آیہ کریمہ والذین جاء و من بعدھم یقولون کی مکمل تفسیر کر کے یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر دی گئی ہے۔ کہ قرآن مجید نے مدح صحابہ کرام خصوصاً مدح مہاجرین و انصار کو قیام قیامت تک ہر مسلمان کیلئے ایک ضروری وظیفہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نفیس معارف بیان میں آگئے ہیں۔ مثلاً قصہ فدک کا قرآنی فیصلہ وغیرہ وغیرہ۔

آیات تقسیم فے

اگرچہ ہمارا مقصود اس وقت صرف آخری آیت سے تعلق رکھتا ہے
مگر سلسلہ کلام ظاہر کرنے کے لئے اوپر کی دو آیتیں بھی نقل کی جاتی ہیں.

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ
وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا
وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا

یہ مال غنے ان فقیر ہجرت کرنے
والوں کے لئے ہے. جو نکالے
گئے اپنے گھروں سے اور جدا
کئے گئے اپنے مالوں سے اس
حال میں کہ وہ چاہتے ہیں بخشش
اللہ کی طرف سے اور اس کی
رضامندی اور مدد کرتے ہیں
اللہ کی اور اس کے رسول کی.
یہی لوگ ہیں سچے اور یہ مال فے
ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے
گھروں اور ایمان میں مہاجرین
کے آنے سے پہلے جاگزین ہو
چکے تھے وہ محبت کرتے ہیں ہر
اس شخص سے جو ہجرت کرکے آئے.
ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے
دلوں میں کوئی خواہش اس چیز
کی جو ان کو دی گئی. اور ترجیح
دیتے ہیں دوسروں کو اپنی جانو

بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ سورہ حشر پارہ ۲۸ ۔

پر اور اگرچہ خود ان کو تکلیف ہو۔ اور جو لوگ اپنے نفس کی (بری صفت) حرص سے محفوظ کر دیئے جائیں تو وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور (یہ مال فی) ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو مہاجرین وانصار کے بعد (اسلام میں) آئیں کہتے ہوئے کہ ہمارے پروردگار بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سابق تھے۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں عداوت ان لوگوں کی جو ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار! یقیناً تو نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔

ان آیات کی تفسیر تین فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے۔

فصل اوّل میں ان آیات کے فارسی اور اردو مستند ترجمے سنی شیعہ دونوں کے۔

فصل دوم میں اس سورہ حشر کے بعض نفائس کا بیان ہے۔ اور آیات کے کلمات کی شرح اور جو تعلیمات حاصل ہو رہی ہیں۔ ان کا بیان۔

فصل سوم میں ان آیات کے متعلق حضرت مولینا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اور اس کا ترجمہ۔

اخیر میں ایک تتمہ ہے۔ جس میں کچھ بصیرت افروز مضامین اس سلسلہ تفسیر کے متعلق ہیں۔

امید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ اس تفسیر سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گی کہ قرآن مجید ہر معاملہ میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور وہی ہمارا بہترین ہادی اور بہترین امام ہے۔

فصلِ دوم

اس سورۃ کا نام سورۂ حشر اس وجہ سے ہوا۔ کہ اس میں یہودیوں کے حشر یعنی اُن کی جلاوطنی کا تذکرہ ہے۔

اس سورت کے مضامین اور ان کی ترتیب ایک عجیب اسلوب پر رکھی گئی ہے۔ جس سے صاحبانِ عقل بہت عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔ چند باتیں بطور مثال کے یہاں زیب رقم کی جاتی ہیں۔

فصلِ اول

اس میں آیت مذکورہ کے فارسی اور اردو مستند تراجم شیعہ و سنی حضرات درج کیے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ تراجم عوام کے لیے چنداں ضروری نہیں تھے۔ البتہ اہل علم کے لئے زیادہ بصیرت افروز ہیں۔ اس لیے انہیں نیچے حاشیہ میں درج کرنا مناسب خیال کیا گیا۔

قرآن مجید کے ترجمے تو اب بہت ہوگئے ہیں۔ اور سنیوں کی دیکھا دیکھی شیعہ بھائیوں نے بھی ترجمے قرآن مجید کے اُردو میں شائع کیے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے یہ چیز صاف طور پر نظر آتی ہے۔ کہ قرآن مجید نے ہمارے ان بھائیوں کو بہت زیادہ پریشان کردیا ہے۔ قرآن مجید اُن کیلئے گڑ بھرا ہتھیار ہے۔ اگر اُس کو چھوڑتے ہیں۔ تو گڑ ہاتھ سے جاتا ہے۔ یعنی کلمہ گویان اسلام کی فہرست سے نام خارج ہوتا ہے۔ اور اگر نگلتے ہیں یعنی اس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو تمام پیٹ اور پیٹ کے اندر کے تمام اعضاء جن پر مدار حیات ہے قیمہ ہوئے جاتے ہیں۔ یعنی مخالفین کی اصل و بنیاد کا قلع قمع ہوا جاتا ہے۔ بیچارے حیران ہیں کچھ بنائے نہیں بنتی۔ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

اب آیات مذکورہ کے تراجم ملاحظہ کیجیے۔

ازاں جملہ یہ کہ اس سورت کا آغاز بھی اپنی تسبیح وتقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح وتقدیس پر اور خاتمہ سورۃ پر اپنے صفات کاملہ اس قدر ذکر فرمائے ہیں۔ کہ اس قدر صفات یک جا قرآن مجید کی کسی دوسری سورۃ میں نہیں ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ اس سورۃ میں کچھ ایسے خاص مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ جو قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر زیادہ واضح دلالت کرتے ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ یہودیوں کی جزیرہ عرب سے جلاوطنی کی ایک زبردست پیشین گوئی فرمائی گئی ہے۔ اور وہ بھی ایک عجیب عنوان سے ہے۔ یہودی جزیرۂ عرب سے دو مرتبہ جلاوطن کئے گئے۔ ایک مرتبہ عہد نبوی میں جس کا بیان اس سورۃ میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں جس کی پیشین گوئی اس سورت میں ہے۔ اس طرح کہ عہد نبوی کی جلاوطنی کو اول کے ساتھ موصوف کر دیا فرمایا هُوَ الَّذِىٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ یعنی وہی اللہ ہے جس نے ان یہودیوں کو ان کے وطن سے پہلی بار نکالا۔ یہ پہلی بار کا لفظ پیشین گوئی کر رہا ہے۔ کہ اس کے بعد پھر ان کی جلاوطنی ہونے والی ہے۔ کسی چیز کو اول کہنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے لئے کوئی ثانی بھی ہے۔ چنانچہ یہ زبردست پیشین گوئی کس جلال وجبروت کے ساتھ پوری ہوئی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایسا جلاوطن کیا۔ کہ جزیرہ عرب میں یہودیوں کا نام ونشان نہ باقی رہا۔ اس ضمن میں حضرت فاروق اعظمؓ کی ایک فضیلت بھی ثابت ہوئی۔ کہ قرآن مجید کی پیشین گوئی ان کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔

ازاں جملہ یہ کہ بسلسلۂ تقسیم مال فے مسلمانوں کی تین قسموں کا بیان فرما کر منافقوں کا ذکر فرمایا جو اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا سے شروع ہوتا ہے اس ترتیب بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کی تینوں قسموں سے منافق بالکل علیحدہ اور ممتاز کر دیئے گئے تھے۔ لہذا مہاجرین وانصار میں سے کسی

کو منافق کہنا قرآن مجید کی مخالفت ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی قوت تاثیر کو اس سورۃ میں بڑے اہتمام سے بیان فرمایا۔ فرمایا کہ یہ کتاب پتھر پر بھی اپنا اثر دکھانے والی ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں کافروں سے قتال اور ان کی جلاوطنی کا بیان ہے۔ اس لئے شاید کسی کو شبہہ ہوتا۔ کہ اسلام کی اشاعت جبر و قہر سے ہوئی۔ اس شبہ کا قرار واقعی قلع و قمع کر دیا۔ کہ اسلام کی اشاعت قرآن مجید کی تاثیر سے ہوئی ہے نہ کسی اور ذریعہ سے۔

اس قسم کے نفائس اس سورۃ میں اور بھی ہیں۔ اب آیات مبحوثہ کے کلمات کی شرح ملاحظہ ہو۔

فیٔ اصل لغت میں تو اس لفظ کے معنی ہیں بازگشتن یعنی لوٹنا اور اصطلاح شریعت میں فے اس مال کو کہتے ہیں۔ جو بغیر لڑائی کے اور بغیر فوج کشی کے کافروں سے حاصل ہو جائے۔ گویا وہ مال ناجائز قبضہ سے نکل کر اپنے اصلی مستحقوں کے پاس لوٹ کر آگیا۔ اللہ تعالے کی پیدا کی ہوئی دولت کے اصلی مستحق مسلمان ہی ہیں۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا سے ظاہر ہے۔ اور عقل بھی اسی کو چاہتی ہے۔ کہ بادشاہ کے انعام کے مستحق اس کے فرماں بردار ہوں نہ کہ باغی۔

حکومت اسلامیہ کو جو مال حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ زکوٰۃ وصدقات مال غنیمت۔ مال فے۔ ان تینوں قسم کے مالوں کے مصارف قرآن مجید میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں مال فے کی تقسیم کا بیان ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ اس کلمہ سے صرف ان کے مستحق ہونے کا بیان مقصود نہیں بلکہ یہ ایک خاص لقب جس کی قدر وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جن کا دل ذوق محبت سے آشنا ہو۔ وہی اس بات کو جانتے ہیں۔ کہ کوئی محبوب اپنے محب کو اپنی گلی

کا فقیر کہہ دے ۔ تو اس میں کس قدر لذت محب کو ملتی ہے ۔ پھر دیکھو تاج فقر ان کے زیب سر کرنے کے بعد مہاجرین کا لقب ان کو دیا گیا ۔ گویا اس تاج میں چار چاند لگا دیئے گئے ۔ مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دیا۔

اُخْرِجُوْا اس کلمہ سے ان کی مظلومیت کا اظہار ہو رہا ہے ۔ اور خاص لطف یہ ہے کہ پہلے اُن کو فقیر فرمایا تھا ۔ اب ان کے دیار و اموال کا ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ وہ پہلے فقیر نہ تھے ۔ ان کے پاس گھر بھی تھا ۔ اور مال بھی تھا ۔ یہ تو اب میرے لئے اس حالت کو پہنچ گئے ۔

گدایانے از بادشاہی نفور[1]
بامیدش اندر گدائی صبور[1]

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی اس بات کی ہے ۔ کہ ان مہاجرین کا مطلوب و مقصود سوا رضائے الٰہی کے اور کچھ نہیں ہے ۔

ترکیب نحوی کے لحاظ سے یہ جملہ حالیہ ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہوا ۔ کہ یہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ۔ ان کا کوئی جرم و قصور سوا اس کے نہ تھا ۔ کہ یہ میری رضا کے طلب گار تھے ۔ یہ بالکل ویسا ہی مضمون ہے ۔ جیسا سورۃ حج میں انہیں مہاجرین کے حق میں فرمایا اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ یعنی یہ مہاجرین اپنے گھروں سے نکالے گئے ۔ بغیر کسی جرم کے سوا اس کے (ان کا کوئی جرم نہ تھا) کہ یہ لوگ ربنا اللہ کہتے تھے ۔

یہی کلمہ یعنی یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا الخ بعینہٖ آیت معیت میں کل صحابہ کرامؓ کی شان میں وارد ہوا ہے ۔ مگر فرق یہ ہے ۔ کہ آیت معیت میں ان کے رکوع و سجود کے ذکر کے بعد یہ کلمہ ارشاد ہوا ہے ۔ جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے ۔ کہ

---

[1] ایسے فقیر کہ ظاہری بادشاہی سے کوسوں بھاگتے ہیں ۔ وصال الٰہی کی امید میں فقیری پر صبر کرتے ہیں ۔

صرف ان کے رکوع و سجود کی بابت یہ شہادت دی جارہی ہے۔ کہ ان کا مقصود سوا رضائے الٰہی کے کچھ نہیں ہے۔ اور یہ کلمہ کسی فعل خاص کے ذکر کے بعد نہیں ہے۔ جس سے صاف نتیجہ یہ ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ ان کے کسی خاص فعل کی تخصیص نہیں۔ بلکہ ان کے تمام افعال و اعمال ایسے ہی ہیں کہ کسی کا مقصود سوا رضائے الٰہی کے کچھ نہیں ہے۔

یَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ یہ بھی انتہائی عزت افزائی کا کلمہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو دین اسلام کا نہیں۔ بلکہ اپنا اور اپنے رسول کا مددگار فرمایا۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ قرآن مجید میں وعدہ ہے۔ کہ اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ اس وعدہ کو کلمۂ مذکورہ سے لاؤ تو ایک زبردست پیشین گوئی نکل رہی ہے۔ کہ یہ مہاجرین ہمیشہ مظفر و منصور رہیں گے۔ اور اسی پیشین گوئی کے مطابق ظہور بھی ہوا۔

ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ مہاجرین کی جماعت کو صادق فرمایا۔ اور ان کے صدق کو کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ ان کی ہر بات سچی اور واجب القبول ہے۔ اب اس کے ساتھ وہ آیت ملاؤ۔ جس میں سچوں کے ساتھ رہنے یعنی ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قولہٗ تعالےٰ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ جماعت مہاجرین اس اُمّت کی مقتدا ہے۔ ان کی پیروی ازروئے قرآن امت پر واجب ہے۔ چنانچہ چاروں خلفائے راشدین مہاجرین ہی میں سے ہیں۔

اَلدَّارَ وَالۡاِیۡمَانَ دار سے باتفاق مفسرین مدینہ طیبہ مراد ہے بجائے دارالاسلام یا دارالہجرت کے مدینہ منورہ کو صرف دار فرمانا ایک عظیم الشان فضیلت اُس شہر مقدس کی ہے۔ معلوم ہوا کہ روئے زمین پر انسانوں کا گھر ہے۔ تو صرف مدینہ ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین ست
ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست [1]

علمائے محققین لکھتے ہیں کہ ایمان سے بھی مدینہ منورہ ہی مراد ہے چنانچہ مدینہ کے ناموں میں سے ایک نام ایمان بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور سند میں یہی آیت پیش کی گئی ہے۔ اور کلمہ مِنْ قَبْلِهِمْ اس کے بعد ہے وہ اس مراد کا روشن قرینہ بھی ہے۔ کیونکہ ایمان سے مراد اگر مدینہ منورہ نہ ہو بلکہ صفت ایمان مراد لی جائے تو مِنْ قَبْلِهِمْ کسی طرح نہیں بنتا۔ مہاجرین سے پہلے انصار کا صفت ایمان سے موصوف ہونا خلاف واقع ہے۔

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ۔ یہ انصار کی تعریف ہے۔ انصار کے فضائل میں مہاجرین کا محب ہونا بیان فرما کر مہاجرین کا رتبہ دوبالا کر دیا۔ جن کا محب ہونا فضائل میں شمار کیا جائے۔ ان محبوبین کا رتبہ کیا ہوگا۔

مِّمَّا أُوتُوا۔ اوتو کی ضمیر مہاجرین کی طرف بھی پھیری جا سکتی ہے اور انصار کی طرف بھی مہاجرین کی طرف پھیرو تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ مہاجرین کو اگر کچھ مال مل جاتا ہے۔ تو انصار اُن پر حسد نہیں کرتے۔ اور انصار کی طرف پھیرو تو مطلب یہ ہوگا کہ انصار کو کچھ مال مل جاتا ہے۔ تو اس مال سے ان کو محبت نہیں ہوتی۔ کہ اس کے خرچ کرنے میں بخل کریں۔ ایک مطلب کی بنا پر انصار کی جماعت کا حسد سے پاک ہونا ثابت ہوا۔ اور دوسرے مطلب کی بنا پر بخل سے اور آگے فرمایا۔ کہ جو شخص حسد یا بخل سے پاک ہو گیا۔ ہر قسم کی فلاح اس کو حاصل ہو گئی۔

ف۔ حسد اور بخل دونوں دنیا کی محبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا جس شخص میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں۔ سمجھ لینا چاہیے۔ کہ اس کا قلب دنیا کی محبت سے

---

[1] اگر روئے زمین پر کہیں جنت الفردوس جیسی کوئی جگہ ہے۔ تو بس یہی مدینہ طیبہ ہے۔

پاک ہے۔ اور جب دنیا کی محبت سے کسی کا قلب پاک ہو جاتا ہے۔ تو اُسی کو قلب سلیم کہتے ہیں۔ اور ایسے قلب کو صحیح تعلق اپنے مولیٰ جل شانہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَآءُوْا مہاجرین وانصار کے ذکر کے بعد اب ایک تیسری جماعت کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ جس میں قیامت تک ہونے والے سب مسلمان شامل ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ ترکیب نحوی میں یہ جملہ حالیہ ہے۔ جس سے مطلب یہ نکلتا ہے۔ کہ اس تیسری جماعت کو اسلام میں داخل ہوتے ہی مہاجرین وانصار کی فضیلت کا اعتقاد اور ان کا ذکر خیر کرنا چاہیئے۔

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ایمان کی سبقت سے مراد یہ نہیں ہے۔ کہ زمانۂ سابق میں ایمان لائے۔ محض زمانے کا مقدم ہونا شرعًا کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ سبقت ایمان سے مراد یہ ہے۔ کہ شخص سابق مابعد والوں کے اسلام کا سبب بنا ہو۔ اور دینی تعلیمات اُسی کے نقل وروایت سے مابعد والوں کو حاصل ہوئی ہوں۔ یہ صفت عمومًا تمام صحابہ کرام میں اور خصوصًا مہاجرین وانصار میں اظہر من الشمس ہے۔ وہ تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت کا سبب[1] ہوئے۔ اسلامی تعلیمات انہیں کی نقل وروایت سے مابعد والوں کو ملیں۔

---

[1] بلکہ اصلی بات یہ ہے۔ کہ مابعد میں جس نے بھی اسلام قبول کیا۔ اس کے ایمان کی بنیاد انہیں حضرات کی چشم دید گواہی پر ہے۔ انہیں حضرات نے تمام دنیا میں اس بات کا اعلان کیا۔ کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان کے معجزات ودلائل کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور دین کی تعلیم بلاواسطہ اُن سے پائی ہے۔ مخالفین بھی مجبور ہو کر اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ مابعد والوں کے ایمان کی بنیاد پیغمبروں کے اصحاب کی شہادت پر ہوتی ہے۔ دیکھو احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صــ میں امام رضا کا قول ہے۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰہُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَاَھْلِہٖ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔
لَا تَجْعَلْ بجائے اس کے کہ یوں فرمایا جاتا۔ کہ اس تیسری جماعت کے
دل میں مہاجرین وانصار کی عداوت نہیں ہے۔ یوں فرمایا گیا۔ کہ وہ لوگ ہم سے دعا
مانگتے ہیں۔ کہ مہاجرین وانصار سے عداوت رکھنا بڑی بد بلا ہے۔ اس بلا سے
نجات بغیر فضل خداوندی کے نہیں ہو سکتی۔

علم الٰہی میں چونکہ ایک فرقہ ایسا پیدا ہونے والا تھا۔ جو مہاجرین وانصار
کی عداوت کو عظیم الشان عبادت قرار دینے والا تھا۔ اس لئے اس مضمون کو اتنی
اہمیت دی گئی۔ ورنہ کچھ ضرورت نہ تھی۔ یہ تو فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔ کہ
اخلاف اپنے اسلاف کی عزت کریں۔ اور اُن کے کارناموں کی یاد تازہ کرتے رہیں۔

آج ہر یہودی کی زبان پر یہ لفظ ہے۔ کہ ہماری اُمّت میں سب سے
بہتر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا مرتبہ سب سے فائق ہے علیٰ ہٰذا
دوسری قوموں کا بھی یہی حال ہے۔ سب اپنے اسلاف کی برتری کے گیت
گاتے ہیں۔ مگر مشیت الٰہی کہ قرن صحابہ کے آخر میں کلمہ گویان اسلام میں ایک
فرقہ روافض کا پیدا ہوا۔ جو فطرت انسانی کے اسلاف کرام کو بدترین اُمت
کہتا ہے۔ اور جن کی بدولت کلمہ اسلام نصیب ہوا۔ ان سے عداوت رکھتا
ہے۔ جس وقت اس فرقہ کا ظہور ہوا۔ کچھ کچھ صحابہ کرام موجود تھے۔ ان کو اس
فرقہ کے اقوال سن کر سخت تعجب ہوا۔ اور انہوں نے ان کا بطلان اچھی طرح
ظاہر فرمایا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی فرمایا۔ اور بعض دوسرے
صحابہ کرامؓ کے اقوال انشاء اللہ آئندہ فصل میں آئیں گے۔

تعلیمات و فوائد: ان آیتوں میں جو تعلیمات ہیں۔ آپ ان کی طرف
توجہ کرنا چاہیے۔

(۱) مہاجرین کے متعلق تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی۔ اوّل یہ کہ وہ اللہ تعالےٰ
کے نہایت خالص و مخلص بندے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا مقصود و مطلوب سوائے رضائے الٰہی

کے کچھ نہ تھا۔ اور اس مقصود کے حاصل کرنے میں ان کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں۔ لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ دوم یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار تھے۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ قیامت کے دن ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ سوم یہ کہ وہ صادق تھے۔ اور صادق ہونے کی وجہ سے واجب الاقتداء تھے۔

(۲) انصار کے متعلق بھی تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی۔ اوّل یہ کہ وہ مہاجرین کے محب تھے۔ دوم یہ کہ ان کے نفوس ایسے مزکّی تھے۔ کہ حرص و حسد کا ان کے پاس گذر نہ تھا۔ حتیٰ کہ باوجود صاحب حاجت ہونے کے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ سوم یہ کہ وہ فلاح پانے والے تھے۔ فلاح آخرت کی تخصیص نہ فرمائی۔ لہٰذا دنیا و آخرت دونوں کی فلاح اُن کے لئے لازم ہوگئی۔

(۳) مہاجرین و انصار کے بعد جو مسلمان ہوں۔ اُن کو یہ تعلیم دی گئی۔ کہ وہ مہاجرین و انصار کے مرتبے کو پہچانیں۔ اور ان کے لئے استغفار یعنی دُعائے خیر کرتے رہیں۔ اور ان سے بغض و عداوت نہ رکھیں۔

استغفار کے لفظ سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے۔ کہ بالفرض مہاجرین و انصار سے کوئی گناہ بھی سرزد ہوا ہو۔ تو مابعد والوں کو اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں۔ بلکہ ان کے لئے استغفار کرنا چاہیئے۔

ف۔ اہل سُنت کے عقائد کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ نَکُفُّ عَنْ ذِکْرِ الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ یعنی ہم صحابہ کرام کا ذکر سوا بھلائی کے کسی دوسری طرح نہیں کرتے۔ اس کی بنیاد اسی قسم کی آیتوں[1] پر ہے۔

---

[1] اور احادیث میں تو یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ طبرانی نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ثوبان سے اور ابن عدی نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا یعنی جب

باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۱ پر

اس آخری آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ صحابہ کرام بالخصوص مہاجرین و انصار کی مدح کرنا اُن کے فضائل و مناقب کا چرچا کرنا مابعد والوں کے فرائض میں سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۰)

میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے۔ تو ان کی بدگوئی سے زبان کو روکو۔ یہی مضمون مخالفین کی معتبر کتابوں میں حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے۔ چنانچہ کشف الغمہ مطبوعہ ایران صفحہ ۱۹۹ میں ہے:۔

قَالَ سَعِيْدُ بْنُ مَرْجَانَةَ	سعید بن مرجانہ کہتے ہیں۔ کہ میں ایک
كُنْتُ يَوْمًا عِنْدَ عَلِيِّ	روز امام زین العابدین کے پاس
بْنِ الْحُسَيْنِ اِلٰى اَنْ قَالَ	بیٹھا ہوا تھا کچھ لوگ عراق کے
وَقَدِمَ عَلَيْهِ نَفَرٌ مِّنْ	رہنے والے اُن کے پاس آئے۔
اَهْلِ الْعِرَاقِ فَقَالُوْا فِيْ	اور انہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان
اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ	رضی اللہ عنہم کی شان میں کچھ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَلَمَّا	(ناشائستہ کلام) کہا۔ جب وہ اپنی
فَرَغُوْا مِنْ كَلَامِهِمْ	بات ختم کر چکے۔ تو امام نے ان سے
قَالَ لَهُمْ اَلَا تُخْبِرُوْنِيْ	فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ تم لوگ ان مہاجرین
اَفَاَنْتُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ	اوّلین میں سے ہو جن کے حق میں
الْاَوَّلُوْنَ الَّذِيْنَ	اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں سے
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ	اور اپنے مالوں سے نکالے گئے
وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ	اس حال میں کہ وہ اللہ کی بخشش
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا	اور رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ	کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے

ایک بڑی چیز ان آیتوں میں اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے مال فے
کا مستحق تین جماعتوں کو قرار دیا۔ اوّل مہاجرین دوم انصار سوم وہ مسلمان جو

(بقیہ حاشیہ صـ ۳۱۱)

رَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ قَالُوْا لَا قَالَ فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط قَالُوْا لَا قَالَ مَآ اَنْتُمْ فَقَدْ تَبَرَّأْتُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا مِنْ اَحَدِ هٰذَيْنِ الْفَرِيْقَيْنِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكُمْ لَسْتُمْ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ

ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ امام نے فرمایا۔ کہ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو۔ (جن کے حق میں اللہ نے فرمایا، کہ انہوں نے دار میں اور ایمان میں مہاجرین سے پہلے سکونت اختیار کی تھی۔ اور محبت رکھتے تھے ان لوگوں سے جو ان کے پاس ہجرت کر کے آئے اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی حاجت اُس چیز کی طرف سے جو ان کو دی گئی، اگرچہ اُن پر تنگی ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں امام نے فرمایا کہ آگاہ ہو ان دونوں گروہوں میں سے نہ ہونے کا تو تم کو خود اقرار ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اُس تیسرے گروہ میں سے بھی نہیں ہو (جن کے حق میں اللہ نے فرمایا، کہ وہ دعا مانگتے ہیں کہ۔ ہمارے پروردگار بخش

(باقی حاشیہ صـ ۳۱۳ پر)

مہاجرین وانصار کے مداح اور دُعاگو ہوں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جو لوگ مہاجرین وانصار کے مداح نہ ہوں۔ بلکہ ان کی بدگوئی کریں۔ وہ مال فے کے مستحق نہیں اس کے بعد یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ مال فے کا مستحق ہر مسلمان ہے۔ جیسا کہ ان روایات سے جو آئندہ فصل میں منقول ہوں گی۔ ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں مُسلمانوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اور مہاجرین وانصار کی بدگوئی کرنے والے ان تینوں قسموں سے خارج ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنتہ جلد اول ص۱۵۳ میں انہیں آیتوں کو لکھ کر فرماتے ہیں۔

فَهٰذِهِ الْاٰيَاتُ تَتَضَمَّنُ	یہ آیات مہاجرین اور انصار اور
الثَّنَاءَ عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ	ان لوگوں کی تعریف پر شامل ہیں
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ	جو مہاجرین وانصار کے بعد آئیں

(بقیہ حاشیہ ص۳۱۲)

سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا	دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو
تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا	جو ہم سے سبقت لے گئے ایمان میں۔
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اُخْرُجُوْا	اور نہ کر ہمارے دلوں میں کینہ ایمان
عَنِّيْ فَعَلَ اللّٰهُ بِكُمْ۔	والوں کا (تم تو بجائے دُعائے خیر کے

ان کی بدگوئی کرتے ہو۔ لہذا تم مسلمانوں کی تینوں قسموں سے خارج ہو میرے پاس سے نکل جاؤ۔ اللہ تمہارے ساتھ بُرائی کرے۔ آمین۔

حضرت امام زین العابدین نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی بدگوئی کرنے والوں کو کس صفائی کے ساتھ بتادیا۔ کہ قرآن مجید نے جو تین قسمیں مسلمانوں کی سورہ حشر میں بیان فرمائی ہیں۔ تم ان تینوں قسموں سے خارج ہو۔ دوسرے ائمہ کرام سے بھی اسی قسم کے کلمات منقول ہیں۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بدگوئی کرنے والوں کو فرمایا کہ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُرَّاقُ یعنی یہ لوگ دین سے خارج ہیں ۱۲ ؛

جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهُمْ وَ
يَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ اَنْ لَّا
يَجْعَلَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ غِلًّا لَّهُمْ
وَتَتَضَمَّنُ اَنَّ هٰؤُلَاءِ الْاَصْنَافَ
هُمُ الْمُسْتَحِقُّوْنَ لِلْفَيْءِ
وَلَا رَيْبَ اَنَّ هٰؤُلَاءِ الرَّافِضَةِ
خَارِجُوْنَ مِنَ الْاَصْنَافِ
الثَّلَاثَةِ فَاِنَّهُمْ لَمْ
يَسْتَغْفِرُوْا لِلسَّابِقِيْنَ وَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ غِلٌّ عَلَيْهِمْ
فَفِي الْاٰيَاتِ الثَّنَاءُ عَلَى
الصَّحَابَةِ وَعَلٰى اَهْلِ السُّنَّةِ
الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُمْ وَ
اِخْرَاجُ الرَّافِضَةِ مِنْ
ذٰلِكَ وَهٰذَا يُنْقِضُ
مَذْهَبَ الرَّافِضَةِ۔

اور ان کے لئے استغفار کریں
اور اللہ سے یہ دعا مانگیں کہ
ہمارے دلوں میں ان کا کینہ
نہ ہو۔ نیز ان آیتوں میں یہ
مضمون بھی ہے۔ کہ مال فے
کے مستحق بھی تین جماعتیں
ہیں۔ اور اس میں کچھ شک
نہیں کہ روافض ان تینوں قسموں
سے خارج ہیں۔ اس لئے کہ
وہ سابقین کے لئے استغفار
نہیں کرتے۔ اور ان کے دلوں
میں ان کا کینہ ہے۔ پس ان آیات
میں تعریف ہے صحابہ کی اور
اہل سنت کی جو صحابہ سے محبت
رکھتے ہیں۔ اور روافض کا اس
سے اخراج کیا گیا ہے یہ بات
مذہب روافض کو بالکل چاک
کر دیتی ہے۔

اس کے بعد شیخ الاسلام موصوف نے کچھ اقوال صحابہ کرامؓ کے
اسی مضمون کی تائید میں نقل کئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں امام مالکؒ اور
دوسرے اکابر فقہاء سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔ کہ سلف صالحین کی
بدگوئی کرنے والے کا مال فے میں کچھ حق نہیں۔

فصل سوم

حضرت مولینا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی عدیم النظیر کتاب ازالۃ الخفا مقصد اول فصل ششم میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الْحَشْرِ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَہْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ خدا تعالیٰ در نص قرآن خبر مے دہد کہ آنچہ فے حاصل شد یعنے بغیر ایجاف خیل و رکاب و بدون مباشرت قتال معین میگرداند برائے مصارف مذکورہ کہ خدا و رسول و ذو قرابت رسول و یتامیٰ و مساکین و ابن سبیل باشند۔ بعد ازاں مے فرماید۔ للفقراء یعنے آں فے برائے فقرائے مہاجرین است و برائے انصار و برائے تابعان ایشان باحسان کہ بوصف نصیحت و خیر خواہی و دعائے خیر برائے پیشینیان متصف اند۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر میں فرمایا کہ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَہْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ۔ خدائے تعالیٰ نص قرآن میں اس مال کو جو بطور فے کے حاصل ہو یعنی بغیر گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے کے یعنی بغیر فوج کشی کے اور بغیر لڑائی کرنے کے مل جائے۔ ان مصارف کے لئے معین کرتا ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی خدا اور رسول اور رسول کے قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ یعنی وہ مال فے فقراء مہاجرین کے لئے ہے۔ اور انصار

کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو نیکی میں مہاجرین اور انصار کے
پیرو ہوں اور اگلوں کے لئے خلوص اور خیر خواہی اور دعائے خیر کرتے ہوں۔

چوں فے برائے جماعت غیر محصورین
مقرر شد ملک معین کسے نباشد
بلکہ ہر کسے را قدر ما یحتاج او
باید داد۔ و معنی خلیفہ نیست۔
الا آنکہ تصرف کند۔ در بیت المال
مسلمین بموافقت سنت
آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم بہ نیابت او علیہ الصلوٰۃ
والسلام۔ پس خلیفہ متصرف
در فے باشد و آں فے ملک
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نبود تا مبحث میراث در آں
جاری باشد۔ و نیز آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم شخصے خاص
را از اقارب خود ہبہ او نتوانند
کرد۔ و ہو المقصود۔

جب مال فے ایک غیر محدود
جماعت کے لئے قرار پایا تو (معلوم
ہوا کہ) یہ مال کسی کی ملک نہیں
ہوتا۔ بلکہ (اس کو مسلمانوں کے
بیت المال میں رکھنا چاہیئے۔
اور اس میں سے) ہر مسلمان کو
اس کی ضرورت کے موافق دینا
چاہیئے اور (یہ بات سب کو
مسلم ہے کہ) خلیفہ کا (بڑا) کام یہ
ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال
میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنت کے مطابق آپ کے
نائب ہونے کی حیثیت سے تصرف
کرے۔ لہذا (ثابت ہو گیا کہ) خلیفہ
فے میں تصرف کرے گا (یعنی
اس کو اپنی صوابدید سے صرف
کرے گا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ) مال فے آں حضرت صلعم کی ملک نہ تھا۔
کہ اس میں[1] وراثت کی بحث پیدا ہو۔ اور جب ملک نہ تھا۔ تو آپ
اپنے قرابت داروں میں سے کسی کو ہبہ بھی نہ کر سکتے تھے۔ و ہو المقصود۔

---

[1] ان چند جملوں میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قصہ فدک کو ایسا ختم کر دیا کہ باید و شاید۔ فدک کا
از قسم فے ہونا مسلم الکل ہے اور جب نص قرآنی سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ مال فے کسی کی ملک نہیں ہوتا۔ تو اب

(باقی حاشیہ صہ ٣١٧)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيْرِ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِمَّا لَمْ يُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى اَهْلِهٖ مِنْهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ حَتّٰى بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا

حضرت عمرؓ بن خطاب سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ قبیلہ بنی نضیر کے مال از قسم فے تھے۔ کیونکہ ان مالوں کے حاصل کرنے میں مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ۔ یہ مال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھے۔ آپ اپنے گھر والوں کا سال بھر کا خرچ اسی میں سے کرتے تھے۔ پھر جو باقی رہتا تھا۔ اس کو اللہ کی راہ میں اسلحہ وغیرہ کے خریدنے میں صرف کرتے تھے۔ مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے۔ کہ وہ کہتے تھے (ایک روز) حضرت عمرؓ بن خطاب نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ تک۔ پھر فرمایا کہ یہ (قسم مال کی) ان لوگوں کے لئے ہے (

(بقیہ حاشیہ ۳۱۶) فدک میں خواہ میراث کی بحث ہو خواہ ہبہ کی کچھ جان باقی نہ رہی اور سارا طومار خاکستر ہو گیا۔ فالحمد للہ ۱۲

غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ
لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اَلْاٰيَةَ ثُمَّ
قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ
قَرَأَ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ
الْقُرٰى حَتّٰى بَلَغَ لِلْفُقَرَاءِ
الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى اٰخِرِ
الْاٰيَةِ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ
لِلْمُهَاجِرِيْنَ ثُمَّ تَلَا
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ
الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ فَقَالَ
هٰذِهٖ لِلْاَنْصَارِ ثُمَّ
قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ
مِنْ بَعْدِهِمْ اِلٰى اٰخِرِ
الْاٰيَةِ ثُمَّ قَالَ اسْتَوْعَبَتْ
هٰذِهِ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً
وَلَيْسَ اَحَدٌ اِلَّا لَهٗ فِيْ
هٰذَا الْمَالِ اِلَّا مَا تَمْلِكُوْنَ
مِنْ رَّقِيْقِكُمْ ثُمَّ قَالَ
لَئِنْ عِشْتُ لَيَاْتِيَنَّ
الرَّاعِيَ وَهُوَ بِسَرْوِ حِمْيَرَ
نَصِيْبُهٗ مِنْهَا لَمْ

جن کا ذکر آیت میں ہے) بعد
اس کے یہ آیت پڑھی۔ وَ
اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ
مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ
اَلْاٰيَةَ پھر یہ فرمایا کہ یہ
(قسم مال کی) ان لوگوں کے لئے
ہے (جن کا ذکر اس آیت
میں ہے) پھر فرمایا کہ یہ (قسم
مال کی) ان لوگوں کے لئے ہے۔
اس کے بعد یہ آیت پڑھی مَا
اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى لِلْفُقَرَاءِ
الْمُهَاجِرِيْنَ تک اور فرمایا
کہ یہ مال مہاجرین کے لئے
ہے پھر وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ
الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ
قَبْلِهِمْ کی تلاوت کرکے فرمایا
کہ یہ مال انصار کے لئے ہے۔
پھر وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْ
بَعْدِهِمْ آخر آیت تک
پڑھ کر فرمایا کہ یہ لفظ تمام
مسلمانوں کو شامل ہے۔ کوئی
مسلمان ایسا نہیں۔ جس کا حق

يَعْرِقُ جَبِيْنُهُ ۔ اس مال میں نہ ہو۔ سوا ان غلاموں کے جو تمہارے ملک میں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر میں (کچھ دنوں) زندہ رہ گیا تو ایک چرواہے کو مقام سرو حمیر میں اس کا حصہ پہنچ جایا کرے گا (جس کے حاصل کرنے میں) اس کی پیشانی پر پسینہ بھی نہ آئیگا۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ اجْتَمِعُوْا لِهٰذَا الْمَالِ فَانْظُرُوْا لِمَنْ تَرَوْنَهُ ثُمَّ قَالَ اِنِّيْ اَمَرْتُكُمْ اَنْ تَجْتَمِعُوْا لِهٰذَا الْمَالِ فَتَنْظُرُوْا لِمَنْ تَرَوْنَهُ وَاِنِّيْ قَرَأْتُ اٰيَاتٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَكَفَتْنِيْ سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِلٰى قَوْلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَاللّٰهِ مَا هُوَ لِهٰٓؤُلَآءِ وَحْدَهُمْ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ اِلٰى قَوْلِهِ الْمُفْلِحُوْنَ وَاللّٰهِ مَا هُوَ لِهٰٓؤُلَآءِ وَحْدَهُمْ

زید بن اسلم سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! (ایک دن) سب جمع ہو کر اس مال کے متعلق غور کرو کہ کس کو دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے تم لوگوں سے جمع ہو کر اس مال کے متعلق غور کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اب میں نے کتاب اللہ میں کچھ آیتیں پڑھیں وہ میرے لئے کافی ہیں۔ میں نے اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ... هُمُ الصّٰدِقُوْنَ تک معلوم ہوا کہ یہ مال ان لوگوں کا حق ہے مگر نہ صرف ان کا (کیونکہ آگے فرمایا)

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ	وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا	وَالْاِیْمَانَ اِلٰی قَوْلِہٖ
اغْفِرْلَنَآ اِلٰی قَوْلِہٖ رَحِیْمٌ	الْمُفْلِحُوْنَ تک معلوم ہوا کہ
وَاللّٰہِ مَآ اَحَدٌ مِّنَ	اس مال میں ان کا بھی حق ہے
الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا لَہٗ حَقٌّ	مگر نہ صرف ان کا کیونکہ آگے فرمایا۔
فِیْ ھٰذَا الْمَالِ اُعْطِیَ	وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ
مِنْہُ اَوْ مُنِعَ مِنْہُ	یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا
حَتّٰی رَاعٍ بِعَدَنَ	قولہٖ رَحِیْمٌ ۔ معلوم

ہوا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو۔ اب خواہ اس کو دیا جائے یا نہ دیا جائے ۔ یہاں تک کہ عدن جیسے دور دراز مقام ، میں ایک چرواہا رہتا ہو اس کا بھی حق ہے ۔

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ	سعید بن مسیب سے روایت
قَالَ قَسَمَ عُمَرُ ذَاتَ یَوْمٍ	ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز
قَسْمًا مِنَ الْمَالِ فَجَعَلُوْا	حضرت عمرؓ نے کچھ مال تقسیم کیا
یُثْنُوْنَ عَلَیْہِ فَقَالَ مَا	تو لوگ (خوش ہوکر) ان کی
اَحْمَقَکُمْ لَوْکَانَ لِیْ مَا	تعریف کرنے لگے ۔ حضرت عمرؓ نے
اَعْطَیْتُکُمْ مِنْہُ دِرْھَمًا	فرمایا ۔ تم کس قدر احمق ہو ۔ اگر یہ

مال میرا ہوتا تو میں تم کو اس میں سے ایک درہم بھی نہ دیتا ۔

عَنْ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	سمرہؓ سے روایت ہے ۔ کہ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
یُوْشِکُ اَنْ یَّمْلَأَ اللّٰہُ	فرمایا کہ قریب ہے ۔ کہ اللہ تمہارے
اَیْدِیَکُمْ مِنَ الْعَجَمِ	ہاتھ عجم کے مال سے بھر دیگا ۔
ثُمَّ یَجْعَلُھُمْ اُسْدًا	پھر اللہ ان کو (اسلام سے مشرف

لَا يَفِرُّوْنَ فَيَقْتُلُوْنَ مُقَاتِلَتَكُمْ وَيَأْكُلُوْنَ فَيْئَكُمْ۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ثَلٰثًا مَامِنَ النَّاسِ اَحَدٌ إِلَّا لَهٗ فِيْ هٰذَا الْمَالِ حَقٌّ اُعْطِيَهٗ اَوْ مُنِعَهٗ وَمَا اَحَدٌ اَحَقُّ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا عَبْدٌ مَّمْلُوْكٌ وَمَا اَنَا فِيْهِ اِلَّا كَاَحَدِهِمْ وَلٰكِنَّا عَلٰى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَقَسْمِنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالرَّجُلُ وَبَلَاؤُهٗ فِي الْاِسْلَامِ وَالرَّجُلُ وَقِدَمُهٗ فِي الْاِسْلَامِ فَالرَّجُلُ وَغَنَاؤُهٗ فِي الْاِسْلَامِ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهٗ وَاللّٰهِ لَئِنْ

کرکے) شیر بنا دے گا۔ کہ لڑائی سے فرار نہ کریں گے۔ اور تمہارے دشمنوں کو قتل کریں گے۔ اور تمہارے فے کو وہ بھی کھائیں گے۔

سائب بن یزید سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے سنا۔ کہ تین مرتبہ انہوں نے اس طرح قسم کھا کر کہ قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو۔ اب خواہ حق دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ اور اس حق میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں سوا غلام کے کہ اس کا البتہ کوئی حق اس مال میں نہیں میں بھی اس معاملہ میں مثل اور لوگوں کے ہوں۔ ہاں ہم لوگوں کے جو مدارج کتاب اللہ میں ہیں اور جو حصہ ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے وہ بجائے خود ہے۔ پس ہر شخص اپنے اس درجہ میں ہے۔ جو مصائب اس نے اسلام میں برداشت کیے۔ اور

لَئِنْ بَقِيتُ لَيَأْتِيَنَّ الرَّاعِيَ بِجَبَلِ صَنْعَاءَ حَظُّهُ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَهُوَ بِمَكَانِهِ۔	رسوخ اس نے اسلام میں حاصل کیا۔ اور جو فوائد اس سے اسلام کو پہنچے۔ اور ہر شخص کی حاجت کا بھی لحاظ کیا جائے گا واللہ

اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک چرواہے کو جو صنعا کے پہاڑ میں رہتا ہو اس کا حصہ اُس کے گھر میں پہنچ جایا کرے گا۔

وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ كَتَبَ عُمَرُ إِلٰى حُذَيْفَةَ أَنْ أَعْطِ النَّاسَ أَعْطِيَتَهُمْ وَأَرْزَاقَهُمْ فَكَتَبَ إِلَيْهِ إِنَّا قَدْ فَعَلْنَا وَبَقِيَ شَيْءٌ كَثِيرٌ فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ أَنَّهُ فَيْئُهُمُ الَّذِي أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ لَيْسَ هُوَ لِعُمَرَ رض وَلَا لِآلِ عُمَرَ رض اِقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ۔	حسن بصری سے روایت ہے۔ کہ حضرت عمر رض نے حضرت حذیفہ رض کو یہ لکھ کر بھیجا۔ کہ لوگوں کو ان کے گزارے اور روزینے دے دو۔ حضرت حذیفہ رض نے جواب بھیجا کہ دینے کے بعد بھی بہت سا مال بچ رہا۔ حضرت عمر رض نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ فے کا مال ہے نہ عمر رض کا ہے نہ عمر کی اولاد کا۔ لہٰذا کل تقسیم کر دو۔
عَنْ قَتَادَةَ فِي قَوْلِهِ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ قَالَ هٰؤُلَآءِ الْمُهَاجِرُوْنَ تَرَكُوا الدِّيَارَ وَالْأَمْوَالَ وَالْأَهْلِيْنَ وَالْعَشَائِرَ وَ	قتادہ سے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ مہاجرین کا بیان ہے۔ جنہوں نے گھر اور مال اور بی بی بچوں اور اعزہ و اقارب کو چھوڑ دیا۔ اور اللہ اور اس کے

خَرَجُوْا حُبًّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَاخْتَارُوا الْاِسْلَامَ عَلٰی مَا کَانَتْ فِیْهِ مِنْ شِدَّةٍ حَتّٰی ذُکِرَ لَنَا اَنَّ الرَّجُلَ کَانَ یَعْصِبُ الْحَجَرَ عَلٰی بَطْنِهٖ لِیُقِیْمَ بِهٖ صُلْبَهٗ مِنَ الْجُوْعِ وَکَانَ الرَّجُلُ یَتَّخِذُ الْحُفْرَةَ فِی الشِّتَاءِ مَالَهٗ دِثَارٌ غَیْرُهَا۔

رسول کی محبت میں اپنے وطن سے نکل گئے۔ اور باوجود سختیوں کے اسلام کو اختیار کیا۔ یہاں تک کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ حال تھا کہ وہ لوگ بھوک کے سبب سے اپنے شکم پر پتھر باندھتے تھے۔ تاکہ اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھ سکیں اور جاڑوں میں گڑھے کھود کر اُن میں رہتے تھے کوئی کپڑا ان کے پاس نہ ہوتا تھا۔

وَعَنْ قَتَادَةَ فِیْ قَوْلِهٖ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ قَالَ هُمْ هٰذَا الْحَیُّ مِنَ الْاَنْصَارِ اَسْلَمُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ وَابْتَنَوُا الْمَسَاجِدَ قَبْلَ قُدُوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِسَنَتَیْنِ وَاَحْسَنَ اللّٰهُ الثَّنَاءَ عَلَیْهِمْ فِیْ ذٰلِكَ وَهَاتَانِ الطَّائِفَتَانِ الْاَوَّلِیَّانِ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَخَذَتَا

نیز قتادہ سے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِیمان اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ کی تفسیر میں منقول ہے۔ کہ یہ بیان قبیلہ انصار کا ہے۔ وہ اپنے وطن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے دو برس پہلے اسلام لائے اور مسجدیں بنائیں۔ اللہ تعالے نے ان کے اس کام کی تعریف فرمائی۔ اور اس امت کے یہ دونوں اگلے گروہ اپنی اپنی فضیلت

بفضلهما واثبت الله
حظهما في هذا الفئ ثم
ذكر الطائفة الثالثة
فقال والذين جاءو من
بعدهم يقولون ربنا
اغفر لنا ولاخواننا الى
اخر الاية قال انما
امروا ان يستغفروا
لاصحاب النبي صلى الله
عليه وسلم ولم
يؤمروا بسبهم ۔

لے گئے۔ اور اللہ نے ان دونوں
کا حصہ مال فے میں قائم کر دیا۔
اور اُن کے بعد اللہ نے تیسرے
گروہ کا ذکر فرمایا اور فرمایا
وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ
لِاِخْوَانِنَا اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ
(یہ آیت پڑھ کر) قتادہ نے
کہا۔ کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ
اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے استغفار کریں۔ ان کی
بدگوئی کا حکم نہیں دیا گیا۔

عن الحسن قال فضل الله
المهاجرين على الانصار
فلم يجدوا في صدورهم
قال الحسد ۔

حسنؓ بصری سے روایت ہے
وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے
مہاجرین کو انصار پر فضیلت
دی۔ مگر انصار کو ان پر حسد نہ ہوا۔

عن عمر انه قال
اوصي الخليفة بعدي
بالمهاجرين الاولين
ان يعرف لهم حقهم
ويحفظ لهم حرمتهم
واوصيه بالانصار
الذين تبوء الدار و

حضرتؓ عمر سے روایت ہے۔ کہ
انہوں نے فرمایا میں آپ کے
جانشین کو وصیت کرتا ہوں
کہ مہاجرین اوّلین کا خیال
کرے ان کی حق شناسی کرے۔
اور ان کی عزت کی حفاظت
کرے۔ اور انصار کے لئے بھی

الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّهَاجِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقْبَلَ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَیَعْفُوْا عَنْ مُّسِیْئِهِمْ۔

وصیت کرتا ہوں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ لی تھی۔ کہ ان کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرے۔ اور ان کے خطا کاروں سے درگذر کرے۔

عَنْ سَعْدِ ابْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ النَّاسُ عَلٰی ثَلٰثِ مَنَازِلَ قَدْ مَضَتْ مَنْزِلَتَانِ وَبَقِیَتْ مَنْزِلَةٌ فَاَحْسَنُ مَا اَنْتُمْ كَائِنُوْنَ عَلَیْهِ اِنْ تَكُوْنُوْا بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ الَّتِیْ بَقِیَتْ ثُمَّ قَرَأَ لِلْفُقَرَاۤءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الْاٰیَةَ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَاۤءِ الْمُهَاجِرُوْنَ وَهٰذِهِ مَنْزِلَةٌ وَّقَدْ مَضَتْ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ الْاٰیَةَ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَاۤءِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رض سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے کہا لوگوں کے (یعنی مسلمانوں کے)، تین طبقہ ہیں۔ دو طبقہ تو گذر چکے۔ اب صرف ایک باقی ہے۔ پس تمہاری بہترین حالت یہ ہے۔ کہ جو طبقہ باقی رہ گیا ہے۔ اس میں داخل ہو جاؤ اس کے بعد انہوں نے لِلْفُقَرَاۤءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الْاٰیَةَ کی تلاوت کی اور کہا کہ یہ مہاجرین کا طبقہ ہے۔ اور یہ طبقہ گذر چکا۔ اس کے بعد وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ الْاٰیَةَ

اَلْاَنْصَارُ وَهٰذِهِ الْمَنْزِلَةُ
وَقَدْ مَضَتْ ثُمَّ قَرَأَ
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ
لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ مَضَتْ
هَاتَانِ الْمَنْزِلَتَانِ وَبَقِيَتْ
هٰذِهِ الْمَنْزِلَةُ فَاَحْسَنُ مَا
اَنْتُمْ كَائِنُوْنَ عَلَيْهِ اَنْ
تَكُوْنُوْا بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ۔

کی تلاوت کی۔ اور کہا کہ یہ انصار
کا طبقہ ہے۔ یہ بھی گذر چکا اس
کے بعد وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ
مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ
سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کی تلاوت
کی اور کہا کہ وہ دونوں طبقہ تو
گذر چکے۔ اب یہی ایک طبقہ
باقی ہے۔ لہذا تمہاری بہترین
حالت یہ ہے۔ کہ اس تیسرے طبقہ
میں تمہارا شمار ہو جائے۔

عَنِ الضَّحَّاكِ وَالَّذِيْنَ
جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
اَلْاٰيَةَ اُمِرُوْا بِالْاِسْتِغْفَارِ
لَهُمْ وَقَدْ عَلِمَ مَا
اَحْدَثُوْا۔

ضحاک سے وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ
مِنْ بَعْدِهِمْ کی تفسیر میں
منقول ہے کہ لوگوں کو حکم ملا
تھا کہ صحابہ کے لئے استغفار
کریں۔ مگر اب دیکھو لوگ کیسی
بدعت کر رہے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ
اُمِرُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا
لِاَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبُّوْهُمْ
ثُمَّ قَرَأَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ

حضرت عائشہ رضی سے مروی ہے۔
کہ انہوں نے کہا۔ لوگوں کو حکم دیا
گیا تھا کہ اصحاب نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے استغفار کریں۔
مگر لوگوں نے بجائے استغفار
کے، ان کی بدگوئی شروع کردی۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ۔

یہ کہہ کر انہوں نے بھی آیت وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ پڑھی ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا يَتَنَاوَلُ بَعْضَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَرَأَ عَلَيْهِ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ هٰٓؤُلَاءِ الْمُهَاجِرُوْنَ اَفَمِنْهُمْ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ الْاٰيَةَ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ الْاَنْصَارُ اَفَمِنْهُمْ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ الْاٰيَةَ قَالَ اَفَمِنْ هٰٓؤُلَاءِ اَنْتَ قَالَ اَرْجُوْ قَالَ لَا لَيْسَ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ سَبَّ هٰٓؤُلَآءِ ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو سنا کہ مہاجرین میں سے کسی پر اعتراض کرتا ہے ۔ تو انہوں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی ۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاٰيَةَ اور اس سے فرمایا کہ یہ مہاجرین کا بیان ہے ۔ کیا تو اس گروہ میں سے ہے اس نے کہا نہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھی وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ الْاٰيَةَ اور فرمایا کہ یہ انصار کا بیان ہے ۔ کیا تو اس گروہ میں سے ہے ۔ اس نے کہا نہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھی وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ الْاٰيَة ۔ اور فرمایا کہ کیا تو اس گروہ میں سے ہے ۔ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی

رکھتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں۔ اس گروہ میں سے وہ شخص نہیں ہو سکتا جو پہلے دونوں گروہوں کی بدگوئی کرے۔

وَمِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا نَالَ مِنْ عُثْمَانَ فَدَعَاهُ فَاَقْعَدَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَرَاَ عَلَيْهِ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَاَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ الْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ اَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَاَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ الْاٰيَةَ قَالَ اَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ اَنْتَ قَالَ اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ مِنْهُمْ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ مِنْهُمْ مَنْ تَنَاوَلَهُمْ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ الْغِلُّ عَلَيْهِمْ۔ (ازالۃ الخفا)

ایک دوسری سند سے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ ان کو یہ خبر ملی کہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرتا ہے۔ آپ نے اس کو بلایا۔ اور اپنے سامنے بٹھلایا اسکے سامنے یہ آیۃ پڑھی للفقراء المهاجرین اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے اسنے کہا نہیں پھر یہ آیۃ پڑھی والذین تبوّؤ الدار والایمان الآیۃ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے اس نے کہا نہیں پھر یہ آیت پڑھی۔ والذین جاءو ومن بعدھم اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے۔ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی رکھتا ہوں کہ میں انہیں سے ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ نہیں اللہ کی قسم وہ شخص ان میں سے نہیں ہو سکتا۔ جو مہاجرین و انصار پر اعتراض کرے۔ اور اس کے دل میں اُن کی عداوت ہو۔

ازالۃ الخفاء کی عبارت ختم ہوگئی۔ اور چونکہ تفاسیر موجود میں اس قدر جامع عبارت کسی میں نہ تھی۔ لہذا اس وقت صرف اسی عبارت پر اکتفا کی گئی۔

تتمہ

یہ سلسلہ آیات قرآنیہ کی تفسیر کا بظاہر نظر صحابہ کرام رض کے فضائل ومناقب کے بیان کرنے کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ لیکن درحقیقت اصلی نتیجہ اس مبحث کا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کا مظاہرہ ہے۔

ایک مرتبہ قرآن مجید کو شروع سے آخر تک اس نظر سے دیکھنے کی توفیق ملی۔ کہ جن آیات میں دلائل نبوت کا بیان ہوا۔ ان کو منتخب کر لیا جائے۔ اس مطالعہ سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن مجید میں چار قسم کے دلائل آپ کی نبوت پر قائم فرمائے گئے ہیں۔

پہلی قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی انبیائے سابقین علیہم السلام کی اور کتب الٰہیہ سابقہ کی پیشین گوئیاں ہیں۔ جو متعدد آیتوں مختلف عنوانوں اور عبارتوں میں پیش فرمائی گئی ہیں۔ مثلاً ایک آیت میں فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ[1] اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ اور دوسری جگہ فرمایا النَّبِیَّ[2] الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ اور ایک جگہ فرمایا اَوَلَمْ[3] یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔

دوسری قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی آپ کے حالات ہیں جن

[2] ترجمہ: وہ نبی امی جس کو اپنے پاس توراۃ، انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

[3] ترجمہ: کیا اہل مکہ کے لئے یہ دلیل کافی نہیں ہے۔ کہ بنی اسرائیل یعنی علمائے یہود ونصاریٰ ہمارے نبی کی نبوت کو جانتے ہیں ۱۲۔

[1] ترجمہ:۔ جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ یعنی علمائے یہود ونصاریٰ وہ ہمارے نبی کو ایسا پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۱۲

میں آپ کی تعلیمات بھی شامل ہیں۔ قرآن مجید میں اس چیز کا بیان تو اصل مقصد ہی ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق کسی خاص آیت کا حوالہ دینا ضروری نہیں۔

تیسری قسم کی دلیل آپ کی نبوّت کی آپ کے معجزات ہیں۔ قرآن مجید میں اگرچہ چند ہی معجزات کا بیان ہے۔ مگر کلی طور پر آپ کے معجزات کی بے نظیر کثرت بیان فرما کر ایک طرح سے تمام جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے۔ سورہ قمر میں ارشاد ہوا۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[1]۔

چوتھی قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی آپ کے شاگردوں یعنی آپ کے صحابہ کرام کے کمالات ہیں۔

اس قسم کو قرآن مجید نے بہ نسبت پہلی تین قسموں کے زیادہ اہتمام سے بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسی زبردست دلیل ہے۔ جس کے آگے بے انصاف مخالفوں کے سر بھی جھک جاتے ہیں۔ اور یہ دلیل ایسی ہے۔ کہ اسی سے تمام دنیا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعلان ہوا۔ اور اس دلیل نے تمام عالم کو طوعًا وکرہًا اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ بخلاف دلائل سابقہ کے کہ جب کوئی باختیار خود ان کی طرف توجہ کرے تو کچھ نتیجہ نکلے۔

صحابہ کرام بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام دنیا میں پھیل گئے۔ اور بڑی سلطنتیں ان کے قبضہ میں آئیں۔ لوگوں نے ان کے حالات و کمالات کا مشاہدہ کیا اور سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ بے اختیار بول اٹھے کہ جس استاد

---

[1] ترجمہ۔ قریب آ گئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔ اور جب یہ کافر کوئی نشانی یعنی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ جادو ہے مستمر ۱۲۔

ف۔ اس آیت میں معجزہ شق القمر کا بیان ہے۔ مستمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ کہیں درمیان سے منقطع نہ ہوا ہو۔ معلوم ہوا کہ معجزات کا مسلسل سلسلہ تھا کہ دشمن اس کو مستمر کہتے تھے۔

کے شاگرد ایسے باکمال ہیں۔ اُس اُستاد کے کمال میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو چار اقوال منکرین کے درج ذیل ہیں۔

(۱) یورپ کے مشہور مؤرخ گبن نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:-

پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ ان کی سرگرمی و دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی عمر یں ادائے فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں۔ پس یہی لوگ محمدؐ کے ابتدائی جلسہ کے شریک تھے جو بیشتر اس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار پکڑی۔ اُس کے جانب دار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا، اُن کے اوّل ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے ان کی سچائی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی قوت معلوم ہوتی ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:-

"اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں، اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی۔ اور اس سرگرمی سے اُس کے پابند ہوئے۔ اور یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوئے ہوں۔ جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلۂ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں۔ جو ان کی تربیت کے خلاف ہو۔ اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ اس پر یقین نہیں ہو سکتا۔ یہ خارج از حیطۂ امکان ہے"

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:-

"عیسائی اس بات کو یاد رکھیں۔ تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل نے اس درجہ نشۂ دینی اس کے پیروؤں میں پیدا کیا۔

جس کو عیسٰی علیہ السلام کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ اور اس کا مذہب اس تیزی کے ساتھ پھیلا جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں۔ چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالی شان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسٰیؑ کو سولی پر لے گئے۔ تو اس کے پیرو بھاگ گئے۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑکر چل دیتے۔ اگر بالفرض اس کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو موجود رہتے۔ اور صبر سے اس کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اس کے محمدؐ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گردو پیش رہے۔ اور اس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈالی کر کل دشمنوں پر اس کو غالب کر دیا۔

گاوفری ہیگنس اپنی کتاب اپالوجی فرام محمد میں لکھتے ہیں کہ:۔

"با وجودیکہ محمدؐ اور عیسٰیؑ کی ابتدائی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں۔ جن میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں۔ جن میں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً عیسٰیؑ کے اول بارہ مریدوں کو ناتربیت یافتہ اور کم رتبہ مانا گیا ہے۔ بخلاف محمدؐ کے اول مریدوں کے کہ بجز اس کے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت تھے۔ اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے۔ تو اس زمانہ میں جو کچھ انہوں نے کام کئے ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان میں اول درجہ کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے۔ عیسٰیؑ کے اول مریدوں کی کم رتبگی کو موشیم صاحب دین عیسائی کی خوبی سمجھتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو میں مجبوری مقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول محققین میں سے ہوتے۔ تو مجھ کو بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا۔

سر ولیم اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں :۔
ہجرت سے تیرہ برس پہلے مکہ ایک ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا۔
مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی اثر عظیم پیدا ہوا کہ سینکڑوں آدمیوں
کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی
اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔
اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے ۔ اسی کی رحمت
پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات اور خیرات اور پاک دامنی
اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے ۔ اب انہیں شب و روز
اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہماری
ادنیٰ حوائج کا بھی خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں ہر
ایک امر متعلقہ زندگانی اور اپنی خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ
اور تغیر میں اسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے ۔ اور اس سے بڑھ کر
اس نئی روحانی حالت کو جس میں خوش حالی اور حمد کناں رہتے تھے۔
خدا کے فضل خاص و رحمت یا اختصاص کی علامت سمجھتے تھے۔ اور
اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیئے ہوئے خذلان
کی نشانی جانتے تھے ۔ محمدؐ کو جو ان کی ساری امیدوں کے ماخذ
تھے۔ اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے اور ان کی ایسی کامل
طور پر اطاعت کرتے تھے ۔ جو ان کے رتبہ عالی کے لائق تھی۔ ایسے
تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم
ہو گیا تھا ۔ جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت
و ہلاکت تھے ۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت
کیا ۔ اور گویا ایسا کرنا ان کی ایک مصلحت تھی ۔ مگر پھر بھی ایسی عالی
ہمتی کے ساتھ بردباری کرنے کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔"

سر ولیم میور نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ عبرت آموز ہے۔ چنانچہ چند فقرات کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"موصوف اپنی کتاب اولی خلافت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق لکھتے ہیں"

آپ کا عہد مختصر تھا۔ مگر رسول اللہ کے بعد اور کوئی ایسا نہیں ہوا۔ جس کا اسلام کو ان سے زیادہ ممنون اور مرہون احسان ہونا چاہیئے۔ چونکہ ابوبکرؓ کے دل میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا۔ اور یہی عقیدہ خود رسول اکرمؐ کے خلوص اور سچائی کی زبردست شہادت ہے۔ لہذا میں نے آپ کی حیات وصفات کے تذکرہ کے لئے کچھ جگہ زیادہ وقف کی ہے۔ اگر حضرت محمدؐ کو ابتدا سے اپنے کذاب ہونے کا یقین ہوتا۔ تو وہ کبھی ایسے شخص کو دوست اور عقیدت مند نہ بنا سکتے۔ جو نہ صرف دانا و ہوشمند تھا۔ بلکہ سادہ مزاج اور صفائی پسند بھی تھا۔ ابوبکر کو نفسانی عظمت و شوکت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انہیں شاہانہ اقتدار حاصل تھا۔ اور وہ بالکل خود مختار تھے۔ مگر وہ اس طاقت و اقتدار کو صرف اسلام کی بہتری اور کافہ انام کے فائدہ پہنچانے کی خاطر عمل میں لایا کیئے۔ ان کی ہوشمندی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ خود فریب کھالیں۔ اور وہ خود ایسے متدین تھے۔ کہ کسی کو دھوکا نہ دے سکتے تھے۔

پھر حضرت عمر فاروق کی نسبت لکھتے ہیں:۔

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو عمرؓ نے ساڑھے دس سال کی عہد حکومت کے بعد انتقال فرمایا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد سلطنت

اسلام میں سب سے بڑے شخص عمر تھے۔ کیوں کہ یہ انہیں کی دانائی
واستقلال کا ثمرہ تھا کہ ان دس سال کے عرصہ میں شام مصر اور فارس
کے علاقے جن پر اُس وقت سے اسلام کا قبضہ رہا ہے تسخیر ہو گئے
ابوبکرؓ نے مشرک اقوام کو مغلوب تو کر لیا تھا۔ لیکن ان کے عہد
میں افواج اسلام صرف شام کی سرحد تک ہی پہنچی تھیں۔ عمرؓ جب
مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت ان کے قبضہ میں صرف عرب تھا
مگر جب آپ نے انتقال فرمایا تو آپ ایک بڑی سلطنت کے خلیفہ
تھے۔ جو فارس، مصر، شام، بائزنطائن جیسی سلطنتوں کے بعض نہایت
ہی زرخیز اور دل کشا صوبوں پر مشتمل تھی۔ مگر باوجود ایسی عظیم الشان
سلطنت کے فرماں روا ہونے کے آپ کو کبھی اپنی فراست اور
قوت فیصلہ کی متانت کی میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت
نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب
سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب سے اپنے آپ کو ملقب نہیں
کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے۔ اور مسجد نبوی کے صحن کے
چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں حالانکہ
شہنشاہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔

یہ چند اقوال منکرین اسلام کے آیات بینات حصہ فدک کے دیباچہ سے نقل
کئے گئے۔ جو نمونہ کے لئے کافی ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس چوتھی قسم
کی دلیل نبوت یعنی صحابہ کرام کے فضائل ومناقب کو اس قدر زیادہ اہتمام
سے بیان فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید کو دیکھو تو معلوم ہو۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر
جو اعتراضات کفار مکہ کی طرف سے ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثر وبیشتر کے
جواب صحابہ کرام ہی کو پیش کیا گیا ہے۔

مثلاً کفار مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہا۔ اس کے جواب میں صحابہ کرام ہی کو پیش فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ یعنی شعراء کے متبعین گمراہ ہوا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر ہمارے نبی کے متبعین گمراہ ہوتے۔ تو تمہارا یہ اعتراض صحیح ہوتا۔ کفار مکہ میں بھی کسی لیے حیا کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کے بعد لب کشائی کرتا۔ اور کہہ دیتا کہ حضرت آپ کے متبعین گمراہ تو ہیں۔

المختصر قرآن مجید میں صحابہ کرام کے مناقب و فضائل کا بیان محض اس لئے ہے۔ کہ ان کے کمالات ان کے استاد برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل و مکمل ہونے کی دلیل ہیں۔ اہل سنت کو صحابہ کرام کے فضائل کی اشاعت پر اسی لئے اصرار ہے۔ کہ وہ ایک بڑی زبردست دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ہیں؛

جو لوگ صحابہ کرام کے فضائل کا انکار کرتے ہیں۔ وہ دراصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بڑی روشن دلیل کو بجھانا چاہتے ہیں۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ [1]

اگر مخالفین صحابہ کے مصنف کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہوتے۔ تو ضرور ان کے سامنے حضرت سعدی کے یہ شعر پیش کر دیئے جاتے ؎

یکے بر سر شاخ و بن مے برید
خداوند بستان نگہ کرد و دید
بگفتا کہ ایں مرد بد مے کند
نہ با من کہ با نفس خود مے کند

هٰذَا اٰخِرُ الْكَلَامِ فِي هٰذَا الْمَقَامِ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ

---

[1] چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی

الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؛

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۶)

پڑے برا مانیں منکر ۱۲۔

۲ ایک شخص درخت کی شاخ کے اوپر بیٹھ کر اس کی جڑ کاٹ رہا تھا۔ باغ کے مالک نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص برا کر رہا ہے۔ لیکن میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ برا کر رہا ہے۔

تراجم اہل سُنت

اہل سنت کے دو ترجمے (ایک فارسی میں حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی کا دوسرا اردو میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی) یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں ترجمے قدیم اور مستند اول ہیں۔ اور ان کا مسلم الکل ہونا متفق علیہ ہے۔

فارسی ترجمہ حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رح

آں فے فقیران ہجرت کنندہ راست آنانکہ بیرون کردہ شد ایشاں را از خانہائے ایشاں و اموال ایشاں مے طلبند نعمت را از پروردگار خویش و خوشنودی را و نصرت میدہند خدا را و پیغامبر او را ایں جماعت ایشانند راست وعدہ۔ ونیز آناں راست کہ جائے گرفتند بدار الاسلام[1] و جائی پیدا کردند در ایمان پیش از مہاجران دوست میدارند ہر کرا کہ ہجرت کند بسوئی ایشاں و نمی یابند در خاطر خود و غدغہ از طرف آنچہ دادہ شد۔ مہاجراں را و دیگراں را اختیار مے کنند بر خویشتن واگرچہ باشد ایشاں را احتیاج و ہر کہ نگاہ داشتہ شد از حرص نفس خود پس آں جماعت ایشانند رستگاراں ونیز آناں راست کہ آمدند بعد از مہاجران و انصار مے گویند اے پروردگار ما بیامرز ما را و برادران ما را کہ سبقت کردند بر ما بہ ایمان آوردن و پیدا مکن در دل ما ہیچ کینہ بہ نسبت آنانکہ ایمان آوردند اے پروردگار ما ہر آئینہ تو بخشایندہ[2] مہربانی

---

[1] یعنی بمدینہ ۱۲ منہ [2] مترجم گوید ازیں آیہ معلوم شد کہ در فے ہر مسلمان را حق است پس احوج فالاحوج را باید داد تا آں کہ مال فے کفایت کند ۱۲ ؛

اُردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رح

واسطے ان مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور رضامندی اور مدد کرتے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے اور جو جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے محبت کرتے ہیں۔ اس سے جو وطن چھوڑ آئے۔ اُن کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اُس چیز سے جو ان کو ملا۔ اور اول رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے۔ اور اگرچہ ہو اپنے اوپر بھوک اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔ اور واسطے ان کے جو آئے ان سے پیچھے کہتے ہوئے۔ اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے آگے پہنچے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان والوں کا۔ اے رب تو ہی ہے بخشنے والا مہربان۔

تراجم شیعہ

شیعوں کا ایک ترجمہ فارسی کا ملا۔ فتح اللہ کاشانی کا ہے۔ جو بغرض اختصار حذف کیا جاتا ہے۔ اور اردو میں اُن کے کل دو ہی ترجمہ ہیں۔ جن میں سے یہاں مولوی مقبول احمد کا نقل کیا جاتا ہے۔

اُردو ترجمہ مولوی مقبول احمد شیعی

(یہ مال فے) ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورت مندوں کا حق بھی

ہے ۔ جو اپنے گھروں سے بھی نکالے گئے ۔ اور اپنے مالوں سے بھی الگ کیے
گئے ۔ تاہم خدائے تعالٰے کے فضل اور اس کی خوشی کے خواستگار ہیں ۔ اور
اور اللہ اور اسکے رسول کی نصرت کئے جاتے ہیں وہی تو سچے ہیں اور ان کا حق
بھی ہے) جو ہجرت کر کے آئے ان سے محبت کرتے ہیں ۔ اور جو کچھ ان ہجرت
کرنے والوں کو دیا جائے اُسکی اپنے دلوں میں خواہش نہیں پاتے اور گو انہیں
خود ضرورت موجود ہو تاہم دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص
اپنے نفس کے حرص سے بچالیا جائے ۔ تو ایسے ہی لوگ تو (پوری پوری فلاح
پانے والے ہیں اور (ان کا حق بھی ہے ، جو ان مہاجر و انصار کے بعد یہ عرض کرتے
ہوئے آئے کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے (گناہوں) اور ہمارے بھائیوں
کے گناہوں کو جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے بخش دے اور ہمارے
دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی کینہ نہ رہنے دے ۔

تراجم ختم ہو گئے

تراجم مذکورۂ بالا سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی ۔ کہ سنی شیعہ دونوں اس بات
پر متفق ہیں ۔ کہ ان آیتوں میں تین جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے مال فے کا مستحق قرار
دیا ہے ۔ اوّل مہاجر دوم انصار ، سوم وہ مسلمان جو مہاجرین و انصار کے بعد
ہوں ۔ جن کا سلسلۂ قیامت تک قائم رہے گا ۔ مگر ان کے لئے ایک شرط لگادی
گئی ہے ۔ کہ وہ مہاجرین و انصار کے لئے دعائے خیر کرتے ہوں ۔ اور اُن کو
سابق الایمان کہہ کر ان کی مدح و ثنا کرتے ہوں ۔ اور نیز ہر مسلمان کی عداوت
سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوں ۔ مہاجرین و انصار کی جیسی بلند تعریف آیات میں
ہے ۔ اور جو جو تعلیمات ہیں ۔ وہ فصل دوم میں ملاحظہ فرمائیں ۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

بہ تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو بہت سیدھی ہے۔ اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت قتال مرتدین

و

آیت ولایت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حق تعالےٰ کے اس انعام کا شکر کس زبان و قلم سے ادا کیا جائے۔ کہ اس نے اپنے کلام پاک کی تفسیر کی توفیق اس ناکارہ کو عطا فرمائی۔ قرآن مجید کی خدمت میں مشغول کیا۔

اگر ہر موئے من گردد زبانے ۔۔۔ ز تو رانم بہر یک داستانے
نیارم گو ہر شکر تو سفتن! ۔۔۔ سر موئے ز احسان تو گفتن!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولٰنا محمد
و آلہٖ اجمعین ۔

امابعد! آیۂ استخلاف اور آیۂ تمکین کی تفسیر کے بعد آیت قتال مرتدین اور آیت ولایت کی تفسیر برادران اسلامی کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ان دونوں آیتوں کو یکجا کرنے کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں آیتیں مسلسل اور متصل ہیں۔ مطلب کی توضیح بغیر دونوں کو ملاتے ہوئے نہیں ہوتی۔ علیحدہ کرنے میں بہت مضامین مکرر لانا پڑتے ہیں۔ مگر مخالفین صحابہ نے چونکہ آیت ولایت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔ اس لئے اس بحث کے لئے مستقل باب قائم کیا گیا۔

آیہ قتال مرتدین سورۂ مائدہ (۷) چوتھی آیت رکوع (۱) پارہ چھٹا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ	اے ایمان والو! اگر مرتد ہو جائے
یَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ	گا کوئی تم میں اپنے دین سے۔
فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰهُ بِقَوۡمٍ	تو بہت جلد آمادہ کر دے گا
یُّحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗۤ	اللہ ایک ایسی قوم کو۔ جو اللہ کی

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	محبوب اور اللہ کی محب ہوگی۔
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ	تواضع کرنے والی ہوگی۔ ایمان
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	والوں کے مقابلہ میں سختی کرنے
اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ	والی ہوگی کافروں پر۔ جہاد کرے
لَائِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ	گی راہ خدا میں۔ اور نہ ڈریگی
اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ط	ملامت سے کسی ملامت کرنے
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ط اِنَّمَا	والے کی یہ اللہ کی بخشش ہے دیتا
وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ	اللہ وسعت والا اور دانا ہے
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ	سوا اس کے نہیں کہ دوست
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ہ	تمہارا اللہ ہے اور رسول اس
وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	کا اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ	یعنی وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ہ	نماز اور دیتے ہیں زکواۃ۔ اور

وہ جھکنے والے ہیں۔ اور جو شخص دوستی کرے گا اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو بہ تحقیق اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے گا۔

یہ تین آیتیں ہیں، جو اس مقام پر لکھی گئیں۔ پہلی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ آیت قتال مرتدین کے نام سے مشہور ہے اور دوسری آیت یعنی اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ آیت ولایت کے لقب سے ملقب ہے۔ اور تیسری آیت تتمہ کے طور پر نقل کی گئی ہے۔

ان دونوں آیتوں کی دو تفسیر دو باب پر تقسیم کی جاتی ہے۔ پہلے باب میں دونوں آیتوں کی صحیح تفسیر اور دوسرے باب میں آیت ولایت کی تفسیر از روئے مذہب شیعہ اور اس کا جواب باصواب۔

باب اوّل صحیح تفسیر دونوں آیتوں کی

اس باب کے مضامین چار حصوں پر منقسم ہیں۔
فصل اول: آیتوں کے مطلب و مقصد کی تلخیص اور سیاق وسباق کا ربط۔
فصل دوم: الفاظ کی شرح۔
فصل سوم: حقیقت خلافت پر استدلال۔
فصل چہارم: فوائد متفرقہ

فصل اوّل

اصل مقصود خداوندی اس مقام پر کفار۔ یہود، نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت ہے۔ اور باہم مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنے کی تاکید ہے۔ اور درحقیقت یہ ایک بہت بڑا مقصد دین الٰہی کا اور اسلام کے دین کامل ہونے کا ایک روشن ثبوت ہے۔ کہ شیطان کے آنے کے جتنے راستے تھے۔ سب بکمال بند کردیئے گئے ہیں۔ اور صلاح و تقویٰ کی جو جو صورتیں ممکن تھیں۔ سب کی بہ تفصیل یا باجمال تعلیم دی گئی۔ بلاشبہ محبت و دوستی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اس کے بڑے بڑے اثرات ہیں۔ محبوب کی ہر چیز کا مُحب کی نظر میں محبوب ہو جانا اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ حق تعالیٰ نے اس مقصد کو یوں شروع فرمایا کہ:-

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ	اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو۔ وہ اپنے آپس میں دوستی کریں۔ اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کریگا۔

مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِیْ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ | وہ انہیں میں سے ہو جائے گا۔ اس لئے خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے۔ وہ بہت جلد یہود و نصاریٰ کے دوست بن جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے وقت ہمارے کام آئیں گے۔ عنقریب خدا مسلمانوں کو فتح دے گا۔ یا کوئی اور بات عالم غیب سے ظاہر کرے گا۔ اس وقت یہ لوگ پشیمان ہونگے۔

اس کے بعد آیت قتال مرتدین ہے۔ جس کا ربط ماسبق سے ظاہر ہے کہ جب یہود و نصاریٰ سے دوستی کا ثمرہ بیان فرمادیا کہ وہ جوان سے دوستی کرے گا۔ انہیں میں سے ہو جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ جو لوگ ان سے میل رکھتے ہیں۔ ایک نہ ایک روز مرتد ہوں گے۔ لہذا فتنہ ارتداد کی خبر اور اس فتنہ کا علاج جو عالم غیب میں مقدر ہو چکا تھا۔ بیان فرماکر مسلمانوں کو مطمئن کر دیا۔

جب کفار کی دوستی سے ممانعت فرمائی۔ تو یہ بتانا ضروری ہوا کہ پھر دوستی کس سے کریں۔ لہذا آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ میں تعلیم فرمایا ہے کہ دوستی خدا سے کرنا چاہیئے۔ اور اس کے رسول سے اور ان ایمان والوں سے جو نماز قائم کرتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں۔ اور جھکنے والے ہوں۔ یعنی اپنی عبادت پر ان کو ناز و غرور نہ ہو۔ پھر ساتھ ہی اس شبہہ کا جواب بھی دے دیا جو وہ کہتے تھے۔ کہ بڑے وقت میں کفار ہمارے کام آئیں گے۔ فرمادیا کہ بُرا وقت ایمان والوں پر آ ہی نہیں سکتا۔ خدا اور رسول اور مومنین سے دوستی کرنے والے سب پر غالب رہیں گے۔ ان کو کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔ یہ تو آیۂ قتال مرتدین و آیت ولایت کا ربط سباق کے ساتھ تھا۔ اب سیاق دیکھو۔ ان آیتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا | یعنی اے ایمان والو! جن یہود

تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ	ونصاریٰ وغیرہ نے تمہارے دین کے ساتھ تمسخر کیا۔ ان سے دوستی مت کرو۔

اس کے بعد ان کی شرارتوں کا بیان ہے۔ کہ انہوں نے اذان کے ساتھ تمسخر کیا۔ پھر ان پر لعنت وغضب کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ کہ ہم نے ان کو سؤر اور بندر بنا دیا تھا۔ یہی بیان بہت دور تک چلا گیا ہے۔

المختصر ان تمام آیتوں کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ کفار سے دوستی کی ممانعت اور باہم مسلمانوں میں ایک دوسرے سے الفت ومحبت رکھنے کی تاکید ہو رہی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں تھے۔ اس مقصود کے درمیان فتنۂ ارتداد کا تذکرہ اسی مناسبت کی وجہ سے فرما دیا جو اوپر ذکر ہوئی۔ اور فتنۂ ارتداد کے تذکرہ میں خلیفہ برحق کو بھی بتلا دیا۔

اب آیت قتال مرتدین پر ایک نظر ڈالو۔ کہ کس طرح خداوند عالم غیب نے ایک آئندہ آنے والے ہولناک واقعہ کی پیشینگوئی فرمائی۔ اور اپنے جلال وجبروت کا کس طرح اظہار کیا۔ کہ اے مسلمانو! جو لوگ تم میں سے مرتد ہو جائیں گے۔ خدا نے ان کے قلع وقمع کرنے کے لئے عالم غیب میں یہ تدبیر مقرر کی ہے۔ کہ خاصان خدا کی ایک جماعت ان کے قتال پر منجانب اللہ برانگیختہ کی جائے گی اور وہ ان کی سرکوبی کر دے گی۔

کیفیت اس واقعہ کی یوں ہوئی۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں عرب میں تین قبیلے مرتد ہو گئے۔ اور ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص مدعی نبوت اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ان لوگوں نے بڑا فساد برپا کیا۔

اوّل ذوالحمار اسود عنسی جو ایک کاہن اور شعبدہ باز شخص تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حضرت معاذ بن جبل کو حکم بھیجا کہ اس کا قلع قمع

کر دیں۔ چنانچہ ان کے لشکر میں ایک شخص فیروز نے اس کذاب کو جہنم پہنچایا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی الٰہی خوشخبری بھی مسلمانوں کو سنادی۔ کہ فاز فیروز یعنی فیروز کامیاب ہوگئے۔ مگر اس کامیابی کی خبر ظاہری طور پر حضرت صدیقؓ کے آغاز عہد خلافت میں بماہ ربیع الاوّل آئی اور یہ پہلی خوشخبری فتح کی تھی۔ جن کو سن کر حضرت صدیقؓ خوش ہوئے۔

دوم۔ مسیلمہ کذاب۔ اس نے شہر یمامہ (متعلقات یمن) میں دعویٰ نبوت کیا۔ اور اس کی جرأت یہاں تک پہنچی کہ اس نے ایک خط جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ جس کی عبارت یہ ہے "من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ۔ اما بعد فان الارض نصفها لی ونصفها لک" یعنی یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف ہے۔ اما بعد زمین آدھی میری اور آدھی آپ کی مطلب یہ کہ ہم آپ مل کر ملک فتح کریں۔ اور باہم نصف تقسیم کر لیا کریں۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود ملک لینا ہے۔ اس کا جواب خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل بھیجا۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب۔ اما بعد فان الارض للہ یورثها من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ یعنی محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو معلوم ہو۔ کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ جس کو چاہے وارث بنا دے۔ اور دار آخرت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

اس مسیلمہ کذاب کے متعلق کوئی انتظام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرنے پائے تھے۔ کہ خدا نے اپنے قرب خاص میں آپ کو بلا لیا۔ حضرت صدیقؓ ہی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مہم کو انجام دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک لشکر دے کر روانہ فرمایا۔ اور حضرت وحشیؓ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچایا۔ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں بعضے لوگ تائب بھی ہوئے۔

سوم ۔ طلیحہ اسدی ۔ اس شخص نے بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں دعویٰ نبوت کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے اس کا قلع قمع بھی کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو آپ نے اس کی طرف بھیجا۔ اور طلیحہ ان کی شمشیر کا فرکش کی تاب نہ لاکر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ بعد اس کے تائب ہو گیا اور جنگ نہاوند میں لڑنے کا نمایاں حصہ لیا۔ مگر وہ شرف جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہونے کا تھا۔ پھر کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو یہ فتنہ بہت بڑھ گیا۔ سوا حرمین شریفین اور شہر جواثی کے جو بحرین کے مضافات میں ہے اکثر مقامات کے لوگ مرتد ہو گئے۔ اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو زکوٰۃ لینے کا اختیار نہیں ہے۔ ایک طرف تو مسلمانوں پر یہ قیامت کبریٰ کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم جن کا منہ دیکھ کر جیتے تھے ان کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ دوسری طرف یہ آفت کہ فتنۂ ارتداد روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ تیسری طرف رسول خدا کی یہ وصیت کہ اسامہ کا لشکر بجانب شام مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے روانہ کر دیا جائے۔ حضرت صدیق ہی تھے۔ کہ جن کی قوت قلبیہ نے اس وقت رنگ دکھلایا۔ اور کوہ استقامت بن کر تمام پریشانیوں کو انہوں نے جھیلا۔ اور چند ہی روز میں مطلع اسلام پر جو غبار آ گیا تھا۔ اس کو صاف کر دیا۔

حضرت صدیق نے جس وقت ان مرتدین سے قتال کا ارادہ فرمایا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کرام نے بھی اس امر میں ان سے اختلاف کیا۔ بعض لوگ تو یہ کہتے تھے۔ کہ ان سے قتال کرنا ہی نہ چاہیئے۔ اور بعض کا یہ قول تھا۔ کہ اس وقت مصلحت نہیں ہے۔ یہ وقت اسلام کے لئے نہایت نازک ہے اس وقت تالیف

قلوب سے کام لینا چاہیئے۔ اس طور پر آیت میں جس ملامت کا ذکر ہے۔
وہ ملامت پیش آگئی۔ اور اپنوں کی ملامت بہت زیادہ ناقابل برداشت
ہوتی ہے مگر حضرت صدیقؓ نے اس ملامت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور اپنا کام
پورا کر دیا۔ لا یخافون لومۃ لائم کی تصدیق ہوگئی۔

اس ملامت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی
ان سے اختلاف کیا۔ اور نرمی کی صلاح دی۔ جس پر حضرت صدیقؓ نے وہ
جلال بھرے ہوئے الفاظ فرمائے کہ آج اُن کو سن کر بدن کانپ جاتا ہے۔
فرمایا اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام۔ اے عمرؓ تم جاہلیت
میں تو بڑے تند مزاج تھے۔ اسلام میں ایسے نرم بن گئے اور فرمایا تم الدین
وانقطع الوحی اینقص وانا حی۔ دین کامل ہو چکا وحی الٰہی بند ہوگئی۔ کیا
دین پر زوال آئے اور میں زندہ ہوں۔ یعنی میری زندگی میں دین پر یہ آفت
آئے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ قصہ مشکوٰۃ میں منقول ہے۔

راقم سطور کہتا ہے۔ کہ میں جب حضرت صدیقؓ کے اس کلام کو دیکھتا ہوں۔
تو مجھے ایک عجیب بات اس میں نظر آتی ہے۔ غور سے دیکھو یہ لفظ کہ میری
زندگی میں دین ناقص ہو جائے۔ کتنا کلمہ ہے۔ اس کلمہ کے کہنے کا کس کو حق
ہوسکتا ہے۔ کوئی شخص مر جائے۔ اور اس کا صرف ایک اکلوتا بیٹا ہو۔
وہ بلاشک کہہ سکتا ہے۔ کہ میری زندگی میں میرے باپ کا مال لٹ جائے
لیکن اگر کسی شخص کے متعدد اولاد ہوں۔ تو ان میں سے کوئی ایک اس کلمہ کو
نہیں کہہ سکتا۔ کہ میری زندگی میں میرے باپ کا مال لٹے۔ اگر کہے گا۔ تو یوں
کہے گا کہ ہم لوگوں کی زندگی میں۔

یہ کلمہ حضرت صدیقؓ کا بتلا رہا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے
حقیقی وارث آپ کے اکلوتے روحانی فرزند وہی ایک تھے۔ اس لئے
ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔ کہ میری زندگی میں دین پر آفت آئے۔ اکلوتا بیٹا

موجود ہیں اس کی نظر کے سامنے اس کے باپ کی بڑی محنت و جانفشانی سے جو باغ تیار ہوا تھا۔ وہ کاٹ ڈالا جائے۔ یقیناً حضرت صدیقؓ کا ادعا اسلام پر ایسا ہی تھا اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے بعد کام بھی ایسے ہی کیے۔ لوگوں نے انہیں کو خلیفہ رسول اللہ کہا۔ ان کے بعد پھر کوئی خلیفہ اس نام سے نہیں پکارا گیا۔ بلکہ خلفائے مابعد امیر المومنین کہے گئے امیر المومنین کا لفظ بطور تواضع کے ایک کم درجہ کا لفظ سمجھ کر حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے لئے تجویز کیا تھا۔ جس کو آج طغرائے امتیاز سمجھ کر حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ کے اس کارنامہ یعنی قتال مرتدین کو انجام کار میں تمام صحابہؓ نے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت صدیقؓ میری تمام عمر کی عبادت لے لیں۔ اور مجھے صرف اپنی ایک رات اور اپنے ایک دن کی عبادت دے دیں۔ اما لیلۃ فلیلۃ الغار و اما یوم فیوم الردۃ۔ یعنی رات سے مراد شب غار ہے۔ اور دن سے مراد فتنہ ارتداد کا دن ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں قائم فی الردۃ مقام الانبیاء یعنی فتنہ ارتداد میں حضرت صدیقؓ نے وہ کام کیا جو پیغمبروں کے کرنے کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کرھنا لا فی الابتداء وحمدناہ علی الانتھاء۔ یعنی ہم لوگوں نے ابتداء تو قتال مرتدین کو ناپسند کیا تھا۔ مگر انجام دیکھ کر پھر ہم سب حضرت صدیقؓ کے شکر گذار ہوئے۔

فصل دوم

ارتداد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی یعنی واقعی طور پر کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد دین اسلام سے پھر جائے۔ یہ ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ

دوسری آیتوں میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ دوسری ارتداد صوری کہ ظاہر میں لوگوں کے دیکھنے میں ایک شخص مسلمان ہوا۔ اس کے بعد دین اسلام سے پھر گیا۔ جہاں کہیں ارتداد کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہی ارتداد صوری مراد ہوتا ہے۔

فَسَوْفَ یَأْتِی اللّٰہُ خدا کے لانے کا یہاں بھی وہی مطلب ہے۔ جو آیت استخلاف میں خدا کے خلیفہ بنانے کا بیان ہو چکا۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ خدا اس قوم کو عدم سے وجود میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں لائے گا۔ یا کوئی آواز غیب سے آئے گی۔ کہ یہ لوگ خدا کے لائے ہوئے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے۔ کہ خدا ان کو اس کام پر آمادہ کرلے گا۔ ان کے دل میں ارادہ اس کام کا مضبوطی کے ساتھ قائم کردے گا۔

یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ پہلے خدا نے یہ فرمایا۔ کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں۔ اس میں سر یہ ہے۔ کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے۔ پہلے خدا کو اس سے محبت ہوتی ہے اگر خدا کو اس سے محبت نہ ہو تو خدا اس کو اتنی بڑی نعمت نہ دے۔ خدا جس کو چاہتا ہے اس کو یہ نعمت دیتا ہے۔ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یہ ویسا ہی ہے۔ جیسے سورۃ فتح میں۔ فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ مسلمانوں سے نرمی ومحبت کرنے کو یہاں اذلہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ وہاں رحمار کے لفظ سے کفار پر سختی کرنے کو یہاں اعزہ کے لفظ سے بیان فرما دیا وہاں اشدآء کے لفظ سے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ جس قوم کا اوپر بیان ہوا۔ اس کے اوصاف کی غیر معمولی عظمت اس کلمہ میں بیان فرمائی گئی۔ کہ یہ خدا کی بخشش ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور خدا کے یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص کس انعام کا مستحق ہے۔ ولیکم بمعنی دوست مددگار۔

رَاکِعُوْنَ رکوع کے معنے لغت میں جھکنا، عاجزی کرنا۔ نماز کے ایک رکن خاص کو بھی رکوع کہتے ہیں۔ یہاں وہی لغوی معنی مراد ہیں۔

فصل سوم

یہ آیت نہایت صفائی اور کامل وضاحت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے خلیفہ برحق ہونے پر اور نیز ان کے اور ان کے ساتھیوں کے اعلیٰ ترین کمالات پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں جس قوم یعنی جماعت کا بیان ہے۔ وہ مرتدوں پر اس کے مسلط کرنے کا وعدہ ہے۔ اس جماعت کی چھ صفتیں بیان فرمائی ہیں :-

(۱) یہ کہ وہ جماعت خدا کی محبوب ہے۔

(۲) یہ کہ وہ خدا کی محب ہے۔

(۳) یہ کہ وہ مسلمانوں پر مہربان و متواضع ہے۔

(۴) یہ کہ وہ کافروں پر سخت ہے۔

(۵) یہ کہ وہ راہ خدا میں جہاد کرتی ہے

(۶) یہ کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتی۔

اب غور کرو کہ یہ صفات کمالیہ کس رتبہ کی ہیں۔ آیا شریعت الٰہیہ میں اب ان سے مافوق بھی کوئی رتبہ ہو سکتا ہے۔

جب تک فتنۂ ارتداد کا ظہور نہ ہوا تھا۔ اس وقت تک پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ کہ اس آیت میں کس جماعت کی تعریف بیان ہو رہی ہے۔ مگر فتنۂ ارتداد کے ظاہر ہونے کے بعد اور حضرت صدیق رضؓ کے دست حق پرست سے اس فتنہ کا استیصال مشاہدہ کرنے کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور معلوم ہو گیا کہ آیت میں تعریف حضرت صدیق رضؓ اور ان کے رفقاء کی ہے۔ حضرت صدیق رضؓ اور ان کے طفیل میں ان کے رفقاء خدا کے محبوب و محب ہیں۔ اور جب وہ خدا کے محبوب و محب ہوئے۔ تو ان کی خلافت برحق ہونے میں کس کو شبہ ہو

سکتا ہے سوا اس کے کہ جن کا ایمان قرآن شریف پر نہ ہو۔ اگر کوئی کہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے حق میں ہے۔ انہوں نے زمانۂ خلافت میں مرتدوں سے جنگ کی ہے۔ تو جواب اس کا بچند وجوہ ہے۔

(اول) یہ کہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جن لوگوں سے جنگ کی۔ ان میں کوئی مرتد نہ تھا سب مسلمان تھے۔ چنانچہ اہل شام کے متعلق حضرت علیؓ کا فرمان نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ جس میں صاف تصریح اہل شام کے نہ صرف مومن بلکہ مومن کامل ہونے کی ہے۔ حضرت علیؓ نے اس میں لکھا ہے۔ کہ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ دیکھو نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر قسم دوم۔

دوم: یہ کہ موافق اصول موضوعہ شیعہ تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ کرامؓ مرتد تھے اور حضرت علیؓ کی لڑائی مرتدوں سے تھی۔ نعوذ باللّٰہ من ذلک تو حضرات خلفائے ثلثہ سے کیوں جنگ نہ ہوئی۔ حالانکہ آیت کا مقتضا یہ ہے کہ بوقت نزول آیت جس قدر کلمہ گو تھے۔ ان میں سے جب کوئی مرتد ہوگا اس کا قتال ضرور ہوگا۔ بعض مرتدوں سے قتال ہو۔ یہ تو آیت کی تکذیب ہے۔ لہذا حضرت علیؓ کے حق میں یہ آیت نہیں ہو سکتی۔

سوم۔ یہ کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں آیت کے موعودہ اوصاف باتفاق فریقین نہ تھے۔ نھج البلاغۃ میں بہت سے خطبے ہیں۔ جن میں حضرت علیؓ نے اپنے اصحاب کی بزدلی اور جہاد سے اُن کا پیچھے ہٹنا بیان فرمایا ہے پھر بھلا ایسے لوگوں کے حق میں یہ آیت کیسے ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام مہدی کے وقت میں اس آیت کی پیشین گوئی پوری ہوگی۔ تو اس کے بھی کئی جواب ہیں۔

(اول) یہ کہ آیت لفظ منکم بتلا رہی ہے۔ کہ یہ پیشین گوئی صرف زمانۂ نزول کے لئے ہے۔ یعنی اس وقت کے لوگوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اس

کے لئے آیت مذکورہ وعید ہے۔ اور قطع نظر لفظ مِنکم سے اگر آیت کو عام کر دیا جائے۔ تو مشاہدہ کے خلاف لازم آئے گا۔ آج جو لوگ مرتد ہو رہے ہیں کون سی قوم ان پر مسلط ہوتی ہے۔

(دوم) یہ کہ بفرض محال بلا دلیل ہم آیت کو زمانہ نزول کے ساتھ خاص نہ رکھیں۔ تو بھی زمانۂ نزول ضرور مراد ہوگا۔ آیت میں بطور شرط و جزا کے بیان ہوا ہے۔ لہذا اگر ہزار بار فتنہ ارتداد پیدا ہو تو ہر مرتبہ مرتدین پر قوم موصوف کا تسلط ہونا چاہیئے۔ اور یہ مسلّم ہے۔ کہ آخر عہد نبوی اور خلافت اولیٰ میں بعض قبائل عرب مرتد ہوئے۔ لہذا ان پر قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا۔ پس امام مہدی کے وقت کے لیے مخصوص کرنا آیت کی تکذیب ہے۔

المختصر مخالفین حضرات اس آیت کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔ تاویل اگر ہو سکتی تھی تو یہ اس زمانہ میں فتنۂ ارتداد کے وقوع سے انکار کرتے۔ مگر متواتر واقعات کا انکار امکان سے باہر ہے۔ ان کے مؤرخین اور مفسرین اس کو تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ تفسیر منہج الصادقین وغیرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے۔

ف۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقؓ کو خلیفہ بنانے کا حکم نہیں دیا۔ حکم دینے کے بعد بندوں کو اختیار باقی رہتا ہے۔ کہ اس حکم پر عمل کریں یا نہ کریں۔ بلکہ آیت استخلاف و آیۂ تمکین کی طرح اس آیت میں بھی خداوندِ علیم و خبیر نے ایک پیشین گوئی فرمائی۔ اور اس پیشین گوئی کے ضمن میں خلیفہ برحق کے علامات بیان فرمائے ہیں۔ اور اس تقرر کے عالم غیب سے ظہور پذیر ہونے کا وعدہ فرمایا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔

واقعی جو اہتمام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت میں تھا۔ اس کا یہی تقاضا تھا کہ آپ کے بعد آپ کی خلافت راشدہ کا انتظام عالم غیب سے ہوتا۔ بندوں کے ہاتھ میں اس کے انجام دینے کی باگ نہ دی جاتی۔ گو عالم غیب کا انتظام بھی انہیں بندوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوا مگر اس

صورت میں بندے مراد حق کے لئے صرف آلہ بن گئے۔ جو خدا کی رضا تھی وہی ظہور میں آیا۔ اور اس کے خلاف کا ظہور ہونا ناممکن ہوگیا۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

فصل چہارم

(۱) آیت قتال مرتدین سے معلوم ہوا۔ کہ مرتد کی سزا شریعت الٰہیہ میں قتل ہے۔ اور قتل مرتد کا شارع کو اس قدر محبوب ہے کہ قرن اول کے مرتدین سے قتال کرنے کا سامان عالم غیب سے کرنے کی خدا نے خبر دی۔

(۲) آیت ولایت سے معلوم ہوا۔ کہ مسلمانوں کو ہر ایک سے دوستی و محبت کرنا جائز نہیں۔ محبت صرف اللہ سے اور اس کے رسول اور ان مومنین سے چاہیئے۔ جو نماز قائم کرتے۔ اور زکواۃ دیتے ہوں۔ بے نمازیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی ممانعت بھی اس آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔

(۳) مخالفین صحابہ کرام کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے۔ کہ تمام صحابہ کرامؓ باستثناء تین چار اشخاص کے مرتد ہوگئے تھے۔ کافی وغیرہ میں روایت موجود ہے۔ کہ ارتد الصحابۃ کلھم الا ثلثۃ۔ یہ عقیدہ فاسد اس آیت سے رد ہوجاتا ہے۔ اگر نعوذ باللہ حضرات خلفائے ثلاثہ مرتد ہوتے تو ضرور موافق وعدہ الٰہی کے کوئی قوم جو خدا کی محبوب و محب ہوتی ان پر مسلط ہوتی۔ اور ان سے قتال کرتی۔ حالانکہ وہ خود ہی سب مسلط رہے۔ سب ان کے مطیع فرمان رہے۔ اگر کوئی یہ تاویل کرے۔ کہ ارتداد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ارتداد ایمان ہے۔ جس میں ظاہری اسلام باقی رہتا ہے۔ دوسرے ظاہری اسلام کو بھی ترک کر دینا۔ آیت قتال مرتدین ارتداد کی دوسری قسم کا بیان ہے۔ اور خلفائے ثلاثہ میں صرف پہلی قسم ارتداد کی تھی۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ مخالفین حضرات

کے علماء نے تصریح کردی ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ میں دونوں قسمیں ارتداد کی موجود تھیں۔ چنانچہ مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافحام میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس مضمون کو بیان کر کے لکھتے ہیں۔ فان کفرھم وارتدادھم واضح لاستوة فیہ یعنی حضرات خلفائے ثلاثہ کا کفر و ارتداد بالکل ظاہر ہے۔ کسی قسم کی پوشیدگی اس میں نہیں۔ نعوذ باللہ۔
پس اب سوا اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ یا تو قرآن کو محرف مان کر اس آیت کے کلام الٰہی ہونے کا انکار یا خدا کے لئے بداء تجویز کر کے کہہ دیں کہ پہلے خدا کی یہی رائے تھی۔ جو اس آیت میں مذکور ہے۔ بعد میں رائے بدل گئی۔ ایسے ہی موقع کے لئے عقیدۂ تحریف و عقیدہ بداء ان حضرات نے تصنیف بھی کیا ہے۔

باب دوم

تفسیر آیت ولایت

آیت ولایت کی صحیح تفسیر تو اوپر بیان ہو چکی۔ جس سے صاف ظاہر ہو چکا کہ اس آیت کو خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر مخالفین حضرات فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر بڑی روشن دلیل ہے۔ اور اس آیت کا ترجمہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اے مسلمانو! سوا اس کے نہیں کہ حاکم تمہارا اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں۔ اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ یعنی صدقہ دیتے ہیں۔

اس ترجمہ پر بھی کچھ کام نہ چلا تو اس کے ساتھ یہ روایت ملائی گئی۔ کہ حضرت علیؓ ایک روز نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ تو حضرت علیؓ نے بحالت رکوع اپنی انگوٹھی اتار کر سائل کو دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے۔ کہ اس روایت کے لئے کتب اہل سنت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

اس روایت کے ملانے سے آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اے مسلمانو! تمہارا حاکم صرف اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے یعنی حضرت علیؓ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ اور حالتِ رکوع میں انگوٹھی دیتے ہیں۔

اب سنیئے کہ اس استدلال میں کتنی لطیف باتیں ہیں۔

پہلا لطیفہ۔ کہ ولی بمعنے حاکم لغت عرب میں کبھی مستعمل نہیں ہوتا۔ والی بمعنی حاکم البتہ آتا ہے۔ آج تک کبھی کسی نے ولی بکہ بمعنی حاکم مکہ کبھی نہ سنا ہو گا۔ ہاں

والی کہ بمعنی حاکم مگہ البتہ مستعمل ہوتا ہے۔ اچھا اب مخالفین صحابہؓ خود انصاف کریں جو اپنی اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ پکارتے ہیں کیا وہاں بھی ولی بمعنی حاکم ہے یعنی حضرت علیؓ اللہ کے حاکم ہیں

۔یقیناً وہاں ولی بمعنی حاکم لینے پر مخالفین صحابہ میں سے کوئی راضی نہ ہوگا۔ پھر اس آیت نے کیا قصور کیا ہے ؟ کہ یہاں ولی بمعنی حاکم لیا جاوے۔ قرآن شریف میں بیسیوں جگہ یہ لفظ مستعمل ہے۔ اور ہر جگہ بمعنی دوست ومحب ہے۔ قولہ تعالیٰ المومنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض وغیرہ وغیرہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں۔ ۔کہ یہاں دو لفظ ہیں۔ ایک ولایت بفتح واؤ۔ اس کے معنی حکومت کے ہیں۔ دوسری ولایت بکسر واؤ اس کے معنی دوستی ومحبت نزدیکی کے ہیں؛ ولایت بفتح واؤ سے صفت مشبہ والی آتا ہے۔ اس کے معنی حاکم کے ہوتے ہیں۔ اور ولایت بکسر واؤ سے صفت مشبہ ولی آتا ہے۔ جس کے معنی دوست کے ہوا کرتے ہیں۔

دوسرا لطیفہ:۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وغیرہ جمع کے الفاظ سے صرف حضرت علیؓ مراد لینا یقیناً مجاز ہوگا۔ اور مجازی بغیر ضرورت اور بغیر قرینہ صارفہ کے مراد لینا قطعاً ناجائز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اس مجاز کے لئے نہ کوئی ضرورت ہے۔ اور نہ کوئی قرینہ۔

تیسرا لطیفہ:۔ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ کو مخالفین نے صرف یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ کی ضمیر سے حال قرار دیا۔ حالانکہ دو جملہ متناسقہ کے بعد اگر حال آتا ہے۔ تو دونوں جملوں کی ضمیر سے حال بنتا ہے نہ صرف ایک سے۔ لہذا یہاں بھی دونوں جملوں یعنی یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ اور یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ سے حال بنانا چاہیے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ حالتِ رکوع میں نماز قائم کرتے ہیں۔ اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ لیکن حالتِ رکوع میں نماز پڑھنا ایک ایسا مہمل کلام

ہے۔ کہ مخالفین بھی اس کی جرأت نہ کر سکے۔

چوتھا لطیفہ: رکوع سے یہاں نماز کا رکوع مراد لیا گیا۔ حالانکہ یہاں رکوع سے مراد لغوی معنی ہیں۔ یعنی جھکنا اور عاجزی کرنا۔

پانچواں لطیفہ۔ زکوٰۃ اصطلاح شریعت میں خاص اس صدقہ مفروضہ کو کہتے ہیں۔ جو صاحبِ نصاب پر سال تمام ہونے کے بعد فرض ہوتا ہے۔ مگر حضرت علیؓ صاحبِ نصاب نہ تھے۔ لہذا زکوٰۃ ان پر فرض نہ تھی۔ لامحالہ زکوٰۃ سے صدقہ نافلہ مراد لیا جائے گا اور یہ مجاز ہوگا۔ اور معنی مجازی بغیر قرینہ و تعذرِ حقیقت مراد نہیں ہو سکتے۔

چھٹا لطیفہ:۔ یہ کہ جب قرآن میں اس فعل کی یعنی نماز میں صدقہ دینے کی تعریف کی گئی۔ تو کم از کم اس فعل کو مستحب ضرور ہونا چاہیئے۔ حالانکہ آج تک فریقین میں کوئی اس بات کا قائل نہیں کہ حالتِ رکوع میں حالتِ نماز میں صدقہ دینا بہ نسبت خارج نماز کے کوئی فضیلت کی بات ہے۔ بلکہ نماز کے اندر صدقہ دینا اگر فعلِ کثیر کے ساتھ ہو۔ تو مفسد نماز ہے۔

ساتواں لطیفہ: یہ کہ حضرت علیؓ کی نماز کی اس میں بڑی توہین ہے۔ کہ نماز میں توجہ کلیتہً خدا کی طرف ہونا چاہیئے۔ نہ کہ سائل کی طرف۔ خاصانِ خدا کی نماز تو ایسی ہوتی ہے کہ بسا اوقات ان کو اس عالم کی چیزوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ خود حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے۔ کہ جنگ اُحد میں بحالتِ نماز اُن کے پیر میں تیر لگ گیا۔ مگر ان کو خبر نہ ہوئی۔ بعد نماز جب لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے تیر لگا ہے۔ اس وقت ان کو پتہ چلا۔

(اشعار تحفۃ الاحرار)

آٹھواں لطیفہ: یہ کہ اس مضمون کو صحیح مان لینے سے آیت سیاق سباق سے بے ربط ہوئی جاتی ہے۔ اوپر سے یہود و نصاریٰ سے محبت کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے۔ اس ضمن میں فتنۂ ارتداد اور اس کے علاج کا

بیان ہے۔ بعد میں بھی یہی مضمون ہے۔ درمیان میں حضرت علیؓ کی خلافت اور حالتِ نماز میں سائل کو صدقہ دینے کا ذکر نہ ما قبل سے کچھ مناسبت رکھتا ہے نہ مابعد سے۔

نواں لطیفہ یہ ہے۔ کہ اہل سنت کے نزدیک یہ قصہ اعطائے انگشتری کے بالکل جعلی و وضعی ہے۔ جن تفسیروں میں روایات کے لکھنے کا التزام کیا گیا ہے۔ ان میں اس روایات کا نام ونشان نہیں۔ مثلاً تفسیر جلالین کہ اس کے دیباچہ میں تشریح ہے۔ کہ اقوال ناپسندیدہ اس میں درج نہیں کئے گئے۔ اور صحیح روایات لائی گئی ہیں۔ اس تفسیر جلالین میں نہ یہ قصہ ہے۔ اور نہ حضرت علیؓ کے حق میں اس کا نازل ہونا۔ بلکہ لکھا ہے کہ و نزل لما قال ابن سلام یا رسول اللہ ان قومنا ھجرونا۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے ائمہ فن نے اس روایت پر جرح کی ہے۔ اس کا جعلی ہونا بیان کیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں کہ قد وضع بعض الکذابین حدیثا مفتری ان ھذہ الآیۃ نزلت فی علی لما تصدق بخاتم فی الصلوۃ وھذا کذب باجماع اھل العلم بالنقل وکذبہ بین من وجوہ۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف میں لکھتے ہیں رواہ الثعلبی من حدیث ابی ذر مطولا واسنادہ ساقط۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ ولیس یصح شیئ منھا لضعف اسانیدھا وجہالۃ رجالھا۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں۔ و قصہ موضوعہ اعطائے انگشتری روایت کنند۔

اب رہا یہ قصہ اعطائے انگشتری نقل در نقل کے طور پر بہت سی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اس سے اس کا معتبر ہونا نہیں ثابت ہوسکتا۔ شیعوں کے

محدثین نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ کہ کسی روایت کا کتب کثیرہ میں درج ہو جانا اس کے صحت کی دلیل نہیں۔ دیکھو دیباچہ استبصار۔

دسواں لطیفہ یہ ہے۔ کہ اس قصہ خوانی کرنے اور زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل تو ثابت ہوئی یا نہ ہوئی۔ مگر دوسرے ائمہ کی امامت باطل ہوگئی۔ کیونکہ آیت میں انما کلمہ حصر موجود ہے۔ مسلمانوں کی حکومت صرف اس شخص میں منحصر کر دی گئی ہے۔ جس نے حالت رکوع میں سائل کو صدقہ دیا۔ اور یہ صفت سوا حضرت علیؓ کے کسی میں پائی نہیں گئی۔

بالفعل ان دس لطائف پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اگرچہ ابھی بہت باتیں باقی ہیں۔ مخالفین نے بڑا زور قصہ انگشتری پر دیا ہے۔ اور اس میں عجیب عجیب افتراء پردازیوں سے کام لیا ہے۔ مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے حیا و شرم کو بالائے طاق کر کے بوارق میں یہاں تک لکھ دیا کہ اعطائی انگشتری کا قصہ مشکوٰۃ میں موجود ہے۔ خدا کے لئے کوئی حمایتی مجتہد صاحب کا مشکوٰۃ سے اس قصہ کو دکھلائے۔

مخالفین صحابہ کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں اور بھی کمال کیا لکھ دیا کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافات یہ حالت تھی اس آیت کے استدلال کی۔ جس کو مخالفین صحابہ بڑی زبردست دلیل خلافت بلافصل کی کہتے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي

لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے

زیادہ سیدھی ہے۔ اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت اولی الامر

جس میں

سورۂ نساء کی آیۂ کریمہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

دسویں آیت - آیہ اولی الامر

سورۂ نساء - پارہ پانچواں - رکوع ساتواں

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا	اے ایمان والو! اطاعت کرو
اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ	اللہ کی - اور اطاعت کرو رسول
وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ	کی - اور اولی الامر (یعنی صاحبان
تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ	حکومت کی) جو تم میں سے ہوں.
اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ	پھر اگر تم (یعنی رعیت اور
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	صاحبان حکومت) آپس میں
وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ	اختلاف کرو کسی بات میں - تو
خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ط	اس کو رجوع کرو اللہ کی اور رسول

کی طرف - اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر یہ بہتر ہے اور بہت خوب ہے باعتبار انجام کے -

تراجم علمائے اہل سنت و شیعہ

(۱) - حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی اس کا ترجمہ لکھتے ہیں - اے مومناں فرماں برداری کنید خدا پیغامبر را و فرماں روایاں را از جنس خویش - پس اگر اختلاف کنید در چیزے - پس رجوع کنید او را بسوئے خدا و پیغامبر اگر اعتقاد کنید بخدا و روز آخر - ایں بہتر است و نیکو تر باعتبار عاقبت -

(۲) حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں - اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور جو اختیار والے ہیں تم میں سے

پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔ اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا ہے یہ دونوں ترجمے علمائے اہل سنت کے تھے۔ اب دو ترجمے علمائے شیعہ کے بھی ملاحظہ ہوں۔"

(۳) قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی صاحب (جن کا ترجمہ قرآن شیعوں کو اس قدر پسند آیا کہ اس کا ترجمہ انگریزی میں ہو رہا ہے) اس آیت کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں "اے ایماندارو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ اور تم میں سے صاحبان حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو۔ اور تم کسی بات میں جھگڑا کرو پس اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور انجام کی راہ سے بہت اچھا ہے"

(۴) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی جن کی مشق تبرا بازی یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ کہ آخر گورنمنٹ انگلشیہ کی عدالت سے سزایاب ہوئے۔ (ولعذاب الاخرۃ اکبر) اپنے مشہور ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں۔ "اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اور اس رسول اور ان والیان امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی سب سے بہتر اور عمدہ تاویل ہے"۔

صحیح تفسیر آیت کی!

اس آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ صاف بات ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے

سلہ لفظ "اور" فان تنازعتم کی "فا" کا ترجمہ ہے۔ حالانکہ فا کا ترجمہ "اور" کسی طرح

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۶۷ پر)

مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ کہ اللہ اور رسول اور ان اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں۔ یعنی مسلمان ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اولی الامر اور رعیت میں اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے۔ تو اس اختلاف کا تصفیہ اللہ اور رسول یعنی قرآن وسنت سے کرانا چاہیئے۔ اور تصفیہ کی اس صورت کو اس قدر ضروری قرار دیا۔ کہ فرمایا اگر تمہارا ایمان خدا پر اور قیامت پر ہے۔ تو ضرور تم ایسا ہی کرو گے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرتے ہیں تمہارے لئے ہر طرح کی بھلائی ہے اور اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے۔ اور ان سے کسی بات میں نزاع کرنا حرام ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک ہی چیز ہے۔ لفظ تو دو ہیں مگر مصداق ایک ہے۔ چنانچہ اسی سورت میں آگے چل کر فرمایا مَن یطع الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللّٰہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ ان دونوں اطاعتوں کا متحد ہونا محض اس سبب سے ہے کہ

صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہ خیانت ترجمہ میں محض اس لئے کی گئی ہے۔ کہ اس مضمون کا ربط اوپر سے نہ رہے۔ اور یہ سمجھا جائے کہ یہ حکم جدید بیان ہو رہا ہے۔ اور اولے الامر اور رعیت میں نزاع کا مفہوم نہ پیدا ہونے پائے۔ تاکہ اولی الامر مثل رسول کے معصوم اور اس کے جمیع احکام رسول کی طرح واجب الاطاعۃ قرار دیئے جا سکیں۔

؎ اس ترجمہ میں لفظ منکم کو رسول کے ساتھ بھی لگا دیا۔ حالانکہ از روئے قواعد عربیت یہ بات درست نہیں ہو سکتی۔ اور لطف یہ ہے کہ ترجمہ کی عبارت ہی اس خیانت کو ظاہر کر رہی ہے لکھتے ہیں "جو تم میں سے ہیں"۔ حالانکہ اولی الامر سے بارہ امام مراد لئے جائیں تو ان کو "ہیں" ، نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ نزول آیت کے وقت صرف علیؓ اور حسنینؓ موجود تھے باقی ائمہ کا وجود بھی نہ تھا۔

رسول معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے خلاف حکم الٰہی کوئی بات صادر ہی نہیں ہو سکتی مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی رسول ہوائے نفسانی سے کوئی بات نہیں فرماتے۔ ان کی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی۔ کہ اولی الامر کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں۔ اگر ان کا کوئی حکم خلاف قرآن و سنت ہو تو اس کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوقِ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔ تو پھر مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اس لیے اولی الامر سے نزاع اور اس نزاع سے فیصلہ کا طریقہ بیان فرمادیا۔

اب یہاں دو باتیں سمجھ لینا چاہئیں۔

اوّل۔ یہ کہ اولوالامر کے کیا معنی ہیں۔ اور کون کون لوگ اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

دوم:۔ یہ کہ اولوالامر کی اطاعت کا حکم کیوں دیا گیا۔ خصوصاً جب کہ اولی الامر معصوم بھی نہیں۔ اور اس کا معصوم نہ ہونا اسی سے ظاہر ہے۔ کہ اس سے نزاع کی اجازت دی گئی۔

امر اول کی توضیح اولوالامر کے معنی از روئے لغت عرب صاحب حکومت کے ہیں۔ لہٰذا جس شخص کو کسی قسم کی حکومت حاصل ہو۔ اس کو اولوالامر کہیں گے۔ حکومت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حکومت عامہ جیسے بادشاہِ وقت کی حکومت۔ کہ اس کی تمام رعایا کو شامل ہے۔ دوسری حکومت خاصہ جیسے افسرانِ فوج یا حکامِ صوبہ یا قاضیوں کی حکومت۔ کہ ان کی حکومت اپنی اپنی فوج، یا صوبے یا کسی شہر کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ ان سب کو اولوالامر کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے مفسرین نے اولوالامر کی تفسیر میں تین قول بیان کیے ہیں۔

(۱) یہ کہ اس سے سرداران فوج مراد ہیں۔ ہر فوج کو اپنے سردار کی اطاعت واجب ہے۔

(۲) یہ کہ اس سے خلیفہ وقت مراد ہے۔ اس تفسیر کی بنا پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔

(۳) یہ کہ علما اور فقہا مراد ہیں۔

ان تینوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تینوں مراد ہو سکتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کی اطاعت اپنے اپنے درجہ میں واجب ہے۔ تفسیر درمنثور میں ہے۔

أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ	بخاری، مسلم، ابوداؤد،
وَأَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ	ترمذی، نسائی ابن جریر، ابن
وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ جَرِيْرٍ	منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی
وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ	نے دلائل النبوۃ میں بروایت
أَبِيْ حَاتِمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ	سعید ابن جبیر ابن عباس سے
فِي الدَّلَائِلِ مِنْ طَرِيْقِ	اللہ تعالیٰ کے قول اطیعوا اللہ
سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ	واطیعوا الرسول واولی الامر منکم
ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ	کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ
تَعَالٰى أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ	ابن عباس نے کہا یہ آیت عبداللہ
أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي	بن حذافہ بن قیس کے بارہ میں
الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالَ نَزَلَتْ	نازل ہوئی تھی۔ جب کہ نبی صلی
فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ	اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک
بْنِ قَيْسٍ إِذْ بَعَثَهُ	چھوٹے سے لشکر کا سردار بنا کر
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	بھیجا تھا۔ اور ابن عساکر نے
وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ	بروایت سدی ابو صالح سے
وَأَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرٍ	انہوں نے ابن عباس سے نقل

مِنْ طَرِيْقِ السُّدِّيِّ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ عَنْ مَيْمُوْنَ بْنِ مَهْرَانَ فِيْ قَوْلِهٖ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالَ أَصْحَابُ السَّرَايَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کیا ہے۔ اور ابن جریر نے میمون بن مہران سے اللہ تعالیٰ کے قول اولی الامر کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ افسران فوج ہیں۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقرر ہوئے تھے۔

ان روایات سے معلوم ہوا۔ کہ یہ آیت ان سرداران فوج کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقرر ہوا کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض مہم پر کسی دوسرے کو سردارِ فوج بنا کر بھیج دیتے تھے۔ خود تشریف نہ لے جاتے تھے۔ لہذا حکم ہوا کہ فوجی لوگ اپنے اپنے سرداروں کی اطاعت کریں۔ شان نزول تو یہی ہے۔ مگر چونکہ الفاظ آیت کے عام ہیں۔ اور اصول تفسیر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ لہذا اب حکم سرداران فوج کے ساتھ خاص نہ رہے گا۔ بلکہ سرداران فوج کا بھی جو شخص سردار ہو یعنی خلیفہ وقت بدرجہ اولیٰ اس حکم میں شامل ہوگا۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

وقال ابوهريرة هم الامراء والولاة وقال عكرمة اراد باولى الامر ابابكر وعمر۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد امیر اور والی یعنی خلفاء ہیں اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے مراد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ لفظ اولی الامر ان کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ ان کا ذکر محض اس لئے کیا گیا کہ لفظ اولی الامر کے اعلیٰ واکمل مصداق وہ ہیں۔

نیز تفسیر درمنثور میں ہے۔

أَخْرَجَ عَبْدُ ابْنُ حُمَيْدٍ وَ
بْنُ جُبَيْرٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ
عَنْ عَطَاءٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى
أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
قَالَ طَاعَةُ اللّٰهِ وَالرَّسُولِ
اِتِّبَاعُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالَ
أُولِي الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ وَ
أَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ
الْمُنْذِرِ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ
وَالْحَاكِمُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ يَعْنِي أَهْلَ الْفِقْهِ
وَالدِّينِ وَأَهْلَ الطَّاعَةِ
الَّذِينَ يُعَلِّمُونَ النَّاسَ
مَعَانِيَ دِينِهِمْ وَيَأْمُرُونَهُمْ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَهُمْ عَنِ
الْمُنْكَرِ فَأَوْجَبَ اللّٰهُ
طَاعَتَهُمْ عَلَى الْعِبَادِ وَأَخْرَجَ

عبد ابن حمید اور ابن جبیر اور ابن
ابی حاتم نے عطاء سے اللہ تعالیٰ
کے قول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ
اللہ اور رسول کی اطاعت سے
مراد کتاب اور سنت کی پیروی
ہے۔ اور اولی الامر سے مراد
فقہاء اور علماء ہیں اور ابن جریر
اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم
اور حاکم نے ابن عباس سے روایت
کی ہے کہ اولی الامر سے فقہا اور
دیندار عبادت گذار لوگ مراد
ہیں اور ان کو امر معروف ونہی منکر
تعلیم کرتے ہیں اور ان کو امر
معروف ونہی منکر کرتے ہیں۔ اللہ
نے ان کی اطاعت بندوں پر
واجب کی ہے۔ اور ابن ابی
شیبہ اور عبد بن حمید نے اور حکیم
ترمذی نے نوادر الاصول میں اور

اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَعَبْدُ
اِبْنُ حُمَیْدٍ وَالْحَکِیْمُ
التِّرْمِذِیُّ فِیْ نَوَادِرِ
الْاُصُوْلِ وَابْنُ جَرِیْرٍ
وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِیْ
حَاتِمٍ وَالْحَاکِمُ وَصَحَّحَہٗ
عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ
فِیْ قَوْلِہٖ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ
وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ
وَابْنُ جُرَیْرٍ عَنْ اَبِی الْعَالِیَۃِ
فِیْ قَوْلِہٖ وَاُولِی الْاَمْرِ
مِنْکُمْ قَالَ ھُمْ اَھْلُ
الْعِلْمِ اَلَا تَرٰی اِلٰی اَنَّہٗ
یَقُوْلُ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی
الرَّسُوْلِ وَاُولِی الْاَمْرِ
مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ
یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ -

ابن جریر اور ابن منذر اور ابن
ابی حاتم اور حاکم نے روایت
کی ہے - اور حاکم نے اس
روایت کو صحیح کہا ہے - کہ
حضرت جابر بن عبداللہ بھی
اولی الامر سے فقہا کو مراد لیتے
تھے اور ابن ابی شیبہ اور ابن
جبیر نے ابوالعالیہ سے روایت
کیا ہے - کہ اولی الامر سے مراد
اہل علم ہیں - کیا تم نہیں دیکھتے
کہ دوسری آیت فرمایا ہے -
کہ اگر وہ رسول اور اپنے اولی الامر
کی طرف رجوع کرتے تو جو لوگ
استنباط کر سکتے ہیں وہ بات کو
سمجھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ
اہل استنباط مراد ہیں وہ اہل علم
ہی ہو سکتے ہیں :

مفسرین کے ان اقوال سے معلوم ہوا - کہ ہر درجہ کے حاکموں پر لفظ اولی الامر کا اطلاق ہو سکتا ہے - پس کچھ شک نہ رہا کہ خلیفہ وقت جس کو حکومت عامہ حاصل ہے - بدرجہ اولیٰ اس لفظ کا مصداق ہے - بلکہ جب لفظ اولی الامر بولا جائے گا - تو اس کے متبادر معنی خلیفہ ہی ہوں گے -

امر دوم کی توضیح :- اولوالامر سے مراد اگر علماء و فقہا لے لئے جائیں تو ان کی اطاعت کا حکم دینا اس وجہ سے ہے - کہ عوام الناس جو کتاب و سنت

کے سمجھنے کی لیاقت یا استنباط مسائل کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اگر علماء وفقہائے دین کی تعلیم نہ حاصل کریں یا ان کی تعلیم پر عمل نہ کریں تو ظاہر ہے۔ کہ دین سے بے خبر اور بے تعلق ہو جائیں گے۔ اور اگر اولوا الامر سے مراد خلیفہ یا سردارِ فوج ہوں اور یہی مراد ظاہر ہے۔ تو ان کی اطاعت کا اس لیئے حکم دیا گیا کہ نظام امت کا قیام اور امور سیاست کا انصرام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا۔ مشیت الہٰی میں روز اول سے یہ بات مقرر تھی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس لیے ہو گی۔ کہ تمام روئے زمین پر اسلام کی شوکت وسطوت کا جھنڈا نصب ہو۔ اور آپ کے متبعین کسی غیر مسلم قوت کے زیر فرمان ہو کر نہ رہیں۔ بلکہ وہ خود فرمان روا ہوں۔ اور دین الہٰی کے جلال وجبروت کے سامنے تمام ادیانِ باطلہ کو سرنگوں کر دیں آیہ کریمہ لیظھرہ علی الدین کلہ اس کی گواہ ہے۔

پس جب یہ بات پہلے سے مقرر تھی تو ضروری تھا کہ قرآن شریف میں جس طرح عبادات ومعاشرت واخلاق کے اصول تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ اسی طرح سیاست وجہان داری کے اصول بھی ارشاد فرمائے جاتے۔ اور سیاست وجہان داری کے اصول میں سب سے بڑی چیز یہ ہے۔ کہ تمام قوم کا شیرازہ متحد ہو۔ سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔ اور یہ بات بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کہ قوم کا ایک شخص مقتدا اور صاحب حکم ہو۔ اور باقی اشخاص اسکی اطاعت و فرماں برداری کریں۔

سیاست وجہان داری کی اسی اصلِ عظیم کی تعلیم آیت مذکورہ میں ہے۔ اس آیت سے پہلے حکام کو تعلیم دی ہے۔ کہ تم عدل وانصاف پر کاربند رہنا فرمایا۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ یعنی جب تم لوگوں کے درمیان میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بہ تحقیق اللہ کیا ہی اچھی نصیحت تم کو کرتا ہے۔ اس کے بعد

آیت مبحوثہ میں محکوموں کو حکام کی اطاعت کا حکم دیا۔ اسی طرح حاکم و محکوم دونوں کے فرائض بیان فرما دیئے۔

سیاست وجہان داری تو بڑی چیز ہے۔ ایک گھر کا انتظام بھی بغیر اس کے درست نہیں ہوسکتا۔ کہ اس گھر کے جتنے رہنے والے ہوں۔ سب مل کر اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا بڑا مانیں۔ اور سب اس کی اطاعت کریں۔ تو بھلا ایسا ضروری مسئلہ قرآن شریف سے کیونکر فروگذاشت ہوسکتا تھا۔

دین اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے۔ کہ اس نے فلاح دارین کے اصول تعلیم فرمائے ہیں۔ تو کیوں کر ممکن تھا کہ تمدن کا ایسا ضروری مسئلہ نہ تعلیم دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اطاعتِ اولی الامر کے متعلق احادیثِ صحیحہ کا بھی ایک بڑا دفتر ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

احادیث نبویہ متعلق اطاعت اولی الامر

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَ اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر یعنی حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری

فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَہٗ بِذٰلِکَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِہٖ فَاِنَّ عَلَیْہِ مِنْہُ۔ (متفق علیہ)

نافرمانی کی۔ امام یعنی خلیفہ ایک سپر ہے جس کی پناہ میں جہاد کیا جا سکتا ہے۔ پس اگر وہ تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے تو یقیناً اس کو ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کے خلاف کرے تو اس پر وبال اس کا ہوگا (صحیح بخاری مسلم)

ف۔ یہ جو فرمایا کہ امام مثل ایک سپر کے ہے الخ اس سے معلوم ہوا۔ کہ امام یعنی خلیفہ کا مقرر کرنا اور اس کی اطاعت کا واجب ہونا ان سیاسی و تمدنی مقاصد کے لئے ہے اور بس۔

(۲) عَنْ اُمِّ الْحُصَیْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا (مسلم)

حضرت ام الحصین سے روایت ہے وہ کہتی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم پر کوئی غلام حاکم بنا دیا جائے جسکے ناک کان کٹے ہوئے ہوں وہ تم کو کتاب اللہ کے موافق چلائے تو اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ (صحیح مسلم)

(۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ کَاَنَّ رَاْسَہٗ زَبِیْبَۃٌ (البخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام عامل بنا دیا جائے۔ اور وہ ایسا بدصورت ہو گویا اس کا سر انگور کے

ف۔ معلوم ہوا کہ اگر غلام بھی خلیفہ ہو جائے تو اس کی اطاعت بھی واجب ہے تاہم کو۔ بس مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مقصد خلافت کا یہی ہے۔ کہ کتاب اللہ کے مطابق ہماری قیادت کرے۔ تیسری حدیث میں استعمل کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہر حاکم کی اطاعت واجب ہے۔ خواہ وہ خلیفہ ہو یا خلیفہ کا مقرر کیا ہوا عامل۔

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِہَ مَا لَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَۃٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِیَۃٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ خواہ وہ اس کو پسند ہوں یا ناپسند تاوقتیکہ گناہ کو حکم نہ دیا جائے تو نہ سننا واجب ہے نہ اطاعت کرنا (صحیح بخاری صحیح مسلم)

آیت اولی الامر کی تفسیر بیان ہو چکی اب اہل انصاف غور کریں کہ اس آیت سے کس طرح حضرات مخالفین صحابہ اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں۔ آیت میں کونسا لفظ ہے جس سے حضرت علیؓ کی خلافت یا عصمت ائمہ ثابت کی جا سکے۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو یہ آیت حضرات مخالفین کی ایجاد کی ہوئی امامت و عصمت کا گھروندہ ہی بگاڑ دیتی ہے۔ کیونکہ آیت صاف بتلا رہی ہے۔ کہ امام مثل رسول واجب الاطاعۃ اور معصوم نہیں۔ ورنہ امام سے نزاع کی ممانعت فرمائی جاتی۔ جس طرح رسول سے نزاع کی ممانعت ہے۔ یہ نہ فرمایا جاتا۔ کہ اگر امام سے کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس کا فیصلہ قرآن شریف سے کرو۔ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ جس کا اقرار خود ائمہ مخالفین سے بھی منقول ہے۔

اب دیکھو کہ مخالفین صاحبان کیا فرماتے ہیں۔ اور کس طرح آیت قرآنی کی تحریف کرتے ہیں۔

مخالفین صحابہ کرام رضؓ کہتے ہیں

کہ یہ آیت اولی الامر حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل اور عصمت ائمہ کیلئے نص صریح ہے اور آیت انما ولیکم اللہ کے بعد اسی کا نمبر ہے ۔ اس آیت سے استدلال کرنے میں انہوں نے کئی رنگ بدلے ہیں ۔

سب سے پہلا اور اصلی رنگ یہ ہے ۔ کہ اس آیت میں تحریف ہو گئی ہے ۔ اصلی آیت یوں تھی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ خِفْتُمْ تَنَازُعًا فِیْ اَمْرٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ یعنی اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اولی الامر کی ۔ اور اگر تم کو آپس میں کسی بات میں نزاع پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کو اللہ اور رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرو مطلب یہ کہ اولی الامر بھی مثل رسول ہیں ۔ مولوی مقبول احمد صاحب اپنے ترجمہ قرآن مطبوعہ مقبول پریس دہلی کے صـ۱۳۸ میں فرماتے ہیں ۔ کافی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے ۔ کہ وہ حضرت آیت کو یوں تلاوت فرماتے تھے فان خفتم تنازعًا فی امر فردوہ الی اللہ والی الرسول والی اولی الامر منکم اور یہ فرمایا کرتے تھے اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی تھی ۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ کہ خدا تعالےٰ اولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی دے اور پھر ان سے جھگڑا کرنے کی اجازت بھی دے ۔ بلکہ یہ حکم تو اُن اماموں کے حق میں ہے ۔ جن سے اطیعوا اللہ کہا گیا ہے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ خود انہوں نے بلکہ ان کے امام محمد باقر نے اقرار کر لیا ۔ کہ قرآن شریف میں یہ آیت جن الفاظ میں ہے ۔ ان سے اولوا الامر کا غیر معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ بلکہ معصوم سے جھگڑا کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی

اور اس اقرار سے روزِ روشن کی طرح یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آیت مذکورہ بالفاظ موجودہ ان کے دوازدہ امام پر صادق نہیں آسکتی۔ کیونکہ وہ بزعم ان کے معصوم تھے۔

ہاں اہل سنت کے نزدیک اس تفسیر کی بنا پر کہ اولوالامر سے علماء و فقہاء مراد ہوں۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما وباقی بزرگانِ خاندان نبوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اولوالامر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امام مہدی بھی جب پیدا ہوں گے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے گی، لفظ اولی الامر کے مصداق میں بنا بر تفسیر خلیفہ بھی داخل ہیں اور ہوں گے۔ کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ سب حضرات غیر معصوم ہیں۔

اب رہا اس آیت کو محرف کہنا یا اس کے مضمون پر اعتراض کرنا۔ یہ نتیجہ ہے قرآن شریف پر ایمان نہ لانے کا۔ جس کے جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ دنیا میں کون ایسا ذی عقل ہے۔ جو قرآن شریف جیسی کتاب کو جس کی محفوظیت بلاشبہ عدیم المثال اور مسلم الکل معجزہ ہے غیر مسلم تک اس کا اقرار کر چکے ہیں۔ چند خود غرض اور البوالہوس لوگوں کے لئے بے دلیل بکواس سے کون محرف مان لے گا۔ یا اس کی صاف اور معقول بات کو موردِ اعتراض قرار دے گا۔

مخالفین صحابہ کے امام باقر صاحب نے جو یہ اعتراض قرآن پر کیا ہے۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اولوالامر کی اطاعت کا حکم بھی دے اور پھر ان سے جھگڑے کی اجازت بھی دے۔" ایک عجیب منطق ہے خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ اولوالامر کی اطاعت ہر بات میں آنکھ بند کر کے کرانا واجب ہے۔ یہ شان صرف رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ ان کا ہر حکم وحی الٰہی ہے۔ اور ان کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا واجب ہے۔ اولوالامر کی اطاعت صرف انہی امور میں ہے۔ جو قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں۔

اگر مخالفین کہیں کہ غیر معصوم کی اطاعت کسی بات میں بھی درست نہیں تو یہ

فطرۃ اللہ کے خلاف ہو گا۔ خود معصوم کے زمانے میں بھی لوگ غیر معصوم کی اطاعت کرنے پر مامور و مجبور تھے۔ فرض کرو (کفرض المکذوبات) کہ حضرت علیؓ معصوم ہیں۔ لیکن وہ کوفہ میں رہتے تھے۔ اطراف و جوانب میں نزدیک و دور مقامات میں ان کے عامل اور قاضی مقرر تھے۔ جو غیر معصوم تھے۔ وہاں کے لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ ہر خلیفہ کے زمانہ میں ایسا ہوا۔ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا ہوا۔ اور ایسا نہ ہو تو نظامِ خلافت ہی قائم نہیں رہ سکتا۔

دوسرا رنگ۔ جناب کلینی صاحب نے اس آیت کے متعلق ابو بصیر اور امام جعفر صادق کی ایک گفتگو نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ امام موصوف نے اپنے باپ کے خلاف اس آیت کو غیر محرف مان کر فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حضرت علیؓ و حسینؓ ہیں۔ ابو بصیر نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ حضرت علیؓ اور انکے اہل بیت کا نام آیت میں کیوں نہ لیا گیا تاکہ اولی الامر کی مراد سب پر ظاہر ہو جاتی، اس کا کوئی معقول جواب امام صاحب نہ دے سکے۔ اب اس کی اصل عبارت اصول کافی صہ ۱۷۳ پر ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَقَالَ نَزَلَتْ فِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ فَقُلْتُ لَہٗ اِنَّ النَّاسَ	ابو بصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ عزوجل کے قول اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے متعلق دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب اور حسن و حسین علیہم السلام کے حق میں اتری ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ لوگ

يَقُولُونَ فَمَالَهُ لَمْ يُسَمِّ عَلِيًّا وَاَهْلَ بَيْتِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِيْ كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَقَالَ قُوْلُوْا لَهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ نَزَلَتْ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَلَمْ يُسَمِّ لَهُمْ ثَلَاثًا وَّلَا اَرْبَعًا حَتّٰى كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ هُوَ الَّذِيْ فَسَّرَ ذٰلِكَ لَهُمْ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِ الزَّكٰوةُ وَلَمْ يُسَمِّ لَهُمْ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ حَتّٰى كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ هُوَ الَّذِيْ فَسَّرَ ذٰلِكَ لَهُمْ وَنَزَلَ الْحَجُّ فَلَمْ يَقُلْ لَهُمْ طُوْفُوْا اُسْبُوْعًا حَتّٰى كَانَ رَسُوْلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ هُوَ الَّذِيْ فَسَّرَ لَهُمْ ذٰلِكَ۔

کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ خدا نے علیؑ کا اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کا نام قرآن میں نہ لیا۔ امام نے فرمایا تم ان لوگوں سے کہہ دینا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز کا حکم اترا۔ مگر خدا نے نہ بتلایا کہ تین رکعت یا چار رکعت پڑھو۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لوگوں سے بیان کیا اور حج کا حکم نازل ہوا۔ مگر خدا نے یہ نہ فرمایا کہ سات مرتبہ طواف کرو۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر فرمائی۔

ف۔ امام جعفر صادق صاحب نے جو جواب ابوبصیر کو دیا وہ بچند وجوہ غیر معقول ہے۔

اوّل ۔ یہ کہ سوال تھا مسئلہ امامت کے متعلق ۔ یہ جو مخالفین صحابہ کے یہاں اصول دین میں ہے ۔ اور مدارِ نجات ہے ۔ جواب میں امام صاحب نے نماز روزہ وغیرہ فروعات پر قیاس کیا ۔ یہ قیاس مع الفارق نہیں تو کیا ہے ۔ اعمال کی تفصیل قرآن میں نہ ہوئی ۔ تو اس سے عقائد کی تفصیل نہ کرنے کا جواب کیوں کر نکلا۔

دوم :۔ یہ کہ نماز کی تعدادِ رکعات یا نصابِ زکوٰۃ کا بیان قرآن میں نہ ہوا تو کسی خلافِ مراد مضمون کی طرف ذہن نہ گیا ۔ بخلاف اس کے کہ لفظ اولی الامر کی مراد نہ بیان کرنے سے ذہن اب اسی عام معنی کی طرف جاتا ہے ۔ جو از روئے لغت مفہوم ہوتے ہیں ۔ حالانکہ وہ معنی خلاف مراد ہیں ۔

سوم :۔ یہ کہ بالفرض یہ سب مان لیا جائے ۔ تو امام کو چاہیئے تھا ۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہی پیش کرتے ۔ جس میں اولوا الامر کی مراد بیان کی گئی ہوتی ۔ لیکن انہوں نے یہ بھی نہ کیا اور نہ کر سکتے تھے ۔

علاوہ اس کے سب سے بڑا نقص امام صاحب کے استدلال میں یہ ہے کہ اولی الامر سے حضرت علیؓ و حسنینؓ اگر مراد لیئے جائیں ۔ تو ان کی عصمت باطل ہوئی جاتی ہے ۔ کیونکہ فان تنازعتم سے حسب اقرار امام باقر عصمت کی نفی ہورہی ہے ۔ اس نقص کو مخالفین کے اوّلین و آخرین مل کر نہیں اٹھا سکتے تھے اس لئے متاخرین شیعہ نے آیت کا استدلال ایک تیسرے رنگ میں شروع کیا ۔

تیسرا رنگ ۔ مخالفین صحابہ کے امام اعظم شیخ حلی نے اور ان کے بعد دوسرے علمائے مخالفین نے اس آیت سے یوں استدلال کیا ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کا یکساں حکم دیا ہے کچھ فرق ان تینوں اطاعتوں میں نہیں بیان کیا ۔ اس سے معلوم ہوا ۔ کہ جس طرح رسول معصوم ہیں اولی الامر بھی معصوم ہیں ۔ اور باتفاق مفسرین فریقین اولی الامر سے مراد آئمہ ہیں ۔ لہذا ان کا معصوم ہونا ثابت ہوگیا ۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ معصوم کے ہوتے ہوئے غیر معصوم کا خلیفہ بنانا جائز نہیں ۔ لہذا حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل

بھی ثابت ہوگئی ۔

اسی مضمون کو مختلف عبارتوں میں کچھ مقدمات گھٹا بڑھا کر علمائے شیعہ بیان کیا کرتے ہیں ۔ اور بڑی بے باکی سے کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل اور عصمت آئمہ ثابت ہوگئی ۔

جواب

مخالفین کی پہلی دونوں تقریروں کا جواب تو انہیں کے ساتھ ساتھ ہو چکا ۔ مذکورہ بالا تیسری تقریر کا جواب یہ ہے کہ اس تقریر کی بنیاد دو باتوں پر ہے ۔ اور دونوں خالص افتراء ہیں ۔

اوّل ۔ یہ کہ خدا نے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو یکساں واجب کیا کچھ فرق نہیں بیان کیا ۔ یہ خدا پر افتراء ہے ۔ اس سے زیادہ فرق کیا ہوگا ۔ فان تنازعتم فرما کر ظاہر کر دیا کہ اولوالامر سے درصورت شبہ مخالفت شریعت نزاع جائز ہے ۔ اور رسول سے کسی حال میں بھی نزاع جائز نہیں ۔ اور بالفرض اگر یہ فرق نہ بیان ہوتا ۔ تو بھی اولوالامر کا مثل رسول معصوم ہونا ثابت نہ ہوتا ۔ کیا اللہ و رسول کی اطاعت جو اتفاقی اس آیت اور دوسری آیت میں یکساں بیان کی گئی ہے ۔ اس سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے ۔ کہ رسول مثل خدا کے واجب الوجود اور بے والد و بے ولد ہیں ۔ نعوذ باللہ ۔

دوم : یہ کہ مفسرین اہل سنت کا اتفاق ہے ۔ کہ اولوالامر سے بارہ امام مراد ہیں ۔ یہ مفسرین اہل سنت پر افتراء ہے تفاسیر اہل سنت کی عبارتیں ہم اوپر نقل کر چکے ہیں ۔ کسی میں بھی دوازدہ امام کا ذکر نہیں شاید کسی مفسر نے اگر اولوالامر سے ان حضرات کو مراد لیا ہو ۔ تو اس کا مقصود یہ ہوگا ۔ کہ لفظ اولی الامر میں اگر علماء فقہاء کو بھی شامل رکھا جائے ۔ تو یہ ائمہ بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں ۔

خلاصۃ الکلام

(۱) آیت مذکورہ کو کسی خاص خلیفہ کی خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔آیت میں ایک عام حکم بیان ہوا ہے۔ کہ مسلمانوں کو اپنے حاکم کی اطاعت کرنی چاہیئے۔

(۲) اولی الامر کے معنی صاحبِ حکومت کے ہیں۔ اور یہی معنی لغوی آیت میں مراد ہیں۔ قیامت تک جتنے مسلمان حاکم ہوں۔ سب کو بلا تخصیص یہ لفظ شامل ہے۔

(۳) اولی الامر سے دوازدہ امام کو مراد لینا آیت کی تحریف معنوی کے علاوہ خود مذہب شیعہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ آیت میں اولوا الامر سے نزاع کی اجازت ہے۔ جو عصمت کے منافی ہے۔ اور شیعہ کہتے ہیں۔ کہ دوازدہ امام معصوم ہیں۔ اور ان سے کسی مسئلہ میں نزاع کرنا ویسا ہی حرام ہے۔ جیسا رسول سے نزاع کرنا۔

(۴) آیہ مذکورہ صاف بتلا رہی ہے۔ کہ اولی الامر معصوم نہیں ہوتا نہ اس کا قول حجت شرعی ہے۔ حجت مستقلہ شرعی صرف اللہ اور رسول کا فرمان ہے ورنہ درصورتِ نزاع صرف اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم نہ دیا جاتا فقط۔ ھذا اٰخر الکلام والحمد رب العٰلمین۔ تمت
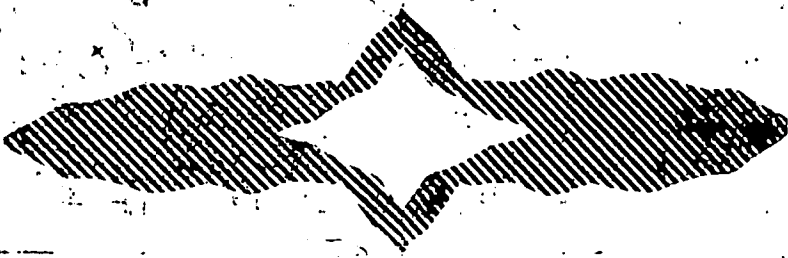
ضمیمہ تفسیر آیت اولی الامر

اما بعد جب میں تفسیر آیت اولی الامر پوری کر چکا۔ اور وہ شائع ہو چکی۔ اس وقت کتاب نصیحۃ الشیعہ میں اس آیت کی تفسیر نظر سے گذری۔ اور بہت پسندیدہ معلوم ہوئی۔ بعض مضامین میں تو بالکل توارد ہے۔ بعض اس میں زائد ہیں۔ اور بعض میری تفسیر ہیں۔ لہذا مناسب معلوم ہوا۔ کہ نصیحۃ الشیعہ کی عبارت اس آیت کے متعلق بطور ضمیمہ کے اسی تفسیر کے ساتھ شامل کر دی جائے۔

ناظرین سے درخواست ہے، کہ جناب مولوی احتشام الدین صاحب مراد آبادی مصنف نصیحۃ الشیعہ کو دعائے خیر اور ایصال ثواب سے ضرور یاد کریں۔

عبارت نصیحۃ الشیعہ متعلق تفسیر آیہ اولی الامر

مخالفین صحابہ قرآن کی بعض آیتوں کے صاف اور سیدھے معنی چھوڑ کر زبردستی ان سے مسئلہ امامت ثابت کرنے لگے۔ حالانکہ اگر تعصب کو چھوڑ کر انصاف سے دیکھیں۔ تو ان آیتوں کو مسئلہ امامت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ اس قسم کی آیتوں میں سب سے زیادہ زور حضرات مخالفین کا آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم پر ہے۔ مخالفین کہتے ہیں۔ کہ اس آیت میں لفظ اولی الامر سے علیؓ اور باقی آئمہ مراد ہیں۔ اسی وجہ سے حضرات مخالفین نے جس امام کو غائب فرض کیا ہے۔ اس کا نام صاحب الامر رکھ لیا آیت سورۃ نساء میں ہے۔ جزو پنجم میں قریب ربع کے واقع ہے۔ اس آیت کو مع اس کے ماقبل و مابعد کے نقل کرتے ہیں

وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ	اور جب حکم کرو تم آدمیوں میں تو
اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ	حکم کرو انصاف کے ساتھ بیشک

اللہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ط	اللہ جس چیز کی تم کو نصیحت کرتا ہے۔
اِنَّ اللہَ کَانَ سَمِیْعًا	وہ بہت اچھی ہے بیشک اللہ
بَصِیْرًا ہ	سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ
اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا	کی اور اطاعت کرو رسول کی
الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ	اور حکومت والے کی جو تم میں
مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ	سے ہو۔ پس اگر جھگڑو تم کسی چیز
فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ	میں تو رجوع کرو اس میں طرف
اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ	اللہ اور رسول کے اگر ہو تم ایمان
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ۔	لانے والے اللہ پر اور قیامت
	کے دن پر ۔

اس آیت میں اول اللہ نے حکومت والوں کو یہ حکم کیا کہ انصاف کے ساتھ حکم کریں۔ پھر مومنین کو یہ حکم کیا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں ۔ پھر یہ حکم کیا کہ اگر تم میں اختلاف ہو تو اللہ اور رسول کے قول کی طرف رجوع کر کے اس اختلاف کا فیصلہ کر لو۔

اب بحث طلب یہ بات ہے ۔ کہ اللہ نے جس اولی الامر کی اطاعت کا حکم کیا ہے وہ کون ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ باعتبار لغت اور استعمال زبان عرب کے اولی الامر کے معنی صاحب کے جس کو حاکم کہتے ہیں پس اس لفظ کے جو معنی حقیقی ہیں ۔ اسی معنی میں اس لفظ کو باقی رکھنا چاہیئے اگر یہ تردد ہو کہ وہ حکومت والے کون ہیں ۔ جن کی اطاعت کا حکم ہوا ۔ تو یہ عقدہ بھی بہت آسانی سے حل ہو سکتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب کی بڑی بڑی بستیوں میں اپنی طرف سے حکام مقرر کر کے بھیجا کرتے تھے ۔ اور وہاں کے لوگوں کو ان حکام کی اطاعت کا حکم ہوتا تھا ۔ اور جس جہاد میں بذات خود

تشریف نہ لے جاتے تھے۔ تو کسی صحابی کو امیر لشکر مقرر کرتے تھے۔ اور تمام لشکر اسلام کو امیر لشکر کی اطاعت کا حکم کرتے تھے۔ جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو مدینہ میں کسی کو حاکم مقرر کر جاتے تھے۔ یہ سب لوگ چونکہ حاکم ہوتے تھے۔ اس لئے اولی الامر ہوتے تھے۔ ان سب کی اطاعت ان کے ماتحتوں پر واجب ہوتی تھی۔

حضرات مخالفین صحابہ نہ ان حکام کے اولی الامر ہونے کا اقرار کر سکتے ہیں نہ ان کی اطاعت کے وجوب میں کوئی خلل ڈال سکتے ہیں۔ پس آیت کے معنی بے تکلف راسخ ہو گئے۔ کہ یہی وہ حکام ہیں جن کی اطاعت کا اس آیت میں اللہ نے حکم دیا۔ بڑا قرینہ اس کا یہ ہے کہ اللہ نے اول حکام کو انصاف کرنے کا حکم کیا۔ اسی کے ساتھ مومنین کو ان کی اطاعت کا حکم کیا۔ پس پہلی آیت سے بھی اس کا ربط بہت اچھی طرح واضح ہو گیا۔ اسی طرح بعد کی آیت سے بھی یہی معنی مربوط ہیں۔ اس لئے کہ حکام کی اطاعت اسی حد تک واجب ہے۔ کہ جب تک ان کا حکم اللہ و رسول کے مخالف نہ ہو۔ اور جب ان کا حکم اللہ و رسول کے حکم کے مخالف ہو۔ اس وقت ان کی اطاعت واجب نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اگر تم میں کوئی نزاع واقع ہو۔ یعنی اولی الامر کے کسی حکم کو اس کے ماتحت خلاف حق سمجھیں۔

تو اس وقت اولی الامر اور اس کے ماتحتوں پر نزاع واجب ہے۔ کہ دونوں فریق اللہ اور رسول کے قول کی طرف رجوع کریں۔ اور جس کا قول اللہ اور رسول کے قول کے مخالف ثابت ہو۔ اس کو غلط سمجھ لیں۔

مخالفین کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کے قول سے فیصلہ کرنے کا حکم اس نزاع میں ہے۔ جو باہم مومنین میں واقع ہو۔ نہ اس نزاع میں جو اولی الامر کے ساتھ واقع ہو۔ مگر اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ نے یہ حکم کیا ہے۔ کہ داگر تم میں نزاع

اتبع ہو تو اللہ اور رسول کے قول سے فیصلہ کرو) اس میں اولوالامر اور غیر اولوالامر یعنی حاکم اور محکوم خواہ اہل بیت میں سے ہو خواہ غیر اہل بیت میں سے ہو۔ سب شامل ہیں۔ یعنی جس طرح اور مومنین کو یہ حکم ہے۔ کہ تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول کے قول پر فیصلہ کریں۔ اسی طرح اولی الامر کو بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ یہ حکم سب مومنین کے لئے ہے۔ اور اولی الامر بھی بے شک مومنین میں داخل ہے۔ قطع نظر اس کے اگر اولی الامر اس خطاب سے خارج ہوتا۔ اور اس کا قول ہر صورت میں حجت ہوتا۔ تو اللہ یوں فرماتا۔ کہ اے مومنین تم تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول اور اولی الامر کے قول کی طرف رجوع کرو۔ مگر چونکہ اولی الامر کے قول کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اولی الامر کا قول حجت نہیں۔ اللہ اور رسول کا قول حجت ہے۔

حضراتِ مخالفین کو اس موقعہ پر سخت مجبوری پیش آئی۔ مگر فرقہ قدیمیہ کے پاس ان مشکلات کا علاج بہت سہل تھا۔ اس لیئے کہ یہ بات ان کے اختیار میں تھی۔ کہ جو مضمون چاہا قرآن میں بڑھا لیا۔ اور کسی امام سے ایک روایت تصنیف کر لی۔ کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس آیت میں بھی انہوں نے یہ کہہ دیا۔ کہ اللہ کی طرف سے یہی حکم نازل ہوا تھا۔ کہ تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرو۔ مگر محرفین نے اس آیت سے اولی الامر کا لفظ نکال ڈالا۔ چنانچہ تفسیر[1] صافی میں اس آیت کے تحت میں لکھا ہے۔

القمی عن الصادق	قمی نے امام جعفر صادق علیہ
قال نزل فان تنازعتم	السلام سے روایت کی ہے
فی شیء فردوہ الی اللہ	کہ یہ آیت اس طرح نازل
والی الرسول والی اولی	ہوئی تھی۔ (فان تنازعتم

[1] تفسیر صافی صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ طہران ۱۲

الامر منکم وفی الکافی والعیاشی عن الباقر انہ تلا فی ھذہ الآیۃ ھکذا فان خفتم تنازعًا فی امر فردوہ الی اللّٰہ والی الرسول والی اولی الامر منکم قال کذا نزلت وکیف یامرھم اللّٰہ عزّوجلّ بطاعۃ ولاۃ الامر ویرخص فی تنازعتم۔

فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والی الرسول والی الولی الامر منکم یعنی پس اگر اختلاف کرو تم کسی امر میں تو رد کر اس کو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اور اولی الامر کی طرف جو تم میں سے ہو۔ اور کافی میں اور عیاشی میں امام باقر سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے پڑھا اس آیت میں اس طرح فانؔ خفتم تنازعًا فی امر فردوہ الی اللّٰہ والی الرسول والی اولی الامر منکم

یعنی اگر خوف کرو تم تنازع کا کسی امر میں تو اس کو رد کرو تم اللہ کیطرف اور رسول کی طرف اور اس حاکم کی طرف جو تم میں سے ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ اور کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ عزوجل مومنین کو صاحبان حکومت کی اطاعت کا حکم کرے۔ اور ان کے ساتھ جھگڑا کرنے کی بھی اجازت دے۔

امام باقر علیہ السلام نے اس قول میں یہ اشارہ کر دیا۔ کہ اگر اس آیت میں الیٰ اولی الامر کا لفظ نہ بڑھایا جائے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ

ملے قرآن موجودہ میں فان تنازعتم فی شئی ہے مگر امام باقر علیہ السلام نے فان خفتم تنازعًا فی شئ پڑھا۔ یہ بھی تحریف ہے ۱۲۔

کہ اولی الامر کے ساتھ تنازع کی صورت میں بھی اللہ اور رسول کے قول سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ پس اس معنی کو بدلنے کے لئے الی اولی الامر کا لفظ بڑھانا ضرور ہے۔ ورنہ آیت کے معنی خلاف ما انزل اللہ ہو جائیں گے۔ پس یہاں سے ثابت ہو گیا کہ اسی مجبوری سے حضرات مخالفین نے قرآن میں تحریف کر کے لفظ مذکورہ کے بڑھانے کا قصد کیا۔

بیان مذکورہ بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ آیت (اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم) میں لفظ اولی الامر سے جو بمعنی حاکم ہے وہ حاکم مراد ہے۔ جس کو رسول کی طرف سے کسی لشکر یا کسی شہر کی حکومت ملی ہو۔ اس کی اطاعت اس کے ماتحتوں پر اس وقت تک واجب ہوتی تھی۔ جب تک اس کا حکم اللہ اور رسول کے قول کے مخالف نہ ہو۔ اور جب اس کے حکم کو اس کے ماتحت مخالف حق سمجھیں۔ تو اللہ اور رسول کے قول سے حق کا فیصلہ کرنے کا حکم تھا۔ اور جب اولی الامر کا لفظ بمعنی حاکم ہے۔ تو ان حکام کو بھی شامل ہے۔ جن کو بعد رسولؐ کے حکومت ملی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کبھی کبھی ان حکومتوں پر خلیفہ اوّل اور خلیفہ ثانی بھی مقرر ہوئے ہیں۔ بلکہ روایاتِ مخالفین صحابہ سے ثابت ہے۔ کہ ان کا تقرر اس حکومت پر اللہ کے حکم سے ہوا تھا۔ چنانچہ حیات القلوب[1] میں علی ابن ابراہیم اور شیخ مفید اور شیخ طوسی اور شیخ طبرسی اور قطب راوندی کی روایت سے غزوۂ ذات السلاسل کے بیان میں حضرت صادق اور ابن عباس سے منقول ہے۔ کہ میدان یابس میں بارہ ہزار سوار کافروں کے جمع ہوئے تھے۔ اور انہوں نے یہ عہد کیا تھا۔ کہ محمد اور علیؓ کو قتل کر دیں۔ اس کے بعد حیات القلوب کی عبارت یہ ہے۔

---

[1] حیات القلوب جلد دوم ص۴۲۵

پس جبرائیل نازل شد و قصہ البشان را برائے آں حضرت نقل کرد۔ و از جانب خدا مامور گردانید آں حضرت ابوبکر را با چار ھزار سوار مہاجران و انصار بجنگ الیشاں بفرستند۔	پس جبریل نازل ہوئے۔ اور ان کا قصہ حضرت سے بیان کیا۔ اور خدا کی طرف سے حضرت کو مامور کیا۔ کہ ابوبکرؓ کو چار ہزار سوار مہاجرین اور انصار دے کر ان سے لڑنے کے لئے بھیجیں۔

اس کے بعد یہ قصہ مذکور ہے۔ کہ ابوبکرؓ ان سے ڈر کر بغیر جنگ کے واپس آئے۔ اور پھر اللہ کا حکم آیا کہ عمرؓ کو بھیجو۔ چنانچہ حیات القلوب میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:-

وا اینک جبرائیل مرا از جانب خدا امر مے کند۔ کہ عمر را بجائے او بفرستیم۔	اور اب جبرائیل مجھ کو خدا کی طرف سے یہ حکم کرتا ہے۔ کہ ابوبکرؓ کی جگہ عمرؓ کو بھیجوں۔

پھر عمرؓ کی نسبت بھی یہی مذکور ہے۔ کہ وہ ڈر گئے۔ اور بغیر جنگ کے واپس آئے۔

اہل سنت کے نزدیک یہ بیان کہ دونوں بغیر جنگ کے واپس آگئے محض افترا ہے۔ مگر اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ ایک یہ کہ دونوں بنص الٰہی اس جہاد میں امام مقرر ہوئے تھے۔ پس امام منصوص تھے۔ دوسرے یہ کہ امام منصوص کے لئے معصوم ہونا ضرور نہیں۔

جو معنی اس آیت کے ہم نے بیان کئے۔ یہی مضمون جناب امیر علیہ السلام کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ نہج البلاغۃ[1] میں جناب امیر کا کلام اس وقت کا جب کہ بعد شہادت عثمانؓ کے لوگوں نے ان سے بیعت کرنے کی خواہش کی یہ مذکور ہے۔

---

[1] منقول از شرح میثم مطبوعہ ایران الخ ۱۲

ومن کلام له لما	اور جناب امیر کے کلام سے
ارید قبل البیعة بعد	ہے جبکہ ارادہ کیا گیا بیعت کا
قتل عثمان دعونی والتمسوا	بعد قتل عثمانؓ کے مجھے چھوڑ دو۔
غیری۔	اور میرے سوا کسی دوسرے کو
	ڈھونڈ لو۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ جناب امیر اپنے آپ کو اولوالامر منصوص نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ یہ کیوں کہتے کہ مجھے چھوڑ دو۔ اور نیز جناب امیر خلافت کو مشورہ مومنین پر موقوف سمجھتے تھے۔ نہ نص پر۔ جب ہی تو فرمایا کہ کسی اور کو ڈھونڈ لو۔

اس کلام کے آخر کا فقرہ یہ ہے۔

ان ترکتمونی فانا کاحدکم	اگر تم چھوڑ دو گے تو میں بھی مثل
ولعلی اسمعکم واطوعکم	ایک کے تم میں سے ہونگا۔
لمن ولیتموہ امرکم وانا	اور شاید تم سے زیادہ حکم ماننے
لکم وزیرا خیرا منی	والا اور زیادہ اطاعت کرنیوالا
لکم امیرا۔	اس کا ہونگا جس کو تم اپنا اولی الامر

بناؤ گے۔ اور میں تمہارے لئے وزیر بن کر بہتر ہوں اس حالت سے کہ تمہارا امیر ہوں۔

۔ یعنی اگر تم مجھ کو چھوڑ کر کسی اور کو اولی الامر بناؤ گے۔ تو جس طرح تم میں سے ہر ایک اس کی اطاعت کرے گا۔ اسی طرح میں بھی اس کی اطاعت کروں گا۔ بلکہ میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔

اس سے ظاہر ہو گیا۔ کہ جناب امیر اپنے آپ کو اولوالامر منصوص نہیں جانتے تھے۔ بلکہ یہ کہتے تھے۔ کہ تم جس کو اولی الامر بناؤ گے۔ میں بھی تمہاری طرح

ملہ یہ خطبہ نہج البلاغة مطبوعہ مصر قسم اول ص ۱۹۸ میں ہے ۱۲ مدیر النجم۔

اس کی اطاعت کروں گا۔ بلکہ شاید تم سے زیادہ اطاعت کروں گا۔ فاضل ابن میثم نے اس کی شرح میں لکھا ہے۔

ای کنت کاحدکم	یعنی ہوں گا میں بھی مثل ایک
فی الطاعۃ لامیرکم	کے تم میں سے اطاعت میں
بل لعلی اکون اطوعکم	تمہارے امیر کی۔ بلکہ شاید
لہ ای لقوۃ علم	ہوں میں تم سے زیادہ اطاعت
بوجوب طاعۃ الامام	کرنیوالا اس کا یعنی واسطے

زیادتی علم جناب امیر کے ساتھ وجوب اطاعت امام کے۔
مطلب یہ ہے کہ جناب امیرؑ سب سے زیادہ اس مسئلہ کو جانتے تھے۔ کہ امام کی اطاعت واجب ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا۔ کہ تم جس کو امام مقرر کرلوگے۔ میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔ اور اس کی فرماں برداری جو مجھ پر واجب ہوگی۔ تم سے زیادہ ادا کروں گا۔

جناب امیرؑ کے اس بیان سے بخوبی واضح ہوگیا کہ امام (اولوالامر) کا مقرر کرنا مسلمانوں کی رائے پر موقوف تھا۔ چنانچہ جناب امیرؑ یہ فرماتے تھے۔ کہ میرے سوا کسی اور کو امام اولوالامر مقرر کرلوتو میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔ اس لیئے کہ اطاعتِ امام کا حکم تو تم سے زیادہ مجھ کو معلوم ہے۔ اور آیہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کو میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی سمجھنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب اولی الامر کی اطاعت واجب تھی۔ تو جناب امیر کو یوں کہنا چاہیئے تھا۔ کہ ضرور میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔ مگر انہوں نے یہ نہ کہا۔ بلکہ یوں کہا کہ شاید میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں۔ اس کا سبب شارح ابن میثم نے یہ لکھا ہے۔

وانما قال لعلی لانہ | اور جناب امیر نے شاید اس
علی تقدیر ان یولوا احدًا | لئے کہا کہ اگر ایسی صورت ہوتی
یخالف امر اللہ لا یکون | کہ وہ ایسے شخص کو اولوالامر
اطوعھم بل اعصاھم۔ | مقرر کر دیتے تو جو اللہ کی حکم کی

مخالفت کرتا تو اس وقت جناب امیر سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے نہ بنتے بلکہ سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے بنتے۔

یعنی جناب امیر اسی وقت تک اولی الامر کی اطاعت کرتے۔ جب تک اولوالامر کا حکم اللہ کے حکم کے مخالف نہ ہوتا۔ اور جب الوالامر کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مخالف ہوتا تو اس وقت جناب امیر سب سے زیادہ اس کی مخالفت کرتے۔ اور اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرتے یہاں سے یہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ جناب امیر بھی آیت اطیعوا اللہ واطیعو الرّسول واولی الامر منکم کا مطلب یہی سمجھتے تھے۔ کہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم اسی وقت تک ہے۔ جب تک اس کا حکم مخالفِ حکم الٰہی نہ ہو۔ اور اگر اولی الامر کے ساتھ اختلاف ہو۔ تو اللہ اور رسول کے قول کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

آخر میں جناب امیرؓ نے صاف صاف فرمایا۔ کہ میرے امیر بننے سے میرا وزیر بننا بہتر ہے۔ پس اگر وہ خود ہی اولوالامر منصوص ہوتے۔ تو امیر نہ بننے کی حالت کو بہتر کیوں کہتے۔ اس لئے کہ حکم الٰہی کی مخالفت ہرگز بہتر نہیں ہوتی۔ اب اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر نہ بنانا ایسا جرم تھا۔ جس کی وجہ سے مخالفین تمام صحابہ کو مرتد کہتے ہیں (معاذ اللہ)

تو اس جرم میں خود حضرت علیؓ بھی شریک تھے۔ اس لئے کہ وہ تو خود کہتے تھے۔ کہ مجھے امیر بنانا بہتر نہیں۔ کسی اور کو امیر بنالو، یہاں سے یہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ نے وہی کیا جو جناب امیر کی رائے تھی۔ یعنی ان کو امیر نہ بنایا (نصیحۃ الشیعہ کی عبارت ختم ہوگئی)

ایک شبہ کا جواب

آخر میں ایک بات - اس موقع پر یہ بھی صاف کرنے کی ہے - کہ بعض حضرات کہتے ہیں - کہ ایک اور آیت میں بھی اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے - وہ آیت بھی اسی سورت میں بعد آیت مبحوثہ کے ہے وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط

ترجمہ - اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے - تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں - اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف رجوع کرتے - تو جو لوگ ان میں سے قوت استنباط رکھتے ہیں - وہ اس کو سمجھ لیتے ہیں -

جواب یہ ہے - کہ اس امر میں اولی الامر کی طرف کسی شرعی معاملہ میں رجوع کرنے کا حکم نہیں - بلکہ امن یا خوف کی خبر کے متعلق مخصوص حکم دیا گیا - شرعی معاملات میں خصوصًا بوقت نزاع صرف اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم ہے - اس معاملہ میں قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی خفیف اشارہ بھی مخالفین کے موافق نہیں مل سکتا - بیسیوں آیتیں قرآن مجید کی ہیں - جن میں رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے - رسول کی اطاعت کو نجات کے لئے کافی قرار دیا گیا ہے - ہر جھگڑے میں رسول کی طرف رجوع کرنے اور ان کے فیصلہ کو بطیب خاطر قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے - دو چار آیتیں حسب ذیل ہیں -

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورہ نسا) — جس نے رسول کی اطاعت کی - پس اس نے بہ تحقیق اللہ کی اطاعت کی -

مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (سورۂ نسا)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا ۔ مگر اسی لئے کہ خدا کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے ۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۔ (سورۂ احزاب)

اور جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی تو یقیناً وہ اعلیٰ درجہ کی کامیابی کو پہنچ گیا ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورۂ نساء)

قسم ہے تیرے رب کی کہ وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے ۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنے اختلافات میں حکم بنائیں پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں تنگی اس فیصلہ کی طرف سے جو آپ کر دیں اور تسلیم کریں اس کو جیسا کہ حق ہے تسلیم کرنے کا ۔

قرآن مجید کی اُن تمام آیات کی جن میں لفظ امام آیا ہے۔ صحیح تفسیر کرکے روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیا گیا ہے۔ کہ امام کے جو معنی بعض حضرات بیان کرتے ہیں وہ محض ان کے خانہ ساز معنی ہیں اور بالکل بے اصل و بے بنیاد ہیں۔ اور یہ کہ اصلی مقصد مسئلہ امامت کی ایجاد سے عقیدہ رسالت سے آزادی اور ختم نبوت کے انکار کے سوا کچھ نہیں۔ اعاذنا اللہ تعالےٰ ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بعث الانبیاء والمرسلین
لھدایۃ العالمین ورضی لھم تنزلاً فی الدین و
الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی جعلہ خاتم
النبیین وعلی آلہ وصحبہ الذین جعلھم ائمۃ
وجعلھم الوارثین وعلی من یتبعھم الی یوم الدین ہ

امابعد تفسیر آیاتِ خلافت کے سلسلہ میں اب تک متعدد آیات کی
تفسیریں شائع ہو چکی ہیں۔ جن سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے کہ حضرات
خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت یقیناً قرآن مجید کی موعودہ خلافت ہے۔
بغیر ان خلافتوں کے ماننے ہوئے ان آیات کی تصدیق ہو ہی نہیں سکتی۔
آج اس وقت آیاتِ امامت کی تفسیر کرکے یہ بتایا مقصود ہے۔ کہ لفظ
امام کے معنی قرآن شریف میں کیا ہیں۔ اور مخالفین صحابہؓ نے کیا گھڑے ہیں۔
اور ان کا اصلی مقصود اس ایجاد سے کیا ہے۔
مخالفین کہتے ہیں۔ کہ مسئلہ امامت اصول دین میں ہے۔ اور اس مسئلہ
کی ایجاد پر ان کو اس قدر ناز ہے۔ کہ اگر ان کو امامیہ کہا جائے تو بہت خوش
ہوتے ہیں۔
اہل سنت کہتے ہیں۔ مخالفین صحابہ کا مفروضہ مسئلہ امامت دین الٰہی کی سخت
ترین بغاوت ہے۔ ایک مسلم کے اس سے زیادہ کوئی عیب نہیں کہ وہ مسئلہ
امامت کا قائل ہو۔ اور اپنے آپ کو امامیہ کہے۔ سچ ہے:۔

آں کہ فخر تست آں ننگ من است

مخالفین مسئلہ امامت کی ضرورت کو بڑی طرح رسائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور سادہ لوگوں کو یہ دکھاتے ہیں۔ کہ انہوں نے بڑی احتیاط سے دینداری کو اختیار کیا ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ رسول کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اگر انہیں کا مثل کوئی معصوم دنیا میں موجود نہ ہو۔ اور رسول کی طرح اس کی اطاعت لوگوں پر فرض نہ ہو۔ تو لوگوں کو ہدایت کس سے حاصل ہوگی۔ غیر معصوم کی اتباع میں سوا گمراہی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غیر معصوم سے ہر وقت خطا کا صادر ہونا ممکن ہے۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ رسول کے بعد ہر زمانے میں قیامت تک ایک معصوم مفترض الطاعۃ دنیا میں موجود رہے۔ تاکہ سعادت مند لوگ اس سے دین حاصل کریں۔ اور خدا کی حجت بندوں پر قائم رہے۔ اسی معصوم مفترض الطاعۃ کو جو ہر صفت میں رسول کا مثل اور مانند ہے۔ امام کہتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لئے خدا کی طرف سے بارہ امام مقرر ہو چکے ہیں۔ اور بارہویں امام پر دنیا کا خاتمہ ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ رسول کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہدایت خلق اللہ کے لئے اور بندوں پر حجت خداوندی قائم رکھنے کے لئے دو چیزیں کافی ہیں جو قیامت تک موجود رہیں گی۔ قرآن اور سنت یہی دو ثقلین ہیں۔ جن کے اتباع کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے گئے۔ اور فرما گئے۔ کہ ان کا اتباع کرنے سے ہرگز گمراہی تم میں نہ آئے گی۔ یہ بھی فرما گئے۔ کہ یہ دونوں چیزیں قیامت تک دنیا میں موجود رہیں گی۔ لہٰذا آپ کے بعد نہ کسی کو آپ کا مثل اور معصوم مفترض الطاعۃ ماننے کی ضرورت۔ اور نہ کسی غیر معصوم کے اتباع کی حاجت۔

ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے۔ جو شاہانہ اقتدار کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر دین کے ان مہمات کو انجام دیتا رہے۔ جن کی انجام دہی بغیر شاہانہ اقتدار

سکے نہیں ہوسکتی۔ مگر اس شخص
کے معصوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ رسول کی طرح دین کا ماخذ نہیں۔
قرآن و سُنت کی پیروی جس طرح اور مسلمانوں پر فرض ہے۔ بالکل اسی طرح اس
شخص پر بھی ہے۔ دین میں ذرہ برابر تغیر و تبدل کرنے کا اس شخص کو اختیار نہیں۔
نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے۔ نہ حلال کو حرام۔ اس شخص کی اطاعت بھی صرف
انہیں باتوں میں ضروری ہے۔ جو قرآن و سُنت کے خلاف نہ ہوں۔ جیسا کہ
آیت اولی الامر میں اس کو صاف ارشاد فرمایا ہے اسی شخص کو خلیفہ یا امام
کہتے ہیں۔

خلیفہ یا امام کا انتخاب بھی امت کے ذمہ ہے۔ بالکل اسی طرح
جیسے امام نماز کا تقرر مقتدیوں کے ذمہ ہے۔ اگر امت کسی نالائق شخص کو خلافت
کے لئے انتخاب کرے۔ تو گنہ گار ہوگی۔ جس طرح مقتدی کسی نالائق شخص کو امام
بنا لینے سے گنہ گار ہوتے ہیں۔

اگر مخالفین کہیں کہ قرآن و سُنت ہدایت کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اس لئے
کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے۔ جو قرآن و سُنت کے مطالب معلوم کرنے
کے لئے کسی بیان کرنے والے کے محتاج ہوں گے۔ اور وہ غیر معصوم ہوگا۔ تو
لامحالہ ان کو غیر معصوم کی اتباع کرنی پڑے گی۔ اور وہی سب خرابیاں لازم آئیں گی
جو غیر معصوم کے اتباع میں ہوتی ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس چیز کو اگر غیر
معصوم کا اتباع قرار دیا جائے۔ تو اس سے کسی حال میں مفر نہیں ہوسکتی۔ معصوم
کی موجودگی میں بھی یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ معصوم کسی ایک مقام میں ہوں گے۔
اس مقام کے بھی لوگ ہر ہر بات میں معصوم کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اور دوسرے
مقامات کے لوگوں کا تو ذکر ہی کیا۔ لامحالہ ان کو کسی غیر معصوم سے معصوم کے احکام
معلوم کرنا پڑیں گے۔ خواہ وہ معصوم کا نائب ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت علیؓ کو خلافت

بھی حاصل ہوئی۔ پھر بھی وہ کوئی ایسا انتظام نہ کر سکے۔ کہ ہر معاملہ میں لوگ ان سے ہدایت حاصل کر سکتے۔ بلکہ خاص کوفہ میں ان کی طرف سے ایک غیر معصوم قاضی مقرر تھا۔ جو مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ کوفہ سے باہر ان کے نائب تھے۔ جو طرح طرح کی خیانتیں کرتے تھے۔ اور لوگ مجبور تھے کہ انہیں کے احکام پر عمل کریں۔ ائمہ کی موجودگی میں اصحاب ائمہ میں باہم دینی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا۔ اور وہ اختلاف نزاع کی اس حد تک پہنچتا تھا۔ کہ باہم ترکِ سلام و کلام کی نوبت آجاتی تھی۔ اور کسی طرح اس کا تصفیہ نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ مجتہدین مخالفین کہتے ہیں کہ اصحاب ائمہ پر واجب نہ تھا۔ کہ ائمہ سے یقین حاصل کریں (دیکھو اساس الاصول) غرضیکہ ائمہ کی موجودگی ہی میں غیر معصوم کا اتباع برابر جاری تھا۔ اور اب تو کسی کے مخالف کو کچھ کہنے کی گنجایش ہی نہیں۔ کیونکہ قدرت نے اس طرح ان کے خانہ ساز مسئلہ امامت کو خاک میں ملایا ہے۔ کہ اب بھی کوئی نہ سمجھے۔ تو کس منہ سے خدا کے سامنے جائے گا۔ مخالفین کہتے تھے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا موجود ہونا ضروری ہے۔ تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ مگر امام حسن عسکری کے بعد جن کی وفات سنہ ۲۶۰ ہجری میں ہوئی۔ آج تک ایک ہزار اٹھاسی سال ہوئے کوئی امام معصوم موجود نہیں ہے۔ اور مخالفین بھی غیر معصومین ہی کا اتباع کر رہے ہیں۔ اور روایات ہی پر ان کا بھی عمل ہے۔ اب کوئی پوچھے۔ کہ غیر معصوم کا اتباع کر کے تم گمراہ ہوئے یا نہیں۔ اور جب روایات ہی پر عمل کرنا ٹھہرا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ ان کو چھوڑ کر امام باقر و صادق کی روایات پر عمل کیا جائے۔

مخالفین صحابہ کہتے ہیں کہ امام معصوم تو موجود ہیں۔ مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ایک غار کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور نہ ان سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ تو ان کا وجود و عدم برابر ہے۔ اور پھر اگر ایسا موجود ہونا کافی ہے۔ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر اقدس و انور

میں موجود ہیں۔ اور ایسی زندگی کے ساتھ کہ اس عالم کی کروڑوں زندگیاں اس پر قربان ہیں۔

ایک لطیفہ۔ یہاں یہ بھی ہے۔ کہ خدا نے دنیا کا خاتمہ ان بارھویں امام صاحب پر رکھا تھا۔ اس لحاظ سے زائد از زائد چوتھی صدی ہجری میں قیامت قائم ہونی ضرور تھی۔ مگر لوگوں کی نافرمانی اور بدکاری کی وجہ سے امام صاحب غائب ہو گئے۔ اور خدا کو ان کی عمر دراز کرنا پڑی۔ اور قیامت کا وقت ٹل گیا۔ خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خدا کو بدا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔

اصل حقیقت

یہ ہے کہ بانیان مخالفین صحابہؓ کا مقصودِ اصلی دین اسلام کو خراب کرنا تھا اور وہ اسی لیئے مسلمانوں کے لباس میں آکر اپنی کارروائیاں کر رہے تھے۔ لہذا انہوں نے ایک طرف تو قرآن کو محرف کرنا شروع کیا۔ دو ہزار سے زیادہ روایتیں قرآن میں ہر قسم کے تحریف کی تصنیف کر لیں۔ اور دوسری طرف قرآن کو معمّا اور چیستان مشہور کیا۔ تیسری طرف تمام صحابہ کرام کو کاذب قرار دیا۔ تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور تعلیمات جو انہیں صحابہ کرام سے منقول ہیں قابلِ اعتبار نہ رہیں۔ اور پھر چوتھی طرف یہ کارروائی کی۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص آپ کے مثل معصوم اور مفترض الطاعۃ تجویز کیئے۔ اور ان کے اختیارات یہ بیان کیئے۔ کہ فھم یحلون ما یشاؤن ویحرمون مایشاؤن (اصول کافی ص۲۷۸) یعنی یہ ائمہ جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔ تاکہ مسلمانوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے استغنا ہو جائے۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ ان کے بانیان مذہب کے اصلی مقصود کو عالم میں آشکارا کر رہی ہیں۔ غضب خدا کا کہا تو جائے۔ کہ ہم غیر معصوم کے اتباع سے بچنے کے لئے دوازدہ امام کو مانتے

ہیں۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں چونکہ غیر معصومین سے منقول ہیں۔ اس لئے نہیں لیتے۔ اور پھر غیر معصومین کا اتباع بھی کیا جائے۔ اور غیر معصومین کی نقل کی ہوئی روایات بھی لی جائیں۔ مگر رسول کی نہیں بلکہ ائمہ کی۔

بہرکیف اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ لفظ امام کے جو معنی مخالفین نے گھڑے ہیں۔ قرآن مجید سے کہیں ان کا ثبوت نہیں ملتا۔

قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں۔ بارہ جگہ لفظ امام کا استعمال ہوا ہے مگر کسی جگہ بھی مخالفین کے مفروضہ معنی نہیں بنتے۔ قرآن مجید میں امام مطلق پیشوا کے معنی میں ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ نبیوں پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے اور کافروں بدکاروں پر بھی ملاحظہ ہو۔

پہلی آیت

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (سورۃ توبہ دسواں پارہ)

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! کفر کے اماموں سے قتال کرو۔ ان کا معاہدہ اب باقی نہیں ہے۔ تاکہ وہ اپنی شرارتوں سے، باز آجائیں۔

ف: اس آیت میں حق تعالےٰ نے کافروں کے سرداروں کو امام فرمایا بوجہ اس کے کہ وہ کافروں کے پیشوا تھے۔ کافر لوگ ان کا اتباع کرتے تھے۔

دوسری آیت

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ط یہ آیت دو جگہ ہے۔ اوّل سورۂ ہود، بارھویں پارے میں۔ دوسرے سورۂ احقاف

چھبیسویں پارہ میں -

ترجمہ : قرآن شریف سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب (یعنی توریت) امام اور رحمت تھی -

ف - اس آیت میں خدا نے کتاب کو امام فرمایا - اس لیئے کہ لوگوں کی پیشوا ہے - لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں - النجم دورِ قدیم میں حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہٖ پر ایک مبسوط مضمون شائع ہوا تھا. اس میں ایک مطلب اس حدیث کا یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ امام زمان سے آسمانی کتاب مراد ہو - اور مطلب حدیث کا یہ ہو کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام یعنی اپنے زمانہ کی کتاب اللہ کو نہ پہچانتا ہو - یعنی اس پر ایمان نہ رکھتا ہو . وہ جاہلیت کی موت مرے گا - تو مخالفین کے قبلہ فخر الحکماء صاحب ایڈیٹر اصلاح نے اس پر بڑا تمسخر کیا - کہ پہلے امام کا اطلاق کتاب پر کس طرح ہو سکتا ہے - مگر جب یہ آیت قرآنی پیش کی گئی کہ خدا نے توریت کو امام فرمایا ہے - تو مبہوت و مسکوت ہو گئے -

تیسری آیت

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ط (سورہ حجر چودھواں پارہ)

ترجمہ : بہ تحقیق وہ دونوں بستیاں امام مبین یعنی شارع عام پر ہیں.

ف : - دو بستیوں پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا - ان کا ذکر اس میں ہے - اس آیت میں سڑک کو اللہ تعالے نے امام فرمایا - اس لئے کہ مسافر اتباع کرتے ہیں -

چوتھی آیت

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (سورۃ انبیاء سترھواں پارہ)

ترجمہ :۔ اور بنا دیا ہم نے ان کو امام کہ ہمارے حکم سے وہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔

ف :۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام کو امام فرمایا۔ مخالفین کے معنی یہاں بھی نہیں ہیں۔ یہاں امامت بمعنی نبوت ہے۔

پانچویں آیت

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (سورۃ فرقان انیسواں پارہ)

ترجمہ :۔ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے ٹھنڈک آنکھوں کی۔ اور بنا دے ہم کو متقیوں کا امام۔

ف :۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ تم ہم سے یہ دعا مانگا کرو۔ اس دعا میں اپنے لیئے امامت کی درخواست بھی ہے۔ ظاہر ہے، کہ مخالفین کے مفروضہ معنی کی بنا پر اپنے لئے امامت کی دعا مانگنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح اپنے لئے نبوت کی درخواست کرنا۔ لہذا یہاں امامت سے مطلق پیشوائی مراد ہے۔ مخالفین کی اصطلاحی امامت مراد نہیں۔

اس آیت میں مخالفین کو بڑی مشکل نظر آئی۔ کہ امامت تو ایک ایسی چیز ہوئی

جاتی ہے۔ جس کی ہر شخص تمنا کر سکتا ہے۔ بلکہ کرنا چاہیئے۔ لہذا انہوں نے فوراً امام جعفر صادق کے نام سے ایک روایت تصنیف کر لی۔ تفسیر قمی میں ہے۔ کہ امام جعفر صادق رح نے فرمایا کہ اس آیت میں تحریف ہو گئی ہے۔ اصل عبارت تفسیر مذکور کی یہ ہے۔

قرئ علی ابی عبد اللہ علیہ السلام واجعلنا للمتقین امام فقال ابو عبد اللہ لقد سألوا اللہ عظیما أن یجعلھم للمتقین اماما فقیل لہ یا ابن رسول اللہ کیف نزلت فقال انما نزلت واجعل لنا من المتقین اماما۔	امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا تو امام صادق نے فرمایا۔ کہ اللہ سے ان لوگوں نے بڑا سوال کیا کہ ان کو متقیوں کا امام بنا دے۔ تو ان سے پوچھا گیا کہ اے فرزند رسول اللہ یہ آیت کس طرح نازل ہوئی تھی۔ امام نے فرمایا یہ آیت اس طرح تھی واجعل لنا من المتقین اماما یعنی متقیوں میں سے ایک امام ہمارے لئے بنا دے۔

چھٹی آیت

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (سورہ قصص بیسواں پارہ)

ترجمہ: اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں۔ جو زمین میں کمزور سمجھے گئے تھے۔ اور ان کو امام بنا دیں۔ اور ان کو زمین کا وارث بنا دیں۔

ف: اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ زمین میں

بہت کمزور تھے ۔ لہذا ہم نے چاہا کہ ان پر احسان کریں اور ان کو امام بنا دیں ۔ اس آیت میں بھی امامت مطلق پیشوائی کے معنی میں ہے جس سے مراد نبوت اور بادشاہت ہے ۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا ۔ کہ ہم نے تم کو بادشاہ بنایا ۔ اور انبیا ر تم میں معبوث کئے ۔

ساتویں آیت

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (سورۂ قصص بیسواں پارہ)

ترجمہ :۔ اور بنا دیا ہم نے ان کو امام کہ بلاتے تھے ۔ وہ دوزخ کی طرف ۔

ف ۔ دیکھئے اس آیت میں امام کو کیسے برے معنی میں استعمال کیا ہے اس آیت میں فرعون والوں کو امام فرمایا ۔

آٹھویں آیت

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ط (سورہ سجدہ اکیسواں پارہ)

ترجمہ : اور بنائے ہم نے ان میں سے امام کہ ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے ۔ جب کہ انہوں نے صبر کیا ۔ اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے ۔

ف :۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے ۔ اس آیت میں امام بمعنی نبی ہے ۔ اس لئے کہ خدا کے حکم سے ہدایت کرنا نبیوں ہی کا کام ہے ۔

اور آگے چل کر ان پر وحی نازل کرنے کا بھی تذکرہ ہے اس سے بھی امامت کا یعنی نبوت ہونا ظاہر ہے۔

نویں آیت

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ط (سورہ یٰسین بائیسواں پارہ)۔

ترجمہ: بہ تحقیق ہم زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھتے ہیں تمام ان کاموں کو جو لوگوں نے آگے بھیجے۔ اور ان کے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں کو۔ اور ہر چیز کو ہم نے ایک روشن امام میں گھیر دیا ہے۔

ف:۔ یہاں امام کا لفظ کتاب پر اطلاق کیا گیا ہے۔ روشن امام سے یا لوح محفوظ مراد ہے یا اعمال نامہ۔ ایک دوسری آیت سے اعمال نامہ ہی مراد ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ سورہ سبا میں ہے۔ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۔ یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اعمال نامہ کو امام اس لئے فرمایا۔ کہ وہ بھی ایک قسم کا پیشوا ہے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ جزا و سزا ملے گی۔

دسویں آیت

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (سورہ بنی اسرائیل پندرھواں پارہ)

ترجمہ: جس دن ہم بلائیں گے ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ۔

ف۔ اس آیت میں امام سے مراد پیغمبر ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن ہر اُمت

اپنے پیغمبر کے ساتھ بلائی جائے گی۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا
وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ
وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔
ترجمہ :۔ اور ہر اُمّت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان
کا رسول آجائے گا۔ تو ان کے درمیان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا
جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

گیارہویں آیت

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ
جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ
عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ط (سورہ بقرہ پہلا پارہ)

ترجمہ : اور جب کہ ابراہیمؑ کو ان کے رب نے چند باتوں میں
آزمایا۔ اور ابراہیمؑ نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں
کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی (کچھ لوگوں
کو امام بنا) اللہ نے فرمایا۔ کہ میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

ف :۔ اس آیت میں یہ بیان ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام
امتحان خداوندی میں کامیاب ہوئے۔ تو حق تعالےٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں
کا امام بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اس
نعمت میں شریک کرنا چاہا۔ تو حق تعالیٰ نے ان کو خبر دی۔ کہ تمہاری اولاد
میں ظالم اور عادل دونوں قسم کے لوگ ہونگے ظالموں کو یہ نعمت نہ ملے گی۔
مخالفین نے اس آیت میں بہت ہاتھ پیر مارے ہیں۔ ان کے امام اعظم
شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں اس آیت کو اپنے استدلال میں پیش کیا ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ اس آیت میں مخالفین کے مفروضہ معنی امامت کا ثبوت ہوتا ہے۔

اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے بڑھ کر ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امام کے لیئے معصوم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت مل چکی تھی۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ میں تم کو امامت کا مرتبہ بھی دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ امامت کا رتبہ نبوت سے زیادہ ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لئے امامت کی درخواست کی تو خدا نے فرمایا کہ ظالم کو یہ مرتبہ نہ ملے گا۔ یعنی غیر ظالم کو ملے گا۔ اور غیر ظالم اسی کو کہتے ہیں۔ جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ اور اسی کو معصوم بھی کہتے ہیں۔ مخالفین صحابہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت سے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ابطال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ معاذ اللہ ظالم تھے۔ اور ظالم ہونے کا ثبوت یہ ہے۔ کہ انہوں نے قبل از اسلام بت پرستی کی تھی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس خطاب کا بعد نبوت ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ امامت سے نبوت کے سوا کسی اور مرتبہ کا مراد لینا محض بے دلیل ہے۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیمؑ امتحان خداوندی میں کامیاب ہو گئے۔ تو خدا نے ان سے فرمایا کہ ہم کو مرتبہ نبوت عطا کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں۔

اگرچہ معنی امام پیشوا است نبی باشد یا خلیفہ۔ لیکن مراد دریں جا نبی است پس معنی کلام ایں است کہ خدائے تبارک و تعالیٰ حضرت ابراہیم را نبی ساخت	اگرچہ امام کے معنی پیشوا کے ہیں نبی ہو خلیفہ لیکن اس جگہ بلاشک نبی مراد ہے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا ئے تبارک و تعالیٰ نے حضرت

برائے مردماں و مبعوث گردانید۔ اور ابسوئے مردماں وے صلوات اللہ علیہ سوال نمود کہ بار خدایا از ذریت من جمعے را انبیا گرداں حق سبحانہٗ فرمود نرسد وحی من یا نبوت من ظالماں را۔

ابراہیم کو ان لوگوں کے لئے نبی بنایا۔ اور لوگوں کی طرف مبعوث کیا۔ حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ نے سوال کیا۔ کہ یا اللہ میری اولاد میں سے بھی کچھ لوگوں کو نبی بنا۔ تو حق سبحانہٗ نے فرمایا کہ میری وحی یا میری نبوت ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ یہ خطاب بعد نبوت کا ہے تو امامت سے مراد یہ ہوگی۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلطنت و بادشاہت کا وعدہ اس آیت میں دیا گیا۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے ملک فلسطین کی حکومت ان کو عطا بھی فرمائی۔ تفسیر معالم التنزیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا ایک مطلب یہ بھی لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء ہوئے ان کی ذریت سے ہوئے۔ اور ان کی ملت کے تابع رہے۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے۔ تو وہ بھی ملتِ ابراہیمی پر بہر حال مخالفین کی اصطلاحی امامت اس آیت سے بھی کس طرح ثابت نہیں ہوتی۔ اور مخالفین کا یہ کہنا کہ غیر ظالم اس کو کہتے ہیں جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ بالکل غلط اور شریعت الٰہیہ کے قطعاً خلاف ہے۔ دین اسلام میں قطعی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ گناہ کے بعد توبہ کرنے سے وہ گناہ بالکل معاف ہو جاتا ہے۔ اور توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں یہاں تک فرما دیا کہ گناہ کے بعد توبہ کرنے سے وہ گناہ نیکی بن جاتا ہے۔

قولہٗ تعالےٰ یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات الحاصل قرآن مجید کی بہت سی آیتیں ہیں۔ جن میں لفظِ امام مستعمل ہوا ہے۔ اور کہیں بھی مخالفین

کے اصطلاحی معنے کسی طرح چسپاں نہیں ہوتے۔ اور کوئی مقصود ان کا مسئلہ امامت سے جو اعتقاد شیعوں کا ہے اس کا بمقابلہ قرآن مجید کے معلوم نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کو شروع سے آخر تک اگر کوئی پڑھے تو اس کو سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ملیں گی کہ رسول کی اطاعت نجات کے لئے کافی ہے۔ اور رسول ہی کے مبعوث ہونے سے خدا کی حجت قائم ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے رسول ہی کی اطاعت مخلوق پر فرض کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں سوا رسول کے اور کسی کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت نہیں فرمایا۔ نمونہ کے طور پر چند آیتیں جو قطرہ از دریا کے حکم میں ہیں حسب ذیل ہیں:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔	کہہ دیجئے اے نبی اگر تم دوست رکھتے ہو اللہ کو تو میری پیروی کرو محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے گناہوں کو۔
قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین۔	کہہ دیجئے اے نبی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی۔ پھر اگر منہ پھیریں یہ لوگ تو اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔
من یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتها الانہار خالدین فیها وذلک الفوز العظیم	جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو داخل کریگا اس کو اللہ باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا يطاع باذن الله -	جو رسول ہم نے بھیجا وہ اسی لیئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے ۔
من يطع الله فقد اطاع الله -	جس نے رسول کی اطاعت کی بہ تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔
رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل. واطيعوا الله واطيعوا الرسول واحذروا -	رسول خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ رہے کوئی حجت لوگوں کی اللہ پر رسولوں کے بھیجنے کے اطاعت کرو اللہ کی اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔
يا معشر الجن والانس الم ياتكم رسل منكم يقصون عليكم اياتي وينذرونكم لقاء يومكم هذا -	اے گروہ جن اور انسانوں کے کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہیں سے کہ بیان کرتے میرے احکام اور ڈراتے تم کو اس دن کے ملنے سے ۔
يابنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی فمن اتقی و اصلح فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون -	اے بنی آدم آئیں گے تمہارے پاس رسول جو تمہیں ہیں سے ہوں گے ۔ بیان کریں گے تم سے میرے احکام پھر جو لوگ پرہیزگاری کریں گے اور اچھے کام کریں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا ۔ نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ۔

یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ۔	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی ۔
لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔	بہ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھی پیروی ہے ۔
ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً ۔	جو اطاعت کریگا اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بہ تحقیق وہ بڑی کامیابی کو پہنچ جائے گا ۔
وقال لہم خزنتہا الم یاتکم رسل منکم ۔	اور کہیں گے ان سے داروغہ جہنم کے کہ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے ۔
ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہکم عنہ فانتہوا ۔	جو حکم دیں تم کو رسول اس پر عمل کرو اور منع کریں ۔ اس سے باز رہو ۔

المختصر قرآن مجید میں ہر جگہ رسول ہی کی اطاعت کا حکم ہے ۔ انہیں کے اوامر و نواہی کو واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے ۔ انہیں کی اطاعت پر فوز عظیم اور جنت کا وعدہ ہے ۔ قبر سے لے کر حشر تک انہیں کی اطاعت کا سوال ہوگا ۔ انہیں کی اطاعت بعینہا خدا کی اطاعت قرار دی گئی ہے ۔ قرآن مجید کی ان آیات کو دیکھ کر کون مسلمان اس بات کو مان سکتا ہے ۔ کہ رسول کے سوا کوئی اور بھی مثل رسول کے واجب الاطاعۃ ہو سکتا ہے ۔ یا کسی اور سے بھی حجت خدا کی قائم ہو سکتی ہے ۔ ایک مسلمان کے لئے تو یہ بہت بڑی بات ہے ۔ کہ اگر مسئلہ امامت کی کچھ اصلیت ہوتی ۔ اور امام کی اطاعت بھی مثل اطاعت رسول کے فرض ہوتی ۔ تو جس طرح خدا نے رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا ۔ اسی طرح اماموں کی اطاعت کا بھی حکم دیتا ۔ اگر رسولوں کے اطاعت کے متعلق دو سو آیتیں ہیں ۔ تو اماموں کے

متعلق دس بیس ہی آیتیں ہوتیں، نہ سہی ایک ہی آیت قرآن مجید میں ہوتی ۔
ایک آیت میں خدا نے رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی دیا۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اگر تم میں اولی الامر میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے ۔ تو اس کا فیصلہ خدا اور رسول سے کراؤ جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اولی الامر کی اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ کوئی حکم خلافِ شریعت نہ دے ۔

مگر مخالفین کے پاس اس کا نہایت شافی جواب موجود ہے ۔ کہتے ہیں خدا قرآن میں مسئلہ امامت کو کیسے ذکر کرتا ۔ اور امام کی اطاعت کا حکم کیسے دیتا۔ امامت تو ایک راز تھی ۔ جس کا پوشیدہ رکھنا ضروری تھا ۔ اصول کافی مطبوعہ لکھنو صـ۴۸۷ـ میں ہے ۔

قال ابو جعفر علیہ السلام	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔
ولایۃ اللہ اسرھا الی	اللہ کی ولایت (یعنی مسئلہ امامت)
جبرئیل واسرھا	پوشیدہ طور پر خدا نے جبریلؑ
جبرئیل الی محمد صلی اللہ	سے بیان کیا اور جبریلؑ نے اس
علیہ وآلہ وسلم	کو پوشیدہ طور پر محمد صلی علیہ
واسرھا محمد الی علی	وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ اور
علیہ السلام واسرھا	محمدؐ نے علی علیہ السلام سے
علی الی من شاء ثم	اسکو پوشیدہ طور پر بیان کیا۔
انتم تذیعون ذالک	مگر تم اس کو مشہور کر رہے ہو۔

امام باقر علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا ۔ کہ مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے ۔ جس کو خدا نے صرف جبریل سے بیان کیا ۔ کسی فرشتہ کو بھی اس کی خبر نہ دی ۔ اور جبریل نے بھی صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس راز کو بیان کیا ۔ اور کسی نبی کو اس کی اطلاع نہیں ہونے پائی

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف جناب امیر علیہ السلام سے اس پوشیدہ راز کو بیان کیا۔ فاطمہؓ اور حسنینؓ کو بھی اس کی خبر نہیں ہونے دی۔ جناب امیرؓ نے البتہ جن کو اہل سمجھا اِن سے بیان فرمایا۔ مگر امام باقر علیہ السلام کے نااہل شاگردوں نے اس راز کو طشت از بام کر دیا۔

پس جب مسئلہ امامت ایسا راز سربستہ تھا۔ تو خدا قرآن میں اس کو کیسے بیان کرتا۔ لہٰذا قرآن میں صرف رسولوں کے بیان پر قناعت کی گئی۔

اس مضمون کی روایتیں۔ ان کی کتابوں میں بہت ہیں۔ اصولِ کافی کے اسی باب کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔

مازال سرنا مکتوما	ہمارا راز یعنی مسئلہ امامت
حتیٰ صار فی ید ی ولد	ہمیشہ پوشیدہ رہا۔ یہاں تک
کیان فتحد ثوابہ فی	کہ مکر و فریب کی اولاد کے ہاتھوں
الطرق وقری السواد۔	میں پہنچا اور انہوں نے اس کو

راستوں میں، اور عراق کی بستیوں میں بیان کرنا شروع کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسئلہ امامت اگلے پیغمبروں کے وقت میں کوئی نہ جانتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ حضرت علی و حسنین اور زین العابدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی کو اطلاع نہ تھی۔ مگر امام موصوف نے اپنے اور اپنے والد کے شاگردوں کو گالی دے کر فرمایا۔ کہ انہوں نے اس کا چرچا کر دیا۔

ان کی کتابوں میں یہ تصریح بھی موجود ہے۔ کہ خاندانِ نبوت کے لوگ بھی اس مسئلہ امامت سے ناواقف ہوتے تھے۔ ائمہ اپنی اولاد سے بھی اس مسئلہ کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ جب کوئی امام زادے اس مسئلہ کو سنتے تھے تو بہت تعجب کرتے تھے۔

کہ حضرت

امام زین العابدین کے فرزند حضرت زید شہید سے احول نے اس مسئلہ امامت کو بیان کیا تو حضرت زید شہید نے فرمایا کہ اے احول تعجب ہے کہ میرے والد حضرت زین العابدینؑ مجھ سے اس قدر محبت کرتے تھے۔ کہ جب میں ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا تھا تو لقمے ٹھنڈے کر کر کے مجھے کھلاتے تھے۔ مگر دوزخ کی آگ کا میرے لئے کچھ خیال نہ کیا کہ دین کی باتیں تم کو بتا دیں اور مجھے نہ بتائیں۔ اس موقع کا فقرہ یہ ہے۔ ولم یشفق علی من حر النار اذا خبرك بالدین ولم یخبرنی به۔

الغرض مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے۔ کہ خدا نے اس کو راز رکھا۔ رسول نے اس کو راز رکھا۔ ائمہ نے اس کو راز رکھا۔ لہٰذا قرآن میں اس کی تصریح کس طرح ہوتی مخالفین صحابہ اگر اس راز کو طشت از بام نہ کرتے۔ تو آج کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ مگر بیچارے کیا کرتے ہے

نہاں کے ماند آں رازے کزو لسازند محفلہا

مگر یہاں پر ایک عقدۂ لاینحل یہ ہے۔ کہ آخر مسئلہ امامت میں کیا بات تھی جو اس طرح پردۂ راز میں رکھا گیا۔ جتنا بھی غور کیا جائے یہ عقدہ حل ہو نہیں سکتا۔

اگر دشمنوں کے خوف سے یہ مسئلہ چھپایا گیا تو کیا توحید کے دشمن نہ تھے بلکہ توحید و رسالت کے دشمن تو بہت زیادہ تھے۔ پھر نا معلوم فرشتوں سے کیا اندیشہ تھا۔ جو سوا جبرئیلؑ کے سب فرشتوں سے بھی یہ مسئلہ چھپایا گیا اور نبیوں سے کیا خطرہ تھا۔ جو سوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی کو بھی یہ مسئلہ نہ بتایا گیا۔ شاید فرشتوں اور نبیوں سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس مسئلہ کو سن کر حسد کریں گے۔ اور نہ معلوم اس حسد کے کیا کیا نتائج نکلیں۔ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کی خلافت سن کر اعتراض کیا ہی تھا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے ائمہ کے نام ساق عرش پر دیکھ کر حسد کیا ہی تھا۔ اور اسی حسد

سزا میں جنت سے نکالے گئے۔

خیر ہم اس عقدہ لاینحل کے پیچھے پڑ کر کاغذ سیاہ کرنا نہیں چاہتے۔ یہ جانیں اور ان کے ائمہ۔ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں۔

دوسرا جواب ان کے پاس یہ ہے۔ کہ قرآن میں تحریف ہو گئی ہے۔ اصلی قرآن میں مسئلہ امامت بڑے اہتمام اور بڑی تصریح کے ساتھ مذکور تھا۔ حتیٰ کہ بارہ اماموں کا تذکرہ نام بنام اس میں تھا۔ اس جواب کے متعلق ہم کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ امام کے جو معنی اور امام کی جو ضرورت یہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ وہ سب ان کی خانہ ساز باتیں ہیں۔ قرآن شریف سے ان چیزوں کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ اس مسئلہ کی ایجاد کا مقصد صرف عقیدۂ نبوت کو بے کار کرنا اور انبیاء علیہم السلام کی شان کو گھٹانا تھا۔ یہ مقصود پورا ہو گیا۔

هذا آخر الكلام والحمد لله رب العالمين وسلام على المرسلين ٥

سورۂ انا فتحنا کی آیۂ کریمہ لقد رضی اللہ عن المومنین کی تفسیر سے یہ بات ثابت کی گئی ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلٰثہؓ اور تمام اصحابؓ حدیبیہ قطعی جنتی ہیں۔ دُنیا ہی میں خدا نے اُن سے اپنی رضامندی کا اعلان کرکے ان کے حال و مآل کی خیریت سے تمام اہلِ ایمان کو آگاہ کردیا۔ اور ان کی خلافت کے منکروں کی راہ بند کردی۔

آیت رضوان

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ

بہ تحقیق راضی ہو گیا اللہ ایمان والوں سے جبکہ (اے نبی) وہ تجھ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے پس معلوم کیا اللہ نے جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا۔ پھر اتارا اللہ نے سکینہ اُن پر اور بدلہ میں دی ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمتیں جن کو وہ لوگ لیں گے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم لوگوں سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے۔ جن کو تم لوگے پس اُس نے جلدی دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور یہ اس لئے کیا کہ ہو جائے یہ ایک نشانی ایمان والوں کے لئے اور اللہ تم کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے اور کچھ اور غنیمتوں کا ابھی اللہ نے وعدہ کیا ہے، جن پر تم نے (کبھی)

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

قالو نہیں پایا اللہ نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر کافر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر نہ پائیں گے کوئی یار نہ مددگار۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اور تو اللہ کے قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔

تفسیر

یہ کئی آیتیں جو نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی آیت آیہ رضوان کے نام سے موسوم ہے۔ اور اُسی کی تفسیر اس وقت مقصود ہے۔ باقی آیتیں محض توضیح مراد کے لئے نقل کی گئی ہیں۔

اس آیت میں حق تعالٰے نے حدیبیہ کی بیعت کا تذکرہ فرمایا۔ اور جو لوگ اس بیعت میں تھے۔ ان کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے۔

(۱) حق تعالٰے نے ان کو مومنین فرمایا۔ اس سے بڑھ کر ان کے ایمان کی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے۔ جو شخص اس بیعت کے بشر کا کو مومن نہ کہے اس کا مکذب قرآن ہونا کس قدر واضح ہے۔

(۲) حق تعالٰے نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا۔ اور وہ بھی حرف تاکید یعنی لقد کے ساتھ ظاہر ہے کہ خدا جس سے راضی ہوگیا۔ اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی فرمادیا۔ اس کا انجام یقیناً بخیر ہوگا۔ اور اب کبھی اُس سے خلاف مرضی الٰہی کوئی کام صادر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر آئندہ ان لوگوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الٰہی صادر ہونے والا ہوتا۔ تو وہ ان کی بیعت سے

ہرگز راضی نہ ہوتا۔ چہ جائیکہ رضا مندی کا اعلان۔ ہم لوگ جو آج کسی سے کسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں۔ اور کل اس کی کسی خلاف مزاج حرکت پر ناخوش ہو جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ہم کو آئندہ کا علم نہیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کل ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گا تو ہم اس کی کسی بات پر ہرگز خوش نہ ہوں۔ چہ جائیکہ اپنی خوشنودی کا اعلان کریں۔ لہذا شیعہ بھائیوں کا یہ کہنا کہ خدا اُس وقت اُن کی بیعت سے خوش ہو گیا۔ مگر بعد وفات پیغمبر کے جب انہوں نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ تو خدا اُن سے ناخوش ہو گیا۔ خدا کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

۳۔ حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں کی حالت کا علم بیان فرما کر اُن کی نیک نیتی اور ان کے اخلاص کی گواہی دی۔ گویا منکرین کے اس وسوسہ کا پہلے ہی جواب دے دیا۔ کہ ہم صرف اُن کے ظاہری فعل کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ ہم کو ان کے دل کا حال معلوم ہے۔ اسی لئے ہماری رضا مندی ان کے شامل حال ہوئی۔

۴۔ حق تعالیٰ نے اُن پر سکینہ نازل فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس پر سکینہ نازل ہو جاتا ہے۔ اس کے ایمان کو پھر جنبش نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کی استقامت میں فرق آسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا انعام خداوندی ہے۔ جو ان کو حاصل ہوا۔

۵۔ حق تعالےٰ نے اُن کو دنیا میں تین چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمایا اول فتح قریب دوم مغانم کثیرہ سوم کچھ اور مغانم جو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر تھے۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیبر کا مال غنیمت مراد لیا گیا ہے۔ اور یہی ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کا لفظ اور مغانم کثیرہ کے بعد عَجَّلَ کا لفظ اسی کو بتا رہا ہے۔ کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور

بہت جلد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ فتح خیبر تو حدیبیہ سے لوٹتے ہی حاصل ہوگئی۔ ذوالحجہ ۶ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے۔ اور محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہوگیا۔ اور مال غنیمت بکثرت ہاتھ آیا۔ لیکن تیسری چیز یعنی وہ مغانم جن کو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر فرمایا گیا ہے۔ اس کا مصداق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ خیبر کے بعد کوئی غنیمت ایسی نہیں حاصل ہوئی جس کو غنائم خیبر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دی جائے۔ کہ عرب کے احاطۂ قدرت سے اس کو باہر کہا جائے۔ لامحالہ اس تیسری چیز سے فارس وروم کے فتوحات مراد لئے جائیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح البتہ ایک ایسی چیز تھی۔ کہ عرب کے احاطۂ قدرت تو کیا۔ بلکہ وہم وگمان سے بھی بالاتر تھی۔

یہ تیسری چیز خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں حاصل ہوئی۔ اور خدا کا یہ وعدہ انہیں تینوں کے ہاتھ پر پورا ہوا۔

۶۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو اَثَابَھُمْ کے تحت میں بیان فرماکر اس امر کو ظاہر فرمادیا۔ کہ یہ انعام اس بیعت کا معاوضہ ہے۔ جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں ہیں۔ ان کا کوئی حصہ اس انعام میں نہیں ہے۔ چنانچہ خیبر کی غنیمتوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ کسی اور کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ تیسری نعمت کو اگرچہ کسی جماعت کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ مگر اس کو اہل حدیبیہ کے ہاتھ پر پورا کرنا ہزاروں خصوصیتوں سے بڑھ کر ہے۔

۷۔ فرمایا کہ اب کوئی جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں فتح یاب نہ ہوگی۔ بلکہ جو تمہارے مقابلہ میں آئے گا۔ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اصحاب حدیبیہ کے مقابلہ میں کبھی کسی کافر کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ایران وروم جیسی زبردست سلطنتوں سے جب ان کا مقابلہ ہوا۔ اس

وقت خدا کی قدرت سب کو نظر آ گئی۔ اور یہ دونوں سلطنتیں دم کی دم میں زیر و زبر ہو گئیں۔

۸۔ ان انعامات کے وعدوں کے بعد فرمایا۔ کہ یہ ہمارا قدیم قانون ہے اور ہمارے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی یہ اشارہ ہے اس قانون خداوندی کی طرف جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین صادقین کے فتح و نصرت کے متعلق ہے۔ جس کا بیان دوسری آیتوں میں بہت وضاحت کے ساتھ ہے۔ قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ط یعنی ہمارا وعدہ اپنے رسولوں سے پہلے ہی ہو چکا ہے۔ کہ انہیں کو فتح ملے گی۔ اور بہ تحقیق ہمارا لشکر غالب رہے گا۔

۹۔ بیعت حدیبیہ کی عزت افزائی کی انتہا یہ ہے۔ کہ دوسری بیعتوں سے ممتاز کرنے کے لئے اس درخت کا بھی ذکر فرمایا جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی

۱۰۔ فتح مکہ اور فتح خیبر کو ایمان والوں کے لئے نشانی فرمایا۔ یعنی یہ دونوں فتوحات آئندہ فتوحات کی دلیل ہیں۔ یہ دونوں فتوحات یقین دلاتی ہیں کہ آئندہ فتوحات بھی اسی طرح پوری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو فارس و روم کی فتوحات کا وعدہ ہے۔ اور ان کی علامت و نشانی کے طور پر یہ فتوحات عطا ہوئی ہیں۔ اس سے فاتحان فارس و روم کی شان اظہر من الشمس ہو رہی ہے۔

ف۔ اس آیت سے اصحاب حدیبیہ کا مومن بلکہ کامل الایمان اور پسندیدۂ خدا ہونا اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی قسم کی تاویل اور چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ اور یہ بات بھی بلاشک و شبہہ باتفاق فریقین ثابت ہے۔ کہ تینوں خلفاء اس بیعت میں شریک تھے اور جن لوگوں نے ان کا انتخاب خلافت کے لئے کیا۔ اور ان کو اپنا امام مانا وہ بھی اس بیعت میں

شریک تھے

۔ لہذا اس آیت کی رو سے وہ سب پسندیدۂ خدا اور مومن مخلص ہوئے۔ اور جو ایسا ہو۔ اس کی خلافت یقیناً خلافت راشدہ ہے۔ ایسے لوگوں کی خلافت کو ظلم و جور کی خلافت کہنا کلام الہیٰ کی تکذیب کرنا ہے۔

مخالفین بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے۔ کہ کوئی تاویل اس آیت کی نہیں ہو سکتی۔ اور اصحاب حدیبیہ کے فضائل کا انکار بغیر اس آیت کی تکذیب کئے ہوئے ممکن نہیں۔ لہذا انہوں نے اپنے اسی آخری کید سے یہاں بھی کام لیا ہے۔ جس کو انہوں نے ہدایت قرآنی سے سرتابی کے لئے بڑے اہتمام سے تصنیف فرمایا ہے۔ یعنی کہتے ہیں کہ یہاں تحریف ہو گئی ہے۔ خدا نے اپنی رضا مندی اس شرط کے ساتھ بیان کی تھی۔ کہ مرتے دم تک اسی بیعت پر قائم رہیں مگر وہ لوگ قائم نہ رہے۔ لہذا رضا مندی بھی جاتی رہی۔ لیکن صحابہ نے شرط کے مضمون کو اس آیت سے نکال کر کہیں اور لگا دیا اور اس آیت کو بغیر شرط کے کر دیا۔ جس سے کلام کا مفہوم بدل گیا (دیکھو تفسیر قمی صفحہ ۳۳۶ اور مولوی مقبول احمد کا ترجمہ قرآن صفحہ ۸۱۵)

ہمارے نادان بھائی تحریف قرآن کا عذر کر کے سمجھتے ہوں گے۔ کہ اس آیت رضوان سے ان کی گلو خلاصی ہو گئی اور اس آیت سے جو فضائل اصحاب حدیبیہ کے ثابت ہوتے تھے۔ ان کا جواب ہو گیا۔ مگر خدا کی قدرت کہ اس جواب سے بھی ان کو رہائی نہیں مل سکتی

اولاً اس لیے کہ اگر اس آیت کے ساتھ کوئی شرط پوری نہیں ہوئی تو ضرور خدا کو پہلے ہی سے اس شرط کے پورے نہ ہونے کا علم ہوتا۔ کیوں کہ خدا کو تمام آئندہ ہونے والی چیزوں کا علم ہے۔ پس اس صورت میں نعوذ باللہ فریب دہی کا الزام خدا پر قائم ہوتا ہے۔ ایک نا شدنی شرط کے ساتھ مشروط

کرکے اپنی رضامندی کا اعلان کر دینا فریب نہیں تو اور کیا ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ آیت میں سب صیغے ماضی کے ہیں رَضِیَ اَنْزَلَ اَثَابَ یعنی خدا ان سے راضی ہو گیا۔ پھر سکینہ ان پر اتارا۔ پھر بدلے میں ان کو فتح قریب وغیرہ دی۔ حالانکہ اگر کسی شرط کے ساتھ یہ چیزیں مشروط ہوتیں تو بجائے ماضی کے مستقبل کے صیغے ہونے چاہئیں تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس آیت کے ساتھ کوئی شرط ہرگز نہ تھی۔

ثالثاً۔ اس لئے کہ اگر کوئی شرط اس آیت میں ہوتی۔ تو وہ رضامندی اور نزول سکینہ اور فتح قریب وغیرہ سب کے ساتھ لگتی۔ اور بغیر اس شرط کے جس طرح رضامندی ان کو حاصل نہ ہوتی۔ اسی طرح نزول سکینہ اور فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بھی ان کو نہ ملتیں۔ حالانکہ فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بالاتفاق فریقین قطعاً ان کو ملیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہرگز کوئی شرط اس آیت کے ساتھ نہ تھی۔ اور بالفرض اگر تھی۔ تو وہ پوری ہوئی۔

رابعاً۔ اس لئے کہ اگر خدا کی رضامندی کسی ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی تو پھر عَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ بالکل لغو ہو جاتا ہے۔ معاذ اللہ منہ۔ کیونکہ اس جملہ کا مقصود تو یہ ہے کہ خدا اپنی رضامندی کی وجہ ظاہر فرما رہا ہے۔ کہ چونکہ ہم دلوں کی حالت سے واقف ہیں۔ اس لیے اُن سے راضی ہوئے۔ حالانکہ صورت مذکورہ میں رضامندی کا وجود ہی نہیں ہوا۔ المختصر آیت کے الفاظ اور اُس کا مضمون اور اس کی پیشین گوئی کا ظہور بتا رہا ہے کہ ہرگز اس آیت میں کوئی شرط نہ تھی۔ اور اگر تھی تو وہ پوری ہو گئی۔ اور خدا نے جس طرح فتح قریب مغانم کثیرہ وغیرہ کا وعدہ اُن سے پورا کیا۔ اسی طرح قطعاً ویقیناً خدا کی رضامندی بھی ان کو حاصل ہوئی۔ اور سکینہ بھی اُن پر نازل ہوا۔

بعضے نادان بھائی گھبرا کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے تو اُن مومنوں سے جو اس بیعت میں شریک تھے۔ اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے۔ نہ منافقین سے۔

لہذا جو منافق اس بیعت میں تھے۔ ان سے خدا کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔
مولوی فرمان علی شیعی نے اسی جواب کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ اپنے ترجمہ قرآن
کے صہ ۸۱۸ میں اسی آیت رضوان کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

اس سے یہ شبہ نہ ہو۔ کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا
ہمیشہ کے لیئے راضی ہوگیا۔ اور یہ لوگ جنتی بن گئے۔ کیونکہ اوّل تو
خدا نے تمام بیعت کرنے والوں سے خوشنودی کا اظہار کیا
نہیں بلکہ صرف مومنین سے۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لیئے نہیں بلکہ
وہ تو اس وقت خوش ہُوا۔ جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی اب
رہی آیندہ کی حالت۔ تو جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ تو خلاصہ مطلب
اس آیت کا یہ ہُوا۔ کہ خدا سچے ایمان داروں کے اس فعل سے
ضرور خوش ہُوا۔

مولوی فرمان علی نے یہ تو مان لیا۔ کہ خدا کی رضامندی ضرور اس آیت
سے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ دو باتیں فرماتے ہیں۔

اوّل:۔ یہ کہ خدا کی رضامندی ہمیشہ کے لیئے نہ تھی۔ بلکہ وقتی تھی۔ بعد
میں جب انہوں نے خلاف شرع کام لیے۔ تو رضامندی جاتی رہی۔

دوم:۔ یہ کہ خدا نے سب بیعت کرنے والوں سے رضامندی ظاہر
نہیں کی۔ بلکہ صرف مومنین سے۔

جواب: پہلی بات کا ہم اوپر دے چکے ہیں:۔ اجی حضرت خدا عالم الغیب
ہے جس سے آئندہ خدا کی خلاف مرضی حرکات صادر ہونے والی ہیں۔ خدا کو پہلے
ہی اس کا علم ہے لہذا خداوند تعالٰے اس شخص کی کسی اچھی سے اچھی بات سے
ہرگز خوش نہیں ہوسکتا اور اپنی خوشی کا اعلان دے کر لوگوں کو دھوکے میں
نہیں ڈال سکتا اہل سُنّت کا اعتقاد تو یہی ہے۔ مگر شیعہ جو خدا کے لئے عقیدہ بدا
کے قائل ہیں۔ ان کے مذہب کی بنا پر یہ بات ممکن ہے۔ کہ ایک وقت خدا

ان سے راضی ہو گیا ۔ اور اپنی رضا مندی کا اعلان بھی کر دیا ۔ مگر بعد میں
جب ان لوگوں نے بُرے کام کیئے ۔ تو خدا کو بدا ہوُا ۔ اور خدا کی رائے بدل گئی ۔
اور وہ ناراض ہو گیا ۔ استغفر اللہ ۔

رہی دوسری بات اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ جس طرح آیت میں خدا نے
ایمان والوں سے اپنی رضا مندی بیان فرمائی ہے ۔ اسی طرح فتح قریب اور
مغانم کثیرہ کو بدلہ بھی ایمان داروں ہی کا قرار دیا ہے ۔ لہذا جس طرح خدا کی
رضا مندی ایمان والوں کے ساتھ مخصوص رہی ۔ اسی طرح خیبر کا مال غنیمت
بھی ان کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے ۔ حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے
تمام بیعت کرنے والوں کو غنیمت خیبر میں حصہ دیا ۔ اس سے معلوم ہوُا کہ وہ
سب مومن تھے ۔ اور سب کو خدا کی رضا مندی حاصل ہوئی اور یقیناً سب
جنتی ہو گئے ۔ اگر کہا جائے کہ غنیمت خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بوجہ خوف کے منافقوں کا حصہ لگایا ۔ اگر ایسا نہ کرتے تو منافق لڑ بیٹھتے ۔ تو
جواب اس کا یہ ہے ۔ کہ اگر اسی طرح رسول کو خوف کی وجہ سے احکام خداوندی
کا خلاف کرنے والا قرار دیا جائے تو دین بازیچۂ طفلاں بن جائے گا ۔ پھر
دوسری بات یہ ہے ۔ کہ جس طرح حدیبیہ میں نہ آنے والوں کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت خیبر سے حصہ نہ دیا ۔ اور کوئی فتنہ نہ برپا ہوُا ۔ اسی
طرح حسن تدبیر سے ان منافقوں کو بھی علیحدہ کر سکتے تھے ۔ اور کوئی فتنہ نہ ہوتا ۔

بہر حال ان بھائیوں کے بنائے کوئی بات بنتی نہیں ۔ اور آیت برملا
ندا دے رہی ہے ۔ کہ جن لوگوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت
کی تھی ۔ ان سب سے خدا راضی ہو گیا ۔ سب پر سکینہ اترا ۔ اور سب قطعی
جنتی ہیں ۔ مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔

اسی آیت رضوان کی اور خدا کی رضا مندی کی تفسیر ہیں ۔ وہ احادیث
جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیبیہ کی نسبت فرمایا ۔

اَنْتُمُ الْیَوْمَ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ یعنی آج تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔ نیز فرمایا کہ لَنْ یَلِجَ النَّارَ اَحَدٌ مِمَّنْ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔ ان میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ دونوں حدیثیں وہی خاص مضمون بیان کر رہی ہیں۔ جو آیت میں ہے۔ جس سے خدا راضی ہے۔ اس کے بہتر ہونے میں کیا شک اور اس کے دوزخی نہ ہونے میں کیا تردد۔

آیت کی تفسیر تو ہو چکی۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ واقعہ حدیبیہ کے مختصر حالات بیان کر دیئے جائیں۔ تاکہ آیت کی تفسیر میں پوری بصیرت حاصل ہو۔

واقعہ حدیبیہ

کے کچھ مختصر حالات

سنہ ۶ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ مع اپنے اصحاب کرام کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور سب نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے سر کے بال منڈوائے ہیں۔ اور کسی نے کتروائے ہیں۔ اس خواب کو آپ نے اپنے اصحاب کرام سے بیان فرمایا۔ سب نہایت خوش ہوئے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی از قسم وحی الٰہی ہوتا ہے۔ اس خواب کا تذکرہ بھی قرآن مجید کی اسی سورت میں ہے۔

پھر اسی سال کے آخر میں یعنی ذی قعدہ کے مہینے میں رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے بارادۂ عمرہ مکہ معظمہ کا سفر فرمایا۔ ایک بڑی جماعت صحابۂ کرام کی آپ کے ہمراہ ہوئی۔ جن کا شمار بنا بر روایات صحیحہ چودہ سو اور پندرہ سو کے درمیان میں تھا۔ بعض روایات میں اٹھارہ سو بھی وارد ہُوا ہے۔

مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر سب نے احرام باندھا۔ اور احرام کا لباس زیب تن کیا۔ قدوسیوں کی یہ جماعت مقام حدیبیہ تک پہنچی تھی۔ کہ کفار مکہ کی طرف سے مزاحمت ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ کہ کفار مکہ کو سمجھائیں کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں آئے۔ کعبہ کا طواف کر کے واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جا کر بہت سمجھایا۔ مگر ضد اور شرارت کا بُرا ہو۔ کفار مکہ نے کسی طرح اس کو منظور نہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کی روانگی کے بعد کسی صحابی نے کہا۔ کہ عثمانؓ کی قسمت اچھی ہے۔ وہ تو مکہ جا رہے ہیں۔ کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں۔ کہ کفار اجازت دیں یا نہ دیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس بات کو سنا تو فرمایا کہ عثمانؓ کے متعلق ہم کو ایسا وہم بھی نہیں ہے کہ بغیر ہمارے کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ اللہ اکبر حضرت عثمانؓ کے اخلاص پر کیسا اعتماد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ اور ویسا ہی ان سے ظہور میں آیا۔ جب حضرت عثمانؓ مکہ میں ابوسفیان سردار مکہ سے بات کر رہے تھے۔ تو ابوسفیان نے کہا۔ کہ اے عثمانؓ اگر تم چاہو تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ کہ کعبہ کا طواف کر لو۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ کہ تمہارے نبی طواف کے لئے آئیں۔ اور اپنی شان وشوکت ہم کو دکھائیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ بغیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ہم ہرگز طواف نہ کریں گے۔ اس جواب پر ابوسفیان نے حضرت عثمانؓ کو اور دس صحابی جو ان کے ساتھ تھے۔ ان سب کو قید کر دیا۔

یہ واقعہ اسی طرح کتب شیعہ میں بھی ہے۔ چنانچہ حملہ حیدری میں جو مذہب

شیعہ کی نہایت معتبر تاریخ اور مولوی سید محمد مجتہد اعظم کی مصدقہ ہے۔ یہ واقعہ اسی طرح نظم کیا گیا ہے۔

۱ سید عثمانؓ زمین در زمان	بمقصد رواں شد چو تیر از کماں
۲ چو او رفت اصحاب روزے دگر	بگفتند چندے بخیر البشر
۳ خوشا حال عثمانؓ با احترام	کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
۴ رسول خدا چوں شنید ایں سخن	بپاسخ چنیں گفت با انجمن
۵ بعثمانؓ نداریم ما ایں گماں	کہ تنہا کند طواف آں آستاں

اس کے بعد پھر آگے چل کر ابوسفیان اور حضرت عثمانؓ کی گفتگو اس طرح نظم کی ہے۔

۶ بجوشید ش انگہ بدل مہر خوں	بعثمانؓ چنیں گفت آں سرنگوں

۱۔ ترجمۂ اشعار۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی وقت آداب بجالائے۔ اور مقصد یعنی مکہ شریف کی طرف بہت جلدی سے روانہ ہو گئے۔

۲۔ جب آپ روانہ ہو گئے۔ تو چند صحابہ نے دوسرے روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

۳۔ کہ محترم عثمان رضی اللہ عنہ کیا ہی خوش قسمت ہیں۔ کہ بیت اللہ شریف کا حج ان کے نصیب ہو گیا۔

۴۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی۔ تو اہل مجلس کو یوں ارشاد فرمایا۔

۵۔ کہ حضرت عثمانؓ کے متعلق ہمیں البتہ گمان نہیں ہے۔ کہ وہ بیت اللہ کا اکیلے ہی طواف کر لیں گے۔

۶۔ ابوسفیان کے دل میں اس وقت محبت نے جوش مارا۔ تو اس نے حضرت عثمانؓ کو یوں کہا۔

که گر میل داری تو طوف حرم ۔ بکن مانعت نیست کس زیں حشم
ولیکن محال است ایں بے گزاف ۔ کہ آید محمد برائے طواف
چو بشنید عثمانؓ از وایں سخن ۔ چنیں داد پاسخ بآں اہرمن
کہ طوف حرم بے رسول خدا ۔ نباشد بر پیرو انش روا
ازیں گفتہ سفیاں برآشفت بیش ۔ بگرداند از سوئے او روئے خویش
بگفت مود پس باد گر مشرکاں ۔ کہ عثمانؓ و آں دہ کس از پیرواں
نیابند رفتن بر نزد رسول ۔ اگر شاد باشند ازیں گر ملول
چو عثمان از وایں حکایت شنید ۔ علاجے بجز صبر کردن ندید
مقید نمودند شس اعدائے دیں ۔ بیان نجاتش کنم بعد ازیں

۱؎ کہ اگر آپ کو بیت اللہ شریف کے طواف کا خیال ہے ۔ تو کر لیجئے ۔ اس عزت سے آپ کو کوئی نہیں روکتا ۔

۲؎ ولیکن یہ یقیناً محال ہے کہ محمدؐ طواف کے لئے آئیں ۔

۳؎ اس کی یہ بات سن کر حضرت عثمانؓ نے اسے یوں جواب دیا ۔

۴؎ کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدول بیت اللہ کا طواف آپ کے پیروؤں کے لئے جائز نہیں ۔

۵؎ اس کہنے سے سفیان بھڑک اٹھا ۔ اور اپنا منہ دوسری طرف کر لیا ۔

۶؎ اور پھر دوسرے مشرکین کو کہنے لگا کہ عثمانؓ اور اس کے دس ساتھی ۔

۷؎ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانے نہ پائیں ۔ اگرچہ یہ لوگ راضی ہوں یا ناراض ۔

۸؎ جب حضرت عثمانؓ نے اس سے یہ بات سنی ۔ تو بجز صبر کے آپ کو کوئی چارہ نظر نہ آیا ۔

۹؎ دین کے دشمنوں نے آپ کو قید کر لیا ۔ اس کے بعد آپ کی خلاصی کا بیان آرہا ہے ۔

حضرت عثمانؓ کے قید ہو جانے کے بعد کسی نے یہ غلط خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو کفار مکہ نے شہید کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا۔ اور آپ اٹھ کر اس درخت کے نیچے جو اس میدان میں تھا۔ تشریف لے گئے اور اپنے اصحاب سے گئے اور اپنے اصحاب سے آپ نے موت کی بیعت لی۔ اثنائے بیعت میں آپ کو خبر ملی۔ کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی زندہ ہیں تو آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت[1] فرمائی اسی بیعت کا تذکرہ آیت رضوان میں ہے۔ اور اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعۃ الرضوان کہتے ہیں۔

یہ عظیم الشان بیعت حضرت عثمانؓ ہی کے طفیل ہوئی۔ اور سب سے زیادہ فضیلت بھی اس بیعت میں انہیں کی ظاہر ہوئی۔

---

[1] حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنے کا ذکر کتب شیعہ میں بھی ہے۔ کافی کتاب الروضہ ص۱۵۱ میں ہے۔ و بایع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ المسلمین و ضرب باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان اور حیات القلوب جلد دوم ص۲۰۴ میں ہے" بروایت شیخ طبرسی چوں مشرکان عثمان را حبس کردند۔ خبر بحضرت رسید کہ او را کشتند حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا با ایشاں قتال کنم و مردم را بسوئے بیعت دعوت نمایم و برخاست و پشت مبارک بدرخت داد تکیہ کرد و صحابہ باں حضرت بیعت کردند کہ با مشرکاں جہاد کنند و نگریزند و بروایت کلینی حضرت یک دست خود را بر دست دیگر زد برائے عثمان بیعت گرفت ۱۲"

یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ مکہ گئے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی بیعت اس طرح لی کہ اپنے دست مبارک پر اپنے ہی دوسرے ہاتھ کو رکھ دیا۔ گویا کہ اشارۃً حضرت عثمانؓ کو بیعت میں شامل فرما لیا۔ (باقی حاشیہ ص ۴۳۱ پر)

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا۔ کہ کسی طرح کفار کے کچھ آدمیوں کو بھی گرفتار کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب کفار مسلمانوں کی قید میں آگئے۔ تو کافروں نے مجبور ہو کر حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا۔ اور ان کے عوض میں اپنے قیدیوں کو رہائی دلائی۔

اس سفر میں ایک معجزہ پانی کا ظہور میں آیا۔ حدیبیہ میں جو کنواں تھا۔ اس میں پانی بہت کم تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب پانی خرچ ہو گیا۔ اور ہر طرف سے العطش کی آواز بلند ہوئی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر اپنے ترکش سے نکال کر ایک صحابی کو دیا۔ کہ اس تیر کی نوک کنوئیں کی تہہ میں پہنچا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جیسے ہی اس تیر کی نوک تہہ میں گڑی۔ کنوئیں سے فوارہ پانی کا ابلنے لگا۔ اور پھر وہ پانی آخر تک کام دیتا رہا۔

اسی سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کفار مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی حالت جانچنے کے لئے آئے۔ انہوں نے یہاں آکر جو حالت دیکھی اس کا بڑا اثر ان کے دل پر ہوا۔ جو اطاعت و جاں نثاری صحابۂ کرام کی اور جو محبت و ارادت عروہ کے مشاہدہ میں آئی اس سے

بقیہ حاشیہ ۴۳۴ یعنی شیخ طبرسی کی روایت میں ہے۔ کہ جب مشرکین نے حضرت عثمان کو گرفتار کر لیا۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ جب تک ان سے لڑائی نہ کر لوں۔ اور لوگوں کو بیعت موت کی دعوت نہ دینے لوں۔ اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پشت مبارک درخت سے ٹیک دی۔ اور تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور صحابہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ مشرکین سے لڑیں گے۔ اور پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے۔ اور کلینی کی روایت ہے کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور حضرت عثمانؓ کے لئے بیعت لی۔

ان کی عقل متحیر ہوگئی۔ کیونکہ تاریخ عالم میں کوئی مثال ان چیزوں کی نہیں مل سکتی۔ حملۂ حیدری کا مصنف باوجود متعصب ہونے کے لکھتا ہے۔

پس[1] آں گاہ در مجلس شاہ دیں | نشست او زمانے دگر در کمیں
که[2] اصحاب او را کند امتحان | ببیند که چوں است اخلاص شاں
بظاہر[3] گرہ کرد ابرو ز خشم | نہانی ہمی دید از زیر چشم
چو[4] اکرام و تعظیم و فرماں بری | ارادت شعاری عقیدت وری
ز اصحاب[5] نسبت بسالار دیں | بیا بید آں مرد زد ید حیں!
از آں[6] طور آمد شگفتش بسے | کز آں پیش دیدہ نبود از کسے

اب دیکھنا ہے۔ کہ پھر مکہ پہنچ کر اپنی قوم میں عروہ نے جو خیالات ظاہر کیئے وہ کیا ہیں۔ عروہ نے کہا۔

---

[1] - پس عروہ کبھی آں حضرت کی طرف متوجہ ہوتا۔ مجلس میں بیٹھتا۔ اور کبھی گھات میں۔ یعنی حالات کو جانچتا۔

[2] - تاکہ آپ کے صحابہ کا امتحان کرے۔ اور تاکہ یہ دیکھے۔ کہ ان کا اخلاص کیسا ہے۔

[3] - ظاہری طور پر غصے کی وجہ سے ماتھے پر بل ڈال رکھے تھے۔ ویسے چپکے چپکے دیکھ رہا تھا۔

[4] - جب عروہ نے آں حضرت کی ایسی عزت و تعظیم اور فرماں برداری، اخلاص اور

[5] - عقیدت مندی صحابہ کرام کی طرف سے معلوم کی۔

[6] - تو اُسے اس طریقہ سے بہت تعجب و حیرانگی ہوئی۔ کہ صحابہ میں کتنی جاں نثاری اور محبت ہے۔ کیونکہ اس نے ایسی جاں نثاری اپنے بادشاہ کے متعلق اس سے پہلے کسی قوم سے بھی نہیں دیکھی تھی۔

کہ ^1^ من آنچہ دیدم زیاران او	ازاں سر بکف جاں نثاران او
در ^2^ ایران و در روم و در زنگبار	ندیدم زنیک و بد آں دیار
کہ ^3^ دارند پاس سرِ خود چنیں	لبسایند بر نقش پایش جبیں
محمد ^4^ گر اندازد آب دہن	براں آب خوں مے کنند انجمن
کہ ^5^ گیرند و مالند بر چشم و رو	وزاں آب تازہ کنند آبرو
دگر ^6^ ہر کرا بینی از مہتراں	کند نقش او پاک چوں کہتراں
بر ^7^ آب وضوئیش نزاعے کنند	کہ خواہند سرہائے ہم بشکنند

^1^ عروہ کہتے ہیں۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کا برتاؤ جو کچھ میں نے دیکھا ہے۔ آپ کے جاں نثار آپ کے لئے سر بکف ہیں۔

^2^ اس طرح میں نے ایران و روم اور حبش میں بھی نہیں دیکھا کہ وہاں کے بھلے بُرے۔

^3^ لوگ اپنے بادشاہ کی ایسی عزت کرتے ہوں۔ اور اس کے نقش قدم پر اپنی پیشانیاں رگڑتے ہوں۔

^4^ مگر صحابہ کا تو یہ حال ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوکتے بھی ہیں۔ تو اس متبرک تھوک پر اہل مجلس مرنے مارنے کی ٹھان لیتے ہیں۔

^5^ کہ اس کو حاصل کر سکیں اور چہروں پر مل لیں۔ اور اس متبرک تھوک سے اپنے چہروں کی رونق کو دوبالا کریں۔

^6^ اور جس بڑے سردار کو بھی تو دیکھے۔ آپ کے جوتے صاف کرتا ہوا ملے گا۔ یعنی وہ اس سے بھی عار نہیں کرتے۔

^7^ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کے حاصل کرنے کی کوشش میں جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے۔ کہ اس کوشش میں ایک دوسرے کے سر پھوڑ دیں گے۔

غرض[1] اے دلیران با نام و ننگ | ندارد برائے شما صرفہ جنگ
کہ[2] ایشاں زما بر نتابند رو | بجا ہائے نازک رسد گفتگو
ہماں[3] بہ کہ ایں قصہ کوتہ کنید | ازاں پیش کو رہ کنند رہ دہید

آخر کفار مکہ نے مجبور ہو کر صلح کی۔ اور یہ قرار پایا۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس جائیں۔ اور آئندہ سال پھر آکر کعبہ کا طواف کریں

اس صلح میں جو شرطیں کفار کی طرف سے پیش ہوئیں۔ ان میں بظاہر مسلمانوں کا پہلو نہایت مغلوب تھا۔ مثلاً ایک شرط یہ تھی۔ کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے۔ تو آپ اس کو مکہ واپس کر دیں اور اگر کوئی مسلمان خدانخواستہ مرتد ہو کر مکہ میں آجائے۔ تو کفار مکہ اس کو واپس نہ کریں گے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرائط کو قبول فرمالیا۔ اور صلح ہو گئی۔

اس مغلوبانہ صلح سے تمام صحابہ کرام کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور سب سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (جو اول روز سے دینی غیرت وحمیت میں ضرب المثل تھے) ہوا۔ اور اُن سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جا کر انہوں نے کہا۔ حضرت کیا آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا کیا ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا کہ پھر ہم کیوں مغلوبانہ صلح کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کر

---

[1] غرض اے غیرت مند دلیرو آں حضرت تمہارے ساتھ لڑائی کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔
[2] اگر انہوں نے لڑائی کا خیال ترک نہ کیا تو معاملہ نازک صورت اختیار کرے گا۔
[3] اس لئے یہی بہتر ہے۔ کہ اس قصہ کو صلح کر کے مختصر کر لو۔ اور اس سے پہلے کہ وہ زبردستی [illegible] پہنچ جائیں صلح کر کے تم خود بیت اللہ تک اُنکے جانے کی اجازت دے دو ۱۲۔

سکتا۔ اور وہ میرا پروردگار ہے پھر یہی گفت گو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کی۔ اور انہوں نے بھی یہی جوابات دیئے۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو محض دین کی حمیت سے تھی۔ مگر پھر بھی ان کو بعد میں تنبہ ہوا۔ اور اُس کے کفارے میں نمازیں پڑھیں روزے رکھے۔ صدقہ دیا۔ غلام آزاد کیا۔

چند روز سے مخالفین نے اس موقع پر ایک طعن حضرت عمرؓ پر تصنیف کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہوگیا تھا۔ اور اس کی تائید میں ایک روایت میزان الاعتدال کی پیش کرتے ہیں۔ کہ خود حضرت عمرؓ نے اقرار کیا۔ کہ مجھے نبوت میں ایسا شک کبھی نہیں ہوا۔

جواب یہ ہے۔ کہ اوّل تو میزان الاعتدال کی یہ روایت صحیح نہیں۔ خود مصنف نے اس روایت کے ساتھ اس کا مجروح ہونا بھی بیان کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں نبوت کا لفظ نہیں ہے۔ یہ شیعوں کا خالص افترا ہے۔ صرف یہ مضمون ہے۔ کہ "مجھے ایسا شک کبھی نہیں ہوا"۔ اس شک سے مراد نبوت میں شک کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسی روایت میں حضرت عمرؓ نے بجواب حضرت صدیقؓ فرمایا ہے کہ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ بلکہ اس صلح کے مفید ہونے میں اس کے مصالح میں شک مراد ہے۔ گویا اپنی ایک سیاسی غلطی کا اظہار فرمایا ہے (دیکھو فتح الباری جلد پنجم صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ مصر) واقعی صلح حدیبیہ میں کچھ ایسے پوشیدہ مصالح علم خداوندی میں تھے کہ کہ اس وقت کسی کو بھی ان کا احساس نہ ہوا۔ مگر بعد میں سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ کہ یہ مغلوبانہ صلح نہ تھی۔ بلکہ فتح مبین کا پیش خیمہ تھی۔

صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ کہ ابو جندل جو مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ مگر کسی طرح ان کو ہجرت کا موقع نہ ملتا تھا۔ کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا۔ اور بڑے ظلم ان پر کیے گئے۔ اور یہ سب ظلم ان کے باپ سہیل کے ہاتھ سے ان پر ہوتے تھے۔

ایک روز موقع پاکر قید سے نکل آئے۔ اور حدیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ کفار نے مطالبہ کیا تو آپ نے اُن کو ان کے باپ کے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا کہ اے ابوجندل خدا تم کو ان کے شر سے بچائے گا۔ تم پریشان مت ہو۔

اس کے بعد پھر ابوبصیر مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی بوجہ معاہدہ کے واپس کیا۔ اثنائے راہ میں اُنہوں نے اس کافر کو جو اُن کے لینے کے لئے آیا تھا۔ قتل کر دیا۔ اور پھر مدینہ منورہ آئے۔ آپ نے پھر ان کو واپس کیا۔ ابوبصیر مدینہ منورہ سے تو چل دیئے۔ لیکن مکہ نہ گئے۔ بلکہ ساحل دریا کی طرف عیص نامی ایک مقام میں قیام کر لیا۔ اور مکہ معظمہ میں جو لوگ ابوجندل کی طرح مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ ستر آدمیوں کی جماعت ان کے پاس جمع ہو گئی۔ یہ مقام تجارتی قافلوں کا گذرگاہ تھا۔ اب ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا۔ کہ کفار قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا۔ اُس کو لوٹ لیتے۔ کئی قافلے اسی طرح تباہ و برباد ہوئے۔ لوگ بھی قتل کیے گئے اور مال بھی لٹا۔ آخر میں مجبور ہو کر خود کفار قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ یہ شرط صلح نامہ سے نکال دی جائے۔ اور آپ اُن لوگوں کو اپنے پاس بلا لیجئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبصیر کے نام خط بھیجا۔ کہ تم لوگ مع اپنی جماعت کے میرے پاس چلے آؤ۔ لیکن یہ خط ایسے وقت پہنچا۔ کہ حضرت ابوبصیرؓ حالت نزع میں تھے۔ نامۂ مبارک کا مضمون انہوں نے سنا۔ اور آنکھوں سے لگایا۔ اور دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ مسلمانوں نے وہیں ان کی تجہیز و تکفین کی۔ اور اس کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ چلے گئے۔

یہ درخت جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک موجود تھا۔ لوگ وہاں جمع ہوتے تھے۔ اور نماز پڑھتے تھے۔ یہ خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو ملی۔

تو آپ نے حکم دیا۔ کہ وہ درخت

کاٹ دیا جائے (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم ص۳۴۵)
حدیبیہ کا واقعہ باختصار بیان ہو چکا۔ اور آیت رضوان کی تفسیر بھی ہو چکی۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور ذریعۂ ہدایت بنائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دعوٰنا اَنِ الحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

تفسیر

آیتِ مُباہلہ

جس میں

سُورۃ آلِ عمران کی آیۃ کریمہ فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم کی صحیح تفسیر بیان کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس زمانہ میں جب کہ ہر طرف سے نئے نئے فتنے اٹھ رہے ہیں۔ اور نادانوں کی رہزنی کے لئے ہر قسم کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ایک نیا شگوفہ یہ کھلا کہ بمبئی کے بعض نادان بھائیوں نے صلح و آشتی کا لباس پہن کر سنیوں کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دی۔ اور اس کی صورت یہ تجویز کی کہ جو مذہبی تقریبات فریقین میں مشترک ہیں ان کو دونوں فریق ایک جگہ جمع ہو کر ادا کریں۔ منجملہ ان مشترک تقریبات کے ایک عید مباہلہ کو بھی بیان کیا گیا۔ یہ عید مخالفین صحابہ کے یہاں ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوتی ہے کہا گیا کہ واقعہ مباہلہ کا ثبوت سنیوں کی کتابوں میں بھی ہے۔ لہذا اس عید سے سنیوں کو بھی انکار نہ ہونا چاہیئے۔

اس دعوت اتفاق پر بڑے بڑے مضمون لکھے گئے۔ جن میں دکھلایا گیا۔ کہ واقعہ مباہلہ عہد نبوت کا ایک عظیم الشان واقعہ اور معجزات نبوی میں ایک غیر معمولی معجزہ ہے لہذا اس دن کو ضرور عید منانا چاہیئے۔

مقصود یہ تھا کہ اہل سنت جو ہر وقت دعوت صلح پر لبیک کہنے کو تیار رہتے ہیں۔ اگر اس دعوت کو قبول کر لیں۔ تو ہر سال ایک مشترک جلسہ منعقد ہوا کرے۔ اور اس میں واقعہ مباہلہ کے پردہ میں مخالفین صحابہ کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا موقع ملتا رہے۔ حضرت علیؓ کا افضل الصحابہ اور خلیفہ بلافصل ہونا سنیوں کے کان تک بھی پہنچائیں۔ اور عید ان کی خلافت بلافصل کی یادگار بن سنیوں کے یہاں بھی رائج ہو جائے۔

مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ اہل سنت کی طرف سے اسی وقت جواب دیدیا گیا کہ ہمارے مذہب میں عید مباہلہ بالکل بے اصل چیز ہے۔ ہمارے یہاں سوا

ان دو عیدوں کے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی ہیں کوئی تیسری عید نہیں ہوتی۔ نہ ہم کو اپنی طرف سے کسی عید کے اضافہ کرنے کا حق ہے۔ اسی وجہ سے بڑی بڑی عظیم الشان فتوحات اسلام میں ہوئیں۔ مگر ہم نے کسی کی یادگار میں کوئی عید قائم نہیں کی اور یہ واقعہ مباہلہ تو کوئی ایسا بڑا واقعہ بھی نہیں۔ اگلے علماء بھی آیت مباہلہ سے خلافت بلافصل ثابت کرنے میں بڑے زور لگا چکے ہیں۔ ان کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں بھی اس آیت کو بڑے شدومد سے پیش کیا ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ آیت کی صحیح تفسیر اور اصلی واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی کا فریب کارگر نہ ہوگا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

آیت مباہلہ

پارہ ۳، سورہ آل عمران، رکوع ۱۴

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ	پھر جو شخص آپ سے جھگڑا کرے
بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	عیسیٰ کے بارہ میں بعد اس کے
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا	کہ آ گیا آپ کے پاس علم تو کہہ
وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا	دیجئے کہ آؤ بلائیں ہم اپنے
وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا	بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو
وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ	اور ہم اپنی
فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى	عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو
الْكَاذِبِينَ ۝	اور ہم اپنی

ذاتوں کو اور تم اپنی ذاتوں کو پھر گڑگڑا کر دعا مانگیں پھر کریں ہم اللہ کی لعنت جھوٹ بولنے والوں پر۔

اس آیت میں جس واقعہ کا بیان ہے۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے۔ کہ مدینہ منورہ کے قریب نجران نام کی ایک بستی تھی۔ جس میں عیسائی آباد تھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت اور آپ کی فتوحات کی خبر ان کو پہنچی۔ تو ۹ سہ ہجری میں اور بقول بعض ۳ سہ ہجری میں ایک جماعت ان عیسائیوں کی حاضر خدمت ہوئی۔ مقصود ان لوگوں کا یہ تھا۔ کہ آپ سے صلح کی کوئی تجویز نکالیں اور آئندہ کے خطرات سے اپنی حفاظت کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا۔ کہ آپ کی نبوت کو جانچیں۔

ان لوگوں نے آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کیئے۔ جن کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ اور ان کے حالات بذریعہ وحی الٰہی کے۔ آپ پر نازل ہوئے۔ چنانچہ آیت مبحوثہ کے اوپر مسلسل یہی بیان چلا آرہا ہے۔

ان باتوں کا جواب ان عیسائیوں سے نہ بن پڑا۔ مگر اپنی کج بحثی سے باز نہ آئے۔ اور فضول باتوں میں آپ کا وقت عزیز ضایع کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت مباہلہ اتری۔ جس میں حکم دیا گیا کہ اے نبی وحی الٰہی کے نازل ہونے کے بعد بھی ان کی کج بحثی ختم نہیں ہوتی۔ تو آپ ان سے فرما دیجئے۔ کہ اچھا تم لوگ مجھ سے مباہلہ کرو۔ اور مباہلہ کی صورت یہ ارشاد فرمائی کہ آپ اور آپ کی ساری جماعت مع اپنے اپنے لڑکوں اور عورتوں کے وہاں آجائیں۔ اس کے بعد سب لوگ خدا کے سامنے تضرع وزاری کے ساتھ دعا مانگیں۔ کہ یا اللہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو۔ اس پر اپنی لعنت نازل کر۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم خداوندی ان عیسائیوں کو دیا ان لوگوں نے کہا۔ اچھا ہم آپس میں مشورہ کرکے اس کا جواب دیں گے۔ لیکن جب ان لوگوں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے مشورہ کیا۔ تو انہوں نے کہا تم دیکھو حماقت کرتے ہو۔ تم کو معلوم ہو چکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے نبی ہیں۔ دیکھو جب

کسی قوم نے کسی نبیؐ سے مباہلہ کیا۔ تو نہ ان کا بوڑھا بچا نہ بچہ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر ان کی ہمت پست ہو گئی۔ اور انہوں نے مباہلہ سے قطعی انکار کر دیا۔ اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑے صفر کے مہینہ میں۔ اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں دینا انہوں نے منظور کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے تو سؤر اور بندر ہو جاتے۔ اور تمام میدان آگ سے بھڑکنے لگتا۔ اور نجران کے انسان تو انسان۔ درختوں کے اوپر چڑیاں بھی نہ بچتیں۔ ایک سال کے اندر سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس مباہلہ کے لئے بالکل تیار ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ قبل از وقت آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جناب سیدہ فاطمہ زہراؓ کو مباہلہ میں شریک کرنے کے لئے بلا لیا تھا۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ بعض صحابہ کرام بھی اپنی اولاد کو لے کر آ گئے تھے۔ چنانچہ در منثور جلد دوم صفحہ ۴۰ اور روح المعانی جلد اول صفحہ ۴۰۶ میں ہے۔ کہ:

اخرج ابن عساکر عن جعفر ابن محمد عن ابیہ فی ھذہ الاٰیات تعالوا ندع ابناءنا الآیۃ قال فجاء بابی بکر وولدہ وبعمر وولدہ وبعثمان وولدہ وبعلی وولدہ	ابن عساکر نے امام جعفر صادقؓ سے انہوں نے اپنے والد سے اس آیت یعنی تعالوا ندع ابناء کے متعلق روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو بھی مع ان کی اولاد کے بلا لیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو بھی مع ان کی اولاد کے اور حضرت عثمانؓ کو بھی مع ان کی اولاد کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی مع ان کی اولاد کے۔

یہ قصہ مختصر اس واقعہ مباہلہ کا تھا۔ جس سے آیت مبحوثہ کو تعلق ہے۔
اب بتائیے۔ کہ اس واقعہ میں غیر معمولی اہمیت کیا ہے۔ اور حضرت علیؓ کی
خلافت بلافصل سے اس آیت کو یا واقعہ کو کیا تعلق ہے۔ ہاں اگر مباہلہ ہو جاتا
اور نجران کے عیسائیوں پر عذاب الٰہی نازل ہو جاتا۔ تو البتہ واقعہ میں غیر معمولی
اہمیت پیدا ہو جاتی۔ مگر خلافت سے پھر بھی کوئی تعلق نہ ہوتا۔
بحالت موجودہ اس واقعہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی
دلیل البتہ ظاہر ہوتی ہے۔ کہ مخالف اور منکر بھی دل میں آپ کی صداقت کا
اعتراف رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ خوارج کے مقابلہ میں حضرات
حسنینؓ و جناب سیدہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے
وہ بھی نہ آیت سے بلکہ شانِ نزول کی روایت سے

مخالفین صحابہ کہتے ہیں

کہ اس آیت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے۔
کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
علیؓ و حضرت فاطمہ و حسنینؓ کو مباہلہ میں شریک کرنے کے لئے اپنے ساتھ لیا۔
اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لیا۔ جس سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ آپ کو جو کچھ تعلق
تھا۔ وہ صرف انہیں حضرات سے تھا۔ پھر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ
آیت میں لفظ انفسنا سے حضرت علیؓ اور ابناءنا سے حسنینؓ اور نساءنا
سے حضرت فاطمہؓ مراد ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نفس رسول تھے! اور
ظاہر ہے۔ کہ نفس رسول کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا کیسے
جائز ہو سکتا ہے۔
کہتے ہیں کہ نفس رسول ہونا ایک ایسی فضیلت ہے۔ کہ سوا حضرت

علیؓ کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ نفس رسول ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ رسولؐ کی ذات اور ان کی ذات ایک چیز ہے۔ اس سے حضرت علیؓ کا معصوم ہونا اور تمام ان صفات کے ساتھ موصوف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو رسولؐ کی ذات میں تھیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ وہ تمام صحابہ سے افضل تھے۔ اور یہ کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلیفہ بنانا جائز نہ تھا۔

بعض تو اس آیت سے حضرت علیؓ کا انبیائے سابقین سے افضل ہونا ثابت کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک تقریر اس کے متعلق نقل کر کے بہت تعجب کیا ہے۔ غالباً امام ممدوح کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ عام طور پر تمام مخالفین کا عقیدہ ہے۔ کہ ائمہ کا رتبہ تمام انبیائے سابقین سے زیادہ ہے۔

اہلِ سُنت کہتے ہیں

کہ اس آیت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کیا معنی مطلق خلافت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ نہ ان کا تمام صحابہ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے جو استدلال مخالفین نے کیا ہے۔ اس میں چند خرابیاں ہیں۔ جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

پہلی خرابی یہ ہے۔ کہ مخالفین کے اس استدلال کی بنیاد آیتِ قرآنی پر نہ ہوئی۔ بلکہ ایک روایت پر ہوئی۔ اور روایت بھی حدِّ تواتر کو نہیں پہنچی۔ کیونکہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کو ساتھ لینے کا مضمون روایت ہی میں ہے۔ اور اسی پر استدلال کی بنیاد ہے۔ لہٰذا مخالفین کا یہ کہنا کہ اس آیت سے خلافتِ بلا فصل ثابت ہوتی ہے بالکل بے اصل رہا۔ ف۔ کچھ اس آیت کی تخصیص نہیں۔ بلکہ مخالفین نے قرآن کی جس آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ اس کے روایت احاد کا ضمیمہ لگایا گیا ہے۔ بغیر اس

ضمیمہ کے لگائے ہوئے ان کا کام ہی نہیں چلتا۔ چنانچہ اس آیت ولایت کی تفسیر میں اس کا نمونہ دکھایا جا چکا ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے۔ جن روایات احاد کو آیت کے ساتھ ضمیمہ بنا کر استدلال کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر وہ روایات صحیح بھی نہیں ہوتیں۔ ان کے علماء خود بھی اپنے مقام پر لکھتے ہیں کہ اخبار احاد سے عقائد میں استدلال کرنا جائز نہیں۔ اور پھر خود ہی اپنے اتنے بڑے عقیدے کی بنا احاد پر رکھتے ہیں۔ ان ھذا لشئ عجیب۔

مخالفین بجائے اس کے کہ اپنی اس کاروائی پر نادم ہوتے۔ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ اگر روایات نہ ملائی جائیں۔ تو تفسیر بالرائے ہو جائے گی۔ اور تفسیر بالرائے فریقین کے یہاں ممنوع ہے۔ مقدمہ تفسیر آیات خلافت میں ہم تفسیر بالرائے کا مطلب بیان کر چکے ہیں۔ اور کئی ایک عبارتیں ائمہ تفسیر وحدیث کی نقل کر چکے ہیں۔ جن سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ کہ قواعد عربیت کی پابندی کے ساتھ بغیر روایت ملائے ہوئے اگر قرآن کی تفسیر کی جائے۔ تو وہ ہرگز تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ اس وقت اسی مقصد کی تائید میں ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ جناب محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔

حدیث من قال فی کتاب اللہ برایۃ فاصاب فقد اخطاء لا یجوزان یراد ان لا یتکلم احد فی القرآن الا بما سمعہ فان الصحابۃ رضی اللہ عنھم قد فسروہ و اختلفوا فیہ علی وجوہ	یہ حدیث کہ جس نے کتاب اللہ میں اپنی رائے سے کچھ بیان کیا اس نے صحیح بھی کہا تو خطا کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ کوئی شخص قرآن کے متعلق سوائے سنے ہوئے کے کچھ نہ بیان کرے۔ اس لئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کی تفسیر بیان کی اور اس

ولیس کلما قالوہ ثمرۃ
منہ ولانہ لا یفید
حینئذٍ دعاءہ اللّٰھم
فقھہ فی الدین وعلمہ
التاویل فالنھی لوجھین
احدھما یکون لہ
رای والیہ میل من
طبعہ و

ھواہ فیتاول علی و
فقہ لتحتج علی
تصحیح غرضہ وھذا
قد یکون مع علمہ
ان لیس المراد بالایۃ
ذلک ولکن یلبس
علی خصمہ وقد
یکون مع جھلہ بان
یکون الایۃ محتملہ لہ
لکن رجحہ لرایہ و
لولاہ لما یترجح ذلک
الوجہ لہ وقد یکون
لہ غرض صحیح کمن
یدعو الی مجاھدۃ

میں باخود ہا اختلاف بھی کیا اور
یہ بات نہیں ہے۔ کہ جو کچھ انہوں
نے تفسیر بیان کی وہ سب
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے
سن کر بیان کیا۔ نیز اگر ایسا ہو
تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا بعض صحابہ کو یہ دعا دینا۔ کہ
یا اللہ ان کو دین کی سمجھ دے اور
تفسیر کا علم دے بیکار ہو جائے گا۔
پس رائے سے تفسیر کرنے کی
ممانعت دو صورتوں میں ہے۔
ایک یہ کہ اس شخص کی کوئی خاص
رائے قائم ہو۔ اور اسی کی طرف
اس کا طبعی میلان ہو۔ اور وہ
اپنی اسی رائے کے موافق اس
کی صحت ثابت کرنے کے لئے
تفسیر کرے۔ لیکن اوقات ایسی
حالت میں یہ علم بھی ہو جاتا ہے۔
کہ آیت کی مراد یہ نہیں ہے۔ مگر
اپنے حریف کو دھوکا دینے کے
لئے ایسا کرتا ہے۔ اور کبھی یہ
ہوتا ہے کہ اس کو آیت کی مراد
معلوم نہیں ہوتی۔ اور آیت کے

القلب القاسی ویستدل	کئی مطلب ہو سکتے ہیں
بقولہٖ اذھب الی	مگر اپنی
فرعون انہ طغی و	رائے کے موافق جو مطلب ہوتا
یشیر الی قلبہ و	ہے۔ اسی کو ترجیح دیتا ہے اگر
یستعمل الوعاظ	اس کی وہ رائے نہ ہوتی تو ہرگز
تحسیناً و ترغیباً	اس مطلب کو ترجیح نہ دیتا اور
وھو ممنوع وقد یستعمل	کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کوئی
الباطنیۃ فی المقاصد	غرض صحیح اس شخص کی ہوتی ہے
الفاسدۃ لتغریر الناس الی آخرہٖ	مثلاً مجاہدہ قلب کی ترغیب

دینا چاہتا ہے۔ اور اس آیت سے استدلال کرتا ہے اذہب الی فرعون انہ طغی اور کہتا ہے فرعون سے مراد قلب قاسی ہے۔ اکثر واعظین ترغیب کے لئے ایسی تفسیرات کرتے ہیں۔

والثانی ان	دوسری صورت یہ ہے کہ
یتسارع الی التفسیر لظاھر	قرآن کی تفسیر قواعد عرب کے مطابق
العربیۃ من غیر استظھار	کرے۔ اور اس کے غرائب
بالسماع فی غرائبہ ومبھماتہ	ومبہمات ہیں اور جن میں حذف
وفیما فیہ الحذف والتقدیم	یا تقدیم وغیرہ ہے۔ ان میں منقولات
وما عداھما فلا وجہ	سے مدد نہ لے۔ تو اس کے ممنوع
للمنع فیہ	ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم کا بلانا تو بلا اختلاف صحیح روایات میں مذکور ہے۔ مگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بلانا اکثر صحیح روایات میں نہیں ہے۔ تفسیر طبری جلد سوم صـ۱۹۲ میں ہے:۔

حدثنا ابن حمید قال ۔ ہم سے ابن حمید نے بیان کیا۔

ثنا جریر قال فقلت للمغیرة ان الناس یرون فی حدیث نجران ان علیا کان معھم فقال اما الشعبی فلم یذکرہ فلا ادری لسوء رای بنی امیة فی علی او لم یکن فی الحدیث۔	کہتے ہیں ہم سے جریر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے مغیرہ سے کہا کہ لوگ نجران کے قصہ میں روایت کرتے ہیں۔ کہ علیؓ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ شعبی نے علیؓ کا ذکر نہیں کیا۔ اب میں تمہیں نہیں جانتا۔ کہ بنی امیہ کا خیال چونکہ علیؓ کی طرف سے خراب تھا۔ اس وجہ سے شعبی نے ان کا ذکر نہ کیا یا دراصل تھے ہی نہیں۔

پھر اسی تفسیر میں ایک روایت قتادہ سے منقول ہے۔ اس میں بھی حضرت علیؓ کا ذکر نہیں ہے۔

تیسری خرابی یہ ہے۔ کہ روایت سے اگر ثابت ہوتا ہے۔ تو زائد از زائد یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بلایا۔ باقی رہا کہ انفسنا سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ اور فلاں لفظ سے فلاں اور فلاں سے فلاں مراد ہیں۔ یہ مضمون کسی روایت میں نہیں۔ ان الفاظ کی مراد جس نے بھی بیان کی ہے۔ اس نے اپنی رائے سے بیان کی ہے۔ اس کو حدیث کی طرف منسوب کرنا یا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کہنا قطعاً کذب وافترا ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے۔ کہ لفظ انفسنا سے حضرت علیؓ کے مراد ہونے پر مفسرین اہل سنت کا اجماع بیان کرنا بھی خالص بہتان ہے۔ بلکہ تمام محققین مفسرین اس کے خلاف ہیں۔

تفسیر طبری جلد سوم صـ ۱۹۲ میں ہے۔

لا نسلم ان المراد بانفسنا الامیر بل المراد نفسه الشریفة صلی اللہ علیہ وسلم۔	ہم نہیں مانتے کہ انفسنا سے جناب امیر مراد ہیں۔ بلکہ اس سے مراد خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس مقدس ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

قیل ابناءنا ارادالحسن والحسین ونساءنا فاطمة وانفسنا عنی نفسہ وعلیا رضی اللہ عنہم والعرب تسمی ابن عم الرجل نفسہ کما قال اللہ تعالیٰ ولا تلمزوا انفسکم یریں اخوانکم وقیل ھو علی العموم لجماعة اھل الدین۔	کہا گیا ہے کہ ابناءنا سے حسنؓ وحسینؓ اور نساءنا سے حضرت فاطمہؓ اور انفسنا سے خود آپؐ کی ذات اور حضرت علیؓ مراد ہیں۔ اہل عرب اپنے چچا کے بیٹے کو نفس کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ اپنے نفسوں کو طعنے نہ دو۔ یہاں مراد نفس سے بھائی ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ الفاظ اپنے عموم پر ہیں۔ تمام جماعت اہل دین مراد ہے۔

تفسیر جلالین میں لفظوں کی مراد کچھ بیان ہی نہیں کی۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ان کے نزدیک کہ ان الفاظ کے وہی معنے مراد ہیں۔ جو لغت سے سمجھے جاتے ہیں۔

تفسیر کشاف میں ہے:۔

ندع ابناءنا وابناءکم ای یدع کل منی ومنکم ابناءہ ونساءہ ونفسہ	ندع ابناءنا وابناءکم کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے بیٹوں کو اور

الی المباھلۃ ۔	عورتوں کو اور اپنے نفس کو مباہلہ کی طرف بلائے ۔

تفسیر مدارک میں بالکل کشاف کا تتبع ہے ۔

تفسیر بیضاوی میں ہے ۔

ای یدع کل مناد منکم نفسہ واعزۃ اھلہ ۔	یعنی بلائے ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے نفس کو اور اپنے خاندان کے عزیز تر لوگوں کو ۔

پانچویں خرابی یہ ہے ۔ کہ ان الفاظ کی خاص خاص مرادیں جس شخص نے بیان کی ہیں ۔ اس کے اس خیال کی بنیاد صرف یہ ہے ۔ کہ اس نے دیکھا ۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صرف انہیں حضرات کو بلایا ۔ لہٰذا اس نے خیال کیا ۔ کہ ان سب الفاظ کا مصداق کسی نہ کسی طرح انہیں حضرات کو بنانا چاہیئے ۔ حالانکہ یہ بنیاد ہی غلط ہے ۔ ہاں اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے ۔ تو اس وقت دیکھا جاتا ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کن کن لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ۔ اگر اس وقت بھی سوا ان حضرات کے کسی کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے ۔ تو بے شک ان الفاظ کا مصداق انہیں حضرات کو ماننا ضروری ہوتا ۔ یقیناً اگر نوبت مباہلہ کی آتی ۔ تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو ضرور ہمراہ لے جاتے ۔ کیونکہ نسائنا سے کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتا ۔

تفسیر بحر محیط جلد اول صفحہ ۴۷۹ میں ہے ۔

ولو عزم نصاری نجران علی المباھلۃ وجاءوا لھا لامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین ان یخرجوا باھالیھم	اور اگر نجران کے عیسائی مباہلہ کا ارادہ کرتے ۔ اور اس کیلئے آتے ۔ تو ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو حکم دیتے کہ اپنے اپنے اہل وعیال کو لے کر مباہلہ

للمباهلة - کے لئے آئیں۔

چھٹی خرابی یہ ہے - کہ انفسنا سے حضرت علیؓ کا مراد ہونا - اور نسا ءنا سے حضرت فاطمہؓ کا اور ابناءنا سے حضرات حسنینؓ کا لغتِ عرب اور محاورہ قرآنی کے خلاف ہے۔

لفظ انفس جمع نفس کی ہے۔ نفس ہر شخص کا اس کی ذات کو کہتے ہیں نہ کسی دوسرے کو پھر لفظ جمع سے شخص واحد کو مراد لینا بھی ناجائز ہے الا مجازاً۔ محاورہ قرآنی دیکھئے۔ تو قرآن مجید میں کئی جگہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اہل مکہ اور تمام مسلمانوں کے انفس سے فرمایا۔

قولہ تعالےٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم و قولہ تعالےٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم۔ لہٰذا صرف حضرت علیؓ کو لفظ انفس سے مراد لینا اور سب کو خارج کر دینا ان آیات کے خلاف ہوگا۔ لفظ ابناءنا جمع ابن کی ہے ۔ لغت عرب میں اپنے بیٹے کو کہتے ہیں۔ نواسے کو ابن البنت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ آپ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں - ماکان محمد ابا احد من رجالکم۔ لہٰذا کسی مرد کو آپ کا بیٹا کہنا اس آیت کے خلاف ہوگا۔ احادیث میں بیشک وارد ہوا ہے - کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؓ کو بیٹا فرمایا۔ مگر یہ فرمانا بطور مجاز کے محض اظہار محبت کے لئے تھا۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

لفظ نساء جمع ہے - اس کے معنے عورتوں کے ہیں۔ جب یہ لفظ کسی شخص کی طرف مضاف ہوتا ہے - تو اس سے اس شخص کی زوجہ مراد ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ یہ لفظ مضاف ہو کر مستعمل ہوا ہے - اور وہاں بالاتفاق زوجہ مراد ہے - سورۂ احزاب میں یانساء النبی سے بلا اختلاف آپ کی ازواج مطہرات مراد ہیں - لہٰذا اس لفظ سے حضرت فاطمہؓ کو مراد لینا کسی طرح

صحیح نہیں ہو سکتا۔ کسی زبان میں کسی کی بیٹی کو اس کی عورت کہنا درست نہیں ہے۔

ف۔ مباہلہ سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بلایا۔ ازواج مطہرات کو نہ بلایا۔ اس کی حکمت ہمارے بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہو گئی۔ جو حضرات الفاظ آیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے۔ ان کو آپ نے قبل از وقت اس لیے بلایا کہ ان کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ آں حضرت ہم کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے۔ اور ان کی دل شکنی نہ ہو اور جو حضرات الفاظ آیت سے مراد تھے۔ ان کے بلانے میں آپ نے عجلت نہ فرمائی۔ بلکہ انتظار فرمایا۔ کہ نصاریٰ کی منظوری معلوم ہو جائے تو ان کو بلایا جائے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہوا۔ کہ آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے۔ ان کو کمل میں لے کر آپ نے دعا مانگی۔ اور جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد تھے۔ ان کو اس دعا میں شامل نہ کیا۔ حضرت ام سلمہ نے شامل ہونا چاہا تو آپ نے ان کو یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ انک علی خیر یعنی تم بہتر حالت میں ہو۔

ایک لطیفہ:- اس مقام میں یہ ہے۔ کہ آیت مباہلہ میں حق تعالیٰ نے ایک فریق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے متبعین کو بنایا ہے اور دوسرا فریق نجران کے عیسائیوں کو۔ اور یہ لفظ ابناء اور نساء اور انفس کے دونوں فریق کے لئے علیحدہ علیحدہ استعمال فرمائے ہیں۔ حضرات مخالفین نے اپنی ساری ذہانت وطباعی جو ان الفاظ کے معانی تصنیف کرنے میں صرف کی ہے۔ وہ صرف ایک فریق یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ آپ کے ابناء سے حضرات حسنین رض اور آپ کی نساء سے حضرت فاطمہ رض اور آپ کی انفس سے حضرت علی رض مراد ہیں۔ لیکن دوسرے فریق کے لئے ان الفاظ کے کوئی معنی حضرات مخالفین نے بیان نہیں کیئے۔ حالانکہ اگر از روئے لغت یہ معنی صحیح ہیں۔ تو دوسرے فریق کے لئے بھی یہی معنے ہونے چاہئیں۔

کیا براہ عنایت مخالفین صحابہؓ سے کوئی صاحب بتا سکتے ہیں۔ کہ عیسائیوں کے ابناء اور انفس سے اسی طرح انہیں خاص تعلقات کے لوگ مراد ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً عیسائیوں کے لئے یہ الفاظ اپنے عموم پر قائم رکھے گئے ہیں۔ اور لغوی معنی میں مستعمل ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ دوسرے فریق کے لیے ان الفاظ کے معنی میں اس قدر تکلف سے کام لیا گیا۔

ایک عقلمند شخص کے لئے اس تمام کارروائی کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے یہی ایک لطیفہ کافی ہے۔

ساتویں خرابی یہ ہے۔ کہ بفرض محال مان لیا جائے کہ انفسنا سے حضرت علیؓ مراد ہیں۔ تو بھی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت علیؓ کا نفس رسول ہونا حقیقی معنی میں تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ حضرت علیؓ کا نبی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ اور اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہوگی۔ کہ معاذاللہ معاذاللہ جناب سیدہ کا نکاح آپ کے ساتھ درست نہ ہوگا۔ لامحالہ مجازی طور پر حضرت علیؓ کو نفس رسول کہا جائے گا۔ تو اس صورت میں نہ ان کا معصوم ہونا ثابت ہوگا نہ تمام صحابہ سے افضل ہونا۔ کیونکہ مجاز میں حقیقت کے تمام اوصاف کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس مجاز کا استعمال محض چچا زاد بھائی ہونے کی وجہ سے مانا جائے گا۔ جیسا کہ تفسیر معالم سے اوپر منقول ہوا۔ کہ عرب چچا کے بیٹے کو نفس کہہ دیتے تھے اور اگر خواہ مخواہ نفس رسول ہونے سے استحقاق خلافت ثابت ہو۔ تو پھر یہ استحقاق تمام صحابہ بلکہ تمام اہل مکہ کے لئے ماننا پڑے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کے انفس سے فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر منقول ہوا۔

آیت مباہلہ کی صحیح تفسیر اور مخالفین کا غلط استدلال، اور اس استدلال میں جو خرابیاں تھیں۔ ان کا بیان ہو چکا۔

اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا۔ کہ آیت سے بغیر اخبار احاد کا ضمیمہ

لگائے ہوئے خلافتِ بلا فصل کیا معنی کوئی فضیلت بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
کی ثابت نہیں ہوتی۔ اور اخبار احاد کے ملانے کے بعد خلافت بالفصل یا
بلا فصل تو ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ جس میں اہل سنت کو کوئی نزاع نہیں۔ بلکہ
خود اہل سُنت وجماعت نے جس قدر اہتمام اس کا کیا ہے۔ شیعوں کو اس
کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہُوا نہ ہو سکتا ہے۔

ف۔ قرن اول میں حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ
عنہما کی عظمت وجلالت کا کوئی منکر نہ تھا۔ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق
تھا۔ کہ وہ دونوں افضل الاُمت ہیں۔ اور مسلمانوں کی انتہائی معراج یہ ہے
کہ ان دونوں بزرگوں کے قدم بقدم چلیں۔ حضراتِ شیخین کی اس بے نظیر
مقبولیت کا اقرار کتب شیعہ میں نہایت صفائی کے ساتھ موجود ہے۔
احقاق الحق میں، لوارق میں۔ احتجاج طبرسی میں اور ان کے علاوہ بکثرت
کتب شیعہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ آخر میں
لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے۔ ان کی مخالفت کی۔ مگر یہ مخالفت
ایک حد تک محدود ہو کر رہ گئی اور تھوڑے دنوں کے بعد زائل ہو گئی۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اتنی مقبولیت بھی حاصل نہ ہوئی۔
جتنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔ ان کی مخالفت بہت زیادہ کی گئی۔ اور
نہ صرف ان کے استحقاق خلافت میں بلکہ ان کے ایمان واسلام میں
معاذ اللہ کلام لیا گیا۔ اور یہ مخالفت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک
کہ ایک مستقل مذہب بن گئی۔ اس مذہب کے لوگوں نے نہ صرف
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلکہ ان کے ساتھ ان کے ماننے والوں کی تکفیر وتضلیل
میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ شیعوں کی کتاب نہج البلاغۃ

ہیں متعدد خطبات حضرت علی مرتضیٰ کے منقول ہیں۔ جن میں انہوں نے اپنے مخالفین کو نصیحت کی ہے۔ اور سمجھایا ہے کہ میری وجہ سے تم تمام اُمت کو کیوں گمراہ کہتے ہو۔ مسلمانوں کی کیوں تکفیر کرتے ہو۔

المختصر اہل سُنت وجماعت نے اس حالت کو دیکھ کر ضروری سمجھا کہ حضرت علیؓ کے مناقب و فضائل کی اشاعت کی جائے۔ جن احادیث میں ان کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ ان کی روایت خوب پھیلائی جائے۔ چنانچہ اس خدمت کو بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا گیا۔ حتیٰ کہ بعض اکابر علمائے اہل سُنت نے مثل امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے اسی جرم میں کہ حضرت علیؓ کی فضیلت کیوں بیان کرتے ہیں۔ نواصب کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔ لیکن اس فریضہ کو نہ چھوڑا۔

نتیجہ اس مساعی جمیلہ کا یہ ہُوا۔ کہ حضرت علیؓ کے فضائل کی احادیث کا خوب چرچا ہُوا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کے فضائل میں جس قدر احادیث مروی ہیں اس قدر کسی صحابی کے متعلق نہیں ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ بھی ہوئی۔ کہ ضعیف اور موضوع روایات بہت داخل ہو گئیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے۔ کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل تساھلنا اور کچھ اس وجہ سے کہ مخالفین کا ہاتھ بھی تھوڑے دنوں کے بعد اس میں شریک ہو گیا تھا۔ اور یہ لوگ سند کی تصنیف کرنے میں کچھ ایسے مشاق تھے کہ ان کی گھڑی ہوئی سند ان کی ڈھالی ہوئی حدیث کا اسی وقت پر لکھ لینا مشکل تھا۔ مخالفین کی بنائی ہوئی بعض بعض روایات کا جعلی اور موضوع ہونا صدیوں کے بعد ظاہر ہُوا۔

ہمارے اس بیان سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ حضرت علیؓ کے فضائل میں

روایات بکثرت ہیں۔ اور ان میں بڑا حصہ موضوع و ضعیف روایتوں کا ہے

ہمارے اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے فضائل میں روایات کی کثرت کیوں ہے۔ دوم یہ کہ ان روایات میں ضعیف اور موضوع روایتوں کا حصّہ کیوں زائد ہے۔ ان دو باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات بھی واضح ہو گئی۔ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے فضائل کی روایات سے استدلال کرنے کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ یا تو اس روایت کو کسی محدث ناقد و بصیر غیر متساہل نے صحیح کہا ہو۔ یا اس روایت کی پوری سند معلوم ہو۔ اور اس سند کے تمام راویوں کو جانچا جائے۔ اور جانچنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ وہ راوی مجروح نہیں ہیں۔

ف:۔ مباہلہ کے متعلق علمائے اسلام کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا یہ قول ہے۔ کہ مباہلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کے بعد مسلمانوں کے لئے کسی سے مباہلہ کرنا جائز نہیں۔ اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ سب مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ احتیاطاً اسی میں ہے کہ مسلمان از خود اپنی طرف سے کسی کو مباہلہ کی دعوت نہ دیں۔ لیکن جب کوئی مخالف ان کو دعوت دے۔ اور عذاب کی بھی تعیین کرے۔ مدت بھی مقرر کر دے۔ تو ایسے مباہلہ کی دعوت منظور کر لیں ؎

جس میں

سورۂ حج کی آیہ کریمہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ معروف بہ آیۃ تمکین کی تفسیر خالص قطعیات ویقینیات سے کرکے روز روشن کی طرح یہ بات دکھائی گئی ہے کہ جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کے حق میں قرآن کریم حسب ذیل شہادت دیتا ہے۔

۱- بارگاہ الٰہی میں ان کی بڑی عزت اور بڑی قدر ہے۔ (۲) ان میں سے ہر شخص امانت وخلافت کی قابلیت رکھتا ہے۔ (۳) ان میں سے جو لوگ مسند آرائے خلافت ہوئے ان کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے (۴) ان کے عہد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور مقبول ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ تعالےٰ کی لیے استحقاق بخشش ہے۔ کہ ہم کو زمرہ اہل سنت وجماعت میں منسلک فرمایا۔ اور اپنی کتاب پاک کی ہدایات وتعلیمات پر ہمارے عقائد واعمال کی بنیاد رکھی۔ اور اس کی تفسیر وتبلیغ کی ہمیں توفیق دی۔ فَلَہُ الحمد حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیّدنا محمّد واٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین ط

اما بعد۔ تفسیر آیۂ استخلاف کی تکمیل کے بعد جب کہ اہل علم نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ اور اس کو مسلمانوں کے لئے نہایت مفید قرار دیا۔ اس ناچیز کا عزم پہلے سے زیادہ قوی ہوگیا۔ اور اب خدا کی مدد پر بھروسہ کرکے ایک اور آیت کی تفسیر ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

تیسری آیت

آیۂ تمکین۔ سورۂ حج۔ چھٹا رکوع۔ سترھواں پارہ

اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ	بہ تحقیق اللہ ہٹاتا ہے۔ ایمان
اٰمَنُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ	والوں سے ضرر کافروں کا بہ تحقیق
کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ع اُذِنَ	اللہ نہیں پسند کرتا کسی دغاباز
لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ	ناشکر کو۔ اجازت دی گئی جہاد
ظُلِمُوْا ط وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی	کی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے
نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۝	ہیں بہ سبب اس کے کہ ان پر ظلم
نِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ	کیا گیا۔ اور بہ تحقیق اللہ ان کی مدد
دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ	پر یقیناً قادر ہے۔ یعنی ان لوگوں
یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَلَوْ لَا	کو اجازت جہاد کی دی گئی جو اپنے

دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُمْ	گھروں سے بغیر کسی حق کے نکالے
بِبَعْضٍ لَّہُدِّمَتْ صَوَامِعُ	گئے۔ سوا اس کے کہ وہ لوگ
وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ	کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے
یُذْکَرُ فِیْہَا اسْمُ	اور اگر دفع نہ کرتا اللہ بعض
اللّٰہِ کَثِیْرًا ط وَلَیَنْصُرَنَّ	آدمیوں کو بعض کے ذریعہ
اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ط اِنَّ	سے تو یقیناً گرادی جاتیں
اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اَلَّذِیْنَ	خانقاہیں اور یہود کے عبادت
اِنْ مَّکَّنّٰہُمْ فِی الْاَرْضِ	خانے اور گرجے اور مسجدیں
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا	جن میں لیا جاتا ہے نام اللہ کا
الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِا	بکثرت اور ضرور ضرور مدد کریگا
لْمَعْرُوْفِ وَنَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ	اللہ اس شخص کی جو مدد کرے
وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ہ	اللہ کی۔ بیشک اللہ طاقتور

اور غالب ہے۔ یہ مہاجرین وہ لوگ ہیں کہ حکومت دیں ہم ان کو زمین میں تو قائم کریں گے نماز اور دیں گے زکوٰۃ اور لوگوں کو حکم دیں گے موافق شریعت کے اور منع کریں گے خلاف شرع کام سے اور اللہ ہی کے لئے ہے انجام سب کاموں کا۔

اس آیت کی تفسیر بھی چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے

فصل اوّل ۔ میں آیت کے مطالب کی توضیح الفاظ کی تشریح سیاق وسباق سے ربط۔

فصل دوم ۔ میں آیت سے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے پر استدلال۔

فصل سوم ۔ میں فریقین کی احادیث معتبرہ جو اس آیت کی تفسیر میں لائق ذکر ہیں ۔
فصل چہارم ۔ میں آیت استخلاف کا اور اس آیت کا اشتراک و امتیاز ۔

فصل اوّل

حق تعالےٰ کو اس آیت میں دو باتیں بیان فرمانا مقصود ہیں۔ اوّل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین یعنی کفار کو ان کی تباہی و ہلاکت کی خبر سنانا ۔ دوم آپ کے متبعین خصوصاً آپ کے اصحاب مہاجرین کو اس ربانی بادشاہت کی خوشخبری دینا ۔ جس کی پیشین گوئی توریت مقدس کے وقت سے تمام آسمانی کتابوں میں برابر ہوتی رہی ۔
اس آیت میں انذار و تبشیر دونوں جمع ہیں ۔ اور ضمن میں جو دوسرے مطالب استطراداً آ گئے ہیں ۔ وہ بہت زیادہ ہیں ۔
ان اللہ یدافع الآیہ ۔ ایک زبردست قانون فطرت یا خدا کی لاتبدیل سُنت کا بیان ہے ۔ کہ جب کفار ایمان والوں پر ظلم کرتے ہیں ۔ تو خدا ان کو ہلاک و فنا کر دیتا ہے ۔ اور اس ہلاکت و فنا کے دو سبب ہوتے ہیں ۔ ایمان والوں کی حفاظت کافروں کے حرکات کی ناپسندیدگی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ کافروں کی ہلاکت اور اہل ایمان کے غلبہ کا ظاہری سبب بیان ہو رہا ہے ۔ کیونکہ یہ دُنیا عالمِ اسباب ہے ۔ یہاں جو کچھ خدا کرتا ہے ۔ سبب و مسبب کے پردہ میں کرتا ہے ۔ اس لئے ظاہری سبب کو بھی ارشاد فرمایا ۔ کہ ایمان والوں کو ہم جہاد کی اجازت دیتے ہیں ۔ اور صرف اجازت نہیں ۔ بلکہ مدد کا وعدہ بھی بڑے بلیغ پیرایہ میں فرمایا یعنی صاف

صاف یہ نہ فرمایا کہ ہم ان کی مدد کریں گے۔ بلکہ یوں فرمایا۔ کہ ہم ان کے مدد کرنے پر قادر ہیں۔ والکنایۃ ابلغ من الصریح ۔

اجازت جہاد کی سب سے پہلی آیت یہی ہے۔ اس سے پہلے حکم تھا کہ کفار کے مظالم برداشت کرو۔ اور ان پر ہاتھ نہ چلاؤ۔ کفوا ایدیکم و اقیموا الصلوٰۃ۔

الذین اخرجوا ۔ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ اپنے محبوب کا ذکر جب آجاتا ہے۔ تو اس کو مختصر کرنا یا بغیر اندرونی جذبات کے اظہار کے اس کو چھوڑ دینا کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کا بالخصوص ان کی مظلومیت کا تذکرہ جو آگیا۔ تو حق تعالےٰ نے ان کے رتبہ عالی کے اظہار کے بغیر ان کا ذکر گوارا نہ کیا۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو محض میرے نام لینے کے جرم میں اپنے گھروں سے نکالے گئے چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ عزت و رفعت کسی بندے کی کیا ہوگی کہ خود مالک اس کی جاں نثاری اس کے حسن خدمات کا اس طرح ذکر فرمائے۔ کسی عاشق کسی محب صادق کی اقبال مندی کی انتہائی معراج ہے۔ کہ معشوق ومحبوب اس بات کا اعتراف کرے کہ اس شخص پر جو مصیبت آئی وہ میرے لیئے آئی۔ محبوب کے اس اعتراف میں کیا لذت محب کو ملتی ہے۔ اس کو اس کا دل ہی جانتا ہے۔ مگر یہ دولت آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت میرزا صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک وخون تپم وگوئی از برائے من است

قسمت اور اقبال ہے۔ حضرات صحابہ مہاجرین کا کہ بغیر مانگے یہ دولت ان کو ملتی ہے۔ ان کا محبوب حقیقی جل شانہٗ فرماتا ہے۔ کہ اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ۔ یہ مضمون ان حضرات

کے لئے قرآن مجید میں جابجا بہ کثرت وارد ہوا ہے ۔ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔ واوذوا فی سبیلی - یعنی یہ لوگ میری راہ میں ستائے گئے وغیرہ وغیرہ ۔

ولولا دفع اللہ الناس اجازت جہاد کا سبب بیان فرمایا جاتا ہے ۔ آج کل مسئلہ جہاد پر جو اعتراض ہو رہا ہے ۔ اس کا جواب اپنے علم ازلی سے پہلے ہی عطا فرمایا۔ دو سبب اجازت کے بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ مہاجرین پر ان کافروں نے ظلم کئے ۔ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا دوم یہ کہ اگر خدا اجازت جہاد کی نہ دے ۔ تو کفار کے ظلم وستم کی کوئی حد نہ رہے ۔ نوبت یہاں تک پہنچے ۔ کہ تمام مذاہب کے عبادت خانے منہدم کر دیئے جائیں ۔ اور خدا پرستی کا دروازہ بالکل بند ہو جائے ۔

جہاد کی دو صورتیں ہیں دفعاً اور ابتداءً ۔ دونوں کی حکمت دونوں کے اسباب کو اس مقام میں بیان فرما دیا ۔ جیسا کہ مسائل جہاد کے جاننے والوں سے مخفی نہیں ۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ ایک عجیب راز قانون قدرت کا بیان فرمایا ہے ۔ جس کے جان لینے سے بہت سے نکتے حل ہو جاتے ہیں۔ اوپر جو وعدہ ایمان والوں کی مدد کا فرمایا ۔ اب اس وعدہ کی شرط کا بیان ہے ۔ کہ خدا کی طرف سے جو مدد کا فرمایا اہل دین کے لئے نازل ہوتی ہے اس مدد کے ظہور کا آلہ ہر شخص نہیں بن سکتا ۔ خدا کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا آلہ وہی شخص بنایا جاتا ہے جو دین الٰہی کی خدمت کے لئے دل وجان سے مستعد ہوتا ہے ۔ اور اللہ کی نصرت وحمایت کا داعیہ اس کے دل میں موجیں مارتا ہے ۔ ایسا ایک شخص بھی ہوتا ہے۔ تو اس کے طفیل میں ساری جماعت خدا کے انعام سے فیض یاب ہوتی ہے۔ الذین ان مکنٰھم انہیں اصحابؓ مہاجرین کی رفعت وعزت کا بیان

ایک دوسرے طرز پر فرمایا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین کی حکومت عطا فرمائیں۔ تو بھی یہ ہم کو نہ بھولیں گے۔ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔

غور سے دیکھو تو بہت بڑی صفت بیان فرمائی گئی۔ جس کو کمال پختگی اور انتہائے رسوخ کا آخری درجہ کہنا چاہیئے۔ دولت و ثروت خصوصاً سلطنت و بادشاہت ایک عجیب چیز ہے۔ اس نشہ میں مست ہو کر لوگوں نے بڑی بڑی بغاوتیں کی ہیں۔ فرعون کا دعوئ خدائی اسی مستی کا نتیجہ تھا کسی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ ع

گر بدولت برسی مست نگردی مردی

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ظاہر کر دیا کہ وہ اور تھے جو اس نشہ میں مدہوش ہو گئے۔ ہمارے نبیؐ کے اصحابؓ مہاجرین ایسے نہیں ہیں۔ فرعون کی سلطنت سے دس گنی بھی ان کو مل جائے۔ تو وہ مدہوش نہ ہوں۔

چڑھائیں خم کے خم اور رہوں نہ مدہوش
کریں خم خانے خالی اور نہ ہوں جوش

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ کاملہ کی بات ہے۔ کہ جو رنگ اپنے اپنے شاگردوں پر چڑھا دیا۔ دنیا کا کوئی تیزاب اس رنگ کو ہلکا بھی نہ کر سکا۔ زائل کر دینا تو کیا معنی۔ خدا کا عشق، خدا کی عبادت کی محبت آپ نے اس طرح کوٹ کوٹ کر ان کے سینوں میں بھر دی کہ بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہتوں کے مالک بن کر بھی خدا کی عبادت خدا کے ذکر میں ان کی مشغولیت ویسی ہی رہی جیسی ایک گدائے گوشہ نشین سے توقع کی جا سکتی ہے۔ سچ ہے ؎

دلے کز دلبرے آرام گیرد — بہ فکرِ دیگرے کے کام گیرد
الٰہی صد دستہ ریحاں پیشِ بلبل — نخواہد خاطرش جز نکہتِ گل
خوش آں دل کاندرو منزل کند عشق — ز کارِ عالمش غافل کند عشق

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ یہ مہاجرین اپنے تمکین کے زمانہ میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور امر معروف و نہی منکر کریں گے اس بات کا اطمینان دلایا۔ کہ حضرات مہاجرینؓ میں سے جو خلیفہ مقرر ہوگا۔ زمانہ خلافت میں اس سے کوئی کام خلافِ شریعت صادر نہ ہوگا۔ اس کے تمام احکام مطابق شریعت ہوں گے۔ مخالفین صحابہ کرامؓ اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ مگر عصمت کا ثبوت کرنا ان کے اوّلین و آخرین کے امکان سے باہر ہے۔ البتہ اس آیت سے حضراتِ مہاجرین کے لئے یہ بات ثابت ہوگئی۔ کہ ان میں سے جو شخص مسند آرائے خلافت ہوگا خلافت میں ایک نمونہ عصمت جو مہاجرین کے لئے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ مخالفین صحابہ کرامؓ کی مزعومی معصومین کی کروڑوں عصمتیں اس پر قربان ہیں۔

مکنٰھم کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ مہاجرین کے ہر فرد کو تمکین ملے کیونکہ تفسیر آیۂ استخلاف میں ہم اس کو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں۔ کہ بعض نعمتیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ ہر فرد کو مل ہی نہیں سکتیں۔ جیسے سلطنت بادشاہت وغیرہ۔ ایسی نعمتیں جب کسی جماعت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو مراد پوری جماعت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس جماعت کا کوئی خاص شخص مراد ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ فائدہ اس نعمت کا اس پوری جماعت کو حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ نعمت پوری جماعت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

قولہ تعالیٰ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔ حالانکہ ساری قوم بنی اسرائیل امام نہیں بنائی گئی۔ بلکہ یکے بعد دیگرے چند اشخاص ان میں سے امام بنائے گئے۔ وللہ عاقبۃ الامور حضرات مہاجرین کے آئندہ حالات کی شہادت دینے کے بعد اس شہادت کو قوی کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ سب کاموں کا انجام ہمارے لیے ہے۔ یعنی ہمارے اختیار میں ہے ہم جس

کو جیسا چاہتے ہیں بناتے ہیں۔ یا ہمارے علم میں ہے۔ ہم کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کا بھی علم کامل حاصل ہے۔ اس آیت تمکین کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اے نبیؐ اگر یہ کافر آپ کی بات پر اعتبار نہ کریں۔ آپ کی تکذیب کریں۔ یعنی ہلاکت و فنا کی جو خبر ان کو سنائی گئی اس پر یقین نہ کریں۔ تو کچھ پروا نہیں۔ آپ سے پہلے اور رسولوں کی بھی تکذیب ہو چکی ہے۔ اور ہم اس تکذیب کی سزا میں بہت سی قومیں برباد کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں اگلی امتوں کے کئی قصے بیان فرمائے ہیں۔

تمام دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ جن لوگوں نے اس خبر الٰہی کی تصدیق نہ کی۔ وہ کس طرح غارت ہوئے۔ صفحہ ہستی سے اس طرح مٹے کہ نام ونشان بھی ان کا باقی نہ رہا۔ اور رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کو وہ تمکنت وحشمت ملی کہ کبھی چشم فلک نے نہ دیکھی تھی۔ کافروں نے تو اس خبر کی تکذیب اس وقت کی تھی جب وہ محض پیش گوئی کی شکل میں تھی۔ ان کفار سے بھی زیادہ عبرت انگیز اور تعجب خیز حال ان لوگوں کا ہے۔ جو ان تمام واقعات کے واقع ہونے کے بعد بھی اس خبر الٰہی کی تکذیب پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔ ان سے اور تو کچھ ہو نہیں سکا۔ تو قرآن شریف کو محرف کہہ کر یا خدا کے لئے بدا تجویز کر کے یا کسی قسم کی تحریف معنوی کر کے اس پیش گوئی کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔ و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

فصل دوم

اس آیت تمکین کی دلالت حضرات خلفائے ثلثہ کی حقیقت پر ایسی واضح ہے۔ کہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ تاہم انضباط بیان کے لیے اس

قدر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ آیت کا استدلال صرف دو باتوں پر موقوف ہے۔
اوّل - یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہم مہاجرین میں سے تھے۔
دوم - یہ کہ ان تینوں بزرگوں کو تمکین فی الارض یعنی زمین کی حکومت ملی۔ یہ دونوں باتیں ایسی بدیہی ہیں کہ نہ آج تک کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے۔ اور جب یہ دونوں باتیں قطعی اور مسلم الکل ہیں تو تیسری بات خود بخود آیت سے ثابت ہوگی کہ ان تینوں بزرگوں نے اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور امر معروف اور نہی منکر کا فریضہ ادا کیا۔ اور ایسا عمدہ ادا کیا کہ کتاب اللہ میں قابل ذکر قرار پایا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ خدا کا کلام غلط ہوجائے۔ خدا نے جس شرط کے ساتھ ان صفات کو مشروط کیا تھا۔ وہ شرط تو پائی گئی۔ مگر وہ صفات نہ پائی گئیں۔ معاذ اللہ من ذٰلک ان تینوں باتوں سے صاف نتیجہ نکل آیا کہ یہ تینوں بزرگوار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق تھے۔ کیونکہ خلافت پیغمبر اس بادشاہت یا ریاستِ عامہ کا نام ہے جو بہ نیابت پیغمبر اقامتِ دین و تنفیذ احکام شریعت کے لئے ہے۔ اگر کوئی مخالف صحابہ کرام صاحب کہیں۔ کہ حضرت علیؓ بھی مہاجرین میں سے تھے۔ اور ان کو بھی تمکین فی الارض حاصل ہوئی اور انہوں نے فرائض مذکورہ کو بھی ادا کیا۔ آیت کے صادق ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت کی صداقت صرف ایک شخص سے نہیں ہوسکتی۔ بلکہ مہاجرین میں سے جس قدر لوگوں کو تمکین ملی ہو جب تک ان سب میں یہ صفات نہ پائی جائیں آیت کی صداقت ناممکن ہے۔ بدیہی بات یہ ہے کہ اگر کسی کلام میں کوئی چیز کسی شرط کے ساتھ مشروط کی گئی ہو۔ تو اس کلام کے صادق ہونے کی بھی صورت یہ ہے کہ اگر وہ شرط سو مرتبہ پائی جائے تو وہ چیز بھی سو مرتبہ پائی جانا چاہیئے۔ اگر ایک مرتبہ بھی درصورت پائے جانے شرط کے وہ چیز نہ پائی جائے۔ تو وہ کلام صادق نہیں کہا جا سکتا۔

ایک نفیس تحقیق

اگرچہ بہ ظاہر نظر آیت میں بطور شرط و جزاء کے فرمایا ہے۔ کہ ان مہاجرین کو ہم تمکین فی الارض عطا فرمائیں۔ تو فلاں فلاں خدمات ان سے سرانجام پائیں گی۔ تمکین کا وعدہ صراحتہً مذکور نہیں۔ لیکن غائر نظر سے دیکھنے کے بعد صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ درحقیقت تمکین کا وعدہ ہے اور تمکین کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اوپر فرمایا ان اللہ یدافع یعنی اللہ تعالیٰ کی عادت و سنت ہے۔ کہ کفار کے شر کو مومنین سے دفع کرتا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین کو امیدوار بناتا ہے۔ کہ تمہارے زمانہ کے کفار کے شر کو تم سے بھی دفع فرمائے گا اور اس دفع کرنے کی صورت یہی ہے۔ کہ مومنین کو غلبہ و تمکین عطا فرمایا جائے۔ بس اسی طرح امیدوار بنا کر بطور شرط و جزاء کے بھی ان کے لئے تمکین و غلبہ کا ذکر فرمانا حقیقتہً ان کی امیدواری کو موکد اور قوی کرنا ہے اور یقیناً صاف و صریح وعدہ کر لینے کے برابر بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہے لہٰذا اب آیت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ مہاجرین کو تمکین فی الارض دی جائے گی۔ اور وہ لوگ زمانہ تمکین میں ایسے ایسے عمدہ کام کریں گے۔

پس اب ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ مہاجرین میں سے کن کن حضرات کو تمکین ملی۔ جس وقت یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں فلاں اشخاص کو تمکین ملی۔ اس وقت ہمیں بحکم قرآنی یہ ماننا پڑے گا۔ کہ ان لوگوں سے زمانہ تمکین میں اعمالِ صالحہ مذکورہ صادر ہوئے۔ اور یہی مفہوم خلافت راشدہ کا ہے۔

ظاہر ہے کہ جماعتِ مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے۔ کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں۔ اور زمانہ

خلافت میں جو کام انہوں نے کئے۔ ان کاموں کے پسندیدۂ خدا ہونے کا یقین رکھیں۔
اس آیت کے استدلال کی تقریر تمام ہو چکی۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ خداوند
کریم نے اس آیت میں بظاہر نظر تو مہاجرین میں خلافت و امامت کی قابلیت
و لیاقت بیان فرمائی ہے۔ مگر درحقیقت ان کو خلیفہ بنانے کا وعدہ اور ان کی
خلافت کی پیشین گوئی کی ہے۔ درحقیقت عقل متحیر ہوتی ہے کہ ایسی صاف
وصریح آیت کے ہوتے ہوئے کوئی کلمہ گو کس طرح حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ
عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کا انکار کر سکتا ہے۔ اس وقت تین راستہ ہیں۔ ایک
یہ کہ ان حضرات کے مہاجر ہونے کا انکار کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان کی تمکین
فی الارض سے انکار کیا جائے۔ تیسرے یہ کہ آیت قرآنی کی تکذیب کی جائے
سوا ان تینوں راستوں کے کوئی چوتھا راستہ عقل تجویز نہیں کرتی۔ پہلی دونوں
باتوں کا انکار ان واقعات متواترہ کا انکار ہے جن کا انکار کسی صحیح الدماغ انسان
سے ممکن نہیں۔ اور یہ انکار بالکل ایسا ہوگا جیسے کوئی شخص کہہ دے کہ
حضرت فاطمہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی نہ تھیں۔ تینوں
خلیفہ کا ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آنا ان تینوں کو یکے بعد دیگرے حکومت و
تمکین فی الارض کا ملنا بلاشبہ اسی طرح متواتر ہے جس طرح وجود مکہ و بغداد
متواتر ہے۔ پس اب سوا تکذیب قرآن کے منکروں کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔
اگر حضرات مخالفین صحابہ کرام کہیں کہ ان تینوں خلیفہ میں شرائط ہجرت کے
نہیں پائے جاتے تھے۔ معاذ اللہ وہ مومن نہ تھے۔ اس لئے ان کا شمار مہاجرین
میں نہیں تو قطع نظر اس سے کہ بار ثبوت ان پر ہے ان آیات کا کیا جواب ہوگا جن
میں اس زمانہ کے منافقین و مرتدین کے لئے دنیاوی سزا کا اور ان کی علامات
کا بیان ہے۔ نہ وہ سزا ان حضرات کے لئے وقوع میں آئی نہ ان علامات میں
سے کوئی علامت ان میں پائی گئی۔ دیکھو روئداد مباحثہ نگینہ بال۔ کہ اس میں
چالیس دلائل ان حضرات کے مومن کامل ہونے کے بیان میں دیئے گئے ہیں۔

اور اب تک کوئی جواب اس کا نہیں ہو سکا۔

فصل سوم

اب ہم چند روایات صحیحہ فریقین کی درج کرتے ہیں۔ جن سے اس آیت کے مقصود یعنی حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی کامل توضیح ہوتی ہے۔

روایات اہل سنت

(۱) اخرج البیہقی و ابو نعیم عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سیکون فیکم اثنا عشر خلیفۃ ابوبکر الصدیق لا یلبث خلفی الا قلیلا وصاحب رحی العرب یعیش حمیدا ویموت شہیدا قال رجل ومن ھو یا رسول اللہ قال عمر ابن الخطاب ثم التفت الی عثمان بن عفان فقال وانت یسألك	امام بیہقی اور حافظ ابو نعیم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ ابوبکر صدیقؓ تو میرے بعد تھوڑے دن رہیں گے اور وہ عرب کی چکی چلانے والا اچھی زندگی پائیگا اور شہید ہو کر مریگا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عرب کی چکی چلانے والا کون شخص ہے آپ نے فرمایا عمر بن خطاب پھر آپ عثمان بن عفانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم

الناس أن تخلع قميصًا لبسانه الله والذی بعثنی بالحق لئن خلعته لا تدخل الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط ط

سے لوگ درخواست کریں گے کہ ایک قمیص جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے اتار دو۔ لیکن قسم اسکی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا کہ اگر تم اس کو اتار دو گے تو جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل جائے۔

ف۔ حضرت عثمان رض سے جو قمیص کے اتارنے کو آپ نے منع کیا۔ مراد اس سے قمیص خلافت ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عثمان رض کو جب باغیوں نے گھیرا اور چاہا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ تو آپ نے منظور نہ کیا۔ اور شہید ہو گئے۔

حضرت عمر رض کو عرب کی چکی چلانے والا فرمایا۔ چکی کی آواز میں ایک شور سا ہوتا ہے۔ دور دور تک لوگ سنتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر رض کے عہد خلافت میں عرب کا شور و غلغلہ تمام دنیا میں بلند ہوا۔ اور ان کی حکومت اطراف عالم میں پھیل گئی۔ کتب شیعہ میں بھی حضرت علی مرتضیٰ رض کی زبان سے حضرت عمر رض کی شان میں یہی کلمہ منقول ہے۔ اور غالباً وہ اسی حدیث سے ماخوذ ہو۔ نہج البلاغۃ قسم اول صـ۲۸۲ میں ہے۔ کہ حضرت علی نے بوقت مشورہ غزوہ فارس فرمایا۔ فکن قطبًا واستدر الرحی من العرب۔ یعنی اے امیر المومنین اے فاروق اعظم رض آپ خود میدان جنگ میں نہ جائیے۔ بلکہ آپ چکی کی کیلی بن جائیے۔ اور عرب سے بیٹھے بٹھائے چکی چلا دیجئے۔

(۲) عن علی ما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا حتی عهد الی ان ابا بکر یلی الامر بعدہ

حضرت علی رض سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دے گئے

ثم عمر ثم عثمان ثم الی فلا یجتمع علی ریاض النظرہ ۔ غنیۃ الطالبین ۔

کہ ابوبکرؓ آپ کے بعد والی حکومت ہوں گے۔ ان کے بعد عمرؓ ان کے بعد عثمانؓ ان کے بعد میں۔ مگر میری خلافت پر سب کا اتفاق نہ ہوگا ۔ ریاض النظرہ ۔ غنیۃ الطالبین ۔

ف :۔ اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت علیؓ کی خلافت سے مسلمانوں کی ایک جماعت مخالف رہی اہل شام سے ان سے جنگ کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

(۳) عن عائشۃ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال قبیل عرضہ لقد هممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنہ فاعهد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المومنون او یدفع اللہ ویابی المؤمنون ۔ اخرجہ البخاری ومسلم معناہ وفیہ یابی باللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے فرمایا۔ کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ کو اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد نامہ لکھ دوں تاکہ کہنے والے نہ کہیں اور تمنا کرنیوالے تمنا نہ کریں پھر میں نے دل میں کہا کہ اللہ انکار کریگا اور ایمان والے دفع کر دیں گے یا فرمایا کہ اللہ دفع کر دیگا اور ایمان والے انکار کریں گے۔ یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے۔ اور مسلم میں اتنی لفظ اور ہے کہ اللہ اور ایمان والے سوا ابوبکرؓ کے اور کسی کو منظور نہ کریں ۔

ف ۔ یہ حدیث حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بہت واضح دلالت کرتی ہے۔
مولوی حامد حسین صاحب نے استقصاء الافحام میں حدیث پر یہ جرح کی ہے۔
کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو علمائے اہل سنت خلافت صدیقی کے منصوص
ہونے سے کیوں انکار کرتے ۔ حالانکہ علمائے اہل سنت جس نص کا انکار کرتے ہیں
وہ اور چیز ہے ۔ چنانچہ ہم تفسیر آیۂ استخلاف میں اس کو بیان کر چکے ہیں ۔

(۴) اخرج الحاکم عن سفینة قال لما بنی النبی صلی اللہ علیه وسلم المسجد وضع حجرا ثم قال لیضع عمر حجرا الی جنب حجر ابی بکر ثم قال لیضع عثمان حجرا الی جنب حجر عمر ثم قال ھؤلاء الخلفاء بعدی.	حاکم نے سفینہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی (بنیاد میں) ایک پتھر آپ نے رکھا۔ پھر فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر میرے پتھر کے پہلو میں رکھیں، پھر فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک پتھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے بازو میں رکھیں ۔ پھر فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک پتھر عمر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں ۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہوں گے ۔

ف :۔ رسالہ اصلاح کے ایک نامہ نگار نے اس حدیث پر بڑا تمسخر کیا ہے۔
کہ خلافت کا فیصلہ اینٹ پتھر سے کیا گیا ۔ لیکن یہ ان کی خوش فہمی ہے پتھر سے
فیصلہ نہیں ہوا ۔ بلکہ فیصلہ تو ارشاد رسول سے ہوا ۔ البتہ پتھر سے فیصلہ امامت
کا خود مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں ہوا ہے ۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے۔
کہ جب محمد بن حنفیہ فرزند علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے امامت کا دعویٰ کیا اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ
سے بحث کی تو امام زین العابدین کسی عقلی نقلی دلیل سے ان کو قائل نہ کر
سکے ۔ تو آخر حجر اسود سے اس کا فیصلہ کرایا ۔ اینٹ پتھر سے فیصلہ یہ ہے نہ وہ۔

(۵) اخرج البزاز و	بزاز اور طبرانی نے اپنی کتاب
الطبرانی فی الاوسط	اوسط میں اور بیہقی نے حضرت
والبیهقی عن ابی ذر قال	ابوذر سے روایت کی ہے وہ
کان النبیؐ صلی اللہ علیہ	کہتے تھے ایک روز نبی صلی اللہ
وسلم جالسا وحدہ	علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے
فجئت حتی جلست	کہ میں گیا اور آپ کے پاس
الیہ فجاء ابوبکر فسلم	بیٹھ گیا اس کے بعد حضرت
ثم جاء عمر فسلم	ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے سلام
ثم جاء عثمان وبین	کیا۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور
یدی رسول اللہ صلی	انہوں نے سلام کیا اس کے
اللہ علیہ وسلم سبع	بعد حضرت عثمانؓ آئے۔ اور
حصیات فاخذھن	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے
فوضعھن فی کفہ فسبحن	سامنے سات کنکریاں تھیں۔
حتی سمعت لھن حنینا	پھر آپ نے ان کو اٹھایا اور
کحنین النحل ثم وضعھن	اپنی ہتھیلی میں رکھا تو وہ کنکریاں
فخرسن ثم اخذھن	تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک
فوضعھن فی ید ابی بکر	میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی
فسبحن حتی سمعت	کی سی سنی۔ پھر آپؐ نے وہ
لھن حنینا کحنین النحل	کنکریاں زمین پر رکھ دیں۔ تو
ثم وضعھن فخرسن ثم	وہ خاموش ہوگئیں پھر آپ نے
تناولھن فوضعھن فی	وہ کنکریاں زمین سے اٹھا کر
ید عمر فسبحن حتی	ابوبکرؓ کے ہاتھ میں رکھیں تو ان
سمعت لھنّ حنینا	کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے

کحنین النحل ثم و ضعهن فی ید عثمان فسبحن حتی سمعت لهن حنینا کحنین النحل ثم وضعهن فخرسن فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هذه خلافة نبوة و زاد ابن عساکر ثم صیرهن و في ایدینا رجلا فما سبحت حصاة منهن۔

لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے اٹھا کر عمرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے ان کو اٹھا کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا۔ تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خلافت نبوت کی ہے اور ابن عساکر نے اس قدر اور زیادہ روایت کیا ہے کہ آپ نے فرداً فرداً ہم لوگوں کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھا مگر ایک کنکری نے بھی ہمارے ہاتھوں تسبیح نہ پڑھی۔

روایات مخالفین صحابہ کرام

یوں تو کتب مخالفین صحابہ کرام میں بکثرت روایات موجود ہیں۔ مگر اس وقت ان کی ایک طولانی حدیث پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جو ان کی سب سے بڑی

معتبر کتاب کافی میں ہے۔

فروعِ کافی جلد اول کتاب الجہاد صفحہ ۶۰۹ سے لے کر صفحہ ۶۱۳ تک اس حدیث کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ بڑی لمبی حدیث ہے۔ جو کئی صفحوں پر آئی ہے۔ کوئی بات فضائل و مناقب کی ایسی نہیں ہے۔ جو اس حدیث میں صحابہ کرام کے لئے ثابت نہ کی گئی ہو۔ اور کوئی عیب ایسا نہیں ہے جس سے صحابہ کا پاک دامن ہونا نہ بیان کیا گیا ہو۔ اور آیت تمکین کی تو خاص تفسیر اس میں ہے۔ اور اس کا مصداق بڑی تصریح کے ساتھ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہ دین کی تائید مخالفین صحابہ کرام کی کتابوں سے کراتا ہے۔

پوری تجویز مع ترجمہ النجم کے مناظرہ حصہ سوم میں ہم درج کر چکے ہیں۔ سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے تشئید المبانی میں جو رکیک تاویلات اس حدیث کی کی ہیں ان کا جواب بھی دے چکے ہیں لہذا اس وقت اس کے خلاصہ مضمون اور بعض ضروری فقرات کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ان سے ابو عمرو زبیری نے پوچھا کہ اللہ کی طرف بلانا اور راہِ خدا میں جہاد کرنا ہر مسلمان کے لئے جائز ہے یا کسی مخصوص جماعت کے لئے یہ کام مخصوص ہے۔ اس سوال کے جواب میں یہ طویل حدیث ارشاد فرمائی۔ جس کا ماحصل حسب ذیل ہے۔

(۱) دین اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا اور فی سبیل اللہ جہاد کرنا انہیں لوگوں کے لئے جائز ہے۔ جو مظلوم ہوں۔ اور کوئی شخص مظلوم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مومن نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان دس صفتوں کے ساتھ موصوف نہ ہو۔

غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا ہو۔ اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو کافروں پر سخت اور مسلمانوں پر مہربان ہو۔ اللہ کی رضامندی کا طالب ہو۔

قتل ناحق کا مرتکب نہ ہو۔ زناکار نہ ہو۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہو۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو۔ روزہ اور نماز کا خوب پابند ہو۔ عبادت الٰہی میں خشوع و خضوع کی کیفیت اس کو حاصل ہو۔

(۲) جس شخص میں دس اوصاف مذکورہ بالا پائے جائیں وہ مومن ہے اور مظلوم ہے۔ اور اس کے لئے آیہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت مذکور ہے۔

(۳) اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں۔ جہاد کر سکتے ہیں۔

(۴) یہ آیت دراصل مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ جب کہ کفارِ مکہ نے ان پر مظالم کیے۔ اور ان کو ان کے گھروں اور جائدادوں سے نکالا۔

(۵) مہاجرین نے اسی آیت کی رو سے بحکم خدا مکہ میں جہاد کیا اور آیت کی رو سے بحکم خدا انہوں نے کسریٰ و قیصر یعنی شاہِ ایران و شاہِ روم سے جہاد کیا۔

(۶) یہ آیت گو مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ مگر جو شخص ان دس اوصاف کے ساتھ موصوف ہو۔ جو اللہ نے اصحابِ نبی کے بیان فرمائے ہیں اس کو بھی یہ آیت شامل ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اصحابِ نبی کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ ہم نے ان کی ناپاکی دور کر دی۔ اور ان کو خوب پاک کر دیا۔ اور ان کے یہ اوصاف بیان فرمائے۔ کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور اپنے آپس میں مہربان ہیں۔ رکوع اور سجدہ میں رہتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی طلب کیا کرتے ہیں۔ یہ حالت ان کی توریت و انجیل میں مذکور ہے۔ نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ نبی کو اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے ہر چہار طرف محیط ہو گی۔ اور نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ یقیناً وہ مومن کامیاب ہیں۔ جو نماز میں خشوع

کرتے ہیں۔ اور لغو باتوں سے درگذر کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اور قتل ناحق نہیں کرتے۔ اور زنا نہیں کرتے پھر خدا نے یہ بھی ان کے حق میں فرمایا۔ کہ ہم نے ان کا جان و مال بعوض جنت کے مول لیا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اپنے عہد کو پورا کر چکے پس جو شخص اصحابؓ نبی کے ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو وہ خدا کی طرف سے جہاد کا مجاز ہے۔

(۸) جس شخص میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں اس کو چاہیئے کہ ان اوصاف کے حاصل کرنے کے بعد جہاد کا ارادہ کرے۔

(۹) جو شخص ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے وہ اس حدیث کا مصداق ہے: کہ کبھی اللہ ان لوگوں سے اپنے دین کی مدد کرا دیتا ہے۔ جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) ان سب باتوں کے بیان کرنے کے بعد آخر حدیث میں امام جعفر صادقؑ نے یہ بھی فرمادیا۔ کہ دیکھو ہم تمام باتیں بیان کر چکے ہیں۔ پس اب ہر شخص کو چاہیئے کہ جھوٹی حدیثوں کے افترا کرنے سے ڈرے۔ جن کی قرآن تکذیب کرتا ہے۔ اور جن سے اور جن کے راویوں سے قرآن بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اصحابؓ نبی کے مناقب ہم بحوالہ آیاتِ قرآنی تم پر ظاہر کر چکے۔ اب تم لوگ صحابہ کی مذمت کی حدیثیں جو گھڑا کرتے ہو ان سے باز آؤ۔ وہ حدیثیں قرآن کی مخالف ہیں۔ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ ایک فقرہ اس طولانی حدیث کا یہ ہے:

ولکن لما [illegible] من ظلموا	ولیکن جب خبر دی پروردگار نے کہ
من [illegible] اهل	ظلم ہوئے اہل مکہ نے ان پر ظلم
[illegible] من دیارهم	کیا کہ ان کو ان کے گھروں سے
و [illegible] فقالوا [illegible]	اور ان کے مالوں سے نکالا۔

باذن الله لهم فی ذلك
وظلمهم كسرى وقيصر و
من كان دونهم من
قبائل العرب والعجم
بما كان فی ايديهم فبما
كان المؤمنون احق به
منهم فقد قاتلوهم
باذن الله عزوجل لهم
فی ذلك وبحجة هذه
الاية يقاتل المؤمنون
كل زمان وانما اذن الله
عزوجل للمؤمنين الذين
قاموا بما وصف الله
عزوجل من الشرائط
التی شرطها الله على
المؤمنين فی الايمان
والجهاد ومن كان قائما
بتلك الشرائط فهو مؤمن
وهو مظلوم وماذون له
فی الجهاد وبذلك
المعنی۔

پس انہوں نے اللہ تعالےٰ کی
اجازت سے اہل مکہ سے جہاد
کیا۔ اور کسریٰ و قیصر اور نیز
اور قبائل عرب و عجم نے بھی مہاجرین
پر ظلم کیا۔ کیونکہ جس قدر اموال
ان کے قبضہ میں تھے۔ ان کے حق
دار مسلمان تھے نہ وہ پس انہوں
نے اللہ عزوجل کی اجازت سے
کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا اور
اسی آیت کی دلیل سے ہر زمانہ
کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں۔
اللہ عزوجل نے انہیں مومنوں کو
اس آیت میں اجازت جہاد کی
دی ہے۔ جو اللہ کے بیان کئے
ہوئے شرائط پر قائم ہوں۔ جو
اللہ نے مومن اور مجاہد ہونے کے
لئے بیان کئے ہیں۔ جو شخص ان
شرائط پر قائم ہو وہی مومن ہے۔
وہی مظلوم ہے۔ اور اسی کو جہاد
کی اجازت ہے۔

سلطان العلماء مولوی سید محمد مجتہد تشئید المبانی میں لکھتے ہیں۔ کہ "نہایت
آنچہ ازیں حدیث مستفاد مے شود۔ ایں است کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسریٰ

وقیصر بودند وحقیقت خلافت خلفاء ازاں اسلام مستفاد نمے شود"۔ یعنی اس حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مہاجرین کو جو جہاد کسریٰ وقیصر کی اجازت تھی۔ ان کی خلافت کا برحق ہونا اس سے نہیں نکلتا۔

اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں۔ کہ اس جواب کو حدیث سے کیا تعلق ہے۔ اور آیا یہ جواب کسی ذی ہوش کے قلم سے نکل سکتا ہے۔ حدیث میں صاف تصریح ہے۔ کہ کوئی شخص جہاد کے لئے ماذون نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ مومن کامل صالح الاعمال نہ ہو۔

سلطان العلماء نے ایک جواب یہ بھی دیا ہے۔ کہ خلیفہ ثانی بلکہ تینوں خلیفہ چونکہ جناب امیر سے مشورہ لے کر کام کرتے تھے۔ اس سبب سے ان کو جہاد کی اجازت مل گئی تھی۔ یہ جواب بھی مضمون حدیث سے کچھ ربط نہیں رکھتا۔ حدیث میں تو صاف صاف یہ بیان ہے۔ کہ جب تک یہ صفات کاملہ کسی میں نہ ہوں اس کو جہاد کی اجازت نہیں ملتی۔ یہ کہیں نہیں ہے۔ کہ کسی سے مشورہ کرلینے کے سبب سے بھی جہاد کی اجازت مل جاتی ہے۔

آخر میں سلطان العلماء صاحب لکھتے ہیں کہ "وھذا کلہ بعد اغضاء النظر عن احتمال التقیۃ فی ذلک الحدیث"۔ یعنی یہ جوابات بعد اس کے ہیں۔ کہ اس حدیث میں احتمال تقیہ سے آنکھ بند کرلی جائے۔ مخالفین صحابہ کرام کی عجیب حالت ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ قرآن سے فیصلہ کرلو۔ تو قرآن کے محرف ہونے اور چیستان ہونے کا عذر پیش کرکے روایات کی طرف بھاگتے ہیں۔ اور جب انہیں کی روایات سے ان کو الزام دیا جاتا ہے۔ تو تقیہ کا بہانہ کرکے ٹال دیتے ہیں۔

فصل چہارم

قرآن مجید میں جس طرح اور بہت سے معجزات ہیں۔ اسی طرح ایک

معجزہ یہ بھی ہے کہ جو مضمون ایک آیت میں بیان فرمایا گیا ہے بالفاظ دیگر وہ مضمون دوسری کسی آیت میں ضرور ارشاد ہوا ہے۔ ایک آیت میں اگر کوئی بات مجمل ہے تو دوسری آیت میں مفصل ہو جاتی ہے۔

قولہٗ تعالےٰ کِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ۔ آیہ استخلاف اور آیہ تمکین۔ بلکہ تمام آیات خلافت میں حق تعالےٰ نے ان حضرات کے خلیفہ بنانے کا حکم کہیں نہیں دیا۔ کیونکہ حکم نہ دینے میں بندوں کو من الجملہ اختیار باقی رہتا ہے۔ کہ اس حکم پر عمل کریں یا نہ کریں۔ بلکہ خداوند کریم نے ان کی خلافتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ پیشین گوئی کی ہے۔ اس کا امر تقدیری ہونا ظاہر فرمایا ہے۔ جس کا وقوع ضروری اور لابدی ہے۔ اسی لیے شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں۔ "در خلافت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم امرے نیست کہ بہ آں عامہ را مکلف ساختہ باشند۔ فقط پس اگر بحسب امر عمل کردند مطیع شدند و اگر عصیان ورزیدند مستوجب عقوبت گشتند۔ بلکہ وعدہ بود از فوق عرش نازل شدہ۔ کہ امکان تخلف نداشت۔ و دریں وعدہ تعلق بجرے و اختیار احدے نہ بود"

اب دونوں آیتوں کے الفاظ کا تطابق کر کے دیکھو۔ کہ کس طرح دونوں آیتیں ایک ہی مضمون کو بیان کر رہی ہیں۔

آیت استخلاف میں وعد اللہ فرمایا۔ اور آیت تمکین میں اپنی سنت مومنین سے مدافعت کی اور مومنین کی مظلومیت بیان فرما کر شرط و جزا کے عنوان سے ان کی قابلیت خلافت کو ظاہر کیا۔ جس سے وعدہ مضمون پیدا ہو گیا۔

آیہ استخلاف میں وقت نزول آیت مومنین صالحین کو موعود ہم قرار دیا۔ اور آیہ تمکین میں خاص کر مہاجرین کو معلوم ہوا کہ آیہ استخلاف میں مومنین صالحین سے مہاجرین ہی مراد ہیں اور کونسا عمل صالح ہے جو ہجرت سے بڑھ کر ہو۔

آیۂ استخلاف میں استخلاف اور تمکین دین و تبدیل خوف کا وعدہ کیا اور آیۂ تمکین میں خود ان کو تمکین دینے کا وعدہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ زمانہ تمکین میں دین کے کام کریں گے۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہو گیا۔ بلکہ ایک لطیف نکتہ یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرات سراپا دین ہو رہے ہیں۔ خود ان کو تمکین ملنا بعینہٖ دین کو تمکین ملنا ہے۔

آیۂ استخلاف میں فرمایا۔ کہ وہ لوگ زمانہ خلافت میں میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ شرک نہ کریں گے۔ آیہ تمکین میں عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کی تفصیل بیان کر دی۔ فرمایا کہ وہ لوگ زمانہ تمکین میں نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ امر معروف نہی منکر کریں گے۔

آیۂ استخلاف میں نعمت خلافت کی ناشکری کرنے والوں یا اتنی بڑی بشارت سن کر تمرد پہ قائم رہنے والوں کو فاسقون فرمایا۔ اور آیۂ تمکین میں ان کو فاسقون کی سزا یعنی عذاب و ہلاکت سے ڈرایا۔

المختصر دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے۔ صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ ایک بات آیۂ تمکین میں البتہ زائد ہے۔ کہ مہاجرین کی محبوبیت اور ان کے علو مرتبت کا بیان عجیب و دلکش پیرایہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ راہِ خدا میں ان کا اذیت پانا اپنے گھروں سے نکالا جانا خدا کے نام لینے میں ان کا شغف ان کی نماز اور ان کے تمام عاملوں کا پسندیدہ ہونا ایسے بلند کلمات میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ کسی بڑے سے بڑے کی تمنا بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ وَاللّٰہُ يُؤْتِيْ فَضْلَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُوَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

✥

تفسیر آیت

میراثِ ارض

جس میں

سورۂ انبیاء کی آیہ کریمہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ کی تفسیر کی گئی ہے
اور بعونہ تعالےٰ روز روشن کی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ
حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی خلافت قرآن شریف
کی اور کتب الٰہیہ کی موعودہ خلافت تھی اور یہ کہ ان حضرات
کی خلافت

بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
کے خصائص فاضلہ کی کامل ترین مظہر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

تفاسیر سابقہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ آیات قرآنیہ میں حق تعالےٰ نے خلفائے راشدین کی خلافت کو بصیغہ امر بیان نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ فلاں فلاں اشخاص کو تم لوگ خلیفہ بنانا۔ بلکہ ان کی خلافت کو بصورت خبر بطور پیشین گوئی کے بیان فرمایا ہے۔ بصیغۂ امر اگر بیان ہوا ہوتا تو بندوں کو اختیار ہوتا۔ چاہتے تو ان اشخاص کو خلیفہ بنا کر مستحق ثواب بنتے اور چاہتے تو ان کو خلیفہ نہ بناتے۔ اور نافرمانی کر کے مستحق عذاب بنتے۔ لیکن پیشین گوئی کی صورت میں یہ خطرہ باقی نہ رہا اور معلوم ہوا کہ ان حضرات کی خلافت تقدیر الٰہی میں مصمم ہو چکی ہے لہذا اس کا ظہور ضروری ولابدی ہے۔

اس وقت جس آیت کی تفسیر لکھنا منظور ہے۔ اس آیت میں بھی ایک زبردست پیشین گوئی ہے۔ جو شخص حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خلیفہ برحق نہیں مانتا۔ یا تو اس آیت کی تکذیب کرنی پڑے گی یا کلام الٰہی میں فریب و دغا کا عیب ماننا پڑے گا۔ نعوذ باللہ عنہ۔

آیت

آیت میراث ارض - سورۂ انبیاء رکوع آخری - پارہ سترھواں

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ	اور بہ تحقیق ہم لکھ چکے ہیں زبور
مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ	میں بعد نصیحت کے کہ زمین
الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ	کے وارث ہوں گے میرے
الصَّالِحُونَ ○	نیک بندے ۔

اس آیت کی تفسیر کرنے سے پہلے ایک بات کا سمجھ لینا مفید بصیرت معلوم ہوتا ہے ۔ وہ یہ کہ قرآن مجید کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل ترین خصوصیات میں سے ایک چیز یہ ہے ۔ کہ آپ پر ایمان لانے والوں آپ کی پیروی کرنے والوں کو دونوں جہاں کی اعلیٰ ترین نعمتوں کی خوشخبری سنائی گئی ہے ۔

یہ خوشخبری قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے ۔ اور یہ بھی مذکور ہے ۔ کہ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کا غلغلہ قرون اولٰے میں بھی بلند ہو چکا تھا ۔ اور اگلی آسمانی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ تھا ۔ سورۂ اعراف میں ہے ۔ کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں مناجات کی کہ اُكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۔ یعنی اے پروردگار ہمارے لکھ دے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بہ تحقیق ہم راہ پا گئے ہیں تیری طرف تیرے دروازہ پر بھیک مانگنے کے لئے آ گئے ہیں ۔ بارگاہ الٰہی سے اس مناجات کا جواب جو کچھ ملا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی درخواست منظور نہیں کی گئی ۔ اور ان کو خبر دی گئی کہ یہ انعام یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی

ایک دوسری اُمت کے لئے میں لکھوں گا۔ جس کا ظہور آئندہ زمانہ میں ہونے والا ہے اور اس اُمت کا بیان ان الفاظ میں کیا گیا کہ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو پیروی کریں گے اس رسول نبی امی کی جس کو وہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس توریت و انجیل میں۔ یہ خصوصیت حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد آیات قرآنیہ میں بیان فرمائی گئی ہے اور احادیث میں تو ایک دفتر کا دفتر ہے۔ جو سنی شیعہ دونوں کی کتب میں منقول ہے۔ اہل سُنت کی کتابوں میں بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں۔ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل ہجرت مکہ میں خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَفْتَحُنَّ کُنُوْزَ کِسْرٰی وَقَیْصَرَ ثُمَّ لَتُنْفِقُنَّهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ضرور ضرور تم لوگ ایران و روم کے خزانوں پر قبضہ پاؤ گے۔ اور تم ان کو راہِ خدا میں صرف کرو گے اور کتب شیعہ میں حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۵۵ میں ہے۔

حق تعالےٰ امر فرمود آں حضرت را باظہار دعوت خود۔ پس حضرت بمسجد آمد و بر حجر اسماعیل ایستاد و بصدائے بلند ندا کرد کہ اے گروہ قریش و اے طوائف عرب شمار مے خوانم بسوئے شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن بر پیغمبری من وا مر مے کنم شمارا کہ ترک کنید بُت پرستی را و اجابت نماید مرا۔	حق تعالےٰ نے آں حضرت صلعم کو حکم فرمایا کہ اپنی دعوت ظاہر کریں۔ پس آپ کعبہ میں آئے اور حجر اسمٰعیل پر کھڑے ہو کر آپ نے باآواز بلند پکارا کہ اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب میں تم کو بلاتا ہوں خدا کی وحدانیت اور اپنی پیغمبری کی گواہی دینے کی طرف اور تم کو حکم دیتا ہوں کہ

آنچہ شمارا باآں میخوانم تا بادشاہان عرب گردید وگردہ عجم شمارا فرماں بردار ایں گردند و در بہشت بادشاہاں باشید۔

بت پرستی چھوڑ دو اور میری بات مانو اس چیز میں جس کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں تاکہ تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ اور عجم کے لوگ تمہارے محکوم ہو جائیں۔ اور بہشت میں بھی تم بادشاہ ہو۔

المختصر یہ مضمون حد تواتر کو پہنچ گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت کرنے والوں کو دونوں عالم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں کی خوش خبری سنائی گئی۔ آیاتِ قرآنیہ میں بھی اور احادیثِ صحیحہ میں بھی۔

پس اب واضح ہوا کہ اس آیت یعنی آیت میراثِ ارض میں حق تعالیٰ نے یہی خوش خبری رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ کرام کو سنائی ہے سلسلۂ کلام کئی آیت اوپر سے شروع ہوا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَہُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی سے آیت مبحوثہ تک۔ اُخروی نعمتوں کی بشارت ہے۔ اور آیت مبحوثہ میں دُنیا کی نعمت یعنی بادشاہت کی خوشخبری ہے۔ اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس خوش خبری کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ دونوں قسم کی نعمتوں کی خوشخبری سنا کر آیت مبحوثہ کے بعد فرمایا۔ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ یعنی اس خوش خبری میں عبادت گزار لوگوں کے لئے بڑی کامیابی ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس سلسلۂ بیان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب خوب واضح ہو گیا۔ کہ چونکہ آپ نے اپنے متبعین کو دونوں جہان کے نعمتوں کی خوشخبری سنائی اس لئے آپ اس لقب کے مستحق ہوئے۔

اس تمہید کے بعد اب آیت کی تفسیر کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ جس کو تین فصلوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

فصل اوّل میں آیت کے الفاظ کی شرح کی جائے گی۔

فصل دوم میں حقیقتِ خلافت پر استدلال کیا جائے گا۔

فصل سوم میں کچھ روایتیں ذکر کی جائیں گی۔ جو اس آیت کی تفسیر سے تعلق رکھتی ہیں۔

فصل اوّل

زبور لغت میں کتاب کو کہتے ہیں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

ذکر:۔ لغت میں بمعنی نصیحت ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی توریت مقدس کا لقب بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں زبور سے اگر مطلق کتاب اور ذکر سے توریت مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے۔ کہ "ہم توریت کے بعد سب صحیفوں میں لکھ چکے ہیں"۔ اور اگر زبور سے خاص داؤد علیہ السلام کی کتاب اور ذکر سے نصیحت یا توریت مراد ہو۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ زبور میں نصیحت کے مضامین کے بعد ہم لکھ چکے ہیں یا توریت کے بعد زبور میں بھی ہم لکھ چکے ہیں۔ بہر صورت مطلب یہ ہوا کہ ہم اگلی کتب مقدسہ میں یہ پیشین گوئی بیان فرما چکے ہیں۔ کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

الارض:۔ اس لفظ کے معنی زمین کے ہیں۔ مگر الف لام جو اس پر ہے وہ بتلا رہا ہے۔ کہ کوئی خاص زمین مراد ہے۔ اور وہ زمین ملک شام کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایران بھی اس میں شامل کیا جائے۔ تحقیق اس کی انشاءاللہ تعالیٰ فصل دوم میں ہوگی۔

یرثہا اصل میں میراث اس کو کہتے ہیں۔ کہ اگلوں کا متروکہ پچھلوں کو بوجہ رشتۂ قرابت کے ملے۔ چونکہ زمین موعود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مملوک تھی اور اہل عرب ان کی اولاد میں تھے۔ اس وجہ سے میراث کا اطلاق ہوا۔ اور کبھی مطلق ملکیت کو بھی میراث کہہ دیتے ہیں۔

عبادی الصالحون۔ لفظی معنی نیک بندے اور مراد اس سے صحابہ کرامؓ ہیں۔ اس لئے کہ انہیں کو خوش خبری سنانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب خصائص سے ازالۃ الخفا میں منقول ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ سبحانہ نے توریت اور زبور میں اپنے علم ازلی سے جو اس کو آسمان و زمین کی پیدائش سے بھی پہلے حاصل تھا۔ فرمایا کہ امتِ محمدیہ کو میں زمین میں وارث بناؤں گا۔ اور حضرت ابوالدرداؓ صحابی سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ وہ نیک بندے ہمیں لوگ ہیں۔ پھر سیوطی نے لکھا ہے۔ کہ میں نے زبور کا ایک نسخہ دیکھا۔ اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں۔ چوتھی سورت میں یہ مضمون تھا۔ کہ اے داؤد جو کچھ میں کہتا ہوں سنو اور سلیمان کو حکم دو کہ تمہارے بعد لوگوں سے بیان کر دیں۔ کہ زمین میری ہے۔ میں اس کا وارث محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو بناؤں گا۔

یہ ناچیز کہتا ہے۔ کہ زبور کا جو نسخہ آج کل ہندوستان میں ملتا ہے۔ اس میں بھی ایک سو پچاس سورتیں ہیں۔ اور ہر سورت کا نام زبور ہے یوں لکھا ہے کہ زبور ۱ زبور ۲ زبور ۳۔ مگر چوتھے زبور میں یہ مضمون نہیں ہے جو علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ علامہ کو کوئی قدیم غیر محرف نسخہ مل گیا تھا۔ لیکن اب بھی موجودہ زبور میں آیت مبحوثہ کا مضمون

موجود ہے۔ چنانچہ زبور ۳۷ کی چند آیتیں حسب ذیل ہیں۔
لیکن وے جو خدا کے منتظر ہیں۔ زمین کو میراث میں لیں گے۔ لیکن وے جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے۔ جن پر اس کی برکت ہے۔ زمین کے وارث ہوں گے۔ اور ابد تک اس پر بسیں گے" مجموعہ بائیبل عہد نامہ قدیم مطبوعہ لدھیانہ صفحہ ۶۹۱۔

توریت میں صاف صاف تصریح اس زمین کی بھی ہے۔ چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ کی آٹھویں آیت بخطاب حضرت ابراہیم یہ ہے۔ میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں۔ کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو۔ اور میں ان کا خدا ہوں"۔ کنعان کے تمام ملک سے مراد ملک شام ہے۔ کیوں کہ کنعان سرزمین شام میں ہے۔

فصل دوم

اس آیت سے بھی حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے پر استدلال نہایت واضح ہے۔ کیونکہ الفاظ آیت سے بغیر کسی روایت کے ملائے ہوئے یہ بات ظاہر ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے کچھ لوگوں کے وارث زمین یعنی بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ اور ان متبعین کو اپنا نیک بندہ فرما کر ان کے جامع اوصاف حمیدہ ہونے کو ظاہر فرمایا ہے۔ اور ایسی ہی بادشاہت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ پیشین گوئی صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں پوری ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کریم کے تمام خطابات کے اول مخاطب وہی حضرات ہیں۔ لہذا اس آیت میں جو خوشخبری ہے۔ اور جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ سننے والے خوش ہوں۔ ان میں استقامت فی الدین ترقی کرے مصائب موجودہ ان کے اطمینان میں

خلل انداز نہ ہوں ۔ دوسرے لوگوں کو اسلام کی رغبت پیدا ہو ۔ اس خوشخبری کے بھی پہلے مخاطب صحابہ کرامؓ ہی ہیں ۔ اور ظاہر کہ کسی ایسی جماعت کو کوئی ایسی خوشخبری سنا کر خوش کرنا جس میں اس جماعت کے کسی فرد کا کچھ حصہ نہ ہو ۔ سوا دغا و فریب کے اور کسی نام سے نہیں یاد کیا جاسکتا ۔ نعوذ باللہ منہ ۔

ان دونوں باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد یعنی یہ کہ آیت میں مومنین صالحین کو بادشاہت ملنے کی پیشین گوئی کی ہے ۔ اور یہ کہ اس پیشین گوئی کا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں پورا ہونا ضروری ہے ۔ اب ہمیں صرف اس بات کا معلوم کرنا باقی ہے ۔ کہ صحابہ کرام میں سے کس کے ہاتھ پر یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ۔ تاکہ جس کے ہاتھ پر پوری ہوئی اس کو ہم خلیفہ برحق سمجھیں ۔ یعنی اس کی خلافت کو ہم اس آیت کی موعودہ خلافت یقین کریں اور اس شخص کو ہم خدا کے عباد صالحین میں شمار کریں ۔

اس بات کے معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس کی تحقیق کرنا چاہیئے ۔ کہ اس آیت میں زمین سے کیا مراد ہے ۔ تو واضح ہو کہ زمین سے تمام زمین یعنی پورا ربع مسکون تو مراد ہو نہیں سکتا ۔ کیونکہ اب تک پورے ربع مسکون پر مومنین صالحین کی بادشاہت نہیں ہوئی ۔ لامحالہ کوئی خاص زمین مراد ہے اس تخصیص کی تائید ارض کے معرف باللام ہونے سے بھی ہوتی ہے ۔ اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں ۔

قول اول :۔ یہ کہ زمین سے مراد ملک شام کی زمین ہے ۔

قول دوم :۔ یہ کہ زمین سے مراد روم و ایران کی زمین ہے ۔

قول سوم :۔ یہ کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے ۔

تیسرا قول بالکل بے دلیل اور نہایت بعید از فہم ہے ۔ نہ قرآن شریف میں کوئی نظیر اس کی مل سکتی ہے ۔ نہ حدیث میں ۔ کہ زمین بول کر جنت مراد لی گئی ہو ۔ نہ کوئی روایت اس کی تائید کرتی ہے ۔ نہ کوئی قرینہ ایسا ہے ۔ جس

کے یہ معنی مفہوم ہو سکیں۔

اب رہا پہلا قول اور دوسرا قول۔ یہ البتہ صحیح ہیں۔ اور قطعًا و یقینًا مراد الہٰی ان دونوں سے باہر نہیں ہے۔

پہلا قول مراد ہونے کی ایک دلیل یہ ہے۔ کہ جن کتب سابقہ الٰہیہ کا حوالہ آیت میں ہے۔ وہ انبیائے بنی اسرائیل کی کتابیں ہیں۔ جن کا مسکن ملک شام تھا۔ لہٰذا یہ بہت بڑا قرینہ زمین سے زمین شام مراد لینے کے لئے ہے۔ اس کی مزید تائید توریت کے دیکھنے سے ہوتی ہے۔ کہ اس میں کنعان کی تصریح موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں ملک شام کی زمین کو ارض مقدس اور ارض مُبارک فرمایا ہے۔ لہٰذا مطلق زمین بول کر فردِ کامل ہونے کی وجہ سے زمین شام مراد لینا قرین قیاس ہے۔

دوسرا قول مراد ہونے کے لئے بھی متعدد دلائل ہیں۔ از آں جملہ یہ کہ نزولِ قرآن کے وقت دُنیا میں یہی دو زمینیں ایران و روم کی مستقل سلطنت تھیں۔ کوئی تیسری سلطنت اس وقت روئے زمین پر نہ تھی۔ پس جب زمین کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا۔ تو ذہن ان ہی دونوں زمینوں کی طرف سبقت کرتا ہے۔ یہ دوسرا قول پہلے قول کو شامل ہے۔ کیونکہ زمین شام رُوم کی سلطنت میں داخل تھی۔

شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء مقاصدِ اوّل ص۲۱۰ میں فرماتے ہیں۔

فقیر گوید در معنی آیت جمع زمین جنت مراد داشته اند۔ وہیچ جا شاہد آں نخواہی یافت کہ در قرآن یا سُنت لفظ ارض گفته باشند و جنت عدن اراده کرده	یہ فقیر کہتا ہے۔ کہ کچھ لوگوں نے اس آیت کے معنی میں جنت کی زمین مراد لی ہے مگر اس کی نظیر تم کہیں نہ پاؤ گے کہ قرآن یا حدیث میں زمین کا لفظ فرمایا

بلکہ معنی صحیح آں است کہ از
ارض اراضی معتدلہ صالحہ برائے
نشاء اشخاص معتدلۃ الاخلاق
ارادہ کردہ آید یا ارض شام تنہا
بسبب آنکہ انبیائے بنی اسرائیل
در شام بودند و ذکر وقائع ارض
شام پیش ایشاں مہم بود و ایں
سخن بداں مے ماند کہ تاجر از لفظ
مال سرمایہ خود را مے خواہد و راعی
مواشی و زارع زراعت خود
مراد مے گیرد و چندیں آثار بریں
معنی دلالت مے کند۔

ہو اور جنت مراد لی ہو۔ بلکہ صحیح
معنی یہ ہیں کہ زمین سے وہ زمینیں
مراد ہیں جو معتدل ہوں جہاں
معتدل اخلاق کے انسان پیدا
ہوتے ہوں یا صرف زمین شام
مراد ہے۔ اس لئے کہ انبیائے
نبی اسرائیل شام میں تھے اور
شام کے واقعات کا ذکر ان
کا بڑا مقصود ہے۔ یہ بات
ویسی ہی ہے کہ تاجر جب مال
کا لفظ بولے گا۔ تو اپنا سرمایہ
مراد لے گا۔ اور چرواہا مال سے
مویشی اور کسان مال سے کھیتی
مراد لیتا ہے۔ اور بہت سی
روایات بھی اس مراد پر دلالت
کرتی ہیں۔

پس جب متحقق ہو گیا کہ زمین سے مراد یا ملک شام ہے یا ملک روم و
ایران اور تاریخ کے واقعات متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ زمینیں حضرت
ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قبضہ میں آئیں۔ انہیں کے حسن تدبیر سے مفتوح ہوئیں
بیت المقدس خاص حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں بغیر لڑائی کے ایک عجیب
طریقہ سے محض اگلی پیشین گوئیوں کی بنا پر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ لہذا مہر نیم روز
کی طرح ظاہر ہو گیا۔ کہ یہ دونوں بزرگوار خدا کے اس وعدہ کے مطابق خلیفہ
ہوئے۔ اور ان ہی کو خدا نے اس آیت میں عباد صالحین فرمایا ہے۔

ف :- بیت المقدس کا واقعہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے۔ جو بجائے خود بھی ایک مستقل دلیل حضرت فاروق اعظمؓ کے خلیفہ موعود ہونے کی کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا بالاختصار وہ واقعہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے۔

فتح بیت المقدس کا واقعہ

حضرت عمروؓ بن عاص نے جب ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو۔ تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے۔ فاتح بیت المقدس کا حلیہ اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔ اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس ان کے حوالہ کر دیں گے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو دی گئی اور آپ بیت المقدس تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ زریں حروف میں چمکتا رہے گا۔ کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا زادِ راہ اس سفر میں جَو اور چھوہارے کے سوا کچھ نہ تھا ایک اونٹ آپ کے پاس تھا۔ جس پر آپ اور آپ کا غلام نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے۔ آپ کے کرتہ میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ مسلمان جب آپ کی پیشوائی کو آئے اور آپ کو اس حال میں دیکھا۔ تو سب نے اصرار کر کے آپ کو عمدہ لباس پہنایا۔ اور ایک گھوڑے پر سوار کیا۔ چند قدم چلنے کے بعد آپ نے فرمایا میرے نفس پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔ پھر وہی پیوند لگا ہوا کرتہ پہن لیا۔ اور گھوڑے سے اتر پڑے۔ رومیوں نے اس عرب و عجم کے فرماں روا اس روحانی بادشاہ کو جس کے نام سے تمام عالم میں زلزلہ پڑا ہوا تھا۔ دیکھا تو کہا کہ بے شک فاتح بیت المقدس یہی ہیں۔ اور دروازہ آپ کے لیے کھول دیا۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا مقصدِ دوم صفحہ ۶۰ میں تاریخ یافعی سے نقل کرتے ہیں۔

نزل عمر رضی اللہ عنہ علی
بیت المقدس وکان
المسلمون قد حاصروا
تلک المدینۃ المقدسۃ
المبارکۃ وطال حصارھم
فقال لھم اھلھا لا تتعبوا
فلن یفتحھا الا رجل نعرفہ
علامتہ عندنا فان
کان امامکم بہ تلک
العلامۃ سلمناھا لہ
من غیر قتال فارسل
المسلمون الی عمر
یخبرونہ بذلک فرکب
رضی اللہ عنہ راحلتہ
وتوجہ الی بیت المقدس
وکان معہ غلام لہ
یعاقبہ فی الرکوب
نوبۃ بنوبۃ وقد تزود
شعیرا وتمرا وزیتا و
علیہ موقعۃ لم یزل
یطوی القفار واللیل و

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس
تشریف لے گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ
مسلمانوں نے اس شہر مقدس
مبارک کا محاصرہ کیا۔ اور محاصرہ
کو بہت طول ہوا۔ تو وہاں کے
لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ
تم لوگ مت تکلیف اٹھاؤ۔
بیت المقدس کو سوا اس شخص
کے جس کو ہم پہچانتے ہیں۔ اس
کی پہچان ہمارے پاس ہے۔
کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے
امام میں وہ علامت موجود ہو
تو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت
المقدس حوالہ کر دیں گے مسلمانو
نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کو بھیجی۔ پس آں جناب اپنے
اونٹ پر سوار ہوئے۔ اور
بیت المقدس کی طرف روانہ ہو
گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام
تھا جو نوبت بنوبت آپ کے
اونٹ پر سوار ہوتا تھا زاد راہ

النهار الی ان قرب من
بیت المقدس فتلقاه
المسلمون وقالوا له
ما ینبغی ان یری المشرکون
امیر المؤمنین فی هذه
الهیئة ولم یزالوا
به حتی البسوه لباسا
غیرها وارکبوه فرسا
فلما رکب وجد به
الفرس داخله شئ
من العجب فنزل عن
الفرس نزع اللباس
ولبس المرقعة وقال
اقیلونی ثم سار فی
هذه الهیئة الی ان
وصل فلما راه المشرکون
من اهل الکتاب کبروا
وقالوا هذا هو وفتحوا له
الباب۔

آپ کا جوا ور چھوہارے اور
روغن زیتون تھا۔ لباس میں
پیوند لگے ہوئے تھے۔ رات دن
جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ
چلے۔ جب بیت المقدس کے
قریب پہنچے تو مسلمان آپ سے
ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ
زیبا نہیں ہے کہ کفار امیر المومنین
کو اس حالت میں دیکھیں۔ اور
بہت اصرار کیا۔ یہاں تک کہ
آپ کو ایک دوسرا لباس پہنایا
اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار
کیا۔ جب آپ سوار ہوئے اور
گھوڑے نے خوش خرامی کی تو
آپ کے دل میں کچھ عجب داخل
ہوا۔ لہذا آپ گھوڑے سے
اتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار
دیا۔ اور فرمایا کہ مجھے میرا لباس
واپس دو۔ چنانچہ وہی پیوند
لگا ہوا لباس پہن لیا اور اسی ہیئت میں چلے یہاں تک کہ
بیت المقدس پہنچے۔ جب کفار اہل کتاب نے آپ کو دیکھا تو
کہا ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لئے دروازہ کھول دیا۔
اس واقعہ فتح بیت المقدس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کتب سابقہ میں

حضرت فاروق اعظمؓ کا فاتح بیت المقدس ہونا موعود تھا۔ اور آپ کے اوصاف و علامات مذکور تھے۔ اور اس قدر مکمل و مفصل تھے کہ علمائے اہل کتاب نے شکل مبارک دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ خود حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی اپنی بابت پورا علم اس امر کا تھا۔ ورنہ اطلاع ملتے ہی سفر کے لئے تیار ہو جانا اور تشریف لے جانا ہرگز نہ ہوتا۔ ایران و روم کی لڑائیوں میں خود آپ کو اپنے جانے کی ضرورت محسوس ہو۔ اور صحابۂ کرام سے مشورہ لیں۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ آپ کا دشمن کے مقابلہ میں خلافِ مصلحت قرار دے کر آپ کو اصرار کے ساتھ روکیں۔ اور آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیں۔ لیکن سفر بیت المقدس کیلئے آپ اس طرح آمادہ ہو جائیں۔ اور کوئی بھی نہ روکے ضرور ہے کہ آپ کو معلوم تھا۔ اور دوسرے صحابہ بھی جانتے تھے کہ یقیناً بیت المقدس آپ کے جانے سے فتح ہو جائے گا۔ اور لوگ آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔ کہ یہی وہ خلیفہ موعود ہیں جن کے ہاتھ پر فتحِ بیت المقدس مقدر ہے۔

مخالفین صحابہ کرام کہتے ہیں

کہ اس آیت میں ارض سے مراد تمام روئے زمین ہے۔ اور یہ پیشین گوئی امام مہدی کے زمانہ میں پوری ہو گی۔ علامہ محسن کاشی تفسیر صافی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یرثہا عبادی الصالحون	یرثہا عبادی الصالحون کے متعلق
قال رای القمی، القائم و	قمی نے کہا ہے کہ قائم یعنی امام
اصحابہ وفی المجمع عن	مہدی اور ان کے اصحاب مراد
الباقر فی قولہ ان الارض	ہیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں
یرثہا عبادی الصالحون	امام باقر سے ان الارض یرثہا

قال اصحاب المهدی فی آخر الزمان۔

عبادی الصالحون کے متعلق منقول ہے کہ اس سے امام مہدی کے اصحاب ہیں جو آخر زمانے میں ہوں گے۔

اس کے سوا اس آیت میں ان صاحبان کے پاس اور کچھ جواب نہیں ہے۔

اہل سُنت کہتے ہیں!

کہ اس آیت میں کوئی لفظ یا کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے۔ جس سے یہ مفہوم ہو سکے کہ یہ وعدہ آخر زمانے میں پورا ہوگا۔ بلکہ آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے۔ کہ یہ آیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو خوشخبری دینے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی ایسی چیز کی خوشخبری لوگوں کو سنانا جو ان میں سے کسی کو ملنے والی نہیں بلکہ صدیوں بعد اس کا ظہور مقرر ہے۔ سخت فریب و دغا ہے۔ جس سے کلام الٰہی پاک ہے۔

یہ خرابی اس وجہ سے پیش آئی کہ لفظ ارض سے پوری زمین[1] مراد لی گئی حالانکہ یہ مراد قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں بیسیوں جگہ ایسے مواقع پر لفظ ارض آیا ہے۔ اور اس سے مراد تمام زمین نہیں ہے۔ بلکہ بقرینہ مقام خاص زمینیں مراد ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔ سورۃ یوسف میں سے وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ۔ یعنی ہم نے یوسف کو زمین میں تمکین دی۔ یہاں

---

[1] تفسیر امام ابن جریر طبری میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ وہ فرماتے تھے (جس کا حاصل یہ ہے کہ) ارض سے تمام زمین جن لوگوں نے مراد لی ان کو آیت میں بے جا تاویلات کرنی پڑیں۔ ۱۲

تمام زمین کسی طرح مراد نہیں ہوسکتی۔ بلکہ بالاتفاق بقرینہ مقام مصر کی زمین مراد ہے۔

سورہ قصص میں ہے۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ زمین میں کمزور سمجھے گئے ہیں ان پر احسان کریں۔ اور ان کو امام بنائیں۔ اور ان کو وارث بنائیں۔ اور زمین میں ان کو جگہ دیں۔ اس آیت میں زمین سے مراد زمین مصر ہے۔ کیونکہ قرینہ مقام اسی کو چاہتا ہے۔

سورہ اعراف میں ہے۔ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا یعنی ہم نے اس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی (یعنی بنی اسرائیل کو) زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا۔ جس میں ہم نے برکت دی تھی۔ یہاں بھی زمین سے مراد مصر کی زمین ہے۔

آیہ استخلاف اور آیہ تمکین میں بھی ارض کا لفظ ہے۔ اور وہاں زمین سے مراد ایران و روم کی زمین ہے۔ جیسا کہ آیہ استخلاف میں ہم تفاسیر شیعہ سے نقل کر چکے ہیں۔ پس اسی طرح آیت مبحوثہ میں بقرینہ مقام لفظ ارض سے ملک شام کی زمین مراد ہونی ضروری ہے۔ اور وہ قرینہ یہ ہے کہ زبور اور توریت جس سرزمین میں نازل ہوئی تھیں۔ وہاں کے لوگ زمین کے لفظ سے اپنی ہی زمین سمجھ سکتے تھے۔

اچھا ہم اس سبب سے درگذر کرتے ہیں۔ اور مخالفین کو اختیار دیتے ہیں۔ کہ لفظ ارض سے جو زمین چاہیں مراد لیں۔ مگر کلام الہی کو فریب کے عیب سے محفوظ رکھ کر کوئی ایسا مطلب آیت بیان کر دیں۔ جس سے حضرات خلفائے ثلثہ میں سے کوئی مصداق اس آیت کا نہ بنے۔ مگر یہ بات حضرات

مخالفین کے امکان سے باہر ہے۔ چاہے کلام الٰہی کی تکذیب ہو جائے
چاہے کیسا ہی اعتراض کلام الٰہی پر آ جائے۔ مگر حضراتِ خلفائے ثلاثہ رضی
اللہ عنہم کی خلافت ثابت نہ ہو۔ معاذ اللہ من ذلک العدد الی۔
یہ آیت میراث ارض آیت معیت یعنی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ
کی ہم مضمون ہے۔ اس آیت میں بھی حق تعالےٰ نے خبر دی ہے۔ کہ ہم نے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ توریت و انجیل میں کیا ہے۔

فصل سوم

روایات جو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کی جا سکتی ہیں۔ بہت ہیں۔
جن کا ایک بڑا ذخیرہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے
ازالۃ الخفاء میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی سے منتخب کر کے چند روایات یہاں
لکھی جائیں گی۔ پہلے ایک تاریخی واقعہ لکھا جاتا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ

جب حضرت فاروق اعظمؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک
عیسائی عالم آپ کے پاس آیا اور آپ کو ایک تحریر دی۔ جس کے جواب
میں آپ نے فرمایا کہ یہ مال نہ عمرؓ کا ہے نہ عمرؓ کے بیٹے کا۔ حاضرین کی
سمجھ میں یہ جواب نہیں آیا اور نہ آ سکتا تھا۔ لہذا حضرتِ ممدوح نے
پورا واقعہ ان کو سنایا۔ فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلہ کے
کے ہمراہ میں ملکِ شام گیا تھا۔ میں اپنی کوئی چیز بھول گیا۔ اس کے
لینے کے لئے واپس ہوا۔ پھر جو گیا تو قافلہ کو نہ پایا۔ ایک پادری نے مجھے

ایک پھاوڑا دیا۔ اور ایک ٹوکری دی۔ اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں ڈال دو۔ یہ کہہ کر گرجا کا دروازہ باہر سے بند کرکے چلا گیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ اور میں نے کچھ کام نہیں کیا۔ جب وہ دوپہر کو آیا اور اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کام نہیں کیا۔ تو اس نے ایک گھونسہ میرے سر میں مار دیا۔ میں نے بھی اٹھ کر پھاوڑا اس کے سر پہ دے مارا۔ جس سے اس کا بھیجا نکل آیا۔ اور میں وہاں سے چل دیا۔ بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو ایک گرجا کے سامنے میں اس کے سایہ میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ یہ شخص اس گرجا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جُدا ہو گیا ہوں۔ پھر یہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا۔ اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا۔ اور کہا کہ تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتب سابقہ کا روئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گرجا سے ہمیں نکالے گا۔ اور اس شہر پہ قابض ہوگا۔ میں نے کہا کہ اے شخص تیرا خیال نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ میں نے کہا عمرؓ بن خطاب تو یہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم آپ ہی وہ شخص ہیں اس میں کچھ شک نہیں۔ لہذا آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے۔ اس گرجا کو میرے نام واگذار کر دیجئے۔ میں نے کہا اے شخص تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس کو مسخراپن کرکے ضائع مت کر۔ مگر اس نے نہ مانا۔ آخر میں نے اس کو ایک تحریر لکھ دی۔ اور مہر کر دی آج یہ اسی تحریر کو لے کر میرے پاس آیا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے بیٹے کا میں کیسے دے سکتا ہوں (ازالۃ الخفاء بحوالہ دینوری فی ابن عساکر) اب دو ایک روایات دیکھئے۔

(۱) اخرج ابن عساکر فی
تاریخ دمشق عن کعب
قال کان اسلام ابی
بکر ن الصدیق سببه
بوحی من السماء وذلك
انه کان تاجرا بالشام
فرأی رؤیا نقصها علی
بحیراء الراهب فقال
له من این انت قال
من مکة قال من ایها
قال من قریش قال فالیش
انت قال تاجر قال صدق
الله رؤیاك فانه
یبعث نبی من قومك
تکون وزیره فی حیاته
وخلیفته بعد موته
فاسرها ابوبکر حتی
بعث النبی صلی الله علیه
وسلم فجاءه فقال
یا محمد ما الدلیل
علی ما تدعی قال الرؤیا
التی رأیت بالشام فعانقه
وقبل ما بین عینیه

ابن عساکر نے تاریخ دمشق
میں کعب احبار سے روایت
کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام
کا سبب ایک وحی آسمانی تھی۔
وہ ملک شام میں تجارت کیا
کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں
ایک خواب دیکھا۔ جس کو
بحیرا راہب سے بیان کیا اس
نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے
والے ہیں۔ حضرت صدیقؓ
نے فرمایا مکہ۔ اس نے پوچھا
کس قبیلہ کے ہو؟ آپ نے فرمایا
قریش اس نے پیشہ پوچھا
آپ نے فرمایا تاجر تو اس
نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو
سچا خواب دکھلایا۔ آپ کی
قوم میں ایک نبی مبعوث
ہوں گے۔ ان کی زندگی میں
آپ ان کے وزیر ہوں گے۔
اور ان کی وفات کے بعد آپ
ان کے خلیفہ ہوں گے حضرت
ابوبکر صدیقؓ نے اس کو پوشیدہ

وقال اشهد انک رسول اللہ ط

رکھا یہاں تک کہ نبی صلی علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو ابوبکرؓ آپ کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے محمدؐ آپکے دعویٰ کی کیا دلیل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ خواب جوتم نے ملک شام میں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے معانقہ کیا۔ اور آپکی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اسی مضمون کو شیعہ راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ صرف اسقدر تصرف کیا ہے۔ کہ راہب کے بجائے ان لوگوں نے کاہن کر دیا ہے۔ چنانچہ علامۂ باذل شیعی اپنی کتاب حملۂ حیدری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کے بیان میں لکھتے ہیں۔

ابابکر ازاں پس برہ پاگزاشت — کہ گفتار کاہن بدل یاد داشت
باو کاہنے دادہ بود ایں خبر — کہ مبعوث گردد یکے نامور
زبطحا زمین درہمیں چند گاہ — بود خاتم انبیائے الٰہ
تو با خاتم انبیاء بگروی — چو او بگذرد جانشینش شوی
زکاہن چو بودش بیاد ایں نوید — بیاورد ایمان نشاں چوں بدید
وزاں پس بتدریج چندو دگر — نبی را بفرماں نہادند سر

(۲۹) اخرج ابن یعلی والطبرانی فی الاوسط وابن العساکر والحسن بن عرفۃ فی جزئہ المشہورۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم

ابو یعلی اور طبرانی نے معجم اوسط میں ابن عساکر اور حسن بن عرفہ نے اپنے جزء مشہور میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شب

لیلة عن بی الی السماء ما مررت بسماء الا وجدت اسمی فیھا مکتوبا محمد رسول اللہ وابوبکر الصدیق خلفی۔

کو مجھے معراج ہوئی۔ جس آسمان پر میرا گذر ہوا۔ میں نے اس میں اپنا نام لکھا ہوا پایا۔ محمد رسول اللہ اور اپنے نام کے پیچھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام دیکھا۔

(۱۳) اخرج الدارقطنی فی الافراد والخطیب و ابن العساکر عن ابی الدرداء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رایت لیلة اسری بی فی العرش فرندة خضراء فیھا مکتوب بنور البیض لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔

دارقطنی نے افراد میں اور خطیب اور ابن عساکر نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شب مجھے معراج ہوئی میں نے عرش میں ایک سبز جواہر دیکھا جس میں سفید نور سے لکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔

(۱۴) اخرج الحاکم عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اللھم اعز الاسلام بعمر۔

حاکم نے ابن عساکر سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ یا اللہ اسلام کو عمر رضی اللہ عنہ سے عزت دے۔

یہ دعا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروایات مستفیضہ متعددہ صحابہؓ سے منقول ہے۔ ازاں جملہ حضرت عائشہؓ سے ابن ماجہ میں اور حضرت ابن عمرؓ سے ترمذی میں اور حضرت ابن مسعودؓ سے مستدرک حاکم میں مروی ہے۔

(۵) عن ابن مسعود مازلنا اعزة منذ اسلم عمرؓ فی روایته واللہ ما استطعنا ان نصلی عند الکعبة ظاھرین حتی اسلم عمر (مستدرک حاکم)	ابن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم لوگوں کی عزت بڑھی جب سے عمرؓ اسلام لائے۔ اللہ کی قسم ہم کعبہ کے پاس علانیہ نماز بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ عمرؓ اسلام لائے (مستدرک حاکم)
(۶) اخرج ابن ماجة من حدیث عوام بن جوشب عن ابن عباس قال لما اسلم عمر نزل جبریل فقال یا محمد لقد استبشر اھل السماء باسلام عمر۔	ابن ماجہ نے عوام بن جوشب سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ جب عمرؓ اسلام لائے۔ تو جبرئیل نازل ہوئے۔ اور انہوں نے کہا اے محمد آسمان والے عمرؓ کے مسلمان ہونے سے خوش ہوئے
(۷) عن ابن عمر و ابی ھریرة قالا قال رسول اللہ علیه وسلم بینا انا نائم و اُتیتنی علی قلیب علیھا دلو فنزعت منھا	حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں اپنے کو ایک کنوئیں پر دیکھا۔ اور اس میں سے جس

ماشاء اللہ ثم	قدرتِ ڈول خدا کو منظور تھے بھرے
اخذھا ابوبکر فنزع	پھر اس ڈول کو ابوبکرؓ نے
ذنوبًا او ذنوبین و	لے لیا اور ایک ڈول یا دو
فی نزعہ ضعف واللہ	ڈول انہوں نے بھرے ان کے
یغفرلہ ثم جاء عمر	بھرنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ
فاستسقیٰ فاستحالت	اس کو معاف کرے۔ پھر عمرؓ
غربا فلم ار عبقریا من	آئے۔ اور بھرنے لگے۔ وہ
الناس یفری فریہ حتی	ڈول ان کے ہاتھ میں جاکر
ضرب الناس وضربوا	پر بن گیا۔ میں نے کسی طاقتور
العطن (صحیحین)	کو نہیں دیکھا کہ ان کے مثل

طاقت سے کام کرتا ہو۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے۔
(صحیح بخاری صحیح مسلم)

یہ حدیث خلافت کی پیشین گوئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی کمزوری سے اشارہ ان کی نرم دلی کی طرف ہے۔ (واللہ اعلم)

(۸) عن سعد بن ابی وقاص	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
قال قال رسول اللہ صلی	سے روایت ہے۔ کہ رسول
اللہ علیہ وسلم یا ابن	خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
الخطاب والذی نفسی	اے ابن خطاب قسم ہے اس
بیدہ مالقیک الشیطان	کی جس کے قبضہ میں میری جان
سالکا فجا الا سلک فجا	ہے کہ جب تم کو شیطان کسی
غیر فجک (صحیحین)	راہ میں جاتا ہوا دیکھتا ہے۔

تو اس رستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ میں چلنے لگتا ہے۔

(۹) عن عقبۃ بن عمر	حضرت عقبہ بن عامر سے روایت

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر (اخرجہ الترمذی والحاکم)

ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے (ترمذی حاکم)

تفسیر

آیتِ معیّت

جس میں

سورۂ فتح کی آیتِ معیّت یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کا خلیفہ برحق اور محبوب پروردگار ہونا اور ان کی خلافتوں کا قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہونا ثابت کرکے منکرین پر حجت قائم کی گئی ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گیارھویں آیت آیتِ معیّت سورہ فتح چھبیسواں پارہ ۲۶

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ ۚۖۛ وَ مَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ۛ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں کافروں پر سخت ہیں۔ اور اپنے آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے۔ چاہتے ہیں وہ بخشش اللہ کی طرف سے اور اس کی خوشنودی (نشانی ان کے مقبول ہونے کی) ان کے چہروں میں نمودار ہے توریت میں اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے۔ کہ وہ مثل اس کھیتی کے ہیں جس نے اپنا اکھوا نکالا۔ پھر اسکو مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹا ہوا اور اپنی ڈنڈی کے بل کھڑا ہو گیا۔ خوش کرتا ہے کسانوں

عَظِیْمًا ۔ کو (یہ مثال بیان کی) تاکہ غصہ دلائے بسبب ان کے کافروں کو وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیئے بخشش اور بڑے ثواب کا ۔

توضیح

یہ آیت قرآن مجید کی اس صفائی و صراحت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب بیان کر رہی ہے کہ جس کا قرآن مجید پر ایمان ہو۔ جو قرآن مجید کو کلام خدا کا جانتا ہو۔ اس کو صحابہ کرامؓ کے عظمت و فضیلت میں ذرہ برابر شک نہیں ہو سکتا ۔ اور یقیناً اس آیت کے سُننے کے بعد ان کے تقدس کا انکار کرنے کو وہ بدترین کفر سمجھے گا ۔

اگر یوں اعتبار نہ ہو تو کسی ایسے غیر مسلم کو جو مخالفین کے وجود اور ان کے اختلافات سے واقف نہ ہو ۔ اس آیت کا ترجمہ سُنا دو ۔ پھر اس سے کہو کہ کلمہ گویان اسلام میں ایک فرقہ ایسا ہے ۔ جو ہمراہیان پیغمبرؐ کے فضائل کا منکر ہے ۔ بلکہ ان کو بدترین خلق جانتا ہے ۔ پھر دیکھو کہ وہ غیر مسلم کس قدر متحیر ہوتا ہے ۔ یقیناً وہ کبھی اس کو باور نہ کرے گا ۔ وہ صاف کہہ دیگا کہ قرآن مجید پر مسلمانوں کے دین و ایمان کی بنیاد ہے ۔ میں اس کو نہیں مان سکتا ۔ کہ جو بات قرآن مجید میں اس قدر صاف بیان کی گئی ہو ۔ اس کے خلاف کسی مسلمان کا عقیدہ ہو سکتا ہے ۔

یہ آیت اسی سورۂ فتح کی آخری آیت ہے ۔ جس کی ایک آیت (دعوت اعراب) کی تفسیر پہلے شائع ہو چکی ہے ۔ اس میں مفصل بیان کر چکا

ہوں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ۔ صلح حدیبیہ کی مغلوبانہ صلح ہے چونکہ صحابہ کرام رضؓ کے دل بے چین ہو گئے تھے ۔ لہٰذا اس پوری سورت میں شروع سے آخر تک عجیب طریقہ سے ان کی دلداری اور دلاسا کی گئی ہے ۔ کہیں ان کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں ۔ کہیں ان کو فتح و نصرت کے وعدے دیئے گئے ۔ ان کے دشمنوں کو ان کے ہاتھوں سے ذلیل کرنے کی خوش خبری سنائی گئی ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان بدوؤں کو تہدید و تنبیہہ بھی کی گئی ۔ جو سفر حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب نہ گئے تھے ۔

آیت دعوتِ اعراب کی تفسیر میں جو تفصیل اس مضمون کی بیان کی گئی ہے ۔ اور جو آیتیں اس سورت کی فضائل صحابہ رضؓ کے متعلق نقل کی گئی ہیں ان کو اس موقع پر پھر دوبارہ ذکر کرنا بے ضرورت ہے ۔ لیکن ناظرین کو چاہیئے کہ پہلے اس کو دیکھ لیں ۔ اس کے بعد تفسیر ہذا مطالعہ کریں ۔

تفسیر

اس آیت میں حق تعالےٰ نے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک لے کر آپ کی صفت رسالت کو بیان فرمایا ۔ اس کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضؓ کے فضائل بیان فرمائے ۔ شانِ نزول سے جو اوپر مذکور ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فضائل ان صحابہ کرام رضؓ کے ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں اختصار سے کام لیا گیا ۔ اور صحابہ کرام رضؓ کے فضائل میں خوب طول دیا گیا ۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ لفظ رسول اللہ اگرچہ مختصر ہے

مگر تمام فضائل و کمالات کے دریا اس کوزہ میں بند ہیں۔ کوئی تطویل بھی اس اختصار کو نہیں پاسکتی اور یا یہ وجہ ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ کہ جس استاد کے شاگردوں کے یہ فضائل ہیں۔ بھلا اس استاد کے تفضیل تم کیا سمجھ سکتے ہو۔

یا یوں سمجھو کہ اصل مقصود تو صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کی تعریف ہے۔ مگر مقتدیوں کی تعریف سے پہلے ان کے امام کی تعریف کر دی گئی۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ ان مقتدیوں کے کمالات اس امام کے طفیل میں ہیں۔

ایک لطف اس آیت میں یہ بھی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی بڑی بھاری زبردست دلیل عجیب حسن بیان کے ساتھ ظاہر فرمائی۔ گویا محمد رسول اللہ ایک دعویٰ اور الذین معہ سے لے کر آخیر تک اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قرآن مجید میں چار قسم کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ اگلی پیشین گوئیاں آپ کے معجزات آپ کی پاکیزہ تعلیمات آپ کے شاگردوں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے کمالات اس آیت میں یہی چوتھی قسم کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔

درحقیقت ایک پیغمبر کے اصحاب کا باکمال ہونا بڑی زبردست دلیل اس پیغمبر کی پیغمبری کی ہے۔ ہر خاص و عام اس دلیل سے یکساں نتیجہ نکال سکتا ہے۔ عامی سے عامی شخص کسی استاذ کو کسی علم و فن کی کتابیں پڑھاتے ہوئے کسی امر کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھے۔ اور جو لوگ اس کے زیر تعلیم ہوں ان میں کمال محسوس کرے۔ تو اس کو بلا تردد یقین ہو جاتا ہے۔ کہ یہ استاد اپنے فن میں کامل ہے۔

یا پیغمبر کو ایک روحانی طبیب سمجھو ایک گنوار سا گنوار بھی کسی شخص کو مریضوں کا علاج کرتے ہوئے دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ جتنے مریض اس کے زیر علاج آئے سب شفا پاگئے۔ یقین کر لیتا ہے۔ کہ بلاشک یہ علاج کرنے والا طبیب حاذق اور اپنے فن کا بڑا باکمال اور دست شفا رکھتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اس آیت میں دونوں قسم کے بیان فرمائے۔ ان کے معاملات جو اپنے بنی نوع کے ساتھ ہیں۔ پھر وہ معاملات جو خدا کے ساتھ ہیں پہلے قسم کے معاملات میں فرمایا کہ کافروں پر سخت ہیں۔

اور ایمان والوں پر مہربان ہیں۔ بظاہر دو جزئی فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان میں بھی کچھ زیادہ اہمیت نظر نہیں آتی۔ لیکن غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جزئی فضیلت نہیں ہے۔ بہت بڑی بات ہے جو بیان فرمائی گئی۔ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ ایک قوت غضبیہ دوسری قوت شہوانیہ۔ جتنے حرکات و سکنات انسان سے صادر ہوتے ہیں وہ انہیں دو قوتوں میں سے کسی قوت کے ماتحت ہوتے ہیں اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ صحابہ کرام رضؓ کی یہ دونوں قوتیں شریعت کے قبضہ میں ہیں۔ خدا کا حکم ہے کہ قوتِ غضبیہ سے کافروں کے مقابلہ میں کام لیا جائے یہ حضرات ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی انسان کی دونوں قوتیں شریعت کی محکوم ہو گئی ہوں تو اس سے پھر خلاف شریعت کسی کام کا صادر ہونا مشکل ہے۔

بتقریر دیگر یوں سمجھو کہ دو چیزیں ہیں غصہ اور محبت جو کم کسی انسان کے قبضہ میں آتی ہیں۔ بلکہ بڑے سے بڑا طاقتور انسان ان دونوں سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ ہر امر ناکردنی کر گزرتا ہے۔ غصہ کی تعریف میں سعدی کہتے ہیں ؎

ندیدم چنیں دیو زیرِ فلک کہ از وے گریزند چندیں ملک

اور محبت کی طاقت و فرماں روائی کو تمام دُنیا جانتی ہے۔ بہت بڑی بات ہے کہ کوئی شخص ان دونوں چیزوں پر قابو پا جائے۔ اپنے باپ یا اپنے پیارے بیٹے کے قاتل کو پائے اور اس پر غصہ نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ اب مسلمان ہو گیا ہے۔ اپنے بھائی یا بیٹے سے نفرت و شدت کا برتاؤ کرے۔ محض اس لئے کہ وہ کافر ہیں۔ اور اگر کوئی انسان ان دونوں چیزوں پر حاوی ہو جائے۔ غصہ اور محبت کی حالت میں بھی اس سے خلافِ شریعت فعل صادر نہ ہو۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ دوسری حالتوں میں بدرجۂ اولےٰ پیروی شریعت کرے گا۔

ان دونوں صفتوں کی تخصیص اس لئے بھی فرمائی۔ کہ ان کے استحقاق

خلافت کا بھی اظہار ہو جائے۔ خلافت کا بڑا مقصد اقامت جہاد ہے۔ اور جہاد کا انتظام اور اس کی کامیابی انہیں دو صفتوں پر موقوف ہے کہ دشمنوں کو مرعوب و مقہور کرے۔ اور اپنوں کے دلوں میں اپنی محبت و الفت قائم۔

دوسرے قسم کے معاملات جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کو اصطلاحِ شریعت میں عبادات کہتے ہیں۔ ان میں جو سب سے بڑی چیز ہے اس کو منتخب فرمایا۔ یعنی ان کی نمازِ کی کثرت اور اس عبادت میں ان کی مشغولیت بیان فرمائی۔ کہ جب یہ عبادت ان کی ایسی پسندیدہ ہے تو دوسری عبادات ان کی بدرجہ اولی کامل و مکمل ہوں گی۔ نماز کے اجزاء میں دو رکن اعظم یعنی رکوع اور سجود کو ان کے تذکرہ میں مخصوص فرمایا۔ کہ جس کا رکوع و سجود عمدہ ہوگا۔ اس کے باقی ارکان کیا پوچھنا۔

ذرا دیکھو تو یہ قسمت کس بندے کی ہو سکتی ہے۔ کہ مالک اس کے رکوع و سجود کو پسند فرمائے۔ اور پسند بھی اس درجہ کہ اپنی کتاب پاک میں اس کا ذکر فرمائے۔ جو رات دن تلاوت کی جائے۔ اور تمام کائنات میں اس کا اعلان ہوتا رہے۔ کہ کچھ بندے خدا کے اس زمین پر ایسے بھی تھے۔ جن کی عبادت مالک کو اس قدر پسند تھی۔ اب یہ دولت کس کو نصیب ہو سکتی ہے۔ اے اصحاب نبی یہ خدا داد انعام آپ کو مبارک۔ طوبیٰ لکم ثم طوبیٰ لکم۔

دونوں قسم کے فضائل جو کہ اعمال سے تعلق رکھتے ہیں بیان فرما کر ان کے خلوص نیت کی بھی گواہی دی ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت کیسی ہی اعلیٰ سے اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ بغیر خلوص نیت کے بیکار ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ ان کی نیت سوا ہماری بخشش اور خوشنودی حاصل کرنے کے کچھ نہیں ہے۔

اب بیان فضائل کا تو کامل ہو چکا۔ کوئی بات اب باقی نہیں ہے۔ لیکن طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے محاسن اور کمالات کے بیان

کرتے سے حضرت متکلم جل شانہ کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی۔ لہذا ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ان کے محبوب الٰہی اور مقرب بارگاہِ ایزدی ہونے کی علامت ان کے چہروں میں نمودار ہے۔ گویا فرمایا کہ صورت ببیں حالت مپرس۔

مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر موضح القرآن میں اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی صحابی کسی مجمع میں بیٹھتے۔ دور سے پہچان لیے جاتے اپنے چہرہ کے نور سے۔

پھر ایک نفیس بات یہ ہے۔ کہ ان کے چہروں کے نورانی ہونے کا سبب ان کی صحابیت یا ہجرت یا قتال فی سبیل اللہ یا کسی اور فضیلت کو قرار نہ دیا گیا۔ بلکہ ان کے مخلصانہ سجدہ کو اس کا نورانی منشا قرار دیا۔ ان کی پیشانی میں دروازہ نور کا کھول دیا۔ کہ آج بھی جس کا جی چاہے اپنے چہرہ کو نورانی بنائے مگر جیسا سجدہ ہوگا۔ ویسا ہی نور چہرہ میں پیدا ہوگا۔ نہ صحابۂ کرام کا جیسا مخلصانہ سجدہ اب کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ نہ وہ نور مل سکتا ہے۔ جیسی دوا ہوگی۔ ویسا اثر ہوگا۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے۔ کہ سجدہ سے یا خدا کے ذکر اور عبادت سے جو نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ باطن میں ہوتا ہے۔ اس کو چہرہ سے کیا تعلق۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ بیشک یہ بات سچ ہے۔ نور عبادت کا تعلق باطن ہی سے ہے۔ مگر انتہائی حالت میں جب کہ باطن انوار عبادت سے لبریز ہو چکتا ہے۔ تو پھر کچھ حصہ ان انوار کا موج زن ہو کر ظاہر پر بھی آجاتا ہے۔ جب کوئی خدا کا مخلص بندہ اس رتبہ پر پہنچتا ہے۔ تو اس کو اپنے حق میں یہ کہنا زیبا ہے کہ ع

ظاہر و باطن ہمہ نذر و نیاز عشق شد

اس کے بعد آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ہم نے ان برگزیدہ بندوں کے فضائل توریت و انجیل میں بیان کیے ہیں۔ مقصود یہ ہے۔ کہ یہ لوگ آج سے ہمارے محبوب نہیں ہوئے۔ بلکہ روز ازل سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ ہم ان کے دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے توریت و انجیل

دردت زازل آمد تا عمر آید باید   کس شکر گزارد چوں ایں دولت سر مدار

حدیث شریف ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے (روزِ ازل میں) تمام بندوں کے دلوں پر نظر ثانی فرمائی ۔ تو سب سے اچھا پایا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو ۔ لہٰذا ان کو چن لیا ۔ اور اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ۔ پھر دوبارہ خدا نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو سب دلوں سے بہتر آپ کے صحابہؓ کے دلوں کو پایا ۔ لہٰذا ان کو اپنے نبی کا وزیر بنایا ۔ تاکہ وہ آپ کے دین کی طرف سے قتال کریں ۔ (ازالۃ الخفاء)

ان سب باتوں کے بعد صحابہ کرامؓ کے بتدریج ترقی کرنے کو کھیتی سے تشبیہ دی ۔ کھیتی کی چار حالتیں بیان فرمائیں ۔

پہلی حالت دانہ سے اکھوے کا نکلنا ۔ یہ حالت آغاز وجود کی ہے ۔ اور نہایت کمزوری کی حالت ہے ۔ یہی حالتِ صحابہ کرامؓ قبل ہجرت تھی ۔

دوسری حالت اس اکھوے کا مضبوط ہونا جس سے امید پیدا ہو کہ یہ اکھوا ضائع نہ ہوگا ۔ بلکہ درخت بنے گا ۔ یہ حالت بعد ہجرت پیدا ہوئی ۔ ہجرت کرتے سے ظالموں کے ظلم سے رہائی ملی اور آئندہ امیدوں کے اسباب پیدا ہوئے ۔

تیسری حالت ۔ اس درخت کا موٹا ہونا ، یہ حالت شیخینؓ کی خلافت میں حاصل ہوئی ۔ کہ کسریٰ اور قیصر کی سلطنت اور بڑے بڑے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے ۔

چوتھی حالت اس درخت کا اپنی ڈنڈی پر کھڑا ہونا ۔ یہ انتہائی کمال کی حالت ہے ۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حاصل ہوا ۔ کہ اطراف وجوانب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر بھی اسلام کا قبضہ ہو گیا ۔ اور ہر جگہ باقاعدہ معلم اور قاضی مقرر ہو گئے ۔ مساجد بھی حسب ضرورت بن گئیں ۔ غرضکہ کوئی حالت منتظرہ کمال کی باقی نہ رہ گئی ۔ کھیتی کی مثال بیان

فرمانے سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

اوّل:۔ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ترقی بتدریج ہوگی۔

دوم:۔ یہ کہ ترقی منتہائے کمال تک پہنچنے کے بغیر نہ رکے گی۔ اس مثال کے بعد فرمایا۔ کہ کسان اپنی کھیتی کو اس طرح ترقی کرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کھیتی (یعنی) اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا کسان حق تعالےٰ ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں۔ پھر فرمایا کہ کفار کو غیظ و غصہ دلانا مقصود ہے۔ کیونکہ اس مثال کو سن کر وہ سمجھ لیں گے۔ کہ اہل اسلام کی ترقی کوئی معمولی ترقی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ ترقی ہوگی۔ جو ترقی کا آخری درجہ ہے۔

یہ ترقی چونکہ دنیاوی ترقی تھی۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ ان کے اخروی انعامات بھی بیان فرما دیئے جائیں۔ لہذا ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے دو چیزوں کا وعدہ کیا ہے۔

اوّل:۔ مغفرت کا۔ یعنی اگر ان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے گی۔ تو وعدہ ہے۔ کہ ہم اس کو بخش دیں گے۔

دوم:۔ اجر عظیم کا۔ کہ آخرت میں بڑے بلند مراتب عطا کریں گے۔ گناہ معاف، نیکیاں مقبول۔ یہ وعدہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں صحابہ کرامؓ سے کیا گیا ہے۔ مہاجرین و انصار دونوں مخاطب بنائے گئے ہیں اور کہیں صرف مہاجرین مثلاً ایک جگہ فرمایا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ ترجمہ: ضرور ضرور معاف کروں گا میں ان سے خطائیں ان کی۔ اور ضرور ضرور داخل کروں گا میں ان کو باغوں میں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

شرح الفاظ

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ : اس لفظ کے معنی تو بالکل ظاہر ہیں۔ صرف

یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ معیت کے حقیقی معنی ہیں دو شخصوں یا کئی اشخاص کا ایک جگہ میں ہونا۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ اس آیت میں کوئی جگہ مراد لی جائے کہ اس جگہ میں یہ لوگ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اب خواہ بوجہ شان نزول کے یا بقرینہ سباق مقام حدیبیہ کی ہمراہی مراد لی جائے اور خواہ عام رکھا جائے۔ کوئی تخصیص حدیبیہ کی نہ کی جائے۔ بعض مخالفین کا یہ کہنا کہ یہاں مراد معیت سے معیت دینی ہے۔ یعنی جو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دین میں متفق ہوں۔ تاکہ اس آیت کا مصداق حضرت امام مہدی کو قرار دیں بالکل لغو ہے۔ یہ معنی معیت کے مجازی ہیں۔ اور جب تک حقیقی معنی ممکن ہوں۔ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں کھیتی کی مثال بھی اس قول کو رد کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بعض مفسرین نے والذین معہ کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ کو اور اشداء کی تفسیر میں حضرت عمرؓ کو اور رحماء کی تفسیر میں حضرت عثمانؓ کو اور رکعًا سے حضرت علیؓ یبتغون فضلاً کی تفسیر میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو ذکر کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ الفاظ انہیں حضرات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ایک ایک لفظ سے ایک ایک بزرگ مراد ہیں۔ بلکہ اس قسم کی تفسیریں محض بطور مثال کے ہوتی ہیں۔ جس میں جو صفت غالب دیکھی۔ اس صفت کے تحت میں اس بزرگ کا تذکرہ کر دیا۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ کافروں پر ظلم کرتے ہیں۔ بلکہ شدت سے مراد یہ ہے۔ کہ ان کو مرعوب و مقہور رکھتے ہیں یا بقرینہ مقام کفار سے حربی کافر مراد ہیں۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ بعض مفسرین نے تورات پر وقف کیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اوپر والا مضمون توریت میں ہے۔ اور کھیتی والی مثال انجیل میں ہے۔ آج بائیبل کے موجودہ نسخے اسی کی تائید کرتے ہیں۔ اور

بعض مفسرین نے انجیل پر وقف کیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ کھیتی والی مثال توریت و انجیل دونوں میں ہے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ یہ ضمیر منھم کی الذین معہٗ کی طرف نہیں پھر سکتی۔ ورنہ معاذ اللہ کلام میں تعارض ہو جائے گا۔ کیونکہ الذین معہٗ کے جو اوصاف اوپر بیان فرمائے ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ وہ سب کے سب مومن صالح تھے۔ یہ غیر ممکن ہے۔ کہ ان میں کچھ لوگ صالح ہوں۔ کچھ غیر صالح۔ بلکہ یہ ضمیر اس جماعت کی طرف پھر رہی ہے۔ جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعد میں داخلِ اسلام ہوئے۔ کھیتی کی مثال سے اسلام کی ترقی اور نئے لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

اِستدلال

اس آیت سے ہمارا استدلال خلافت پر دو طرح سے ہے۔

استدلال اوّل:۔ ان اوصاف سے جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں ظاہر ہے کہ جن کے یہ اوصاف ہوں وہ ظالم و غاصب نہیں ہو سکتے۔ ان کی خلافت ضرور خلافتِ حقہ ہوگی۔ جن کو خدا فرمائے کہ وہ آپس میں مہربان تھے۔ ناممکن ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا حق غصب کریں۔ خلافت کا مستحق کوئی ہو۔ اور خلیفہ بن بیٹھے کوئی۔ اب رہا یہ کہ کیوں کر معلوم ہو۔ کہ یہ اوصاف حضرات خلفائے ثلثہ کو بھی شامل ہیں۔ اس کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے۔ کہ تینوں خلیفہ کا سفر حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونا اور اس معرکہ میں اول سے آخر تک شریک رہنا قطعی و یقینی ہے۔ مخالف موافق سب کو بلا اختلاف تسلیم ہے۔

اس استدلال سے نہایت سہولت کے ساتھ تینوں خلافتوں کا حق

ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ان کی خلافت موعودہ ہونا البتہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بھی اس آیت سے ثابت ہوتی ہے

استدلال دوم ۔ کھیتی کی مثال سے ہے۔ اور اس استدلال سے نہ صرف حق ہونا خلافت کا بلکہ موعودہ ہونا اور نہ صرف موعودہ قرآن بلکہ موعودۂ توریت وانجیل ہونا بھی ثابت ہے۔ فیہا لہا من شرف۔

تقریر استدلال کی تین مقدمات پر موقوف ہے۔

پہلا مقدمہ :۔ یہ کہ کھیتی کی مثال سے تین باتیں سمجھی جاتی ہیں۔

(۱) اصحابِ پیغمبر کی یا دین اسلام کی ترقی بتدریج ہوگی۔ جس طرح کھیتی کی ترقی بتدریج ہوتی ہے۔

(۲) یہ ترقی انتہائے کمال کو پہنچے گی۔ جس طرح کھیتی میں جب درخت کو استوار کی صفت حاصل ہوجاتی ہے۔ تو نمو کامل ہوجاتا ہے۔ اور اس کے بعد نمو نہیں ہوتا۔

(۳) یہ ترقیات علی الاتصال ہوں گی۔ درمیان میں سکون یا تنزل کا زمانہ نہ ہوگا۔ جس طرح کھیتی کی ترقی کی حالت ہوتی ہے۔

دوسرا مقدمہ ۔ یہ کہ ترقی کے یہ سب مدارج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل نہیں ہوئے۔ آپ جب دُنیا سے تشریف لے گئے تو اسلام نے جزیرۃ العرب سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ دو بڑی پر شوکت سلطنتیں کفر کی قائم تھیں۔ ایک ایران کی اور ایک روم کی۔ دنیا میں کفر کی قوت ایسی تھی کہ قرآن مجید کی اسی سورت میں اسکو اولی باس شدید فرمایا۔ ہاں ترقی کا آغاز بے شک آپ کے عہد مبارک میں ہوچکا تھا۔ پس ضروری ہوا کہ ترقی کے باقی مدارج آپ کے زمانے کے بعد پورے ہوں۔ اور اس طور پر پورے ہوں کہ ترقی کا سلسلہ رکنے نہ پائے۔

تیسرا مقدمہ :۔ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

علی الاتصال یہ تین خلافتیں قائم ہوئیں۔ اور تینوں میں اسلام و مسلمین کا غلبہ ترقی کرتا گیا۔ روم و ایران کی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ کوئی طاقت کفر کی ایسی باقی نہ رہی جو اسلام کی شوکت کے سامنے سرنگوں نہ ہوئی ہو۔ اور تیسری خلافت کے اختتام پر وہ ترقی رُک گئی۔

ان تینوں مقدمات سے جن میں پہلا مقدمہ تو آیتِ مبحوثہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور آخری دونوں مقدمات "تاریخ" کے واقعاتِ مسلمۃ الکل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ نتیجہ صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ آیت اور اس کی پیشین گوئی جو کھیتی کے مثال کے ضمن میں ہے۔ جبھی صادق ہوسکتی ہے۔ کہ ان تینوں خلافتوں کو خلافت حقہ مانا جائے۔ اور ان کے زمانے میں جو ترقی اسلام کو ہوئی اس کو موعودہ ترقی تسلیم کیا جائے۔

اعتراضاتِ مخالفین

مخالفین نے جو اعتراضات اس استدلال پر کئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وہ اس آیت کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں۔

کہتے ہیں۔ کہ ہم اس بات کو نہیں تسلیم کرتے۔ کہ اہل حدیبیہ میں یہ اوصاف موجود تھے۔ جو آیت میں مذکور ہیں۔ ان میں باہم خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔ قتل و قتال کا بازار گرم ہوا۔ پھر وہ کیوں کر رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ کے مصداق کہے جاسکتے ہیں۔ حضرتِ علیؓ کی خلافت میں دو جنگیں جمل اور صفین کی پیش آئیں۔ جن میں دونوں طرف صحابہ کرامؓ خصوصاً اہل حدیبیہ موجود تھے۔

جواب :۔ اس کا اولاً یہ کہ اگر مخالفین کو قرآن مجید کی تکذیب منظور نہ تھی تو چاہیئے تھا۔ کہ اس آیت کا مصداق وہ خود بتاتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں کسی اور جماعت کا نام لیتے۔ جو ان اوصاف

کی مصداق ہوتی۔ اور پھر اس کو ترقی و غلبہ بھی حاصل ہُوا ہوتا۔ جو کھیتی کی مثال میں مذکور ہے۔

ثانیاً یہ کہ اہل حدیبیہ کے باہم لڑائی کے واقعات صحیح بھی ہوں۔ تو ان میں اتنی طاقت کہاں۔ کہ قرآن شریف کا مقابلہ کرسکیں۔ ایک سچے ایماندار کو مشاہدات تو خود قرآن کریم سے ہٹا نہیں سکتے۔ روایات کا ذکر کیا۔

ثالثاً۔ یہ کہ اہل حدیبیہ کی باہم لڑائی کا صرف ایک ہی واقعہ ہے۔ (جنگ جمل کا) جنگ صفین میں باہم اہل حدیبیہ کا مقابلہ نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل حدیبیہ میں نہیں ہیں۔ جنگ جمل کے متعلق تاریخی کتابوں میں دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ لڑائی دھوکہ دھوکہ میں شروع ہو گئی تھی۔ لڑنے کا ارادہ طرفین میں سے کسی کا بھی نہ تھا۔ پھر اس اتفاقی لڑائی سے ان کی صحبتوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ حضرت علیؓ کا حضرت زبیرؓ کے قاتل ابن جرموز کو دوزخ کی بشارت سنانا اور یہ کہنا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اے علیؓ زبیر کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دینا۔ نیز حضرت علیؓ کا حضرت طلحہؓ کی لاش مبارک پر پہنچ کر یہ فرمانا کہ اے کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا اور حضرت طلحہؓ کے ہاتھ کو چومنا اور یہ فرمانا کہ یہ وہ ہاتھ ہے۔ جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے مصائب کو دفع کیا ہے۔ غرضکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ اس اتفاقی لڑائی نے ان کی باہمی محبتوں میں کوئی خلل نہیں ڈالا۔ سچ یہ ہے کہ ان دو لڑنے والوں میں جو محبت والفت تھی۔ آج دو حقیقی بھائیوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ کیا سچ کہا ہے۔ کہ :-

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا ۔۔۔ خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا

مخالفین اس آیت میں بہت حیران ہیں کہ کیا کریں ۔ ان کے مذہب کی ساری بنیاد اسی پر ہے ۔ کہ اہل حدیبیہ میں باہم بغض وعداوت ثابت ہو ۔ حضرت علی اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں دشمنی اور سخت دشمنی تسلیم کی جائے لیکن یہ آیت اس بنیاد کو نیست ونابود کئے دیتی ہے ۔ عجب مذہب ہے ۔ جس کی بنیاد دوسروں کی عداوت پر ہے ۔ عجب ملت ہے ۔ جس کی بھلائی دوسروں کی برائی پر موقوف ہے ۔

آیت کی تفسیر ختم ہو چکی ۔ اب ہم چاہتے ہیں ۔ کہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس تفسیر کے متعلق ہدیۂ ناظرین کر دیں ۔ ممدوح ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں ۔

اللہُ تعالیٰ فِیْ سُوْرَۃِ الْفَتْحِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ

(چھٹی آیت) اللہ تعالیٰ نے (اسی) سورۂ فتح (چھبیسویں پارہ) میں فرمایا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر خدا ہیں اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں سخت ہیں کافروں پر مہربان ہیں باہم (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے ان کو رکوع کرنیوالا اور سجدہ کرنیوالا طلب کرتے ہیں بخشش کو خدا سے اور خوشنودی کو علامت ان (کے نیک ہونے) کی ان کے چہروں میں (ظاہر) ہے سجدوں کے نشان سے یہ (جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے) ان کی

اَلْکُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰہُ	(وہ) حالت ہے جو توریت
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	میں (بیان ہوئی) اور ان کی
الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ	(وہ حالت ہے (جو) انجیل
مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا	میں (بیان ہوئی ہے، یہ لوگ
عَظِیْمًاہ	مثل اس کھیتی کے ہیں جس

نے نکالا اپنا انکھوا پھر اس کو قوی کیا اس نے پھر وہ فربہ ہو گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا اپنی ڈنڈی پر۔ کاشت کاروں کو خوش کرتا ہے (غلبۂ اسلام کی حالت) کا انجام یہ ہے کہ غصہ میں لائے خدا بسبب ان کے کافروں کو۔ وعدہ دیا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور انہوں نے نیک کام کیئے۔ اُمت محمدیہ سے بخشش کا۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغامبر	یہ کلام خاص انہیں مخلصوں
خدا است۔ و آنکہ ہمراہ اویند	کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے
سخت اند بر کافراں و مہربان	ہے۔ جو سفر حدیبیہ میں آں
اند در میانِ خود ہا مے بینی اے	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بینندہ ایشاں را رکوع کنندہ	ہمراہ تھے اور ان کے تمام
وسجدہ نمائندہ مے طلبند بخشائش	فرقوں پر غالب آجانیکی بشارت
ازخدا و خوشنودی را علامت	بھی ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ
صلاحِ ایشاں است از اثرِ سجدہ	اللّٰہِ۔ جب اس گروہ کی تعریف
آنچہ مذکور میشود داستانِ ایشان	کی جاتی ہے۔ تو اس گروہ کے
است در توریت۔ و داستان	سردار کا ذکر بھی ضروری ہے
ایشاں است در انجیل۔ ایشان	(لہذا ابتداء آں حضرت صلعم
مانند زراعتی ہستند کہ برآوردہ است	سے کی گئی۔ اور آپ کی تعریف

گیاہ سبز خود را پس قوت داد آں
را پس بالیستاد بر ساقہائے خود
بشگفت مے آرد زراعت کنندگان
را عاقبت حال غلبۂ اسلام آنست کہ
بخشم آرد خدائے تعالیٰ بسبب
ایشاں کافراں را وعدہ دادہ
است خدا تعالیٰ آناں را کہ
ایمان آوردہ اند وکارہائے
شائستہ کردند ۔ ازیں اُمت
آمرزش بزرگ سوق کلام برائے
تشریف آں مخلصاں است ۔
کہ سفر حدیبیہ ہمراہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بودند لبشارت
بغلبہ ایشاں بر جمیع امم قولہ تعالیٰ
محمد رسول اللہ ۔ چوں سخن در ستائش
ایں قوم افتاد لازم شد
اولاً ذکر امام ایشاں و در ستودن
پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں
کلمہ اکتفا کردہ شد کہ محمد رسول اللہ
یعنی کدام فضیلت است کہ
در ضمن رسول اللہ نیامدہ و کل
الصید فی جوف الفرا
قولہ والذین معہ مراد

میں صرف اسی ایک کلمہ رسول اللہ
پر قناعت کی گئی جس سے یہ بات
معلوم ہوگئی کہ کوئی فضیلت ایسی
نہیں ہے ۔ جو (لفظ) رسول اللہ
کے ضمن میں نہ آگئی ہو (مثل ہے
کہ) جتنے شکار ہیں سب گورخر
کے پیٹ میں ہیں ۔ اسی طرح وصف
رسالت کے مقابلہ میں باقی اوصاف
کی حالت) وَالذین معہٗ
مراد اس سے وہی لوگ ہیں جو
سفر حدیبیہ میں آں جناب کے
ہمراہ تھے کیونکہ (اول) تو اوپر
سے کلام انہیں لوگوں کی تعریف
میں چلا آرہا ہے (دوسرے) معیت
کے معنی حقیقی کسی مقام میں ساتھ
ہونے یا کسی سفر میں ساتھ ہونے
کے ہیں (اس کے علاوہ دوسرے
قسم کی معیت) مثلاً معیت دینیہ
معنی مجازی ہیں ۔ اور جب تک
حقیقی معنی بن سکیں ۔ مجازی معنی
مراد نہیں لئے جاتے (تیسرے) حدیث
مستفیض میں اہل حدیبیہ کی فضیلت
بھی وارد ہوئی ہے ۔ آشداء

از یں جماعت آنانند کہ سفر حدیبیہ
ہمراہ آں جناب بودند صلی اللہ
علیہ وسلم۔ زیراکہ سوق کلام
برائے تشریف ایں جماعت
است۔ وحقیقت معیت معیت
درجائے است یا در سفرے
ومعیت دینیہ مثلاً مجاز است۔
وہ یلتفت الیہ ما دام
للحقیقۃ مساغ در حدیث
مستفیض فضیلت اہل حدیبیہ
آمدہ قولہ اشداء فضائل
مجموع اند در دو نوع حسن معاملہ
کہ درمیان ابنائے جنس خود
باشد وحسن معاملہ کہ در تہذیب
نفس خود بود۔ خدا تعالیٰ ہر دو
قسم را برائے ایشاں جمع مے
فرمایند درمیانِ ابنا جنس خود
بایں وضع معاملہ مے کنند۔ کہ
قوت غضبیہ را مقتدای بغضب
الٰہی ساختہ اند ورحمت ورافت
راموفق رحمت الٰہیہ گردانیدہ
اند ہر کہ مردود او مت شدت
غضب ایشاں بردست وہر کہ

(یہاں سے ان لوگوں کے فضائل
کا آغاز ہے، فضائل دو قسم کے
ہوتے ہیں۔ (اوّل) اس معاملہ
کا اچھا ہونا جو باہم بنی نوع میں
ہوتا ہے۔ اور (دوسرے) اس
معاملہ کا اچھا ہونا جو اپنی تہذیب
نفس کے لئے ہو۔ خدا تعالیٰ نے
دونوں قسم کے فضائل ان حضرات
کے لئے جمع کر دیئے ہیں (اَشِدَّاءُ
اور رُحَمَاءُ) میں قسم اوّل کے
فضائل کی طرف اشارہ ہے (یہ
اپنے ہم جنسوں سے اس طرح
معاملہ کرتے ہیں۔ کہ اپنے غصہ
کو بھی انہوں نے غضب الٰہی کا
تابع کر دیا ہے اور اپنی مہربانی
اور نرمی کو بھی انہوں نے رحمت
الٰہی کا تابع کر دیا ہے۔ جو اس کا
مردود ہے۔ اس پر ان کا بھی
غصہ رہتا ہے۔ اور جو اس کا
مقبول ہے۔ اس پر ان کی بھی
مہربانی رہتی ہے۔ یہ اخلاق
الٰہی سے متصف ہونے کا اعلیٰ
درجہ ہے۔ اور تَرَاهُمْ

مقبول اوست رافت و رحمت
ایشاں برائے اوست وھذا
کمال التخلق باخلاق اللہ
تعالیٰ و برائے تہذیب
فیما بینھم و بین اللہ
باکثار صلوات مشغول اند کہ
الصلوٰۃ معراج
المومنین یبتغون
فضلا بیان کمال اخلاص
ایشاں است باطن ایشان
موافق باظاہر است سیماھم
فی وجوھھم یعنی خشوع و
نیایش ایشاں در بارگاہ الٰہی
نہ خطرہ ایست کہ از یک طرف
مے آید و طرف دیگر میرود بلکہ
ملکہ ایست راسخہ کہ در عمرے در
تحصیل ایں صفت صرف کردہ
اند۔ و دلہائے ایشا حظ وافر
گرفتہ در رنگ مناجات محیط
بواطن ایشان شدہ تا آنکہ بر چہرہ
ایشاں طفاحہ از دل ایشاں جو
شید و پرتوے از انوار باطن
ایشاں بر ظاہر افتادہ کہ کل اناء

رُکَّعًا سُجَّدًا سے قسم دوم
کے فضائل کی طرف اشارہ ہے
کہ) یہ آپنے خدا کے درمیان ہیں
جو معاملات ہیں ان کی درستی
کے لئے نمازوں کی کثرت میں
مشغول ہیں کہ نماز مومن کی معراج
ہے۔ یبتغون فضلا من
ان کے کمال اخلاص کا بیان ہے۔
کہ ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے
سیماھم فی وجوھھم
یعنی ان (اصحاب حدیبیہ)
کا خشوع اور خضوع بارگاہ الٰہی
میں ایسا نہیں ہے۔ کہ عارضی
طور پر ایک وقت ہو جائے۔
اور دوسرے وقت باقی نہ رہے۔
بلکہ وہ ایک مضبوط ملکہ ہے۔
جسکے حاصل کرنے میں انہوں نے
عمریں خرچ کردی ہیں۔ ان کے
دلوں نے ان کی نمازوں سے
حظ کامل اٹھایا ہے اور ان کی
مناجات کے رنگ نے ان کے
باطن کو ایسا گھیر لیا ہے۔ کہ اس
کا کچھ حصہ ان کے دل سے جوش زن

یتر شح بما فیہ قولہ
تعالیٰ ذٰلک مثلھم
فی التوراۃ ومثلھم
فی الانجیل کزرع وذٰلک
اینجا اشارہ است بکلمہ کزرع
کقولہ تعالیٰ وقضینا الیہ
ذٰلک الامر ان دابر ھٰؤلاء
مقطوع مصبحین قولہ
تعالیٰ کزرع اخرج شطاہ
اینجا چہار کلمہ گفتہ شد اول دلالت
میکند بر ابتدائے وآخر دلالت
مے نماید بر کمال نمو او کہ بعد
ازاں نموئے نیست وشک
نیست کہ انتقال آں حضرت
علیہ السلام از حالے بحالے
تدریجاً بوقوع آمد بوجہے کہ چار
مرتبہ ضبط آں عدد کثیر نمی نماید
لاحالہ مراد اینجا انتقالات
کلیہ چہار عددی نماید ہم اوّل
آں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
در مکہ مبعوث شدند واہل مکہ
ہمہ مشرک بودند بتحریفات
آبائی خود مطمئن گشتہ بانکار و

ہو کر ان کے چہروں پر آگیا ہے۔
اور ان کے باطن کا پرتو انکے
ظاہر میں بھی آشکار ہے (مثل
ہے) کہ ہر طرف سے وہی ٹپکتا
ہے۔ جو اس میں ہوتا ہے۔
ذلک مثلھم ذٰلک
(اسم) اشارہ وکلمہ کزرع
جو اس کے بعد مذکور ہے۔
اس کا مشار الیہ ہے اسم
اشارہ کا مشار الیہ سے پہلے
آنا برابر رائج ہے۔ حتیٰ کہ خود
کلام پاک میں ہے، مثل قول
حق تعالیٰ کے وقضینا الیہ
ذلک الامر ان دابر ھٰؤلاء
مقطوع مصبحین یہاں
بھی ذلک کا مشار الیہ ان
دابر ھٰؤلاء الخ ہے جو بعد
اس کے ہے۔ کزرع شطاہ
یہاں چار باتیں بیان کی گئی ہیں
سب سے پہلے بات یعنی کھیتی
کو آنکھوا ، کام کے آغاز
پر دلالت کرتی ہے۔ اور اخیر
بات (یعنی درخت کا ڈنڈی

اصراف برخاستند. اینجا بالہام
نو پیدا شد بر اظہار آں قادر
بودند . دوم آنکہ از دستِ
مشرکین خلاص شدہ بمدینہ
ہجرت کردند - جہاد اعداء
اللہ مشغول شدند بقتال
قریش قصداً و بقتال غیر ایشاں
تبعاً تا آنکہ فتح مکہ نمودند و تمام
حجاز در اطاعت آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم راست گشت
اینجا صورتِ پادشاہی
ناحیہ از نواحی زمین پیدا شد در
انتہاء این حال آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم از دارِ دنیا
برفیق اعلیٰ انتقال فرمودند.
حرکتِ سوم آں بود کہ شیخین
یاد و بادشاہ ذو شوکت کہ
بر تمام عالم غالب بودند کسریٰ
و قیصر قصد جہاد نمودند تا آنکہ
ہر دو دولت پامال شوکت
اسلام گشت . وازآنہا نامے
ونشانے نماند حرکت چہارم
خرد کاریہا کہ ملوک نواحی اکہ

پہ کھڑا ہو جانا، اس کام کی
انتہائی ترقی پہ دلالت کرتی ہے.
جسکے بعد پھر کوئی زینہ ترقی کا باقی
نہیں رہتا - اور اس میں شک
نہیں کہ آں حضرت علیہ السلام
کی ترقیاں بتدریج اس قدر
ہیں کہ صرف چار درجے ان کے
لئے کافی نہیں ہوسکتے - لامحالہ
یہاں بڑی بڑی ترقیاں مراد
ہیں - اور بڑی ترقیوں کے چار
درجے نکلتے ہیں - جس طرح کھیتی
کی ترقی کے بے شمار مدارج ہیں
ہر آن میں اس کو نئی ترقی حاصل
ہوتی ہے مگر بڑی بڑی ترقیاں
اس کی یہی چار ہیں جو آیت میں
بیان ہوئیں - یہ تو الفاظ کے
معنی تھے - اب جو ہم مصداق
اس کلام کا تلاش کرتے ہیں. تو
بڑی بڑی تبدیلیوں کے چار
درجے پاتے ہیں - اوّل حالت
یہ تھی - کہ آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے
تمام اہل مکہ مشرک تھے اور

در اصل باجِ وہ کسریٰ
وقیصر بودند ۔ در حدِ ذات خود
نیز قوتے شوکتے بہم رسانیدہ
بودند برانداختہ شود و رواج
اسلام در بلادِ مفتوحہ پدید
آید و در ہر شہرے مساجد
بنا شوند و قضات منصوب
گردند و رواتِ حدیث
و مفتیانِ فقہ مسکن گیرند ۔
چوں خبر را با مخبر عنہ در
انتقالاتِ کلیہ مطابقت
یافتیم معلوم شد ۔ کہ مطمحِ اشارات
قرآن ہمیں انتقالات بودہ
است چوں ایں مقدمہ
واضح شد ۔ باید دانست
کہ خلفاء از جملہ والذین
معہٗ بودند بالقطع ۔ پس
اشداء علی الکفار
رحماء بینہم الخ
وصفِ ایشاں باشد و ایں یکے
از لوازمِ خلافتِ خاصہ است
و مطمحِ اشارت فاستغلظ
خلافتِ شیخین است و رمی

اپنے باپ دادا کی تحریفات پر قناعت
کئے تھے ۔ وہ سب لوگ مخالفت
اور ضرر رسانی پر آمادہ ہو گئے ۔ اس
وقت گویا اسلام نیا پیدا ہوا اور
اخرج شطاہ کا مرتبہ ظہور میں آیا
حضرت اس کے ظاہر کرنے پر بھی
قادر نہ تھے ۔ دوسری وہ حالت تھی
کہ مشرکوں کے ہاتھ سے رہائی پا کر آپ
نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ۔ اور دشمنانِ
خدا سے جہاد کرنے میں مشغول ہوئے ۔
قریش سے قصداً اور غیر قریش سے
تبعاً آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ۔
فتح کر لیا ۔ اور تمام حجاز آپ کی اطاعت
میں اچھی طرح آگیا ۔ اس وقت ایک
چھوٹی سی ریاست کی صورت پیدا
ہو گئی اور فآزرہٗ کا درجہ حاصل
ہوا ۔ مگر اسی حالت کے آخر میں اُن
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے
رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمایا ۔
تیسری حالت وہ تھی کہ شیخین نے
دو پر شوکت بادشاہوں سے جو تمام
دنیا پر غالب تھے ۔ یعنی کسریٰ و قیصر
سے قصدِ جہاد کیا ۔ یہاں تک کہ یہ

بصرد فاستوی علیٰ سوقہٖ
خرد کار یہا است کہ در زمان
حضرت عثمان بوقوع آمدہ۔ و
نیز آں چہ بعد ذہاب فرقہ
مسلمین دو جود اجتماع کلمہ
ایشاں بقصد خلیفہ وقت
یا بغیر قصد او و بمجرد تدبیر
الٰہی صورت گرفتہ است۔ ایں
جا معلوم شد فخامت
شان خلفاء و رسوخ قدم
ایشاں در تائید اسلام و
آں کہ بدست ایشاں جہاد
اعداء اللہ و اعلائے کلمۃ اللہ
بوجہے واقع شد۔ کہ مقبول
جناب ربوبیت باشد و
موجب ثنائے جمیل گردد
قولہ تعالےٰ یعجب الزراع
اشارہ بکمال رضا است
زیرا کہ در قصبہ مسلمین
زارع حضرت الوہیت
است۔ قولہ تعالےٰ
وعد اللہ الذین آمنوا
وعملوا الصلحت منہم

دونوں سلطنتیں شوکت اسلام
سے پامال ہوگئیں۔ اور ان کا
نام ونشان باقی نہ رہا اب فاستغلظ
کا درجہ حاصل ہوا، چوتھی حالت وہ
تھی کہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی فتح ہو
گئیں اطراف وجوانب کے بادشاہ جو
دراصل کسریٰ وقیصر کے باجگذار
تھے۔ اور اپنی جگہ پر خود انہوں نے
قوت وشوکت حاصل کر لی تھی درہم
وبرہم کر دیئے گئے۔ اور اسلام کا رواج
مفتوحہ شہروں میں پیدا ہوگیا۔
اور ہر شہر میں مسجدیں بن گئیں
اور قاضی مقرر ہوگئے۔ اور حدیث
کے راوی اور فقہ کے مفتی سکونت
پذیر ہوئے۔ اور فاستوی
علیٰ سوقہٖ کا درجہ حاصل ہو
گیا، پس جب ہم نے اس مثال
کو جو آیت میں مذکور ہے، اسلام
کے ساتھ بڑی بڑی تبدیلیوں
میں مطابق پایا۔ تو معلوم ہوگیا
کہ قرآن کے اشارات انہیں
تبدیلیوں کی طرف تھے۔ جب یہ
بات واضح ہوگئی تو اب جاننا چاہیئے

ضمیر منہم راجع است با آنچہ از فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہ مفہوم گشت۔ یعنی اسلام غالب خواہد آمد و جمعے کثیر در اسلام داخل خواہند شد۔ وعدہ کردہ است خدائے مر جمعے را کہ ازیں جماعت ایمان آوردند وعمل صالح نمودند اجر عظیم کہ نعیم مقیم است۔

کہ خلفاء کا الذین معہ یعنی ہمراہیان حدیبیہ) سے ہونا قطعی ہے۔ لہٰذا اشداء علی الکفار ورحماء بینھم بھی ان کا وصف ہوگا۔ اور یہ بات (یعنی کافروں پر سخت اور مومنوں پر نرم ہونا) خلافت خاصہ کے لوازم سے ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ) خلافت شیخین کی طرف اشارہ ہے۔ اور فاستوی علیٰ سوقہ کا اشارہ ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کی طرف ہے۔ جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں واقع ہوئیں۔ نیز ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ جو مسلمانوں کے کسی مقام پر جاملنے اور اُن کے باہمی اتفاق سے حاصل ہوئیں۔ بقصد خلیفہ وقت یا بغیر قصد خلیفۂ وقت محض فضل الٰہی ہے۔ اس آیت سے خلفاء کی شان کی عظمت اور تائید اسلام ان کا راسخ القدم ہونا بھی معلوم ہُوا۔ اور یہ کہ ان کے ہاتھ سے دشمنان خدا پر جہاد اور کلمۂ خدا کی بلندی اس طرح واقع ہوگی کہ جناب پروردگار میں مقبول ہوگی۔ اور عمدہ تعریف کی مستحق قرار پائیگی۔

یعجب الزراع کا لفظ راللہ کی کمال خوشنودی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی کھیتی کا کاشتکار وہی معبود برحق ہے۔ وعد اللہ الذین

۲ امنوا وعملوا الصلحت منہم منہم کی ضمیر (مجرور متصل) اس جماعت
کی طرف پھرتی ہے۔ جو فازرہ اور فاستغلظ اور فاستوی سے سمجھی
جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلام جب غالب ہو جائے گا۔ اور بہت
بڑی جماعت اسلام میں داخل ہو جائے گی۔ تو خدا تعالےٰ نے وعدہ کیا
ہے کہ اس بڑی جماعت میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ
موصوف ہوں گے ان کو بڑا اچھا بدلہ یعنی ہمیشگی کی نعمت عطا فرمائے گا۔

تفسیر آیت

اظہارِ دین

★

جس میں

قرآن کریم کی آیہ مبارکہ لیظھرہ علی الدین کلہ کی مدلل و مفصل تفسیر بیان کرکے روز روشن کی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت قرآن شریف کی موعودہ خلافت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقصد بعثت کا تتمیہ و تکملہ تھی ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

سورہ توبہ

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِــٔـُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک کر بجھا دیں۔ اور اللہ انکار کرتا ہے مگر اس بات سے کہ اپنے نور کو کامل کرے۔ اگرچہ کافر ناپسند کریں وہی اللہ ہے۔ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے۔ اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

یہ مضمون قرآن میں تین جگہ بیان ہوا ہے۔ جس سے اس کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک تو یہی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے۔

دوسری جگہ سورہ فتح میں ہے۔ جس کے الفاظ کریمہ یہ ہیں۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۔

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے اور اللہ گواہی کے لئے کافی ہے۔

تیسری جگہ سورہ صف میں ہے۔ جس کے الفاظ کریمہ یہ ہیں۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ ......

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک کر بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور کو کامل کئے بغیر رہنے والا نہیں۔ اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

ان تینوں مقامات میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی مضمون بیان ہو رہا ہے۔ اور جن الفاظ پر ہمارے استدلال کی بنیاد ہے۔ ان میں کچھ تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے مقصود دو ہیں۔ اول یہ ظاہر فرمانا کہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سارے جہاں کو شامل ہے۔ تمام مذاہب آپ کے مبعوث ہوتے ہی منسوخ ہو گئے۔ انبیائے سابقین علیہم السلام کی طرح آپ کی نبوت کسی بستی یا کسی قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یہ مقصود کل ادیان کو ذکر کر کے ظاہر فرما دیا۔

دوم۔ یہ بتلانا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد کیا ہے پیغمبروں کے بھیجنے سے خدا کے مقاصد مختلف تھے۔ کسی کو بھیجنے سے مقصود یہ تھا۔ کہ کسی سرکش قوم پر خدا کی حجت قائم ہو جائے۔ اور اس قوم پر

عذاب نازل ہو۔ کسی کے بھیجنے سے یہ مقصود تھا کہ کسی خاص قوم کو یا چند افراد قوم کو ہدایت حاصل ہو جائے۔ کسی نبی کے بھیجنے سے یہ مقصود تھا کہ کسی نبی سابق کی تقویت و تائید ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے کارناموں کے دیکھنے سے ہر ایک کی بعثت کا مقصد ظاہر ہوتا ہے۔ ہر نبی کی کوشش سے وہی نتائج حاصل ہوئے جو مراد الٰہی تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ نے نتائج کے ظہور سے پہلے اپنی مراد ظاہر فرمادی۔ تاکہ وہ پیشین گوئی کی صورت میں ایک معجزہ قاہرہ آپ کی نبوت کا ہو۔ اور تاکہ آپ کے اصحاب کرام کے لئے جو اس وقت نہایت کمزوری کی حالت میں تھے۔ خوش خبری[1] اور تسلی کا سبب بنے۔

ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ تمام دینوں پر غالب کر دیا جائے۔ پس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے مراد کیا ہے۔ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دلیل میں غالب کیا جائے۔ یعنی دین برحق کی حقانیت پر اور دوسرے دینوں کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے جس کا رد نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ تیغ و سنان کے ذریعہ سے غالب کیا جائے۔ یعنی دین برحق کی شوکت و سطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔ پہلے قسم کا ہونا تو ظاہر ہے۔ اس لئے کہ دین برحق

---

[1] چنانچہ صحابہ کرام جب ان خوش خبریوں پر خوش ہوتے تھے۔ تو کفار مکہ تمسخر و استہزا کرتے تھے۔ کہ یہ عجیب لوگ ہیں۔ کہ بایں ہمہ بے سر و سامانی و کمزوری ان کو فتح روم و ایران کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ اور یہ اس کو مان لیتے ہیں۔ اُحد میں جب شکست ہوئی تو منافقوں نے بھی کہا کہ جو وعدے خدا اور رسول نے ہم سے کئے تھے۔ وہ سب دھوکے کے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک ۱۲

کا دلائل میں غالب ہونا بدیہیات میں سے ہے۔ رہا دوسرے قسم کا غلبہ تو اس کے مراد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہمارے پاس ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ کہ کس قسم کا غلبہ مراد ہے۔ اور جب تخصیص نہیں فرمائی۔ تو غلبہ کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ سب مراد لی جائیں گی۔

(۲) دلیل و برہان سے غالب ہونا دین حق کے لئے لازمی دائمی ہے۔ اس میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت۔

(۳) غلبہ کی نمایاں قسم دوسری ہی قسم ہے۔ اور غلبہ کے نتائج پورے طور پر دوسری ہی قسم سے حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا اس کا مراد نہ ہونا خلاف ظاہر ہے جو بغیر دلیل کے مقبول نہیں ہو سکتا۔

(۴) دوسری آیات اور احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے۔

بے شمار آیات قرآنیہ ہیں۔ جن میں حق تعالیٰ نے کافروں کے مغلوب و مقہور ہونے اور مسلمانوں کے مظفر و منصور ہونے کے وعدے فرمائے ہیں۔ فتوحات اور غنائم کی خوش خبریاں سنائی ہیں۔ اور احادیث تو دفتر کی دفتر ہیں۔ یہ سب آیات و احادیث دلیل اس بات کی ہیں۔ کہ اس آیت میں اظہار سے مراد وہ غلبہ ہے۔ جو سیف و سنان سے حاصل ہو۔

(۵) ہر نبی وہی کرتا ہے۔ جس کے لئے اس کی بعثت ہوئی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف و سنان کے ساتھ بھی کفار سے جہاد فرمایا۔ اور فتوحات حاصل کیں۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ سیف و سنان سے کفار کا مغلوب کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ہے۔ جن انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے خدا کا مقصود اس

قسم کا غلبہ نہ تھا۔ انہوں نے کبھی تلوار نہیں اٹھائی ان پر طرح طرح کے ظلم ہوئے۔ لیکن انہوں نے مدافعانہ کاروائی بھی نہیں کی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

(۶) خود اس آیت کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ غلبہ کی دوسری قسم مراد ہو۔

سورہ توبہ میں یہ آیت اس موقع پر ہے۔ کہ اس سے پہلے مسلسل احکام جہاد کے بیان ہو رہے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الایہ۔ ترجمہ: پوری آیت کا یہ ہے۔ کہ وہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور خدا اور رسول کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام نہیں کہتے۔ اور دین برحق کو قبول نہیں کرتے۔ ان سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینا قبول کریں۔

اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی شرارتوں کا مختصر بیان ہے۔ پھر یہ آیت ہے جس کی تفسیر ہم لکھ رہے ہیں۔ یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے۔ کہ غلبہ سے مراد وہ غلبہ ہے۔ جو جہاد میں حاصل ہوتا ہے۔ حکم جہاد کے بعد یہ آیت گویا وعدہ ہے۔ کہ جہاد میں تم غالب رہو گے۔ کیونکہ ہمارا مقصود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے یہی ہے۔ کہ دین برحق کو تمام دینوں پر غالب کیا جائے۔ اور سورہ فتح میں اس آیت سے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول ؐ نے جو خواب دیکھا ہے۔ وہ سچا ہے۔ تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گے۔ اور اس کے بعد تمہارے لیئے فتح قریب خدا نے رکھی ہے اس کے بعد آیت مبحوثہ ہے۔ امن اور فتح کا وعدہ ہے کر غلبہ کا ذکر فرمانا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے۔ ورنہ امن و فتح سے پہلے قسم کے غلبہ

کا کچھ ربط نہیں ۔

اور سورہ صف میں اس آیت سے پہلے بھی قتال کا تذکرہ ہے ۔ اور اس آیت کے بعد بھی یہی ذکر ہے ۔ اور مسلمانوں کو فتوحات کی خوش خبری سنائی ہے کہ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ یہ سیاق وسباق بھی بتا رہا ہے ۔ کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے ۔

ابھی اور دلائل بھی اس کی تائید میں ہیں ۔ لیکن اب زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں ۔

پس اب مطلب آیت کا بالکل ظاہر ہوگیا ۔ کہ کافر چاہتے تھے کہ نور الٰہی کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھا دیں ۔ یعنی دین اسلام کو اپنی انسانی تدبیروں سے نیست و نابود کر دیں ۔ مگر یہ ناممکن ہے ۔ کیوں کہ خدا اپنے دین کے کامل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے ۔ اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے مبعوث فرمایا ہے ۔ کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر ہر قسم کا غلبہ دیا جائے ۔ دلیل و برہان سے بھی اور سیف و سنان سے بھی دین اسلام کا ظہور کامل ہوگا ۔ اور اس کی شوکت و قوت کے سامنے تمام ادیان موجودہ کی قوتیں سرنگوں کر دی جائیں گی ۔

یہ ایک بڑی زبردست پیشین گوئی ہے ۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے ۔ کہ روئے زمین کی تمام سلطنتوں کے جھنڈے اسلام کے علم کے سامنے جھک جائیں گے ۔ اور ایک عظیم الشان بادشاہت کی باگ اسلام کے ہاتھ میں ہوگی ۔ یہ وہ پیشین گوئی ہے ۔ جو اسباب ظاہر سے بالکل تعلق نہیں رکھتی ۔ بلکہ اسباب ظاہری اس کے خلاف تھے ۔ کافر اس قسم کی پیشین گوئیوں پر تمسخر کرتے تھے ۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا ایمان ظاہر ہے کہ کیسا تھا ۔ سبحان اللہ ۔

استدلال

اس آیت سے بھی حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت پر استدلال نہایت سہل الحصول ہے۔ صرف دو امر کی تحقیق پر استدلال کی بنیاد ہے۔ اول یہ کہ آیت میں جو پیشین گوئی ہے۔ یعنی جس چیز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود فرمایا ہے۔ اس کے پورے ہونے کی کیا صورت ہے۔ دوم یہ کہ یہ پیشین گوئی کس کے زمانہ میں پوری ہوئی۔

امر اول کی تحقیق یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو مذاہب دُنیا میں موجود تھے۔ ان میں دو مذہب صاحب تخت و تاج تھے۔ ایک عیسائیوں کا، دوسرا آتش پرستوں کا۔ روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی۔ اور ایران میں آتش پرستوں کی۔

حضرت مولٰنا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ازالتہ الخفا میں لکھتے ہیں۔ کہ اس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں تھیں۔ ایک ایران کی اور دوسری روم کی۔ ان دونوں بادشاہوں کی سطوت و جبروت نے ساری دنیا کو گھیر رکھا تھا۔ اور دوسرے مذاہب سب ان کی قوت کے سامنے مضمحل ہو رہے تھے۔ روم، روس، فرنگستان، جرمنی، افریقہ، شام، مصر اور بعض بلاد مغرب اور زنجبار میں عیسائیت کا دور دورہ تھا۔ اور خراسان اور ترکستان اور ازبکستان اور باختر وغیرہ میں آتش پرستی کا زور تھا۔

ملک عرب میں بت پرستی کا زور تھا۔ اور کچھ قدر قلیل عیسائی اور یہودی تھے۔ مگر عرب بھی ایک طرح سے ایران کے ماتحت تھا۔ ان حالات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ کہ دین اسلام کے تمام دینوں پر غالب آنے کی صورت سوا اس کے نہیں ہو سکتی۔ کہ روم و ایران

کی سلطنت درہم برہم ہو جائے۔ اور یہ دونوں پُر شوکت سلطنتیں اسلام کے قبضہ میں آجائیں۔ بغیر ان دونوں سلطنتوں کے مفتوح و مغلوب کئے ہوئے کوئی صورت اسلام کی تمام دینوں پر غالب آنے کی نہیں ہو سکتی۔ امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی قطعاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پوری نہیں ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہ تھا۔ کہ دین اسلام کو بت پرستوں پر غلبہ حاصل ہوا۔ اور بس۔ لہذا ضروری ہوا کہ آپ کے بعد کسی ایسے شخص یا اشخاص کے ہاتھ پر پیشین گوئی پوری ہو۔ جن کا ہاتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کہا جا سکے۔ اور جن کے ہاتھ پر اس پیشین گوئی کا پورا ہونا مقصد نبوت کا پورا ہونا کہا جا سکے۔ اور یہ صفت جس میں پائی جائے گی۔ یقیناً وہ آپ کا نائب و خلیفہ ہو گا۔

اب اس کے بعد تاریخ عالم تم کو بتائے گی۔ کہ یہ پیشین گوئی حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر ہوئی۔ انہیں کے زمانہ میں انہیں کی کوششوں سے سلطنت روم و ایران زیر و زبر ہوئی۔ اور اسلام کا فاتحانہ قبضہ ان دونوں ملکوں پر ہوا۔

حضرت ابو بکر صدیق نے ۱۳ھ میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید کو ملک ایران کی طرف بھیجا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں اور بہت مال غنیمت مسلمانوں کو ملا۔ مگر کوئی شہر ایران کا مفتوح نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ قیصر روم کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ یرموک کی وہ عظیم الشان لڑائی پیش آئی۔ جس کے کارناموں نے رستم و اسفندیار کی لڑائیوں کو بازیچۂ طفلاں بنا دیا ؎

مگر جنگ یرموک حشرے دگر
مگو جنگ بل یک جہاں کینہ ور

یرموک کی لڑائی میں مسلمانوں کو بڑی نمایاں فتح ملی۔ اور دمشق بھی آپ کے

وقت میں فتح ہُوا۔
ان لڑائیوں میں ایک بڑی کرامت کا بھی ظہور ہُوا۔ ایک مرتبہ مسلمانوں نے قیصر روم کے محل کے قریب کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ جس کے پڑھنے سے محل میں جنبش پیدا ہو گئی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی فتوحات تو حد شمار سے باہر ہیں۔ ملک روم و ایران و مصر وغیرہ وغیرہ ان کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ ازالۃ الخفاء میں ہے کہ ایک ہزار چھتیس ۳۶ شہر مع ان کے مضافات کے مفتوح ہوئے۔ اور چار ہزار مسجدیں بنیں۔ اور چار ہزار گرجے ویران ہوئے۔ اور نو سو منبر مسجدوں میں بنائے گئے۔ یعنی نو سو جامع مسجدیں بنیں۔ فتوحات اسلامیہ کا ایک دریا تھا جو موجیں لے رہا تھا ؎

بلا کی تبر دار غضب کے فتوح
نہاں اس کے خنجر میں طوفان نوح

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض ملک جو باغی ہو گئے تھے۔ پھر از سر نو فتح کئے گئے۔ مثلاً ہمدان، رے، اسکندریہ، فارس، خراسان، آذربائیجان اور کچھ ممالک جدید مفتوح ہوئے۔ مثلاً افریقہ جو بڑی عظیم الشان لڑائی کے بعد فتح ہُوا۔ اور جزیرہ قبرص اور اس کے مضافات جو بڑی معرکہ خیز بحری جنگ کے بعد فتح ہوئے۔ قسطنطنیہ بھی انہیں کے زمانہ میں فتح ہُوا۔ اور ہرقل انہی کے زمانہ میں فی النار ہُوا۔ اور حدیث کی یہ پیشین گوئی کہ لیھلکنّ قیصرُ فلا قیصرَ بعدَہٗ انہیں کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔

لہٰذا ثابت ہو گیا۔ کہ وُہ تینوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق تھے۔ خدا کے وعدے ان کے ہاتھوں پر پورے ہوئے۔ اور مقصد نبوت تکمیل کو پہنچا۔ اگر وہ تینوں خلیفہ برحق نہ مانے جائیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے کارنامے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ اور

ان کے فتوحات وعدۂ الٰہی کے مصداق نہیں کہے جا سکتے۔ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوگا۔ کہ اس آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہوئی اور خدا نے جو مقصد اپنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں قرار دیا تھا خدا اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

مخالفین صحابہؓ

اس آیت سے بہت حیران ہیں۔ ان کا اس آیت پر کیا موقوف قرآن کریم نے اُن کو ہر ہر قدم میں مبہوت ومتحیر کر دیا۔ اسی وجہ سے وہ تحریف قرآن کے قائل ہو کر یہود ونصاریٰ سے سبقت لے گئے۔

اس آیت میں کبھی تو کہتے ہیں۔ کہ اظہار سے مراد سیف وسنان کا غلبہ نہیں ہے۔ بلکہ حجت وبرہان کا غلبہ ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں۔ کہ اس آیت کی پیشین گوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہوگئی اور کہتے ہیں۔ کہ یہ کیوں کر ممکن ہے۔ کہ جو وعدے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے گئے ہوں۔ وہ آپ کی حیات میں پورے نہ ہوں۔ کہتے ہیں کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حاصل ہو گیا تھا۔ فتح مکہ سے مشرکین عرب پر غلبہ ظاہر ہے۔ کہ نجران کے عیسائیوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ فتح خیبر وغیرہ سے یہودیوں پر غلبہ بھی واضح ہے۔ لہذا تمام دینوں پر غلبہ ہو گیا۔ اور کبھی کہتے ہیں۔ کہ امام مہدی کے زمانہ میں اس آیت کی پیشین گوئی پوری ہوگی ان کے زمانہ میں تمام کفار نیست ونابود کر دیئے جائیں گے۔ اور تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا۔

جواب ان اقوالِ فاسدہ کا

حسب ذیل ہے۔ قول اوّل یعنی اظہار سے مراد غلبۂ بالسیف نہیں بلکہ غلبہ بالدلیل ہے۔ اوپر ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ آیت میں دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے لیکن اس سے قطع نظر مخالفین کے لئے یہ قول کیا مفید ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ان کے اصول موضوعہ کی بنا پر تو قرنِ اول میں اصلی دین عام طور پر ظاہر بھی نہیں کیا گیا۔ غالب اور مغلوب ہونا تو پیچھے کی بات ہے۔ ان کے مذہب میں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب سے تقیہ کرتے رہے۔ اصحاب کا خوف اس قدر غالب تھا۔ کہ بہت سی آیات قرآنیہ کی تبلیغ آپ نے نہ کی (دیکھو مولوی دلدار علی صاحب کی کتاب عماد الاسلام) حضرت علیؓ بھی اپنے زمانہ خلافت میں تقیہ کرتے رہے۔ انتہا ہو گئی کہ تراویح جیسی بڑی چیز عام طور پر رائج ہو گئی۔ اور اس کو وہ نہ روک سکے۔ متعہ جیسی عمدہ عبادت حرام کر دی گئی تھی۔ اس کے حلال ہونے کا لفظ زبان سے نہ نکال سکے۔

آیت نے صاف بتلا دیا۔ کہ جو دین قرن اول میں عام طور پر ظاہر ہوا۔ وہی دین برحق تھا۔ اور اسی دین کے ساتھ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ اور جو دین اس زمانہ میں مخفی و مستور تھا۔ وہ باطل محض ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کے ساتھ ہرگز مبعوث نہیں ہوئے۔

مخالفین اگر سمجھیں تو یہیں سے ان کے مذہب کا بطلان خود انہیں کے اقرار کے مطابق واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن سمجھنے کا قصد ہی نہ کریں۔ تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔

قول دوم :- یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس پیشین گوئی کا پورا ہو جانا یہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ واقعات سے کبھی اس کی تائید نہیں ہو سکتی۔ مشرکین پر غلبہ تو بلاشبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن نصاریٰ اور مجوس پر ہرگز نہیں۔ چند نصرانیوں یا چند مجوسیوں کا مغلوب ہو جانا درصورتیکہ ان کی مغلوبیت کا کوئی اثر ان دونوں کی زبردست سلطنت پر کچھ نہ تھا۔ اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا۔ آیت میں یہ ہے۔ کہ تمام دینوں پر دینِ اسلام غالب ہو جائے گا۔ نصاریٰ و مجوس کی سلطنتیں جب تک مغلوب نہ ہوں۔ یہ وعدہ پورا نہیں کہا جا سکتا۔

اب رہا یہ کہ وعدہ تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پورا ہو آپ کے بعد تو یہ چیز بلاشبہ قابل اعتراض ہو سکتی تھی۔ اگر قرآن مجید میں اس کی تصریح نہ کر دی گئی ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں، کہ قرآن مجید میں یہ آیت تین جگہ ہے۔ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یعنی جو وعدے حق تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ وہ سب کے سب آپ کے سامنے پورے نہ ہوں گے۔ بعض وعدے آپ کو دکھلائے جائیں گے۔ اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہوں گے۔

قول سوم یعنی یہ کہ یہ پیشین گوئی حضرت امام مہدی کے زمانہ میں پوری ہو گی۔ بچند وجہ یہ قول ضعیف ہے اوّل یہ کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اب تک باوجود زائد از ہزار برس گزر جانے کے پورا نہ ہوا۔ معاذ اللہ من ذلک۔ کسی فعل کا کوئی مقصد بیان کیا جائے۔ تو یقیناً اس مقصد کو اس فعل

ے کہ کچھ وعدے آپ کے بعد پورے ہوں گے۔

کے بعد علی الاتصال پایا جانا چاہیئے۔ اور اگر کچھ فاصلہ بھی ہو تو وہ فاصلہ نہایت قلیل ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی طبیب کہے۔ کہ میں نے فلاں دوا اس لئے دی ہے کہ مواد فاسدہ کا تنقیہ ہو جائے۔ تو یقیناً اس دوا کے پینے کے بعد اسہال شروع ہو جانا چاہیئے۔ اگر علی الفور نہ شروع ہو۔ تو دو چار گھنٹہ بعد سہی۔ لیکن اگر دوا پینے کے دس بیس برس بعد اسہال ہو تو کون کہے گا کہ وہ طبیب اپنے قول میں سچا یا اپنے مقصد میں کامیاب تھا۔

اگر مخالفین کہیں کہ تمہارے قول کے مطابق بھی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد آپ کے سامنے پورا نہ ہوا۔ آپ کے بعد پورا ہوا۔ تو جواب یہ ہے کہ اولاً تو ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت کے سامنے ہی سلسلہ اس مقصد کے حصول کا شروع ہو گیا تھا۔ تکمیل بعد آپ کے ہوئی اور جب سے سلسلہ شروع ہوا منقطع نہیں ہوا۔ بخلاف مخالفین کے کہ وہ کہتے ہیں کہ سلسلہ شروع ہی نہیں ہوا یا شروع ہو کر منقطع ہو گیا۔ اور اب تک منقطع ہے۔ ثانیاً آپ کے بعد علی الاتصال مقصد بعثت کے پورا ہو جانے میں اور ہزاروں برس کے بعد پورا ہو جانے میں بڑا فرق ہے۔ دونوں کو یکساں کہنا صریح مکابرہ ہے۔

دوسری خرابی اس قول سوم میں یہ ہے۔ کہ اس آیت میں مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اور ان کو تسلی دی گئی۔ کہ دشمنوں کا غلبہ زائل ہو جائے گا۔ تم کو امن کامل ملے گا۔ جیسا کہ سورہ فتح کی آیت کا سیاق بتا رہا ہے۔ پس اگر یہ پیشین گوئی صحابہ کرام کے زمانہ میں پوری نہ ہو۔ بلکہ ہزاروں برس کے بعد پوری ہو تو یقیناً بڑی فریب دہی کا الزام خدا کے ذمہ عائد ہو گا۔ کسی جماعت کو ایسی خوشخبری سنانا جو ان کے بعد ہزاروں برس تک پوری ہونے والی نہ ہو۔ فریب نہیں تو کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

خلاصۃ الکلام

یہ کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ دین برحق کو تمام ادیان پر ہر قسم کا غلبہ ملے گا۔ اور یہی مقصود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ہے۔ اور یہ وعدہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ لہذا ضروری ہوا کہ وہ تینوں حضرات آپ کے نائب اور خلیفہ برحق ہوں۔ اور ان کی خلافت تکملۂ مقاصد نبوت ہو۔ وہو المطلوب۔

فریقین کی چند حدیثیں!

(۱) عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زُوِیَ لِیَ الْاَرْضُ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا وَاُعْطِیْتُ الْکَنْزَ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ۔ (مسلم)

حضرت ثوبان سے روایت ہے وہ کہتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہ تحقیق اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا۔ میں نے زمین کی مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور بہ تحقیق میری اُمت کی بادشاہت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لئے سمیٹی گئی اور مجھے سونے چاندی کے خزانے دیئے گئے۔

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ كِسْرَىٰ ثُمَّ لَا يَكُونُ كِسْرَىٰ بَعْدَهُ وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُونُ قَيْصَرُ بَعْدَهُ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۔ (مسلم)	حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو جائیگا۔ پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ اور قیصر بھی ہلاک ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اور ضرور ضرور تم لوگ ان کے خزانوں کو راہ خدا میں صرف کرو گے۔
(۳) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَفْرِ الْخَنْدَقِ قَالَ عَرَضَ لَنَا صَخْرَةٌ لَا يَأْخُذُ فِيهِ الْمَعَاوِلُ فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأَخَذَ الْمِعْوَلَ قَالَ وَأَحْسِبُ قَالَ نَزَعَ ثَوْبَهُ فَضَرَبَ ضَرْبَةً وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَكَسَرَ ثُلُثَ الصَّخْرَةِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ	حضرت براء سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوہ احزاب میں) خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اس خندق میں ایک پتھر ایسا نکل آیا جس میں کدالیں کچھ اثر نہ کرتی تھیں۔ اس کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ تو آپ نے کدال لی۔ اور میرا خیال ہے کہ براء نے کہا کہ آپ نے اپنی چادر بھی اتاری۔ پھر بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب آپ نے ماری تو ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ پس آپ نے کہا

الشَّامِ إِنِّیْ لَاَ نْظُرُ اِلٰی قُصُوْرِهَا الْحُمْرِ مِنْ مَّکَانِیْ هٰذَا اَثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَضَرَبَ اُخْرٰی فَکَسَرَ ثُلُثَیْهَا وَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ فَارِسَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَ نْظُرُ اِلَی الْمَدَائِنِ وَقُصُوْرِهَا الْاَبْیَضِ مِنْ مَّکَانِیْ هٰذَا اَثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَضَرَبَ اُخْرٰی وَکَسَرَ بَقِیَّةَ الْحَجَرِ وَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ وَاللّٰہِ لَاَ نْظُرُ اِلٰی مَفَاتِیْحِ صَنْعَاءَ مِنْ مَّکَانِیْ هٰذَا (مسند ابویعلی)	اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں میں وہاں کے سرخ محل اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ کہہ کر دوسری ضرب ماری تو دو تہائیاں اس پتھر کی ٹوٹ گئیں۔ اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک فارس کی کنجیاں دی گئیں اللہ کی قسم میں مدائن اور اس کے سفید محلوں کو اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ کہہ کر تیسری ضرب لگائی۔ تو بقیہ پتھر بھی ٹوٹ گیا۔ اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اللہ کی قسم! میں صنعا کے دروازوں کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔

یہ تینوں روایتیں اہل سنت کی تھیں۔ اب ایک روایت کتب شیعہ کی بھی دیکھئے۔ تیسری روایت جو کتب اہل سنت سے منقول ہوئی۔ کتب شیعہ میں بھی ہے۔ روضہ کافی صـ۱۴۲ میں امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ:۔

لَمَّا حَفَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ الْخَنْدَقَ مَرُّوْا بِکَدْیَةٍ فَتَنَاوَلَ	جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودوائی۔ اور ایک پتھر سخت نکل آیا۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَآلِهٖ	تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
الْمِعْوَلَ مِنْ يَدِ اَمِيْرِ	وسلم نے کدال امیرالمومنین کے
الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ	ہاتھ سے یا سلمانؓ کے ہاتھ سے
اَوْمِنْ يَدِ سَلْمَانَ فَضَرَبَ	لے لی - اور اس پتھر پر مارا
بِهَا فَتَفَرَّقَتْ بِثَلٰثِ فِرَقٍ	تو اس کے تین ٹکڑے ہو گئے ۔
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ	رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وَآلِهٖ لَقَدْ فُتِحَتْ عَلَيَّ	نے فرمایا کہ بہ تحقیق اس ضرب
فِيْ ضَرْبَتِيْ هٰذِهٖ كُنُوْزُ	میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے
كِسْرٰى وَقَيْصَرَ -	میرے اوپر کھول دیئے گئے ۔

اسی حدیث کے مضمون کو علامہ باذل ایرانی نے حملہ حیدری میں اس طرح نظم کیا ہے ۔

چنیں گفت راوی کہ در عین کار	زخندق یکے سنگ شد آشکار
چناں سخت کز وے نمیگشت دور	بصد ضرب یک ذرہ چوں چشم مور
زعنا را شکن تیشہا دم بریخت	زبس ضرب بازوی مرداں گسیخت
نمی شد جو آہن براں کارگر	نمودند خیر البشر را خبر
بیامد بدولت خود آنجانبی	یکے تیشہ بستند ز دست یکے
چنیں گفت داندۂ ایں خبر	کہ قحطے دراں سال سہ بلشتر
سہ روز و سہ شب بد کہ خیرالانام	نہ نوشیدہ بود از رغیف و طعام
بر وی شکم لیک زیر قبا	یکے سنگ بستہ بد آں مقتدا
بر آں فاقہ و ضعف سالار دین	ستد تیشہ از دست انصار دین
چو برداشت فولاد خارا شگاف	در آمد بر نہا ازاں کوہ قاف
بنام خدائے جہاں آفرین	بزد تیشہ را سید المرسلین
کہ یک گوشہ سنگ از ہم شکست	دراں وقت برقے ازاں سنگ جست

بفرمود تکبیر بار دوم — بزد پس براں سنگ ضرب سوم

دریں بار ہم جست برقے چناں — نبی شد بہ تکبیر رطب اللساں

شد ایں بار آں سنگ زیر و زبر — نماند اختیاجش بضرب دگر

دراں دم باو گفت سلماں چنیں — کہ اے خاک راہت سپہر بریں

ندیدم ہرگز کہ گردد پدید — بدیں گونہ برقے ز سنگ و حدید

چہ بد ایں و باشد چہ تعبیر آں — بہ تکبیر چوں برکشودی زباں

بپاسخ چنیں گفت خیر البشر — کہ چوں جست برق نخست از حجر

نمودند ایوان کسرے یمن! — دوم قصر روم و سوم از یمن

سبب را چنیں گفت روح الامین — کہ بعد از من اعوان و انصار دین

براں مملکتہا مسلط شوند! — با ئین من اہل آں بگروند

بدیں مژدہ و شکر لطف خدا — بہر بار تکبیر کردم ادا

شنیدند آں مژدہ چوں مومناں — کشیدند تکبیر شادی کناں

مخالفین کی ان روایتوں کو دیکھو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کس خوشی کے ساتھ کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا اپنے قبضہ میں آنا بیان فرما رہے ہیں اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے قبضہ میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے آئے وہ کوئی ایسا تعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے۔ کہ ان کا قبضہ آپ کا قبضہ تھا۔ اور تعلق سوا خلافت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح روم و ایران آپ کے بعثت کے مقاصد و نتائج میں سے تھا۔

حملہ حیدری کی روایت میں فاتحان روم و ایران کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین کا ناصر و مددگار فرما کر ان کا خلیفہ برحق ہونا اور زیادہ واضح کر دیا۔

چند نفیس نکتے

۱ - جتنی آیتوں کی تفسیر اس سلسلہ میں لکھی جا چکی ہے ۔ اس کے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی ۔ کہ حق تعالےٰ نے قرآن مجید میں خلافت راشدہ کا ذکر پیشین گوئی کی صورت میں کیا ہے ۔ احکام شرعیہ کے طور پر کہیں نہیں فرمایا کہ ۔ اے مسلمانو! فلاں فلاں اشخاص کو خلیفہ بناؤ۔ اس میں ایک حکمت تو وہ ہے ۔ جو ہم سابقہ تفسیرات میں بیان کر چکے ہیں کہ حکم شرعی اگر ہوتا تو بندوں کو اختیار رہتا ۔ چاہتے اس پر عمل کرتے یا نہ کرتے لہٰذا حق تعالےٰ نے اس کو اوامر شرعیہ کی حد سے نکال کر امور تقدیریہ میں داخل کر دیا جو ٹل نہ سکے ۔

دوسری حکمت یہ ہے ۔ کہ امر شرعی اگر ہوتا تو لوگوں کو یہ وہم پیدا ہوتا کہ خلیفہ کا تقرر منجانب اللہ ہوتا ہے ۔ اور اس میں بڑا حرج لازم آتا ۔ جیسا کہ ظاہر ہے ۔

۲ - قرآن مجید میں جتنی پیشین گوئیاں خلفائے راشدہ کے متعلق ہیں ان میں ان فتوحات و فرماں روائی کے ساتھ دینداری اور اقامت دین کا ذکر ضروری فرمایا گیا ۔ جیسا کہ اس آیت میں ہدیٰ اور دین حق کا ذکر ہے ۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے ۔ کہ ان کے فتوحات اور ان کی فرماں روائی بادشاہانہ رنگ میں نہ ہو گی ۔ بلکہ خلافت پیغمبر کے رنگ میں ہو گی ۔ اصل مقصود ان کا اقامت دین ہو گا ۔

۳ - قرآن مجید کی انہیں پیشین گوئی کی وجہ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانشین کا انتظام اس طور پر نہ کیا ۔ کہ کسی کو نامزد کر دیتے ۔ اور لوگوں میں اعلان کر دیتے کہ فلاں شخص میرا جانشین ہے ۔

ورنہ ممکن نہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس شفقت و رافت کے جو امت پر آپ کو تھی۔ سفرِ آخرت کے وقت امت کو فراموش کر دیتے۔ اور ان کو بے والی چھوڑ دیتے۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے سفر آپ کو پیش آتے ہیں۔ غزوات میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ تو مدینہ میں کسی نہ کسی کو آپ اپنا قائم مقام بنا کر جاتے تھے۔ مگر خداوندی پیشین گوئیوں نے آپ کو مطمئن کر دیا۔ اور اس آخری سفر میں آپ نے اس تصریح کی ضرورت نہ سمجھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام نماز بنا دینا۔ گو خلیفہ بنانے ہی کے برابر تھا۔ مگر پھر بھی تصریح میں جو بات ہوتی ہے۔ وہ کہاں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی عادت ہوتی ہے۔ کہ جب کسی معاملہ میں وحی الٰہی سے ان کو تقدیر خداوندی کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر اس معاملہ میں اسباب ظاہری بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ اگر سیرت قدسیہ پر کوئی نظر ڈالے۔ تو بیسیوں مثالیں اس کی ملیں گی۔ مثلاً جس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اس وقت سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کے اسباب ظاہری کو بالکل موقوف کر دیا دروازہ سے دربان وغیرہ ہٹا دیئے۔

ایک اعتراض اور اسکا جواب

آج کل یورپ کی سیاست نے یہ اعتراض پیدا کیا ہے۔ کہ دنیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ ہماری اس تفسیر کو دیکھ کر شاید کسی کے خیال میں یہ بات آئے۔ کہ اس اعتراض کی اس سے تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود یہ قرار پایا کہ دین برحق

کو تلوار کے زور سے پھیلایا جائے ۔

جواب اس اعتراض کا یہ ہے ۔کہ دین اسلام کا بذریعہ تلوار کے غالب کیا جانا اور چیز ہے ۔ اور بذریعہ تلوار پھیلانا اور چیز ہے ۔ دونوں میں بیّن فرق ہے ۔ بذریعہ تلوار کے غالب کیئے جانے کا تو مطلب یہ ہے ۔کہ اسلام کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور مسلمانوں کے فنا کرنے کے درپے تھیں ۔ جس کو آیہ کریمہ میں فرمایا کہ خدا کے نور کو منہ سے پھونک کر بجھانا چاہتے ہیں ۔ ان طاقتوں کو مغلوب کر دیا جائے ۔تاکہ اسلام کے مٹانے پر ان کو قدرت نہ رہے ۔ اور اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کا یہ مطلب ہے ۔کہ لوگوں سے یہ کہا جائے ۔کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ مار ڈالے جاؤ گے ۔ تو یہ بات کبھی نہیں ہوئی ۔ نہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ آپ کے خلفائے راشدین کے زمانہ میں ۔ قرآن شریف میں صاف فرمایا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ یعنی زبردستی کرنا دین میں جائز نہیں ۔

یہ بھی عجیب بات ہے ۔کہ دنیا میں ہر بادشاہ اپنے باغیوں کو فنا کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اور کوئی اس کو معیوب نہیں سمجھتا ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خداوند عالم جل شانہ جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے ۔اس کے باغیوں کو انبیاء علیہم السلام تہ تیغ کریں ۔ اس پر اعتراض کیا جائے ۔ خصوصًا جبکہ وہ باغی اس قدر مادہ شرارت ہو گئے ہوں ۔کہ فرماں برداروں کی زندگی تلخ کر دیں ۔ اور ان کی عافیت کو خطرہ میں ڈال دیں ۔

الحمدللہ کہ تفسیر اظہار دین تمام ہو گئی ۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۔

تفسیر

آیتِ دعوتِ اعراب

یعنی

خلافتِ راشدہ اور قرآن

جس میں

سورہ فتح کی آیت دعوتِ اعراب یعنی آیت کریمہ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سے حضرات خلفائے ثلاثہ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہم کا خلیفہ برحق ہونا اور ان کی خلافتوں کا قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہونا ثابت کرکے منکرین پر حجت خدا کا قائم ہونا روز روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حامداً و مصلیاً و مسلماً

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (سورہ فتح پارہ ۲۶)

اے نبی! کہہ دیجئے پیچھے کئے ہوئے اعراب (یعنی بدوؤں) سے کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک سخت جنگ آور قوم کی طرف۔ تم ان سے قتال کرو گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پس اگر تم اس بلانے والے کی اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو اچھا ثواب دے گا۔ اور اگر تم منہ پھیرو گے۔ جیسا کہ تم نے پہلے مُنہ پھیرا تھا۔ تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا۔

تفسیر

اس آیت کا مطلب جیسا کہ اس کے الفاظ کریمہ سے ظاہر ہے۔ وہ یہ ہے کہ بدوؤں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی کی تھی۔ اور آپ کے ہمراہ کسی سفر یا جہاد میں نہ گئے تھے۔ ان سے فرمایا جاتا ہے۔ کہ ایک موقع تم کو اور دیا جائے گا۔ آئندہ عنقریب تم کو ایک بڑی جنگجو قوم سے لڑنے کے لئے دعوت دی جائے گی۔ اور اس دعوت دینے والے کا یہ رتبہ ہوگا۔ کہ اس کی اطاعت سے بڑا اچھا ثواب عنایت ہوگا۔ اور اس کی اطاعت سے انحراف کرنے پر سخت عذاب تم پر

آئے گا۔ ہمارے استدلال کے لئے نہ اس قصہ کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ وہ اعراب کون تھے۔ نہ اس کے معلوم کرنے کی حاجت۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس سفر یا کس جہاد کی دعوت دی تھی۔ اور انہوں نے کیوں انحراف کیا تھا۔

مگر اتمام بصیرت اور از دیاد وضاحت کے لئے مختصر طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا اکثر حصہ تو قرآن مجید کی اس سورت میں مذکور ہے۔ اور اس کے بعض اجزاء اگرچہ قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ مگر بلا خلاف واختلاف بین الفریقین مسلم ہیں۔ وھو ھذا۔

سنہ ۶ھ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بارادہ حج یا بہ نیت عمرہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اس سفر میں ضرورت تھی۔ کہ ایک بڑی جماعت آپ کے ہم رکاب ہو۔ کیوں کہ بظاہر اسباب قوی اندیشہ تھا۔ کہ کفار مکہ مزاحمت کریں گے۔ اور شاید نوبت جہاد وقتال کی آجائے۔ لہذا آپ نے تمام کلمہ گویان اسلام کو اس سفر کی دعوت عام دی۔ تمام صحابہ مخلصین جن کے ایمان واخلاص کا تقاضا یہ تھا۔ کہ ہر وقت جان نثاری کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ جن کی ہر گھڑی اس انتظار میں کٹتی تھی۔ کہ کب وہ وقت ہم کو ملے گا۔ کہ ہماری نذر پوری ہوگی۔ اور رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جان دینے کا شرف ہم کو حاصل ہوگا۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰے فِیْ شَاْنِہِمْ فَمِنْہُمْ[1] مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْہُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔ ایسے تمام لوگ بے تردد وتامل جان نثاری کے لئے اس سفر میں آپ کے

[1] ترجمہ:۔ ان میں بعضے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اپنی نذر پوری کردی اور ان میں سے بعضے وہ ہیں۔ جو انتظار میں ہیں اور اپنے عہد میں، بالکل تبدیلی نہیں کی ۱۲

ساتھ ہو گئے۔ مگر بدوؤں کی ایک جماعت جن میں نہ وہ خلوص تھا۔ نہ داعیۂ جان نثاری۔ ان کی قسمت میں کاتب ازل نے یہ سعادت نہ لکھی تھی۔ وہ آپ کے ہمراہ نہ گئے۔ ان بدوؤں کے متعلق قرآن شریف میں ارشاد ہوا ہے کہ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ[1]۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ تک پہنچنے پائے تھے۔ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ایک مقام ہے۔ مکہ معظمہ سے اس قدر قریب کہ اکثر حصہ حدیبیہ کا حرم میں شمار کیا گیا ہے۔ کہ کفار قریش نے مزاحمت کی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک مغلوبانہ صلح ہوئی۔

اور احصار[2] کی قربانی کرنے کے بعد سب لوگوں نے احرام کھول ڈالے۔ اس صلح میں یہ طے پایا کہ آیندہ سال اس عمرہ کی قضا کے لئے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائیں گے۔

اس سفر میں چودہ سو ڈیڑھ پندرہ سو کے درمیان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں کا شمار کیا گیا ہے۔ اس سفر میں بمقام حدیبیہ ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے موت کی بیعت لی۔ یعنی یہ معاہدہ ان سے لیا کہ یا تو حضرت عثمان رضؓ کا انتقام مکہ والوں سے لیں گے۔ یا سب اسی وادی میں جان دے دیں گے۔ حضرت عثمان رضؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیر بنا کر مکہ والوں کی تفہیم کے لئے بھیجا تھا۔ کفار مکہ نے ان کو قید کر لیا تھا۔ اور آنحضرت صلعم

---

[1] ترجمہ: مدینہ کے گرد و پیش کی بستیوں میں بعضے اعراب منافق ہیں۔

[2] جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے۔ اس کے بعد کوئی مانع آئے جس کے باعث سے وہ حج یا عمرہ نہ کر سکے۔ تو اس کو حکم ہے کہ حرم کعبہ میں قربانی بھیج کر احرام سے باہر ہو جائے۔ اس قربانی کو احصار کی قربانی کہتے ہیں۔ ۱۲

کو مسلمانوں نے یہ غلط خبر پہنچائی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ اسی پر
بیعت آپ نے لی۔ اثنائے بیعت ہی میں خبر یہ پہنچ گیا کہ حضرت عثمانؓ زندہ
ہیں۔ مگر قید میں ہیں۔ تو آپ نے خود اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ
قرار دے کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت لی۔

یہ بیعت اسلام میں بڑی عظیم الشان یادگار مانی گئی ہے۔ نام اس بیعت کا
بیعۃ الرضوان ہے۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے کرنے والوں
سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی
بڑی خوش خبریاں ان کو سنائیں۔ اور خوب ان کی عزت افزائی کی۔ صحیح
بخاری میں ہے۔ کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ أَهْلِ
الْأَرْضِ۔ یعنی تم آج تمام زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔ اور صحیح مسلم میں
ہے۔ کہ حضورؐ نے فرمایا لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ۔
یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی شخص دوزخ
میں نہ جائے گا۔ غزوہ بدر کے بعد اسلام میں اس بیعت کا رتبہ تسلیم کیا گیا ہے۔
سفر حدیبیہ سے واپسی کے وقت اثنائے راہ میں یہ مبارک سورت نازل

---

[1] حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کا ذکر کتب شیعہ میں بھی ہے۔ چنانچہ ان کی سب سے زیادہ معتبر
کتاب کافی کی کتاب الروضہ ص ۱۵۱ میں ہے۔ وبایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
المسلمین وضرب باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان اور حیات القلوب
جلد دوم ص ۴۱۰ میں ہے "بروایت شیخ طبرسی چوں مشرکان عثمان را حبس کردند۔ خبر بحضرت
رسید کہ او را کشتند حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا بایشاں قتال کنم۔ و مردم را بسوئے
بیعت دعوت نمایم و برخاست و پشت مبارک بدرخت داد و تکیہ کرد و صحابہ باں حضرت
بیعت کردند۔ کہ با مشرکاں جہاد کنند و نگریزند و بروایت کلینی حضرت دست خود را
بدست دیگر زد و برائے عثمان بیعت گرفت ۱۲۔

ہوئی۔ جس کا مبارک نام سورۃ الفتح ہے۔ جس کی ایک آیت کی تفسیر اس وقت کی جارہی ہے۔ اس سورت میں تمام تر اس واقعہ حدیبیہ کا بیان ہے۔

ف :۔ اس سورۂ فتح کو شروع سے آخر تک پڑھو۔ عربی زبان نہ جانتے ہو۔ تو کسی ترجمہ کے ساتھ پڑھو۔ تو صاف نظر آئے گا

۔ کہ اس سورت میں حق تعالیٰ کے بڑے بڑے مقصود دو ہیں۔ ایک یہ کہ جو صحابہ کرامؓ اس سفر میں ہم رکاب تھے۔ ان کی جان نثاری کی قدر افزائی کی جائے۔ اور مغلوبانہ صلح کے سبب جو اُن کے دل زخمی ہو رہے تھے اُن زخموں پر مرہم رکھا جائے۔ دوسرا یہ کہ ان اعراب کو تہدید کی جائے جو اس مبارک سفر میں ساتھ نہ گئے تھے۔

مقصود اول یعنی اصحاب حدیبیہ کی قدر افزائی اور ان کی دلداری اور دل دہی کے لئے طرح طرح کے عنوان اس سورت میں اختیار فرمائے ہیں۔ کہیں ان کو فتح و نصرت کے وعدے دیئے گئے ہیں۔ حتّٰی کہ اس وعدے کا نام ہی فتح مبین رکھا گیا۔ اور یہ سورت بھی سورہ فتح کے نام سے موسوم کی گئی۔ اور فرمایا گیا۔ کہ اب جو جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں آئے گی شکست خوردہ ہو کر راہ فرار اختیار کرے گی۔ کہیں اس بیعت کے فضائل بیان فرمائے گئے۔ اور ان کو اپنی رضامندی کی خوشخبری سنائی۔ کہیں ان کے اخلاص کی شہادت دی گئی۔ کہیں ان کو عظیم الشان غنیمتوں کا مژدہ سنایا گیا۔ اور غزوۂ خیبر کی غنیمتوں کو جو مسلمانوں کے لئے آسودگی کا عمدہ سبب بنیں۔ اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ کہیں ان کو نزول سکینہ کے رتبہ سے سرفراز فرمایا۔ کہیں ان کے اوصاف پسندیدہ اور ان کی عبادات و طاعات کو سراہا گیا۔ وغیرہ وغیرہ چنانچہ چند آیات کا اقتباس درج ذیل ہے

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا	وہی ہے جس نے نازل کیا سکینہ ایمان والوں کے دلوں میں تاکہ

إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۔

ان میں ایمان پر ایمان بڑھ جائے۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَ
الْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ۔

تاکہ داخل کرے اللہ ایمان
والے مردوں اور ایمان والی
عورتوں کو ایسے باغوں میں جن
کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ان
میں ہمیشہ رہیں گے ۔

وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ
فَوْزًا عَظِيمًا ط

اور تاکہ مٹا دے خدا ان کے
گناہوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک
بڑی کامیابی ہے ۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ
إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ
فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ط

بہ تحقیق جو لوگ آپ کے ہاتھ پر
بیعت کرتے ہیں ۔ وہ اللہ ہی کے
ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ۔ اللہ
کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ
الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا
فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ
فَتْحًا قَرِيبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً
يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ
عَزِيزًا حَكِيمًا ه وَعَدَكُمُ
اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً فَعَجَّلَ
لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ

بہ تحقیق راضی ہوا اللہ ایمان والوں
سے ۔ جب وہ بیعت کر رہے تھے.
آپ سے درخت کے نیچے ۔ پس جان
لیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں
تھا ۔ لہذا سکینہ ان پر نازل کیا۔
اور ان کو انعام میں دی ایک فتح
قریب (یعنی فتح خیبر) اور غنیمتیں
بہت جن کو وہ لیں گے ۔ اور
اللہ غالب حکمت والا ہے (یہ صلح
مغلوبیت کے باعث نہیں ہوئی

النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّ
اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرًا ۝

بلکہ اس میں حکمتیں ہیں) اللہ نے تم
سے بہت غنیمتوں کا وعدہ کیا
ہے۔ لہٰذا اس (غنیمت خیبر) کو
تو جلد دے دیا اور لوگوں کے ہاتھ
تم سے روک دیئے اور تاکہ (یہ
فتح خیبر) ایمان والوں کے لئے
ایک نشانی بنے۔ اور تاکہ اللہ تم
کو سیدھی راہ پر چلائے۔ اور کچھ اور غنیمتیں ہیں۔ جن پر تم کبھی قادر نہیں
ہوئے۔ مگر اللہ نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ
ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ
لَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ
الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ
التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ
بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

اور اگر کفار تم سے لڑتے تو پیٹھ
پھیر کر بھاگ جاتے۔ پھر اپنا کوئی
دوست اور مددگار نہ پاتے یہ اللہ
کا قانون ہے۔ جو پہلے سے مقرر
ہو چکا ہے (کہ انبیاء کے متبعین
کو انجام کار فتح ملتی ہے) اور
ہرگز خدا کے قانون میں تبدیلی نہ
پاؤ گے۔ پھر اللہ نے اپنا سکینہ اپنے
رسول پر اور ایمان والوں پر نازل
کیا اور لازم کر دی ان کے لئے
بات تقویٰ کی اور وہ اس نعمت
کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار
تھے۔ اور اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے (کہ کون کس انعام کا مستحق ہے)۔
خاتمہ سورت میں وہ مشہور آیت ہے۔ جس کا نام آیت معیت ہے۔

یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ الآیۃ ان آیات کریمہ میں علاوہ وعدہ فتوحات وغنائم کے اور علاوہ اصحاب حدیبیہ کے دوسرے فضائل کے تین باتیں بڑی زبردست بیان فرمائی ہیں کہ اعدائے قرآن کریم جس قدر مطاعن اصحاب حدیبیہ کے بیان کرتے ہیں۔ سب کے خاکستر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ وکفی اللّٰہ المؤمنین القتال۔

(۱) یہ کہ خدا نے اپنی رضامندی ان سے بیان فرمائی۔ اور وہ بھی اس کلمہ کے ساتھ۔ کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ اس کا ہمیں علم ہے۔ یعنی ہماری رضامندی صرف ظاہری اعمال کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اخلاص قلبی کے علم کی وجہ سے ہے۔

(۲) اصحاب حدیبیہ کے لیئے صفت تقوٰی کو لازم کر دیا۔ لازم اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس کا جدا ہونا محال ہو۔ تو مطلب یہ ہُوا کہ صفت تقوٰی کا ان سے جُدا ہونا محال ہے۔ پھر دیکھو تو کس لطف کے ساتھ۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق وسزاوار تھے۔ گویا یہ سوال ہوتا تھا کہ اتنا بڑا انعام ان کو کیوں دیا گیا تو جواب دیا کہ وہ اسی انعام کے لائق بلکہ سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اس پر کوئی شخص پوچھتا۔ کہ ان کا سب سے زیادہ مستحق اور لائق ہونا کیسے معلوم ہُوا تو فرمایا کہ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا۔ ہم کو ہر چیز کا علم ہے۔ یہ ویسا ہی ہُوا کہ کفار مکہ نے ایک مرتبہ کہا کہ خدا کو اگر رسول بنانا ہی تھا۔ تو فلاں کو بنا تا یتیم ابوطالب میں کیا خصوصیّت تھی۔ کہ ان کو نبی بنایا۔ اس کا جواب قرآن عظیم میں یہ دیا کہ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی اللہ خوب جانتا ہے۔ کہ اپنا رسول کس کو بنائے۔ کون اس نعمت کے قابل ہے۔

مخالفین اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ جس کی کوئی سند مکڑی کے جالے کی سی بھی نہیں پیش کر سکتے۔ البتہ اس آیت نے

اصحاب حدیبیہ کے لئے وہ مرتبہ ثابت کر دیا۔ کہ اگر اس کی بنا پر تمام اہل حدیبیہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا جاتا تو بڑی گنجایش تھی۔ جب صفت تقویٰ ان کے لئے لازم کر دی گئی تو اب عصمت میں کیا کسر باقی رہ گئی؟ کروڑوں خود ساختہ عصمتیں قرآن کریم کے اس لفظ پر قربان کر دی جائیں لیئے اصحاب حدیبیہ یہ خدا داد دوست آپ کو مبارک رہیے۔ طُوبٰی لَکُمْ ثُمَّ طُوبٰی لَکُمْ۔

مقصود دوم:۔ یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب کی تہدید بھی اس سورت میں بحد کمال فرمائی گئی۔ ان کے دلی خیالات ظاہر فرما کر ان کو شرمندہ کیا گیا۔ پھر سب سے بڑی سزا یہ دی گئی۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جہاد و قتال سے ہمیشہ کے لئے اور موافق ایک قول کے صرف غزوہ خیبر کی شرکت سے ممنوع قرار دیئے گئے۔ اس مقصود کے متعلق چند آیات حسب ذیل ہیں:

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۰ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ	عنقریب اے نبی پیچھے کئے ہوئے اعراب آپ سے کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مال نے اور بال بچوں نے مشغول کر رکھا تھا (اس سبب سے ہم آپ کے ساتھ نہ جا سکے) لہذا آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہ تھی۔ آپ کہیے کہ تمہیں خدا سے کون بچا سکتا ہے۔ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا

إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَ
زُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ
وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ
وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝

تمہیں نفع پہنچانا چاہے۔ بلکہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے بلکہ دراصل سبب ساتھ نہ جانے کا یہ ہے کہ تم نے یہ خیال کیا تھا کہ اب رسول اور ایمان والے اپنے گھر کبھی لوٹ کر نہیں آسکتے۔ اور یہ خیال تمہارے دلوں میں بس گیا تھا۔ حالانکہ تمہارا یہ خیال برا خیال تھا۔ اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا
انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ
لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا
نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن
يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ
قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ
قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ

عنقریب پیچھے کیے ہوئے لوگ کہیں گے جب تم مال غنیمت لینے کے لئے چلو گے کہ ارے مسلمانو! ہمیں نہ روکو ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی بات بدل دیں۔ اے نبی فرما دیجئے۔ کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جا سکو گے۔ تمہارے متعلق اللہ نے پہلےلہ ہی سے ایسا فرما دیا ہے۔

لہ اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ بدو ہمیشہ کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے روک دیئے گئے تھے یا صرف غزوۂ خیبر سے اس اختلاف کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہوا۔ جو لوگ ہمیشہ کی ممانعت بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے۔ اس سے اشارہ سورۃ توبہ کی اس آیت کی طرف ہے۔ فان رجعك الله إلى طائفة منهم فاستأذنوك للخروج فقل لن تخرجوا معي أبدا ولن تقاتلوا معي عدوا۔ ترجمہ: جب اللہ آپ کو ان میں سے کچھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۹ پر

اسی سلسلہ میں آیت بھی ہے جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں ۔ یعنی آیت دعوت اعراب کو دیکھو ۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان بدوؤں کی حالت زار پر رحم فرمایا ۔ اور ان کو پھر ایک موقع تلافی مافات کا دیا اور فرمایا کہ آئندہ تم کو ایک بڑی جنگ آور قوم سے لڑنے کے لئے بلایا جائے گا اس بلانے والے کی اطاعت کرو گے تو ثواب پاؤ گے ۔ اور اگر انحراف کرو گے ۔ تو تم پر سخت عذاب ہوگا ۔

ان بدوؤں میں دو قسم کے لوگ تھے ۔ کچھ لوگ مومن تھے ۔ مگر ان میں وہ قوت ایمان نہ تھی ۔ اور کچھ لوگ منافق تھے ۔ چنانچہ سورہ توبہ میں فرمایا وجاء المعذرون من الاعراب وقعد الذین کذبوا اللہ و رسولہ یعنی عذر کرنے والے بدو تو آ گئے ۔ اور جنہوں نے اللہ سے اور

(بقیہ حاشیہ ص۵۶۵ کا) لوگوں کی طرف واپس کرے ۔ پھر یہ لوگ آپ کے ساتھ جانے کی اجازت مانگیں ۔ تو آپ کہہ دیجئے گا ۔ کہ تم کبھی میرے ساتھ ہرگز نہ جاؤ گے ۔ اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے ہرگز نہ لڑو گے ۔ یہ قول بدو وجہ مدلل ہے ۔ اوّل یہ کہ آیت زیر بحث کے الفاظ عام ہیں ۔ غزوہ خیبر کی تخصیص نہیں ۔ دوم ۔ یہ کہ سورہ توبہ کی آیتوں میں بھی بدوؤں کا بیان ہے اور عنوان کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس قصہ حدیبیہ سے اس کا تعلق ہے ۔ اور اللہ کے فرمانے کا مطلب بھی بظاہر یہی ہونا چاہیئے ۔ کہ قرآن مجید میں وہ فرمان موجود ہو ۔ اور جو لوگ صرف خیبر میں ممانعت بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے ۔ کہ قرآن کے علاوہ جو وحی آئی تھی اس میں فرمایا یہ لوگ سورہ توبہ کی آیتوں کو غزوہ تبوک سے متعلق کرتے ہیں ۔ بہرصورت نتیجہ ایک ہے ۔ ان بدوؤں کو اگر سورہ فتح میں ہمیشہ کی ممانعت نہیں ہوئی تھی ۔ تو سورہ توبہ میں ہمیشہ کی ممانعت ہو گئی ۔ ۱۲

اس کے رسول سے دروغ گوئی کی تھی وہ (اپنے گھروں میں) بیٹھ رہے۔
غالباً یہ موقع تلافی مافات کا صرف ان بدوؤں کو دیا گیا تھا۔ جو نفاق
سے پاک تھے۔ اور سفر حدیبیہ میں شریک نہ ہونے پر نادم و متاسف
تھے۔ اور بار بار عذر خواہی کے لئے آتے تھے۔ گو بالآخر دوسرے قسم کے
بدوؤں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
وفات سے پہلے پہلے جتنے منافق تھے یا تو مر چکے تھے۔ یا نفاق سے تائب
ہو کر مومن کامل بن گئے تھے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت تبلا رہی ہے۔
یہ آیت ہم مکیریاں ضلع ہوشیار پور کے مباحثہ میں پیش کر چکے ہیں۔ اور اس
مباحثہ کی روئیداد میں درج ہے۔[1]

---

[1] وہ آیت یہ ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ط سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ط۔ ترجمہ:۔ اگر باز نہ آئیں گے منافق (اپنے نفاق سے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اور بری خبر مشہور کرنے والے مدینہ میں۔ تو ضرور ضرور آپ کو ہم ان پر برانگیختہ کریں گے۔ پھر وہ مدینہ میں آپ کے پڑوسی نہ ہو سکیں گے۔ مگر تھوڑے دن۔ ان پر لعنت ہوگی۔ جہاں کہیں جا کر ٹھہریں گے۔ وہیں پکڑے جائیں گے۔ اور خوب قتل کئے جائیں گے یہ اللہ کی سنت ہے (جو) ان لوگوں میں رہی تھی جو کہ تم سے پہلے تھے۔ اور ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کی سنت میں تبدیلی۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے۔ کہ منافقوں کو چند روز کی مہلت ہے۔ اگر وہ اس مدت میں اپنے نفاق سے تائب نہ ہو جائیں گے تو نبی کو ان پر جہاد کا حکم ملے گا۔ اور وہ مدینہ میں نہ رہ سکیں گے۔ اور جہاں جائیں گے۔ وہیں پکڑے جائیں گے۔

بقیہ صفحہ ۵۶۸ پر
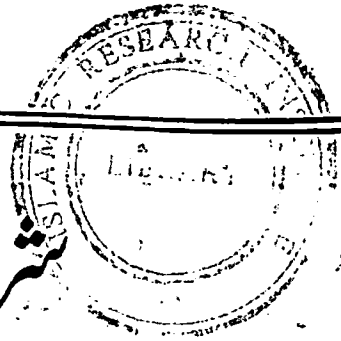
شرح الفاظ

مُخَلَّفِیْنَ ۔ گو بظاہر نظر یہ اعراب یعنی بدو خود ہی سفر حدیبیہ میں ساتھ نہ گئے تھے ۔ یہ بات نہیں ہوئی کہ ان کو ساتھ نہیں لیا گیا ۔ اور پیچھے کر دیا گیا ۔ مگر بات یہ ہے ۔ کہ ایسے نیک مواقع میں جو شخص شریک نہ ہو ۔ حقیقۃً وہ راندہ درگاہ ہے ۔ خدا نے خود اس کو شریک کرنا نہیں چاہا یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ۔ وہ جس کو چاہتا ہے ۔ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے ۔ درباریوں میں کسی کا نام نہ ہو ۔ اور دربار میں وہ بلایا جائے ۔ تو ہو نہیں سکتا کہ نہ جائے جو نہ گیا معلوم ہوا کہ درباریوں میں اس کا نام ہی نہ تھا ۔

ہمیں ست معنی کہ در بارگاہ ؎ نہ شاید شدن جز بفرمان شاہ

خود انہیں اعراب کے متعلق سورۂ توبہ میں فرمایا کہ وَلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ انْۢبِعَاثَھُمْ فَثَبَّطَھُمْ (ترجمہ) ولیکن ناپسند کیا اللہ نے ان کا

(بقیہ صفحہ ۵۶۷ کا) اور مارے جائیں گے ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ چند روز کی مہلت رسول کی زندگی ہی میں ختم ہو جائے ۔ اور بعد اسکے ان پر جہاد ہو ۔ اور وہ مدینہ سے جلا وطن ہو جائیں گے ۔ وہاں بھی لعنتی موت سے مارے جائیں گے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا ۔ پس قطعاً معلوم ہوا کہ رسول ہی کے زمانہ میں جو منافق مرتے سے بچ رہے تھے ۔ وہ تائب ہو گئے تھے ۔ شیعہ مفسروں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں منافقوں کا نفاق سے باز آجانا ہی مراد لیا ہے ۔ علامہ فتح اللہ کاشانی خلاصۃ المنہاج میں لکھتے ہیں ۔ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ اگر باز نہ ایستند منافقان از نفاق و آزار پیغمبر و کید نمودن ۔ پھر سُنَّۃَ اللّٰہِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ یعنی مقرر کردہ در امم ماضیہ کہ انبیاء بکشتند منافقون عہد خود را ۱۲ منہ ۔

آپ کے ہمراہ جانا - لہذا ان کو سست کر دیا - المختصر اسی سبب سے ان اعراب کو مخلفین فرمایا - جس کے معنے پیچھے کئے ہوئے مُتَخَلِّفِيْنَ نہ فرمایا جس کے معنے پیچھے رہ جانے والے سَتُدْعَوْنَ یعنی عنقریب تم بلائے جاؤ گے - اس خاص عنوان میں بہت سے نکات ہیں - ازاں جملہ یہ کہ اگر یوں فرمایا جاتا کہ عنقریب ایک بلانے والا تم کو بلائے گا - تو یہ بلانے کا فعل اس بلانے والے کی طرف منسوب ہوتا - اور فعل مجہول میں کسی کی طرف نسبت فعل کی نہ ہوئی - اور یہ بلانا خدا کا بلانا قرار پایا - بلانے والے کا وجود ضمناً سمجھ لیا گیا - یہ بھی نہ فرمایا کہ بلانے والا بعد پیغمبر کے ہوگا - اس لئے کہ ایسا فرمانے سے اس بلانے کی اہمیت گھٹ جاتی - اور در حقیقت شیخین کا زمانہ بقیہ ایام نبوت تھا - یہ مقصد بھی فوت ہو جاتا -

قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ - یعنی سخت لڑائی والی قوم - اس لفظ سے معلوم ہوا - کہ یہ قوم عرب کی نہیں ہے - کیونکہ کفار عرب سے تو بہت لڑائیاں مسلمانوں کی ہو چکی تھیں - اگر وہ مراد ہوتے تو صرف اِلَیْھِمْ فرمانا کافی تھا - پھر شدید کا لفظ بتلا رہا ہے - کہ اب تک جتنی لڑائیاں جن جن لوگوں سے ہو چکی ہیں - ان سب سے زیادہ سخت قوم ہوگی - جس کی قوت و جلاوت مشہور آفاق ہے - اور یہ بات اس زمانہ میں صرف رومیوں اور ایرانیوں میں تھی - کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تمام روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں تھیں - ایک روم کی جس کا مذہب عیسائی تھا - اور ایک ایران کی جس کا مذہب مجوسی تھا - ان دو کے سوا اگر کوئی بادشاہ تھا - تو یا انہیں دو میں سے کسی کا باج گزار تھا - یا اس کی بادشاہت برائے نام تھی - بہر کیف یہ بات قطعی ہے - کہ قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ سے ایرانی اور رومی مراد ہیں - کوئی اور قوم مراد نہیں ہو سکتی - احادیث کے دیکھنے سے تاریخ کے مطالعہ سے

خصوصاً روم و ایران کی لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ اس بلانے والے کا مرتبہ اس تشبیہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ اس تشبیہ سے معلوم ہوا۔ کہ اس بلانے والے کے حکم سے انحراف کرنا رسول کے حکم سے انحراف کرنے کے مثل ہے اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو ضرور اس آیت کی پیشین گوئی کا مصداق کوئی نبی ہوتا۔ لیکن اب نبی نہیں تو سید الانبیاء کا خلیفہ خاص ہے۔ اس آیت دعوت اعراب سے حضرات شیخین کی حقیقت خلافت نہایت وضاحت سے ثابت ہوتی ہے۔ اور اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کی خلافت قرآن شریف کی موعودہ خلافت تھی۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں خلافت راشدہ کا بیان بطور پیشین گوئی فرمایا۔ اس کی حکمت ہم سابقہ تفسیروں میں بیان کر چکے ہیں۔ اگر بطور حکم شرعی کے فرمایا جاتا کہ فلاں شخص یا فلاں اشخاص کو خلیفہ بناؤ۔ تو جس طرح تمام احکام شرعیہ میں بندوں کو اختیار عمل کرنے نہ کرنے کا ہوتا ہے۔ اس حکم بھی بھی ہوتا۔ گو صحابہ کرام کے زمانہ میں ضرور اس پر عمل ہوتا۔ مگر پھر بھی عنوان بیان سے عمل نہ ہونے کا احتمال مترشح ہوتا اس لئے حق تعالےٰ نے پیشین گوئی کا عنوان اختیار فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت راشدہ ایک امر تقدیری ہے جس کا وقوع لابدی اور ضروری ہے۔ بندوں کے اختیار کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ نہ در قضا نے اپنی مراد کیلئے لوگوں کو آلہ کار بنایا اب دیکھو آیت دعوت اعراب میں پیشین گوئی ہے۔

اس میں پانچ باتیں بیان ہوئی ہیں۔

(۱) کوئی بلانے والا ان بدوؤں کو جو سفر حدیبیہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے تھے۔ جہاد کے لئے بلائے گا۔

(۲) یہ بدو جس قوم سے جہاد کے لئے بلائے جائیں گے۔ وہ سخت

جنگ جو قوم ہو گی۔

(۳) وہ قوم عرب کے ماسوا ہو گی۔

(۴) یہ جہاد دو باتوں میں سے ایک بات پر ختم ہو گا یا قتال یا اسلام یعنی یا تو حریف مقابل مسلمان ہو جائے گا یا اس سے قتال ہو گا۔

(۵) جو اس جہاد کی طرف بلائے گا۔ وہ اس رتبہ کا شخص ہو گا۔ کہ اس کی فرماں برداری سے ثواب اور اس کی نافرمانی سے عذاب ہو گا۔

پس اب ہم کو تاریخ کے واقعات قطعیہ سے یہ تلاش کرنا چاہیئے۔ کہ یہ بلانے والا کون تھا۔ احتمال عقلی کے طور پر یہ بلانے والے یا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں۔ یا تینوں خلیفوں میں سے کوئی یا حضرت علیؓ یا خلفائے بنی امیہ۔ خلافت اموی کے بعد اس آیت کی پیشین گوئی کو تلاش کرنا عبث ہے۔ اس لئے کہ ان بدوؤں کی زندگی ہی اسوقت تک نہیں رہ سکتی۔ تو پھر پیشین گوئی کا پورا ہونا کیا۔

ان احتمالات میں سے ایک ایک کو اچھی طرح جانچو۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس پیشین گوئی کا پورا کرنا بالکل ظاہر ہے

اول :۔ اس وجہ سے کہ ان بدؤں کو آپ کی معیت سفر سے ہمیشہ کے لئے ممنوع کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

دوم : اس وجہ سے کہ حدیبیہ کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف چار جہاد ہوئے۔ خیبر۔ فتح مکہ، حنین۔ تبوک۔ ان چاروں میں کسی پر پیشین گوئی کے اجزاء صادق نہیں آتے۔ تبوک کے سوا تینوں جہاد عربوں ہی کی قوم سے تھے۔ قَوْمٍ اُولِی بَاْسٍ شَدِیْدٍ۔ ان پر صادق نہیں آتا۔ علاوہ اس کے خیبر میں تو باجماع مفسرین و بدلالت آیات قرآنیہ ان بدؤں کو شرکت کی ممانعت تھی۔ باقی رہا غزوہ تبوک۔ اس میں البتہ رومیوں سے مقابلہ تھا۔ یعنی اس غزوہ

میں قتال کی نوبت نہیں آئی نہ حریف مسلمان ہوا۔ حریف میدان جنگ میں آیا ہی نہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ تک مقام تبوک میں ٹھہرے رہے۔ قیصر روم کو آپ نے اطلاع بھیجی۔ کہ ہم تجھ سے قتال کرنے کے لئے آئے ہیں۔ قیصر پر اس قدر رعب غالب ہوا۔ کہ اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بالآخر حضور پر نور واپس تشریف لے آئے۔

حضرت علی رضی مرتضیٰ کا زمانہ مبارک بھی اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ بچند وجوہ۔ اول۔ یہ کہ حضرت علی کے زمانہ میں تین لڑائیاں ہوئیں جمل، صفین، نہروان۔ یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویان اسلام سے تھیں (ولیسلمون اس پر صادق نہیں آتا۔ یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لئے تھیں۔

دوم۔ یہ کہ یہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں۔

سوم۔ یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے۔ کہ ان بدوؤں کو حضرت علی مرتضیٰ رضی نے دعوت جہاد دی۔

بنی امیہ نے بھی کبھی حجاز ویمن کے بدوؤں کو دعوت جہاد نہیں دی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں۔

باقی رہے حضرات خلفائے ثلاثہ رض۔ تو واقعات تاریخیہ بتلا رہے ہیں کہ ان کے عہد میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی روم وایران سے لڑائی ہوئی۔ اور رومیوں اور ایرانیوں کا قومِ اُولِی بَاْسٍ شَدِیْدٍ ہونا یقیناً ناقابل انکار ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہے۔ کہ ان تینوں خلفاء نے ان لڑائیوں میں حجاز ویمن کے بدوؤں کو دعوت دی۔ لہٰذا وہ بلانے والے قطعاً یہ تینوں خلفاء خصوصاً حضرات شیخین رض ہیں۔ پیشین گوئی کے تمام اجزاء ان پر منطبق ہیں اور جب ان کا داعی جہاد ہونا اور ان کی دعوت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا تو ان کے

خلیفہ برحق ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اگر باوجود اس پیشین گوئی کے تمام اجزاء کے منطبق ہوجانے کے کوئی شخص ان تینوں خلفاء کو اس آیت کا مصداق نہ مانے۔ تو اس کا لازم نتیجہ یہ ہے۔ کہ آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہو۔ اور کلام الٰہی کی تکذیب ہوجائے۔ نعوذ باللہ منہ۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت بیان فرمائی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بھی اس آیت کی عمدہ تقریر تحفہ اثنا عشریہ میں لکھی ہے مگر حضرت مولٰنا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں جو تقریر اس آیت کی لکھی ہے۔ وہ انہیں کا حصہ تھی۔ میں اس موقع پر ازالۃ الخفاء کی وہ پوری تقریر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ اور اسی کو خاتمہ بیان بناتا ہوں۔ میں نے جو کچھ لکھا۔ سب انہیں کا فیض ہے ؎

شکر لطف تو چمن کند اے ابر بہار
کہ اگر خار دگر گل ہمہ آوردہ تست

ازالۃ الخفاء مقصد اول کی تیسری فصل میں فرماتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الْفَتْحِ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ	اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح (چھبیسواں پارہ) میں فرمایا ہے۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا اِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ

مِن قَبلُ یُعَذِّبکُم عَذَابًا
اَلِیمًا ہ
بگو یا محمدؐ پس گذاشتہ گان را
از بادیہ نشینان کہ عنقریب خواندہ
خواہید شد۔ بسوئے جنگ
قومی خداوند کارزار سخت کہ
جنگ کنید با ایشان یا آں کہ
ایشاں مسلماں شوند۔ پس
اگر فرمانبرداری کردید بدہد خدا
تعالیٰ شمارا مزد نیکو اگر
روی گردانید۔ چنانچہ روی
گردانیدہ بودہ۔ پیش ازاں
دعوت عقوبت کند شمارا
عقوبت دردد ہندہ۔ سبب
نزول آیہ بروفق اجماع مفسرین
و دلالت سیاق وسباق
آیات و برطبق مضمون احادیث
صحیحہ آں است۔ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سال حدیبیہ
ارادہ نمودند کہ عمرہ بجا آرند۔
پس دعوت فرمودند اعراب
و اہل بوادی را تا دریں سفر
برکاب آں جناب صلی اللہ

مِنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا
اَلِیْمًا ہ
کہہ دو اے محمدؐ پیچھے چھوڑے
ہوؤں کو جو بادیہ نشینوں سے ہیں)
کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم
ایسی قوم (کی لڑائی) کی طرف
(جو) سخت لڑنے والی (ہوگی)
تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان
ہو جائیں گے۔ پس اگر اطاعت
کرو گے تم تو دے گا خدا تم کو
اچھا بدلا اور
اگر منہ پھیرو گے تم جیسے منہ پھیرا
تھا اس بلانے سے پہلے تو
عذاب کرے گا تم پر درد دینے
والا عذاب۔ اس آیت کا
سبب نزول باجماع مفسرین
اور بدلالت سیاق وسباق
آیات اور موافق مضمون احادیث
صحیحہ کے یہ ہے کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ
کے سال ارادہ کیا کہ عمرہ بجا
لائیں۔ لہذا آپ نے اعراب

اللہ علیہ وسلم سعادت اندوز باشند زیرا کہ احتمال قوی بود کہ قریش از دخول مکہ مانع آیندہ بسبب کینہائے کہ از جہت قتلی بدر واحد و احزاب در قلوب ایشان متمکن بود۔ متعرض بحرب شوند و درین ہنگام بحسب تدبیر عقل لابدست۔ از استجاب جمیع کثیر تا از شر قریش ایمنی حاصل شود بسیارے از اعراب دعوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گوش نکردہ ازیں سفر تخلف نمودند و بعض باشتغال ضروریہ در اہل و مال تعلل کردند و مخلصین مسلمین کہ سرتاپا بہ بشاشت ایمان ممتلی بودند مرافقت و موافقت را سعادت دانستہ صحبت اختیار نمودند چوں نزدیک بحدیبیہ رسیدہ شدند۔ قریش بحمیت جاہلیت مبتلا گشتہ مستعد قتال و جدال شدند بعد اللتیا واللتی صلح مغلوبانہ دراں جا اتفاق افتاد۔ دبیرون

(یعنی) بادیہ نشینوں کو بلایا تاکہ وہ بھی اس سفر میں آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کی سعادت حاصل کریں۔ کیونکہ قوی احتمال تھا کہ قریش مکہ کے اندر داخل ہونے سے روکیں گے۔ اور بدر و احد و احزاب میں جو ان کے عزیز اقارب مارے گئے تھے۔ اس کا کینہ ان کے دلوں میں بھرا ہوا تھا۔ لہذا آمادہ جنگ ہو جائیں گے۔ اس وقت بمقتضائے تدبیر عقل ایک بڑی جماعت کا ساتھ لے جانا ضروری تھا۔ تاکہ قریش کے شر و فساد کا خوف نہ رہے۔ بہت سے اعراب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کا کچھ خیال نہ کیا اور اس سفر (مقدس) سے پیچھے بیٹھ رہے۔

اور بعض اپنے خانگی اور مالی کاموں ۔ ان

مکہ و م احصار ادا کردند۔ و باز
گشتند۔ چوں دریں سفر
اخلاص مخلصاں مبرہن گشت
و بر خواطر ایشاں کرب عظیم
مستولی شدہ بود بہ سبب
فوت عمرہ و از جہت صلح
مغلوبانہ حکمت الٰہی تقاضا
فرمود کہ جبر قلوب ایشاں
نماید بمغانم خیبر کہ عنقریب
بدست ایشاں افتد و آں مغانم
را خاص بحاضرین حدیبیہ
گرداند۔ غیر ایشاں را اذن
خروج نداد۔ و دراں مغانم
شریک نہ گرداند قال اللہ تعالیٰ
سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ
إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ
مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا
ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ
يُرِيدُونَ أَن
يُبَدِّلُوا كَلَامَ
اللَّهِ قُل لَّن
تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ
قَالَ
اللَّهُ

کا بہانہ کر کے ہٹ گئے۔ صرف
ان با اخلاص مسلمانوں نے جو سر سے
پیر تک بشاشت ایمان سے لبریز
تھے۔ آپکی ہم رکابی و معیت کو سعادت
سمجھ کر رفاقت اختیار کی۔ جب یہ
حضرات مقام حدیبیہ میں پہنچے۔ تو قریش
اپنی حمیت جاہلیت میں مبتلا ہو کر آمادہ
جنگ ہو گئے۔ بعد بہت کچھ جد و جہد
کے مسلمانوں کو مغلوبانہ صلح وہاں
کرنی پڑی۔ اور انجام یہ ہوا کہ مکہ
سے باہر احصار کی قربانی دے کر
لوٹ آئے۔ چونکہ اس سفر میں
مخلصوں کا اخلاص بالکل کھل گیا اور
ان کے دلوں پر بے چینی بھی بہت
غالب تھی عمرہ کے فوت ہو جانے
کی وجہ سے اور صلح مغلوبانہ کے
سبب سے لہذا حکمت الٰہی نے
چاہا۔ کہ ان کے دلوں پر مرہم
رکھے۔ غنائم خیبر سے جو عنقریب
ان کے ہاتھ میں آئیں گی۔ اور
ان غنیمتوں کو حاضرین حدیبیہ
کے ساتھ خاص کر دے لہذا
حق تعالےٰ نے غزوہ خیبر میں جانیکی

مِنْ قَبْلُ ۔ و باخبار رضائے
خود از آں جماعت کہ در حدیبیہ
بیعت نمودند ۔
قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ لَقَدْ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ
يُبَايِعُوْنَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ
الآیۃ و ہیچ کس از
حاضران حدیبیہ
ازیں بیعت تخلف نہ کرد
الا جد بن قیس منافق
تنہا وَأَخْرَجَ
الْبَغْوِيُّ وَغَيْرُهُ
عَنْ جَابِرٍ أَنَّ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
لَا يَدْخُلُ النَّارَ
أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔
و ایں مشہد یکے از مشاہد
خیر است کہ صحابہ کرام
دراں مشہد بمقامات عالیہ فائز گشتند و

اجازت حاضران حدیبیہ کے سوا کسی کا
نہ دی ۔ اور خیبر کی غنیمت میں کسی کو
حصہ نہ دیا ۔ چنانچہ (اس آیت سے پہلے
فرمایا ۔ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ (ترجمہ
عنقریب (اے نبی) کہیں گے پیچھے چھوڑے
ہوئے اعراب مسلمانوں سے (جب
چلوگے تم مال غنیمت کی طرف تاکہ
لو اس کو ہمیں بھی اجازت دو ہم
بھی تمہارے ساتھ چلیں ۔ یہ لوگ
چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل
دیں (اے نبی) کہہ دو کہ تم ہمارے ساتھ
ہرگز نہ آؤ ۔ اللہ نے پہلے سے ایسا
فرما دیا ہے ۔ اور حکمت الٰہی نے
چاہا کہ ان کے دلوں پر مرہم رکھے (
اپنی خوشنودی بیان کرکے ان لوگوں
سے جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت
کی ۔ چنانچہ (اس سورت میں ہے)
لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔
بلاشک اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے
جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے (اے نبی)
تم سے درخت کے نیچے حاضران
حدیبیہ میں سے اس بیعت سے

بمغانمے کہ بعد مہلتے بدست ایشاں
افتد مانند غنائم حنین وبمغانم
اُخرے کہ گاہے عرب برآں قادر
نشدہ بودند و آں مغانم
فارس و روم است کہ
بہ سبب قوت وشوکت وکثرت
عَدَدِ وعُدَدِ ایشاں اصلاً غلبہ
براں جماعۃ واخذ مغانم از ایشاں
درخیال عرب نمے گذشت
قال اللہ تعالےٰ وَعَدَكُمُ
اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً
مغانم عرب است حنین و مانند
آں فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ
مغانم خیبر است کہ متصل حدیبیہ
بدست ایشاں آمدہ۔ وَاُخْرٰى
لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا۔
مغانم فارس و روم است
ونیز حکمت الٰہیہ تقاضا نمودند
کہ شدید متخلفین وتفضیح حال
ایشاں کردہ شود قال اللہ تعالیٰ
قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ الآیۃ و
از آیندہ کہ دعوت ایشاں است
برائے قتال اولی باس شدید

کسی نے تخلف نہ کیا سوا جد بن قیس
منافق کے فقط اور بغوی وغیرہ نے
حضرت جابر سے روایت کی ہے۔
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا نہ داخل ہوگا دوزخ میں۔ ان
لوگوں میں سے کوئی جنہوں نے
درخت کے نیچے بیعت کی یہ واقعہ
حدیبیہ ایک عظیم الشان مشہد ہے۔
مشاہد خیبر سے کہ صحابہ کرام اس
مشہد میں اعلیٰ درجہ کے مراتب
پر پہنچ گئے اور حکمت الٰہی نے
چاہا کہ ان کے دلوں پر مرہم رکھے
ان غنیمتوں میں سے جو کچھ دیر کے
بعد ان کو حاصل ہونگی۔ مثل
غنائم حنین کے اور نیز مرھم
رکھے ان غنیمتوں سے جن پر
پر اہل عرب کو کبھی قدرت نہ ملی
تھی اور وہ غنائم فارس و روم
ہیں۔ کہ اہل فارس و روم کی قوت
وشوکت وکثرت افواج وآلات
حرب کی وجہ سے اُن پر غالب آ
جانے کا خیال بھی اہل عرب کو نہ
ہوتا تھا۔ چنانچہ اس سورت میں ہے

اعلام کردہ آمد۔ تا پیش از وقوع
واقعہ تامل وانی در عواجب
قبول دعوت وعدم قبول آن
کردہ باشند۔ و چون
روئے دہر بر بصیرت
باشند۔ واحتمالات عقلیہ
مشوش حال آلیشان نگردد
فَلَکَ الِکَ قولہ تعالےٰ
سَتُدْعَوْنَ بطریق اقتضاء
ازیں کلمہ مفہوم شد کہ در
زمان مستقبل داعیے خواہد
بود۔ اعراب را بسوئے
جہاد کفار وازیں دعوت
تکلیف شرعی مستحق خواہد
شد۔ اگر قبول دعوت کنند
ثواب آں بیابند واگر رد
کنند معاقب شوند۔ واین
لازم بیّن خلیفہ راشد ست
ودعوت بسوئے جہاد اعظم
صفات خلیفہ است۔ پس
ازیں آیت وعدہ وجود داعی
بسوئے جہاد واثبات خلافت
او مفہوم شد۔ در تفتیش آنم

وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ
کَثِیْرَۃً (یعنی اللہ نے تم سے بہت
غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے) اس سے
غنائم خیبر ہیں۔ جو حدیبیہ کے بعد
علی الاتصال اُن کو ملیں۔ وَ
اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھَا
(یعنی کچھ غنیمتیں ہیں جن پر تمہیں
دادا پردادا کے وقت سے آج
تک کبھی قابو نہیں ملا) مراد اس
سے فارس وروم کی غنیمتیں
ہیں، نیز حکمت الٰہیہ نے چاہا،
کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک
نہیں ہوئے۔ ان کی تہدید کی
جائے۔ اور ان کی حالت کی خرابی
بیان کی جائے۔ لہٰذا فرمایا۔
قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ الخ (یہی اس
آیت کا سبب نزول ہے)
اس آیت میں) آگے چل کر سخت
لڑنے والی قوم سے لڑنے کے
لئے ان کو بلائے جانے کا ذکر
اس لئے کر دیا گیا۔ کہ اس واقعہ
کے ظہور سے پہلے بلانے کے
منظور کرنے یا نہ کرنے کے انجام

كه اين داعيان كه بودند و
اين اوصاف بر كدام شخص
منطبق شد - يكے ازاں اوصاف
ايں است - كه دعوت برائے
اعراب باشد - كه باديه نشينان
اند - گوا اہل شہر را نيز دعوت
كنند - دوم آنكه دعوت بقتال
كفار اولى باس شديد باشد
ومعنى اولى باس شديد آں
است كه از جماعة كه مستعد
قتال شده اند داعيان و
مدعوان ہمه شدت باس
بيشتر داشته باشند و الاشديت
وضعف امر نسبتى است
ہر ضعيفے شديد ست بنسبت
اضعف از او وليكن عرف عام
بامستعد قتال مے سنجد - اگر
بہ نسبت اين مستعد آں اكثر
واقوى وبا اسباب تر باشند
اولى باس شديد گويند
والا نه - معنى اولى باس
شديد آں ست كه بمقتضائے
قياس وبحكم عقول مفطوره در بنى

پر غور کر رکھیں - تاکہ جب وہ
واقعہ پیش آئے (اور وہ بلائے
جائیں) تو ناواقف نہ رہیں - اور
احتمالات عقلیہ ان کے دل کو پریشان
نہ کریں - یہی مضمون سَتُدْعَوْنَ
سے بیان ہو رہا ہے - سَتُدْعَوْنَ
سے بطور (اقتضاء النص) کے یہ
بھی سمجھا گیا - کہ زمانہ آئندہ میں
کوئی بلانے والا اعراب کو جہاد
کفار کی طرف بلائے گا - اور
اس کے بلانے سے تکلیف شرعی
قائم ہو جائے گی - یعنی اگر وہ لوگ
اس کے بلانے کو مان جائیں گے.
تو ثواب پائیں گے ورنہ عذاب
کیا جائے گا یہ (وصف) خلیفہ
راشد کا لازم بیّن ہے - اور
جہاد کی طرف بلانا خلیفہ کے اعظم
صفات سے ہے - لہذا اس آیت
سے جہاد کی طرف بلانے والے
کے ظہور کا وعدہ ہے - اور اس
سے بلانے والے کی خلافت کا
ثبوت مفہوم ہوتا ہے - اب ہم
یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بلانے والے

آدم اقرب بغلبه دیده شود۔
اگرچه بفضل الٰہی بخرق
عادت آں جموع مجموعه را
بدست اولین برہم زند
سویم آں که دعوت برائے
غیر قریش باشد۔ زیرا که
تنکیر قوم مے فہماند که هُمْ
غَيْرُ الْاَوَّلِيْنَ الَّذِيْنَ
دَعَا اِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي الْحُدَيْبِيَةِ ورسولے
که مدعو الیهم قریش باشند
نظم کلام چنیں باید ساخت
سَتُدْعَوْنَ اِلَيْهِمْ مَرَّةً
اُخْرٰی ا وگفته نشود
سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ۔
چہارم ۔ آں که ایں دعوت
برائے قتالے باشد که منتهی
نه گردد الا به اسلام یا قتال
ایں قول اولی باس شدید
نه دعوت برائے احکام خلافت
خلیفه و شکست بغاة مسلمین
چنانچه حضرت علی مرتضی اکرم

کون تھے ۔ اور یہ (چاروں) اوصاف
کس میں پائے گئے ۔ ایک وصف
یہ کہ اعراب (جہاد کے لئے ضرور)
بلائے گئے ہوں (یا نہیں) دوسرا
وصف یہ کہ جن کفار سے لڑنے
کے لئے بلائے جائیں ۔ وہ
اولی باس شدید ہوں اولی باس
شدید کا مطلب یہ ہے کہ جس
قدر لڑائیاں اس سے پہلے
ہو چکی ہیں ۔ ان لڑائیاں کے
فریقین سے قوت و شوکت
زیادہ رکھتے ہوں اگر یہ مطلب
نہ لیا جائے تو (اولی باس
شدید کی کوئی ایک حد نہ ہوگی
کیونکہ) قوت و ضعف امر نسبتی
ہے ۔ کمزور آدمی بھی بہ نسبت
اپنے سے کمزور کے قوی کہا جا
سکتا ہے ۔ لیکن عرف عام
یہی ہے ۔ کہ جس قدر لڑائیاں
اب تک ہو چکی ہیں ۔ ان کے
فریقین کی بہ نسبت جمعیت
میں زیادہ اور قوی ہوں اور
آلات حرب زیادہ رکھتے ہوں

الله وجهه دعوت فرمود اهل
مدینه را یا دعوت برائے
ترسانیدن دشمن و چوں
هیبت افتاد گردند - بدوں
قتال چناں که آں حضرت
صلی الله علیه وسلم در تبوک
دعوت فرمودند بر خروج
بسوئے روم وچوں قیصر از جائے
خود حرکت نه کرد باز گشتند
ودر آں جا قتالے واقع نه
شد - چوں ایں مقدمه دانسته
شد - باید دانست که ایں
داعی صادق ست بر خلفائے
ثلثه لا غیر زیرا که
بحسب احتمالات عقلیه ایں
داعی یا جناب مقدس نبوی
است - صلی الله علیه وسلم
یا خلفائے ثلثه یا حضرت
مرتضیٰ رضوان الله علیهم یا بنی
امیه یا بنی عباس یا اتراک
که بعد دولتِ عرب سر بر آوردند - لا یجاوزُ الامرُ
عَنْ ذٰلِكَ - ازآں

تو اولی باس شدید کہا جائیگا۔
ورنہ نہیں - اولی باس شدید
کو پہچان یہ نہیں ہے کہ بزدلی
کی وجہ سے کسی قوم کی دہشت
غالب ہو جائے - اور اس کو
اولی باس شدید کہہ دیا جائے۔
بلکہ اولی باس شدید) وہ قوم
ہے - کہ بمقتضائے قیاس
اور بحکم عقل خالص جو بنی آدم
میں پیدا کی گئی ہے (میدان جنگ
میں) اس قوم کے غالب ہو
جانے کے قرائن زیادہ ہوں یہ
دوسری بات ہے - کہ (انجام کار
فضل الٰہی بطور خرق عادت کے
اس پر شوکت قوم کو ان کمزوروں
کے ہاتھ سے درہم برہم کر دے۔
تیسرا وصف یہ کہ وہ کافر جن
سے لڑنے کے لئے اعراب بلائے
جائیں قریش کے علاوہ ہوں -
کیونکہ قوم کا (بقاعدہ علم نحو)
نکرہ لانا بتلا رہا ہے - کہ یہ
قوم علاوہ ان لوگوں کے ہے۔
جن کی لڑائی کی طرف رسول خدا

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعوت
کذا واقع نشد - زیراکہ
نزول آیت در قصۂ حدیبیہ
است وغزوات آں
حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم بعد حدیبیہ محصور
ومعلوم است بر ہیچ
یک دعوت کذا صادق
نمے آید - متصل حدیبیہ
غزوہ خیبر واقع شد و
ہیچ کس را از اعراب دراں
غزوہ دعوت نہ فرمودند
بلکہ غیر حاضرین حدیبیہ
ممنوع بودند - از حضور دراں
مشہد - کما قال
قُل لَّن تَتَّبِعُونَا
كَذٰلِكُمْ قَالَ
اللّٰهُ مِن قَبْلُ
وبعد ازاں غزوہ
الفتح پیش آمد - فی
الجملہ دعوتے واقع شد
اما نہ برائے قتال قوم اولے
باس شدید - زیرا کہ ایشاں

نے حدیبیہ میں بلایا تھا - اگر
اس قوم سے جسکی طرف بلائے
جانے کا ذکر اس آیت میں
ہے قریش مراد ہوتے - تو عبارت
یوں ہونی چاہیئے تھی - سَتُدْعَوْنَ
اِلَیْهِمْ اُخْرٰی - یعنی تم پھر
دوبارہ ان کی لڑائی) کی طرف
بلائے جاؤ گے یہ نہ کہا جاتا کہ
سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ
(یعنی تم کسی ایسی قوم کی طرف
بلائے جاؤ گے) جو تھا وصف یہ
ہے - کہ یہ بلانا ایسے جہاد کیلئے
ہوگا - جو بغیر اسلام لائے یا بغیر
قوم اولی باس شدید سے جنگ
ہوئے ختم نہ ہوگا - جیسا کہ حضرت
علی کرم اللہ وجہہ نے اہل مدینہ کو
(اپنی خلافت مضبوط کرنے کیلئے
اور جمل اور صفین والوں کو شکست
دینے کے لئے) بلایا تھا نیز اس
بلانے کا انجام یہ نہ ہوگا کہ دشمن
ہیبت سے ڈر جائے - اور پھر
نوبت جنگ نہ آنے پائے - اور
مسلمان لوٹ آئیں - جیسے آں

ہماں بودند۔ کہ دعوت۔
حدیبیہ برائے ایشاں بود
و نظم کلام دلالت بر تخایر
این دو قوم مے نماید۔ و
غزوہ حنین نیز مراد نیست
زیراکہ ہوازن اقل و اذل
بودند۔ ازاں کہ بہ نسبت
دوازدہ ھزار مرد جنگی کہ
در رکاب شریف حضرت نبی
صلی اللہ علیہ وسلم از مہاجرین
وانصار و اعراب و مسلمۃ
الفتح نہضت کردہ بودند
ایشاں را اولی باس شدید
گفتہ شود ہرچند
حکمت الٰہی در مقاتلہ
أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
جوئے در کار ایشاں کردہ
باشد و غزوہ تبوک مراد
نیست زیراکہ تُقَاتِلُوْنَهُمْ أَوْ يُسْلِمُوْنَ
دراں جا متحقق نشد۔ غرض
آں جا القاع ہیبت بود
در قلوب شام و روم چوں

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں
اہل روم سے لڑنے کے لئے بلایا تھا۔
مگر انجام یہ ہوا کہ (قیصر روم) نے
اپنی جگہ سے جنبش نہ کی اور مسلمان
لوٹ آئے۔ اور لڑائی نہ ہوئی جب
یہ بات معلوم ہوگئی تو اب جاننا چاہیئے
کہ بلانے والے خلفائے ثلثہ تھے۔
ان کے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ موافق
احتمالات عقلیہ کے یہ بلانے والے
یا جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
ہوں گے یا خلفائے ثلثہ یا حضرت
علیؓ مرتضیٰ یا بنی امیہ یا بنی عباس
یا ترک جنہوں نے سلطنت عرب
کے ختم ہو جانے کے بعد سر اٹھایا
تھا ان (چھ احتمالوں) سے
زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا
(اب دیکھو خلفائے ثلثہ کے
سوا جس قدر احتمال ہیں سب
باطل ہیں کیونکہ) آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا بلانا
کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے
یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی
اور حدیبیہ کے بعد آں حضرت

ہرقل جنبش (ہم) نکرد - و فوجے نفرستاد باز مراجعت فرمودند - و بنوامیہ و بنوعباس و من بعد ایشان گاہے اعراب حجاز و یمن را بقتال کفار نخوانده اند کما هو معلوم من التاریخ قطعًا این دعوت مقیده دریں آیت منحط اولہ غیر از خلفائے ثلثہ متحقق نگشت -

صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات گنتی کے ہیں - اور معلوم ہے کہ ان میں سے کسی میں اس قسم کا بلانا سوا حدیبیہ کے بعد ہی علی الاتصال غزوہ خیبر نہیں ہوا اس غزوہ میں اعراب کے کسی متنفس کو آپ نے نہیں بلایا - بلکہ اس غزوہ میں تو سوا ان لوگوں کے جو حدیبیہ میں شریک تھے کسی اور کا شریک کرنا منع تھا - جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے - قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ (یعنی اے نبی (اعراب سے) کہہ دو کہ تم (خیبر میں) ہمارے ساتھ نہ آؤ تمہارے متعلق پہلے ہی اللہ نے ایسا فرما دیا ہے) خیبر کے بعد غزوہ فتح مکہ پیش آیا - اس غزوہ میں کچھ اعراب بلائے گئے - مگر اہل مکہ قوم اولی باس شدید نہ تھے - کیونکہ یہ وہی لوگ تھے - جن سے لڑنے کے لئے حدیبیہ میں بلائے جاچکے تھے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ قوم اولی باس شدید سے اہل مکہ کے علاوہ کوئی دوسری قوم مراد ہے - غزوہ حنین بھی مراد نہیں ہو سکتا - کیونکہ اہل ہوازن (جن سے اس غزوہ میں لڑائی تھی) اس سے بہت ہی قلیل و ذلیل تھے - کہ ان کو بارہ ہزار مردان جنگی کے مقابلہ میں جو (حنین میں) ہمرکاب حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے - یعنی مہاجرین و انصار و مسلمین فتح مکہ اولی باس شدید کہا جائے - یہ دوسری بات ہے

کہ حکمت الٰہی نے میدان جنگ میں بوجہ اس کے کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ ناز پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرا رنگ دکھا دیا۔ غزوہ تبوک بھی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہاں تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ نہیں پایا جاتا یعنی اس غزوہ کا انجام یہ نہیں ہوا کہ حریف اسلام لاتا یا اس سے جنگ کی نوبت آتی) مقصود الٰہی اس غزوہ سے صرف اہل شام و روم کے دلوں میں ہیبت کا پیدا کر دینا تھا۔ جب ہرقل نے جنبش نہ کی۔ اور فوج نہ بھیجی تو مسلمان لوٹ آئے۔ رہا تی رہے حضرت مرتضیٰ اور بنی امیہ اور بنی عباس اور ان کے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لئے بلایا ہی نہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔ یقیناً یہ خاص قسم کا بلانا جس میں چاروں مذکورہ اوصاف پائے جائیں) اتنی طویل مدت میں سوائے خلفائے ثلثہ کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا۔

قَالَ الْوَاقِدِيُّ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقُتِلَ فِيْ خِلَافَتِهٖ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ ابْنُ قَيْسٍ الَّذِيْ ادَّعٰى وَقَاتَلَ بَنِيْ حَنِيْفَةَ وَقُتِلَ اَيْضًا سَجَاحُ وَالْاَسْوَدُ الْعَنْسِيُّ وَهَرَبَ طُلَيْحَةُ اِلَى الشَّامِ وَفُتِحَ الْيَمَامَةُ وَاَطَاعَتِ الْعَرَبُ لِاَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ

واقدی نے لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا لیے گئے۔ ان کے عہد میں مسیلمہ ابن قیس مارا گیا۔ جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ اور انہیں نے بنو حنیفہ سے قتال کیا۔ نیز انہیں کے زمانہ میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے۔ اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہو گیا۔ اس وقت انہوں نے

رَضِیَ اللہُ عَنْہُ تَحَوَّلَ
عِنْدَ ذٰلِكَ اَنْ يَّبْعَثَ
جُيُوْشَہٗ اِلَى الشَّامِ
وَصَرَفَ وَجْهَہٗ اِلٰى
قِتَالِ الرُّوْمِ فَجَمَعَ الصَّحَابَۃَ
رَضِیَ اللہُ عَنْهُمْ فِی الْمَسْجِدِ
وَقَامَ فِيْهِمْ فَحَمِدَ اللہَ
وَاَثْنٰى عَلَيْہِ وَذَكَرَ
النَّبِیَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ
ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ
اِعْلَمُوْا اَنَّ اللہَ تَعَالٰى
قَدْ فَضَّلَكُمْ بِالْاِسْلَامِ
وَجَعَلَكُمْ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ
عَلَيْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
وَزَادَكُمْ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا
وَنَصَرَكُمْ نَصْرًا مُّبِيْنًا
فَقَالَ فِيْكُمُ الْيَوْمَ
اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ
دِيْنًا ط وَاعْلَمُوْا اَنَّ
الرَّسُوْلَ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ
وَسَلَّمَ كَانَ يُوَجِّهُ وَ

ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر
کشی کریں اور ان کی توجہ غزوۂ
روم کی طرف مائل ہوئی چنانچہ
انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو
مسجد (نبوی) میں جمع کیا۔ اور
منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و
ثناء بیان کی۔ اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کو یاد کیا۔ اس کے بعد
فرمایا کہ اے لوگو تم کو واضح ہو کہ
اللہ تعالےٰ نے تم کو اسلام کے
سبب سے فضیلت دی ہے۔
اور تم کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی اُمت میں کیا ہے۔ اور تمہارے
ایمان و یقین کو ترقی دی ہے۔
اور کھلم کھلا تمہاری مدد کی ہے۔
اور تمہارے ہی حق میں فرمایا
ہے۔ کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ یعنی
آج میں نے کامل کر دیا۔ تمہارے
لئے دین تمہارا اور پوری کر دی
تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا
میں نے اسلام کو تمہارے لئے
دین اور یہ بھی واضح رہے۔ کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
توجہ اور ہمت ملک شام کی

هِمَّتِهٖ اِلَى الشَّامِ فَقَبَضَهُ
اللّٰهُ تَعَالٰى وَاخْتَارَ لَهُ
مَالَدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اَلَا وَاِنِّيْ عَازِمٌ
اِنْ اُوَجِّهَ الْمُسْلِمِيْنَ
بِاَهَالِيْهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
اِلَى الشَّامِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَمَرَنِيْ بِذٰلِكَ قَبْلَ مَوْتِهٖ
فَقَالَ زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ
مَشَارِقُهَا وَمَغَارِبُهَا وَ
وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ
مَازُوِيَ لِيْ مِنْهَا فَمَا قَوْلُكُمْ
فِيْ ذٰلِكَ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا
يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْنَا
بِاَمْرِكَ وَوَجِّهْنَا حَيْثُ
شِئْتَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ
فَرَضَ طَاعَتَكَ عَلَيْنَا
فَقَالَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ
مِنْكُمْ قَالَ فَفَرِحَ اَبُوْبَكْرٍ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِقَوْلِهِمْ

طرف تھی۔ مگر اللہ نے ان کو اٹھا
لیا اور ان کے لئے اپنا قرب
پسند کیا صلی اللہ علیہ وسلم لہذا
اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ
تمام مسلمانوں کو جمع کر کے شام
کی طرف بھیجوں کیونکہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات
سے پہلے (اشارۃً) مجھے اس کا
حکم دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ زمین
کی مشرق و مغرب سب میرے
لئے لپیٹ دی گئی ہے۔ اور
جس قدر حصہ زمین کا میرے لئے
لپیٹا گیا۔ وہاں تک میری امت
کی سلطنت پہنچے گی۔ پس اب
تم لوگ (اس بارہ میں) کیا کہتے
ہو۔ اللہ تم پر رحم کرے ان لوگوں
نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ ہمارا
کہنا آپ کے سامنے کیا مناسب
ہے، آپ اپنے حکم سے ہمیں
اطلاع دیں۔ اور جہاں چاہیں
ہمیں بھیج دیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل
نے اپنی اطاعت ہم پر فرض کی
ہے۔ چنانچہ فرمایا اَطِیْعُوا اللّٰہَ

وَسُرَّ سُرُوْرًا عَظِيْمًا وَنَزَلَ
عَنِ الْمِنْبَرِ فَكَتَبَ الْكِتَابَ
اِلٰى مُلُوْكِ الْيَمَنِ وَاُمَرَاءِ
الْعَرَبِ وَاِلٰى اَهْلِ مَكَّةَ
وَكَانَتِ الْكُتُبُ كُلُّهَا
يَوْمَئِذٍ نُسْخَةً وَّاحِدَةً
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ
الْعَتِيْقِ ابْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ
اِلٰى سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ سَلَامٌ
عَلَيْكُمْ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اللّٰهَ
الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ
نُصَلِّيْ عَلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ قَدْ
عَزَمْتُ عَلٰى اَنْ اُوَجِّهَكُمْ
اِلَى الشَّامِ لِتَاْخُذُوْهَا
مِنْ اَيْدِي الْكُفَّارِ فَمَنْ
عَوَّلَ مِنْكُمْ عَلَى الْجِهَادِ
فَلْيُبَادِرْ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَ
طَاعَةِ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ كَتَبَ
اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا
الْاٰيَةَ ثُمَّ بَعَثَ الْكِتَابَ
اِلَيْهِمْ وَاَقَامَ مُنْتَظِرًا

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي
الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ یہ سن کر
حضرت ابوبکرؓ خوش ہوئے اور
بہت مسرور (بادشاہان یمن اور
سرداران عرب اور اہل مکہ کے
نام خطوط لکھے۔ ان تمام خطوط کا
مضمون یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن
الرحیم (عبداللہ (ملقب بہ) عتیق
ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام
مسلمانوں کے نام۔ سلام ہو تم
پر میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے
سوا کوئی معبود نہیں۔ اور درود
پڑھتا ہوں اس کے نبی محمد صلی
اللہ علیہ وسلم پر میں نے ارادہ کیا
ہے۔ کہ تم کو ملک شام کی طرف
بھیجوں۔ تاکہ تم لوگ اس کو فتح
کرو۔ پس جو شخص تم میں سے جہاد
کا ارادہ کرے چاہیئے کہ سبقت
کرے اطاعت خدا واطاعت
رسول پر) خط کے آخر میں یہ آیت
لکھی تھی۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ
ثِقَالًا۔ اس کے بعد یہ خط سب کے
پاس بھیج دیئے اور اس کے جواب

جَزَابِهِمْ وَقُلُوْمِهِمْ
فَكَانَ اَوَّلُ مَنْ بَعَثَ اِلَى
الْيَمَنِ اَنَسَ ابْنِ مَالِكٍ
خَادِمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (انتہی کلامہ و برہان)

و برہان بر بودن حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ کالجارحہ
دریں دعوت وظہور مر حدیث
قدسی کہ در مخاطبہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم واقع است اَلْبَعْثَ
جَيْشًا نَبْعَثُ خَمْسَةً مِثْلَهٗ۔
دریں واقعہ ظاہر و باہر بود۔ ایں
نامہ در دل مردم کارے کرد کہ از
میزان عقل معاشی بیرون ست
تا آنکہ در غزوہ یرموک چہل ہزار
کس مجتمع شد و کوشش عجیب
از دست ایشاں بروئے کار آمد و
فتح کہ ہیچ گاہ از زمان حضرت آدم
تا ایں دم واقع نشدہ بود ظہور
نمود۔ کشود کار اضعافاً مضاعفۃ
از کوشش و اہتمام ظاہر گردید و
ایں فعل حضرت صدیق دستور
العمل فاروق اعظم شد رضی اللہ عنہما۔

کا انتظار کیا۔ سب سے پہلے جو
شخص یمن بھیجا گیا وہ حضرت انس
بن مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم کے خادم تھے۔ واقدی کا
کلام ختم ہوا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ
کا اس بلانے میں مثل جارحہ کے
ہونا اور ان کا اس واقعہ میں اس
حدیث قدسی کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ
نے بخطاب آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے فرمائی کہ تم ایک لشکر
بھیجو۔ تو ہم ویسے پانچ لشکر بھیج
دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے چنانچہ
ان کے) اس خط نے لوگوں کے
دلوں میں ایسا اثر کیا۔ جو دنیاوی
عقل سے بالاتر ہے۔ یہاں تک
کہ غزوہ یرموک میں چالیس ہزار
آدمی جمع ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھ
سے عجیب کوشش ظاہر ہوئی۔ اور
ایسی فتح حاصل ہوئی جو حضرت
آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اس
وقت تک کبھی نہ ہوئی تھی بمقابلہ
کوشش اور اہتمام کے دوگنا

بہمیں اسلوب در واقعہ قادسیہ
دعوتِ اعراب فرمود فی کتاب
روضۃ الاحباب عند ذکر غزوۃ
القادسیۃ چوں خبر رسید کہ عجم
یزدگرد را بہ بادشاہی بر داشتند و
امور خود مہیا ساختند امیر المؤمنین
عمرؓ بہر یک از عمال خود نامہ
نوشت بدیں مضمون کہ باید
دراں ناصیہ ہر کرا دانند کہ اسپ
وسلاح دارد و از اہل نجدت
وشجاعت و مقاتلہ بود ساختگی
نمودہ بتعجیل تمام بجانب مدینہ
رواں سازد۔ وہم چنیں دعوت
امیر المومنین عثمانؓ برائے کمک
عبداللہ بنؓ ابی سرح چوں در
افریقیہ ملک آں جا مقاتلہ در نہ
پیش کردہ مشہور است چوں
ثابت شد کہ ایں خلفائے
داعی بودند۔ بدعوت موصوفہ
فی القرآن ثابت شد کہ خلفاء
راشدین بودند۔ دعوت ایشاں
موجب تکلیف ناس شد بقبول
آں مستحق ثواب و بہ عدم قبول

چوگنا نتیجہ حاصل ہوا۔ حضرت صدیق
کا یہی کام فاروق اعظمؓ کے لئے
دستور العمل بن گیا۔ انہوں نے
اس طریقہ سے غزوہ قادسیہ میں
اعراب کو دعوت دی روضۃ
الاحباب میں ذکر غزوہ قادسیہ
میں لکھا ہے۔ کہ جب یہ خبر ملی
کہ اہل عجم نے یزدگرد کو بادشاہ
بنایا ہے۔ تو انہوں نے اپنے
عمال کو اس مضمون کا خط بھیجا
کہ ان اطراف میں جس کو تم
جانتے ہو۔ کہ اس کے پاس
گھوڑا اور ہتھیار ہے اور ہمت
اور شجاعت بھی رکھتا ہے۔
اور فن حرب سے بھی واقف
ہے۔ اس کو فوراً سامان درست
کر کے مدینہ بھیج دو۔ اسی طرح
حضرت عثمانؓ نے بھی عبداللہؓ
بن ابی سرح کی کمک کے لئے
جب کہ وہاں کے بادشاہ نے
جنگ چھیڑی۔ اعراب کو بلایا۔
اور یہ واقعہ مشہور ہے۔ جب
ثابت ہوگیا کہ وہ بلانا جس کا

مستوجب عذاب گشتند۔ | ذکر قرآن میں ہے۔ انہیں خلفاء ثلاثہ سے ظاہر ہوا۔ تو ثابت ہو گیا۔ کہ وہ خلیفہ راشد تھے اور

ان کا (لوگوں کو) بلانا موجب تکلیف شرعی تھا۔ یعنی ان کا حکم ماننے سے مستحق ثواب اور ان کا حکم نہ ماننے سے مستوجب عذاب ہوئے۔

ازالۃ الخفاء کی پاکیزہ عبارت تمام ہوئی۔ اب تحفہ اثنا عشریہ کی۔ عبارت دیکھو۔

تحفہ اثنا عشریہ کے ساتویں باب میں جہاں آیات سے حقیقت خلافت کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

اور آیت قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ الخ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ کہہ دیجئے اے نبی پیچھے چھوڑے ہوئے اعراب سے کہ عنقریب تم کو بلایا جائیگا۔ ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف۔ تم اس قوم سے قتال کرو گے یا وہ مسلمان ہو جائے گی پس اگر تم اطاعت کرو گے تو خدا تم کو اچھا ثواب دے گا۔ اور اگر پھر جاؤ گے۔ جیسا کہ پہلے پھر گئے تھے تو خدا تم کو دردناک عذاب دیگا۔

ترجمہ:۔ بگو پس ماندگان را از اعراب عنقریب خوانده شود شمارا بسوئے قومے صاحب جنگ قوی قتال خواہید کرد با ایشان یا مسلمان شوند پس اگر اطاعت خواہید کرد۔ با ایشان بدہد خدا ثواب نیک واگر خواہید برگشت

چنانکہ برگشتید پیشتر عذاب کند شمارا عذاب دردناک۔

مخاطب درین آیہ بعضے قبائل اعراب اند۔ مثل اسلم وجہنیہ ومزینہ وغفار واشجع کہ در سفر حدیبیہ رفاقت پیغمبر نکردند واجماع مورخین طرفین ست کہ بعد از نزول این آیت قتالے در زمان آں سرور علیہ السلام واقع نشد۔ کہ دراں اعراب را دعوت کردہ باشند مگر غزوہ تبوک وآں غزوہ برین آیت منطبق نیست۔ زیراکہ فرمودہ ست۔ کہ قتال خواہید کرد۔ باحریفاں خود یا اسلام خواہند آورد۔ پس معلوم شد کہ آں غزوہ دیگر ست زیراکہ در تبوک یکے ازیں دو چیز واقع نشد نہ قتال ونہ اسلام مخالفین۔ پس لابد ایں داعی خلیفہ الیست از خلفائے ثلثہ کہ در وقت ایشاں اعراب را دعوت بہ قتال مرتدین واقع شد۔

اس آیت میں اعراب کے بعض قبیلوں سے خطاب ہے۔ مثل قبیلہ اسلم اور جہنیا ور مزنیہ اور غفار اور اشجع کے جنہوں نے سفر حدیبیہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نہ کی تھی۔ اور فریقین کے مورخوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی قتال ایسا نہیں ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی ہو۔ فقط غزوہ تبوک ہوا مگر وہ غزوہ اس آیت پر منطبق نہیں ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ کہ اس غزوہ میں اپنے حریفوں سے قتال کرو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ غزوہ (جس کا آیت اعراب میں ذکر ہے۔ غزوہ تبوک کے سوا) کوئی اور غزوہ ہے کیونکہ تبوک میں ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہوئی۔ نہ قتال ہوا

در زمان خلیفہ اول - وبہ قتال اہل فارس و روم در زمان او و در زمان خلیفہ ثانی وبہر تقدیر خلافت خلیفہ اول صحیح شد۔ زیراکہ بر اطاعت و قبول دعوت او وعدہ اجر نیک و بر عدم اطاعت او وعید عذاب الیم مرتب کردہ اند - و ہر کہ واجب الاطاعت بود امام است۔

— — — — —

نہ مخالفین اسلام لائیں پس ضروری ہے۔ کہ موعودہ دعوت کا دینے والا حضرات خلفائے ثلثہ میں سے کوئی خلیفہ ہو۔ کیونکہ انہیں کے وقت میں اعراب کو دعوت دی گئی۔ چنانچہ حضرت صدیق رضی کے زمانہ میں قتال مرتدین اور صدیق رضی اور فاروق رضی دونوں کے زمانہ میں قتال اہل فارس وروم کی دعوت دی گئی۔ بہر تقدیر خلیفہ اول کی خلافت کا صحیح ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ ان کی اطاعت اور ان کی دعوت کے قبول کرنے پر اچھے ثواب کا وعدہ اور عدم اطاعت پر سخت عذاب کی وعید مرتب فرمائی ہے۔ اور جو شخص (شرعاً) واجب الاطاعت ہو (اور نبی نہ ہو) وہ امام (برحق) ہے۔

دریں آیہ شیخ ابن مطہر حلی دست و پائے زدہ جوابے برآوردہ است۔ کہ داعی آں حضرت است وجائز است کہ آں حضرت در

اس آیت میں شیخ ابن مطہری نے ہاتھ پیر مار کر ایک جواب دیا ہے۔ کہ اس دعوت موعودہ کے دینے والے آں حضرت ؐ

غزوات دیگر کہ دراں قتال ہم واقع شدہ۔ دعوت نمودہ باشد اما منقول نہ شدہ و رکاکت ایں جواب پوشیدہ نیست۔ زیراکہ در باب اخبار و سیر و تواریخ بہ مجرد احتمالات تمسک کردن شان عقلا نیست والا در ہر مقدمہ احتمالے توان برآورد چنانکہ گوئیم کہ جائز ست کہ بعد از غدیر خم آں حضرت امامت علی را موقوف کردہ نص بر امامت صدیق نمودہ باشد۔ و مردم را بریں امر تاکید و اہتمام فرمودہ اما منقول نہ شدہ وعلے ھذا القیاس و بعضے از شیعہ گویند کہ داعی حضرت امیر است بسوئے قتال ناکثین و قاسطین و مارقین و دریں جواب ہم آں چہ ہست پوشیدہ نیست۔ زیراکہ قتال حضرت امیر برائے طلب اسلام نہ بود۔ بلکہ محض برائے انتظام امامت بود۔ و در عرف قدیم و جدید ہرگز منقول نشدہ

تھے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ آں حضرت ؐ نے کسی اور غزوہ میں جس میں قتال بھی ہُوا ہو ان اعراب) کو دعوت دی ہو۔ مگر (کتابوں میں) منقول نہیں ہوئی۔ اس جواب کا رکیک ہونا پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ سیر اور تاریخ کی خبروں میں محض احتمال سے کام لینا عقلمند کا کام نہیں ہے۔ ورنہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی احتمال نکالا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ (اچھا بالفرض خم غدیر میں حضرت علی رضؓ کا خلیفہ بنایا جانا ہم تسلیم بھی کر لیں تو) ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد آں حضرت ؐ نے حضرت علی رضؓ کی امامت موقوف کر کے حضرت صدیق رضؓ کی امامت معین فرما دی ہو۔ اور لوگوں کو اس کی تاکید اور اس کا اہتمام کے ساتھ حکم فرمایا ہو۔ لیکن کتابوں میں منقول نہیں ہُوا۔ وعلی ہذا القیاس۔ اور بعضے شیعہ کہتے ہیں کہ اس دعوت کے دینے والے جناب

کہ اطاعتِ امام را اسلام و مخالفت او را کفر گویند و معہذا خود شیعہ بروایات صحیحہ نقل کردہ اند۔ کہ پیغمبر درحق امیر فرمود۔

امیرؓ ہیں۔ انہوں نے اپنی بیعت کے توڑنے والوں اور فاسقوں اور عہد سے نکل جانے والوں کے قتال کے لئے اعراب کو بلایا) اس جواب میں بھی جو کچھ کمزوری ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اوّل تو حضرت امیرؓ نے ان اعراب کو ان لڑائیوں میں نہیں بلایا دوسرے جناب امیر کی لڑائیاں مسلمان بنانے کے لئے نہ تھیں۔ بلکہ محض اپنی خلافت کے مضبوط کرنے کے لئے تھیں اور کسی زمانے کا یہ محاورہ نہیں ہے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت کو اسلام اور اس کی مخالفت کو کفر کہا جائے باایں ہمہ شیعوں نے خود بھی بروایات صحیحہ نقل کیا ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے جناب امیر کے حق میں فرمایا

اَنْتَ یَا عَلِیُّ تُقَاتِلُ عَلٰی تَاوِیْلِ الْقُرْاٰنِ کَمَا قَاتَلْتُ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ

ترجمہ: ہر آئینہ تو اے علیؓ قتال خواہی کرد۔ بر تاویل قرآن۔ چنانچہ قتال کردہ ام بر تنزیل او و ظاہر ست کہ مقاتلہ بر تاویل قرآن بعد از قبول تنزیل قرآن است۔ از مخالفین و قبول تنزیل قرآن بدون

کہ اے علیؓ تم قرآن کی تاویل کے لئے قتال کرو گے۔ جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل کے نہ ماننے پر قتال کیا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ تاویل کے لئے قتال اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب اس کی تنزیل کو مخالفین قبول کر چکے ہوں اور قرآن کی تنزیل کا قبول کرنا بغیر اسلام کے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہی عین اسلام ہے پس ظاہر ہو

اسلام مقبول نیست ۔ بلکہ عین اسلام است ۔ پس مقاتلہ بر تاویل قرآن با مقاتلہ بر اسلام جمع نمی تواند شد و ہو ظاہر جداً ۔

گیا) کہ تاویل قرآن کے لئے لڑنا تبلیغ اسلام کے لئے لڑنے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ بات کھلی ہوئی ہے ۔
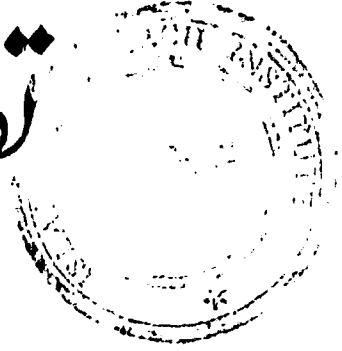
(جس میں)

قرآنِ عزیز کی آیات انا نحن نزلنا الذکر اور ان علینا جمعہ وقرآنہ اور انہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل سے یہ بات ثابت کی گئی ہے۔ کہ قرآن مجید ہر قسم تحریف لفظی و معنوی سے پاک ہے۔ نیز یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی بھی تحریف ناممکن ہے۔ جو قرآن کا ایک زندہ معجزہ ہے۔

پہلی آیت

سورہ حجر آغاز پارہ (۱۴) رکوع اوّل میں ہے:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○	بلاشک وشبہ (یہاں) ہم نے نازل کیا اس ذکر کو اور یقیناً مزید ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

ف ۔ یہ آیت نص صریح ہے قرآن شریف کے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رہنے پر ہر قسم کی تحریف سے اور تمام نقائص سے اور تمام ان چیزوں سے جو اس کے ثبوت یا اُس کی دلالت مقصودہ کی نوعیت میں خلل انداز ہوں ۔ کیونکہ خداوند قادر قوی نے اس کی حفاظت بصیغۂ استمرار اپنے ذمہ لی ہے ۔ اور خدا کی ذمہ داری میں تخلف محال ہے ۔ لہذا تحریف کا ناممکن اور محال ہونا ثابت ہو گیا۔

چونکہ یہ آیت اس مبحث میں اصل عظیم ہے ۔ لہذا اس کی مفصل و مبسوط بحث تیسری آیت کے بعد مستقل طور پر انشاء اللہ آئے گی ۔

دوسری آیت

سورہ حٰم سجدہ پارہ ۲۴ ۔ رکوع ۴ میں ہے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ	یقیناً جن لوگوں نے اس ذکر کے ساتھ کفر کیا (وہ سخت سزا پائیں گے) اور یقیناً وہ ذکر بلاشبہ ایک عزت والی کتاب ہے۔ جس کے پاس باطل نہیں آسکتا نہ

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ط — اس کے سامنے سے نہ اس کے پیچھے سے اتاری ہوئی ہے حکمت والے تعریف والے کی طرف سے۔

ف :- یہ آیت بھی مثل آیت سابقہ کے ہر قسم کی تحریف کے ناممکن اور محال ہونے پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ ذرا لطف بیان تو دیکھو۔ آیت کو ایک مرتبہ غور سے پڑھ جاؤ۔ دیکھو کہ دل قابو میں رہ سکتا ہے۔ سچ ہے ؎

مخدرات سرا پردہ ہائے قرآنی
چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

دیکھو! پہلے قرآن کے منکران کو بلیغ تہدید فرمائی۔ اور قرآن کو ذکر کے نام سے یاد کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ قرآن مجید کا اصلی مقصد ذکر ہے اور جو لوگ قرآن کے منکر ہیں۔ وہ ذکر کا انکار کر رہے ہیں۔ ذکر کے معنی اللہ کی یاد بندوں کے دلوں میں ہونا۔ ذکر ضد ہے غفلت کا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی شان اعجازی کو بیان فرمایا۔ تاکہ قرآن کی حقانیت کا یقین راسخ ہو۔ اور انکار کی قباحت روشن ہو جائے اور وہ شانِ اعجازی یہ ہے۔ کہ وہ عزت والی کتاب ہے۔ باطل اس کے پاس نہیں آسکتا۔ قرآن مجید کا باعزت ہونا بیان کر کے باطل کے قریب نہ جا سکنے کو بیان فرمانا قضنا باقیاما تھا۔ معہا۔ یعنی دعوے مع الدلیل کا عجیب لطف پیدا کر رہا ہے۔ کیونکہ قرآن کا باعزت ہونا ہی کافی ضمانت اس بات کی ہے۔ کہ باطل (جو ایک ذلیل شے ہے) اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ عزت والوں کے قریب ذلیل چیزوں کی رسائی کہاں۔

پھر یہ جو فرمایا کہ باطل اس کے سامنے سے بھی نہیں آسکتا۔ اور نہ پیچھے سے بھی نہیں آسکتا۔ سامنے سے بھی نہیں آسکتا میں مفسرین نے متعدد

اقوال لکھے ہیں۔ مگر ؎

"آنچہ ساقی ازل بجام ما ریخت"

کہنے[1] والے کے نورانی انعکاس نے جو خاص بات ذہن میں ڈالی وہ یہ ہے۔ کہ سامنے سے مراد عالم قدس ہے۔ جہاں سے وہ کتاب آئی ہے۔ اور پیچھے سے مراد یہ عالم کون و فساد ہے۔ جہاں وہ کتاب پہنچی۔ پس سامنے کا مطلب یہ ہوا۔ کہ دربار الٰہی سے حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم تک جن واسطوں سے یہ کتاب پہنچی۔ وہ واسطے نہایت معتبر ہیں۔ سہو و نسیان اور ہر قسم کے تصرفات سے مامون و محفوظ ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے فرشتے ہیں۔ اور پیچھے کا مطلب یہ ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمت کی آئندہ نسلوں تک جن واسطوں سے یہ کتاب پہنچی۔ اور قیامت تک پہنچتی رہے گی۔ وہ واسطے بھی نہایت معتبر اور نہایت امین و مامون ہیں۔ کیونکہ سلسلۂ کے آغاز میں بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاتبان وحی ہیں۔ جن نے تقدس اور نیکو کاری پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد کامل ہے۔ اور صحابہ کے بعد تواتر نے سلسلہ کو واجب الاعتماد بنا دیا ہے۔

یہ مطلب سامنے اور پیچھے کا جو بیان کیا گیا۔ اس کی روشن تائید دوسری آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ تکویر میں عالم قدس کے واسطوں کا معتبر ہونا اس عنوان سے بیان فرمایا گیا کہ:۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ہ	پس قسم کھاتا ہوں میں پیچھے
الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ہ وَالَّيْلِ	پلیٹ جانے والے چلنے والے
اِذَا عَسْعَسَ ہ وَالصُّبْحِ	چھپ جانے والے تاروں کی[2]
اِذَا تَنَفَّسَ ہ	اور رات کی جب وہ شروع ہو کہ

[1] یہ کہنے والے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔ روح اللہ روحہ و فتوح الیٰنا فتوحہ ۱۲۔

[2] پانچ تارے ہیں۔ عطارد۔ زہرہ۔ مشتری۔ زحل۔ مریخ۔ کہ یہ جاتے جاتے پیچھے (باقی حاشیہ ص ۶۰۲ پر)

اِنَّہٗ	یقیناً وہ قرآن بلاشبہ نقل کیا ہوا
لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝	ہے۔ایک عزت والے قاصد
ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی	(یعنی جبرئیل)، کا ہے۔جو قوت
الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝	والا ہے (بہت فرشتوں کا) افسر
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝	ہے۔اور اس دربار میں امانت
- - - - - - - -	پانے والا ہے۔

اور مثلاً سورہ عبس میں عالم کون و فساد کے واسطے کا معتبر ہونا اس عنوان سے بیان فرمایا گیا کہ :۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ فِیْ	پس جو چاہے اس نصیحت کو یاد
صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ	کرے عزت دیئے ہوئے بلند
مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ	رتبہ پاکیزہ صحیفوں میں جو ہاتھ میں
كِرَامٍ بَرَرَةٍ ط	ہیں نیکوکار لکھنے والوں کے۔

یہ قرآن مجید کا اہتمام شان ہے۔کہ وہ جن جن واسطوں سے بندوں تک پہنچا۔ خواہ وہ واسطے عالم قدس کے ہوں یا اس عالم دنیا کے ان تمام واسطوں کا تزکیہ اور ان کی تقدیس خود قرآن مجید میں نازل ہوئی۔تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے۔کہ پیران نمے پرند و مریداں مے پرانند۔

سامنے اور پیچھے کا دوسرا مطلب۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔کہ سامنے سے

(بقیہ حاشیہ) پلٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔پھر آگے چلنے لگتے ہیں۔پھر نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔اس وجہ سے علم ہیأت والے ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں ۱۲

ؔ رات کا آخری حصہ اور صبح کا ابتدائی حصہ بہت مقبول ہے۔اس وجہ سے ان دونوں وقتوں میں دو نمازیں رکھی گئی ہیں۔اول میں تہجد اور دوسرے میں نماز فجر اس مقبولیت کے باعث ان دونوں کی قسم ارشاد ہوئی ۱۲۔

مراد زمانہ موجود لیا جاوے۔ یعنی نزول قرآن کا زمانہ اور پیچھے سے مراد زمانہ بعد نزول یعنی قرآن صحابہؓ سے لے کر قیامت تک کا زمانہ۔ حاصل یہ ہوا کہ وقت نزول (یعنی عہد نبویؐ) میں بھی باطل قرآن مجید کے پاس نہیں آسکتا۔ اور وقت مابعد نزول یعنی رحلت نبویؐ کے بعد سے قیامت تک بھی باطل اس کے پاس نہیں آسکتا۔

باطل خلاف حق کو کہتے ہیں۔ لہذا جو چیزیں خلاف حق کہی جا سکتی ہیں وہ بھی قرآن مجید کے قریب نہیں جاسکتیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ تحریف بھی خلاف حق ایک چیز ہے۔ پس اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ تحریف قرآن مجید کے قریب نہیں جا سکتی۔ خداوند قادر قوی کے اس فرمانے کے بعد تحریف کا نقلاً محال ہونا محل کلام نہ رہا۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا۔ کہ یہ کتاب ہماری طرف سے نازل ہوئی ہے اور اپنی ذات اقدس کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف فرمایا۔ حکیم اور حمید یہ دونوں صفتیں اس مقام پر عجیب تناسب رکھتی ہیں۔ مضمون سابق کے لئے دلیل کا فائدہ دے رہی ہیں۔ حکیم کا دلیل ہونا۔ اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء اور قرآن مجید کو خاتم الکتب قرار دیا گیا تو قرآن ہر زمانہ میں تاقیامت موجود اور محفوظ رکھا جائے۔ اور حمید کا دلیل ہونا اس لئے کہ حمید اس کو کہتے ہیں۔ جس کی ذات میں کوئی صفت ذم نہ پائی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ختم نبوت کے بعد قرآن مجید کی حفاظت نہ کرنا خصوصاً جب کہ حفاظت کا وعدہ بھی ہو چکا۔ اور وعدہ بھی پیشین گوئی کی شکل میں اعلیٰ درجہ کا نقص اور ذم ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک۔

لطف بیان ظاہر کرنے میں کچھ طول ہو گیا۔ مگر پھر بھی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ وجدانی اور ذوقی حالت بیان میں نہ آسکی ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

تیسری آیت

سورۂ قیامت پارہ (۲۹) میں ہے :۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ	نہ جنبش دیجئے اے نبی اپنی
لِتَعْجَلَ بِهٖ ط اِنَّ عَلَيْنَا	زبان کو اس لئے کہ جلد یاد کرلیں
جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا	قرآن کو بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے
قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ	اس کا جمع کرادینا (مصاحف میں)
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ط	اور اس کا پڑھانا ۔ لہذا جب ہم
	اس کو پڑھیں (یعنی وحی نازل

کریں) تو اس کے پڑھنے کا اتباع کیجئے (کریں) تو سنتے وقت خود تلاوت نہ کیا کیجئے) پھر بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا واضح کرنا ۔

ف :۔ جب وحی الٰہی نازل ہوئی تھی ۔ اور خدا کا فرشتہ قرآن مجید لیکر آتا تھا ۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لفظ یاد کرنے سے نہ رہ جائے ۔ فرشتہ کی تلاوت کے ساتھ ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے تھے ۔ جس کی وجہ سے بیک وقت دو کام آپ کو کرنا پڑتے تھے ۔ ایک فرشتہ کی تلاوت کا سننا، دوسرے خود اپنی تلاوت کو ادا کرنا ظاہر ہے اس میں بڑی مشقت آپ کو ہوتی تھی ۔ حق تعالیٰ کو آپ کی تکلیف گوارا نہ ہوئی ۔ اور کئی آیتوں میں آپ کو روکا گیا ۔ ایک آیت میں فرمایا ۔ ولا[1] تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیك وحیه ۔ اور ایک آیت میں فرمایا ۔ سنقرئك[2] فلا تنسیٰ ، یہی مضمون آیت مجوزہ میں

---

[1] ترجمہ : نہ عجلت کیجئے قرآن کے ساتھ (یعنی اس کے یاد کرنے میں) قبل اس کے کہ اس کی وحی ختم ہو ۱۲

[2] ہم آپ کو پڑھا دیں گے (یعنی ہمارا فرشتہ تلاوت کردے گا) تو آپ نہ بھولیں گے ۔

بھی بیان فرمایا گیا۔ مگر بڑے اہتمام کے ساتھ کہ اے نبیؐ آپ مذکورہ بالا مشقت نہ اٹھائیے قرآن مجید کے متعلق تو قیامت تک کی ضروریات کا اہتمام ہم اپنے ذمہ[1] لے چکے۔ اس کا مصحف میں جمع کرا دینا ہمارے ذمہ اس کے درس وتدریس[2] کا دنیا میں قائم رکھنا ہمارے ذمہ اس کے مطالب کی توضیح[3] وتفسیر کا قائم رکھنا ہمارے ذمہ۔ مطلب یہ کہ جس کتاب کے وہ وہ اہتمامات ہم اپنے ذمہ لے چکے۔ جن کی ضرورت مستقبل قریب وبعید میں پیش آنے والی ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے آپ کو اس قدر پریشان ہونے کی حاجت نہیں۔ اس آیت سے بھی قرآن مجید کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور تحریف کی رسائی قرآن تک محال و ناممکن ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب قرآن کا مصحف

---

[1] ذرا ایک عبرت آموز نظر اس بات پر ڈالو کہ خداوند قادر قوی نے اپنی ذمہ داری کو کس شکل میں پورا کیا تو عجیب در عجیب نظارے قدرت کاملہ کے تمہارے سامنے آجائیں گے۔ ع
جلوہ مفت است اگر دیدۂ بینائے ہست ؛ انشاءاللہ کچھ بیان اس کا پہلی آیت کی بحث میں آئے گا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین ۱۲ ؛

[2] یہ ایک بڑی چیز ہے۔ قرآن مجید کے تواتر کا بے مثال حصن حصین اس درس تدریس کی بدولت قائم ہے۔ اور اس درس تدریس کے قائم رکھنے کے لئے حق تعالےٰ نے اپنی مراد کا سب سے بڑا آلہ وجارحہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔ کما سیجیٔی انشاء اللہ تعالےٰ۔ ۱۲

[3] اسکی بھی بڑی ضرورت تھی۔ اور اس کام کو سوائے خدا کے کوئی کر بھی نہ سکتا تھا۔ اس عالم کون وفساد کا خاصہ لازمہ ہے۔ کہ کوئی زبان اور اس کے محاورات دنیا میں ہمیشہ قائم نہیں رہتے۔ اور جس وقت وہ زبان رخصت ہوتی ہے۔ اس زبان کی کتابیں معمیٰ اور چیستان بن جاتی ہیں۔ مگر ایک قرآن اور صرف ایک قرآن ہے۔ کہ اس کی زبان اور اس کے محاورات تیرہ سو برس گزرنے پر بھی زندہ ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ فنعم القادر للہ ۱۲ ؛

میں جمع کرانا اور اس کے درس کا دنیا میں قائم رکھنا خدا نے اپنے ذمہ لیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب ذمہ داریاں اصل قرآن کے لئے ہیں۔ لہذا ناممکن ہے۔ کہ وہ محرف صورت میں جمع ہو محرف درس قائم رہے ؛ ورنہ خلف وعدم لازم آئیگا۔

اس آیت کی بہترین تفسیر مسند الوقت حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم المثال کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل سوم میں ہے جو ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الحجر انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ہر آئینہ ما فرود آوردیم قرآن را وہر آئینہ ما نگاہ دارندہ اویم وقال فی سورۃ القیامت لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ حجر میں فرمایا کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" تحقیق ہم نے اتارا ہے۔ قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس کی نگہبانی کرنیوالے ہیں۔ اور سورۃ قیامت میں فرمایا کہ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ۔

یعنے مجنبان بقرآن زبان خود را تا بشتابی کنی۔ تحفظ آں ہر آئینہ وعدہ است بر ما ہم آوردن وخواندن آں پس چوں بخوانیم قرآن را یعنے نازل گردانیم آں را پس در پے رو قرائت

یعنی مت جنبش دیجئے قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو تاکہ جلدی کریں آپ اس کے یاد کرنے میں بہ تحقیق وعدہ ہے ہمارے ذمہ اسکے جمع کرا دینے اور پڑھانے کا پس جب پڑھیں ہم قرآن کو۔

اورا یعنی استماع آن کن باز هر آئینه برما وعده است واضح ساختن اورا ۔

یعنی نازل کریں اس کو تو اس کی قرأت کی پیروی کیجئے۔ یعنی اس کو سُنئے پھر (ہم کہتے ہیں کہ) بہ تحقیق ہمارے ذمہ وعدہ ہے۔ اس کے واضح کرنے کا۔

اخرج مسلم فی حدیث عیاض بن حمار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ربہ تبارک وتعالی وانزلت علیک قرآنا لا یغسلہ الماء۔

مسلم نے عیاض بن حمار کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ اپنے پروردگار تبارک وتعالے سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا اے نبیؐ! میں نے تم پر ایک قرآن اتارا ہے۔ جس کو پانی دھو نہیں سکتا۔

این کنایہ است ازانکہ اگر مساعی بنی آدم صرف شود در محو قرآن قادر نہ شوند برآن واین تفسیر حفظ قرآن است۔ باز در آید و دیگر صورت حفظ بیان فرمود۔

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر تمام بنی آدم کوششیں قرآن کے فنا کرنے میں صرف ہوجائیں تو بھی لوگ اس پر قادر نہ ہونگے یہ حدیث حفظ قرآن (یعنی آیہ انا لہٗ لحافظون) کی تفسیر ہے۔ پھر دوسری آیت یعنی (انا علینا جمعہٗ) میں حفاظت (موعودہ) کی صورت بیان فرمائی (اگر کوئی کہے) کہ بخاری نے ابن عباس سے اللہ عزوجل کے قول لا تحرک بہ لسانک الآیہ کی

اخرج البخاری عن ابن عباس فی قولہ عزوجل لا تحرک بہ لسانک الآیۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يعالج من التنزيل شدة و وكان مما يحرك شفتيه فانزل الله عزوجل لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه و قرانه قال جمعه فى صدرك و نقرأه۔

تفسیر میں روایت کیا ہے۔ کہ ابن عباس کہتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے وقت بہت مشقت کرتے تھے۔ انہاں جملہ یہ کہ آپ جلدی جلدی اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ اپنی زبان کو جلدی یاد کرنے کے لئے حرکت نہ دیجئے۔ بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع اور اس کا قرآن جمع سے مراد حضرت کے سینہ میں جمع کر دینا اور قرآن سے مراد آپ کو پڑھا دینا۔

فاذا قرأنا فاتبع قرانه قال فاستمع لهٗ وانصت ثم ان علينا بيانه ثم ان علينا ان نقرئه فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك اذا اتاه جبرئيل استمع فاذا انطلق جبرئيل قرأه النبى صلى الله عليه وسلم كما قرأ۔

پھر جب ہم اس کو پڑھیں تو اس پڑھنے کی آپ پیروی کیجئے یعنی سنئے اور چپ رہیئے۔ اس کے بعد بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اسکا بیان۔ یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ کو پڑھا دیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ ہو گیا کہ اس کے بعد جبرئیل آپ کے پاس آتے تو آپ خاموشی سے سنتے اور جب جبرئیل چلے جاتے تو ان کے پڑھنے کے مطابق آپ پڑھتے۔

مرفوع دریں حدیث قصہ آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم فقط و تفسیر جمعہ ای جمعہ فی صدرک تفقہ ابن عباس است۔

اس روایت میں مرفوع صرف اتنا حصہ ہے۔ جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے۔ اور جمع کی تفسیر سینہ میں جمع کرنا یہ ابن عباس کی[1] اپنی سمجھ کی بات ہے۔

فقیر مے گوید در ایں تفسیر نظرست۔ زیرا کہ سہ کلمہ را بر معانی متقاربہ حمل کردن بعید مے نماید۔ آرے در تفسیر سنقرئک فلا تنسٰی ایں را تقریر کردن گنجایش میدارد بانہ فرو آوردن ثم ان علینا بیانہ بر معنیٰ کہ بغیر تراخی معتدبہ واقع شدہ باشد بُعدے دارد۔

فقیر کہتا ہے۔ کہ اس تفسیر میں اعتراض ہے۔ کیونکہ تین لفظوں (یعنی جمع اور قرآن اور بیان) سے یکدم ایک ہی معنی مراد لینا بعید از بلاغت معلوم ہوتا ہے۔ ہاں سنقرئک فلا تنسٰی کی تفسیر میں اس مضمون کے بیان کرنے کی گنجائش ہے۔ پھر ثم ان علینا بیانہ کے ایسے معنی لینا جو پہلے دو لفظوں کے معنی کے ساتھ بغیر معتدبہ تاخیر کے پائے جائیں۔ (جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں ہو رہا ہے) اور زیادہ بعید ہے

او جہ در تفسیر آیت آں مے نماید

زیادہ مدلول قول آیت کی تفسیر

---

[1] اس سے یہ اصول تفسیر کا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مفسرین جو تفسیر بیان کرتے ہیں۔ اگر وہ حقیقتاً یا حکماً مرفوع نہ ہو۔ تو اس کا اتباع لازم نہیں۔ بلکہ قوت دلیل کو دیکھنا چاہیئے ۱۲

کہ معنی ان علینا جمعہ آں ست کہ لازم است وعدہ جمع کردن ۔ قرآن برمادر مصاحف وقرات یعنی توفیق دہیم قرای امت آں حضرت را صلی اللہ علیہ وسلم وعوام ایشاں را بر تلاوت آں تا سلسلہ تواتر از ہم گسستہ نشود ۔

میں یہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ان علینا جمعہ کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے ذمہ قرآن کو مصاحف میں جمع کرا دینے کا وعدہ ہے ۔ اور قرآنہ کے معنی یہ ہیں ، کہ ہم توفیق دیں گے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے قرا اور ان کے عوام کو اس کی تلاوت کی ۔ تاکہ تواتر کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے

خدا تعالے می فرماید کہ در فکر آں مباش ۔ کہ قرآں از دل تو فراموش شود ۔ و مشقت تکرار آں مکش دیکے از خرق عوائد است کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صعوبت تکرار کہ جمہور مسلمین در حفظ قرآن مے کشند ۔ نمے کشیدند بمجرد تبلیغ جبرئیل بخاطر مبارک متمکن میشد) چہ جائے ایں فکر کہ بار خود لازم گردانیدہ ایم ۔ آنچہ بمراتب از تبلیغ تو بتا فرست وآں جمع قرآن است در مصاحف وخواندن امت است ۔

خدا تعالے فرمایا ہے کہ اے نبی آپ اس فکر میں نہ رہیئے ۔ کہ قرآن آپکے دل سے فراموش نہ ہونے پائے ۔ اور اس کے تکرار کی مشقت نہ اٹھائیے (یہ بھی منجملہ معجزات کے تھا ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تکرار کی محنت جیسا کہ جمہور اہل اسلام قرآن کے حفظ میں کرتے ہیں نہ کرتے تھے ۔ جبریل سے سنتے ہی آپ کے دل میں جاگزیں ہو جاتا تھا ۔ اس فکر کی کیا ضرورت ہے ہم نے ان چیزوں کو اپنے ذمہ لے لیا ہے جو آپ کی تبلیغ سے بھی کئی درجہ پیچھے کی ہیں ۔ اور وہ قرآن کا

آں را چہ خواص وچہ عام پس خاطر
خود را مشغول مشقت حفظ آں
مگرداں۔ بلکہ چوں ما بر زبان جبرئیل
تلاوت کنیم در پے استماع آں
باش باز بر ماست توضیح قرآں در
ہر عصرے جمع را موفق بشرح غریب
قرآں و بیان سبب نزول آں
فرمائیم۔ تا مصدق حکم آں بیان
کنند و ایں ہمہ بمراتب متاخر
ست از حفظ تو و تبلیغ
تو آں را ۞

چوں آیات قرآں متشابہ اند۔
بعض آں مصدق بعض است
و آں حضرت صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم مبین قرآں عظیم
است ۔ حفظ قرآں کہ موعود
حق است باین صورت ظاہر
شد ۔ کہ جمع آں در مصاحف
کنند ۔ و مسلمانان توفیق
تلاوت آں شرقاً و غرباً

مصاحف میں جمع کرا دیا اور اُمت کے
خاص و عام سب کا اس کو پڑھنا ۔
لہذا آپ اپنے دل کو اسکے حفظ کی
مشقت میں مشغول نہ کیجئے ۔ بلکہ
جب ہم جبرئیل کی زبان سے تلاوت
کریں تو اس کے سننے کے درپے
رہیئے ۔ پھر ہمارے ذمہ قرآن کی
توضیح بھی ہے ہر زمانے میں ایک
ساعت کو ہم لغات قرآنیہ کی شرح
اور نزول آیات کے اسباب
بیان کرنے کی توفیق دیتے رہیں گے۔
تاکہ اس حکم کا مصداق بیان کریں۔
یہ سب کام آپ کے حفظ اور آپ کی
تبلیغ سے کئی درجہ بعد کے ہیں ۔
چونکہ تمام آیات قرآنیہ ایک دوسرے
سے ملتی جلتی ہیں ۔ یعنی ایک آیت
دوسری آیت کی مصداق ہے ۔ اور
اصلی مفسر قرآن عظیم کے آں حضرتؐ
ہیں ۔ لہذا ہر آیت کا وہ مطلب
مراد لینا چاہیئے ۔ جس کی تائید
دوسری آیات اور سُنت سے
ہوتی ہے ۔ چنانچہ ہمارا بیان کیا
ہوا مطلب ایسا ہی ہے ۔ قرآن

ولیلاً و نہاراً پایندہ ہمیں است ۔ معنی لا یغسلہ الماء۔

کی حفاظت جس کا وعدہ خدا نے (انا لہ لحافظون) میں کیا ہے وہ اس شکل میں پورا ہوا ۔ جس کو آیہ ان علینا جمعہ الخ بیان کر رہی ہے ۔ کہ مصاحف میں لوگ اس کو جمع کریں ۔ اور مسلمانان مشرق و مغرب دن رات اسکے تلاوت کی توفیق پائیں حدیث لا یغسلہ الماء (جو بحوالہ صحیح مسلم نقل ہو چکی ۔ اس کی معنی بھی یہی ہیں (لہذا کتاب اور سنت دونوں سے ہماری تفسیر مطابق ہو گئی ۔

باز جمعہ و قرآنہ یک جا ایراد فرمودن و در رعد بیان کلمہ ثم کہ برائے تراخی ست ذکر نمودن مے فہماند کہ در وقت جمع قرآن در مصاحف اشتغال بہ تلاوت آں شایع شدہ و تفسیر آں من بعد بظہور آمد و در خارج ہم چنیں متحقق شد ۔ اول شروع حفظ آں از جانب ابی بن کعب و عبداللہ بن مسعود بودہ ست۔ در زمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ و اول اشتغال بتفسیر از ابن عباس واقع شد بعد المقتضای ایام خلافت ۔

پھر جمعہ و قرآنہ (کو او عطف کے ساتھ) ایک جا ذکر فرمانا اور بیان کے وعدہ میں لفظ ثم جو تاخیر کیلئے آتا ہے ۔ ارشاد فرمانا یہ بتا رہا ہے ۔ کہ جس وقت قرآن مصاحف میں جمع ہوا ۔ اسی وقت سے اسکی تلاوت کا شغل بھی جاری ہو گیا ۔ مگر تفسیر قرآن کا مشغلہ اس وقت کے بعد شروع ہوا ۔ اور واقعہ بھی اسی طرح ہے ۔ کہ سب سے پہلے حفظ قرآن کا درس ابی ابن کعب اور عبداللہ بن مسعودؓ سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شروع ہوا ۔ اور درس تفسیر کا آغاز حضرت ابن عباسؓ سے ہوا ۔ بعد گزر جانے خلافت اشدہ کے ۔

پہلی آیت انالہ لحافظون کی مکمل بحث

اس آیت کو اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام لے کر چار مباحث پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور انہیں معرکۃ الآرا مباحث کو پیش نظر رکھ کر اس رسالہ کو بھی تفاسیر آیات خلافت کے سلسلہ کا ایک نمبر قرار دے لیا گیا۔

مبحث اول:۔ میں آیت کی صحیح تفسیر اور مراد الٰہی کی توضیح سیاق وسباق سے اور دوسری آیات و احادیث سے اور آیت کے کلمات کے فوائد و لطائف۔

مبحث دوم:۔ میں اس آیت کے متعلق موجودہ تفاسیر کی عبارتیں۔

مبحث سوم:۔ میں اس آیت کے متعلق مخالفین کی حیرانی و سرگردانی کا ایک عجیب منظر۔

مبحث چہارم:۔ میں آیت مذکورہ کے وعدہ کے پورے ہونے کی صورتیں جو بجائے خود حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بے نظیر کرشمہ اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔

مبحث اول

کسی آیت کی صحیح تفسیر کے لئے اس کے سیاق و سباق کا دیکھنا اہم المہمات میں سے ہے۔ اس لئے ہماری آیت مبحوثہ جس رکوع میں ہے۔ وہ پورا رکوع نقل کیا جاتا ہے۔ اور یہ رکوع سورہ حجر کا پہلا رکوع ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ	یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور
وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ رُبَمَا	قرآن واضح کی۔ کبھی آرزو کریں
يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ	گے۔ وہ لوگ جنہوں نے راس

كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

کتاب کا انکار کیا کہ کاش مسلمان ہو گئے ہوتے۔ چھوڑ دیجئے ان کو اے نبیؐ تا کہ کھالیں۔ اور فائدہ اٹھائیں اور غافل ان کو امید[1] لیں عنقریب اس کا نتیجہ معلوم کر لیں گے

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝

اور نہیں ہلاک کی ہم نے کوئی بستی مگر اس حال میں کہ اس کے (ہلاکت کے) لئے ایک وقت لکھا ہوا مقرر تھا۔ نہیں آگے بڑھ سکتی کوئی امت اپنی (ہلاکت کے) مقرر وقت سے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے[2]۔ اور ان کافروں نے (ہمارے رسول کو) یہ کہا کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اتارا گیا ہے۔ یقیناً وہ ضرور مجنون ہے کیوں نہیں لے آتا تو ہمارے پاس فرشتوں کو۔ اگر تو ہے سچوں میں سے (جواب یہ ہے کہ) نہیں اتارتے ہم فرشتوں کو مگر کام سے اور نہ ہوں گے یہ لوگ اس وقت مہلت[3] دیئے ہوئے۔

---

[1] انسان امیدوں کے بھلاوے میں غافل ہو کر بہت ڈھٹائی کرتا ہے۔ اگر یہ بھلاوا نہ ہو تو ہرگز اتنی ڈھٹائی نہ کرے امیدیں اس بات کی کہ ابھی تو ہماری عمر بہت ہے۔ جب موت کا وقت قریب آئے گا تو اچھے کام کر لیں گے۔ [2] مطلب یہ کہ کفار مکہ کی ہلاکت کا بھی ایک وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۵ پر)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ۝

بہ تحقیق ہم نے (ہاں) ہم نے آتارا ہے اس ذکر کو اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں - اور بہ تحقیق بھیجا ہم نے پیغمبروں کو، آپ سے پہلے اگلے شیعوں (یعنی فرقوں) میں اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ لوگ اس کے ساتھ مسخراپن کرتے تھے - اسی طرح ہم ڈال دیتے ہیں شرارت دلوں میں مجرموں کے نہ ایمان لائیں گے اس کا ذکر (یعنی قرآن) پر اور بہ تحقیق گزر چکا ہے -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦١٤) کا لکھا ہوا مقرر ہے - وہ وقت آنے دو جلدی کیوں کرتے ہیں
۳ے کفار مکہ کا ایک شریرانہ قول یہ بھی تھا - جو دوسری مقام کی آیتوں میں منقول ہے - کہ فرشتے ہم کو کیوں دکھائی نہیں دیتے - فرشتے خود ہم سے آپ کی نبوت کی تصدیق کر دیں - قرآن ہمارے پاس خود ہی لے آیا کریں - اسی قول کو یہاں ذکر فرما کر جواب ارشاد فرمایا ہے ۱۲ ۴ے یعنی فرشتے بیکار تو بھیجے نہیں جاتے - نبیوں کے پاس وحی لے کر جاتے ہیں - ایمان والوں کو بشارت سنانے کے لئے جاتے ہیں - کتاب اعمال کے لئے جاتے ہیں - اور کافروں کے پاس عذاب لے کر جاتے ہیں ۱۲ ۵ے مطلب یہ کہ تمہارے پاس فرشتوں کے جانے کا مقصد سوا عذاب کے اور کچھ نہیں ہو سکتا - اور عذاب آگیا تو پھر اتنی مہلت بھی نہیں مل سکتی کہ تم ایمان لاؤ ۱۲

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝	طریقہ[1] اگلوں کا۔ اور اگر ہم (ان کا کہنا مان کر) کھول دیں ان پر ایک دروازہ آسمان سے۔ پھر یہ لوگ سارے دن اس میں چڑھتے رہیں۔ تو بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اور یقیناً کہیں گے

کہ سوا اس کے کچھ نہیں ہے۔ باندھ دی گئی ہیں ہماری نگاہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔

اس پورے رکوع کو پڑھ جانے کے بعد مطلب خود بخود واضح ہو جاتا ہے یہی شان اس کتاب کی ہے۔ اسی لئے اس کو قرآن مبین فرمایا۔ اور اس لئے فرمایا لا ریب فیہ اور اسی لئے فرمایا قرآناً عربیاً غیر ذی عوج پورے رکوع کو پڑھ جاؤ تو اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا کہ شروع سے آخر تک صرف ایک مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ اور وہ مضمون کیا ہے ؟ قرآن مجید کی

---

[1] یہ ترجمہ ہے سُنّت الاولین کا۔ اس کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ اول سُنّت کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگلے کافروں نے جو طریقے کفر و شرارت کے اختیار کئے تھے وہی یہ بھی کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سُنّت کی اضافت مفعول کی طرف ہو۔ یعنی اگلوں کے ساتھ جو طریقہ عذاب کا ہم نے اختیار کیا تھا وہ ان لوگوں کو معلوم ہے پھر بھی نہیں ڈرتے ۱۲ کفار مکہ کا ایک تمسخر آمیز مقولہ یہ بھی تھا جو دوسرے مقام کی آیات میں مذکور ہے کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیئے۔ اور وہاں سے لکھی لکھائی کتاب ہم پر اتار دیجئے۔ اسی بیہودہ مقولہ کا یہاں جواب ہے۔ کہ بجائے نبی کے ہم تمہارے لئے آسمان پر چڑھنے اترنے کی سبیل پیدا کر دیں۔ اور تم دن بھر چڑھو اترو تب بھی نہ مانو گے ۱۲

عظمت وحقانیت! مگر یہ مضمون کچھ ایسے حکیمانہ اور معجزانہ انداز سے بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ پڑھنے والے کے دل میں بے اختیار قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ دو متضاد ولولے دل میں موج زن ہو جاتے ہیں۔ ایک اس کے جلال وجبروت کے سامنے خوف وخشیت کے ساتھ سر جھکانے کا دوسرے اس کے حسن وکمال اور اس کی دلبری نہیں دل وہی کے سامنے فدائیانہ محبت وجان نثاری کا اور ان دونوں ولولوں کے آثار بھی بڑی قوت کے ساتھ نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

دیکھو! شروع فرمایا قرآن مجید کی تعریف سے پھر فرمایا کہ کفار ایک دن پچھتائیں گے کہ قرآن مجید پر ایمان کیوں نہ لائے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی ان کافروں کو تھوڑے دن کی مہلت دیجئے۔ ابھی ان کی ہلاکت کا وقت جو ہم نے مقرر کر رکھا ہے۔ نہیں آیا۔ مطلب یہ کہ انکار قرآن موجب ہلاکت ہے۔ مگر ہلاکت فی الفور نہیں آتی۔ وقت مقرر کا انتظار ہوتا ہے۔ اس کے بعد کفار جن گستاخانہ الفاظ میں قرآن کی تکذیب کرتے تھے۔ اس کو بیان فرمایا اور دو شبہ ان کے ذکر فرمائے۔ ایک یہ کہ (معاذ اللہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجنون ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے خود ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔ اس کے بعد کس بلاغت وحکمت سے کام لیا۔ کہ دوسرے شبہ کا جواب دیا اور پہلے شبہ کو بظاہر بے جواب چھوڑ کر نا قابل توجہ قرار دیا۔ اور حقیقت میں وہ ایسا ہی بدیہی البطلان ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کا مشاہدہ کرنے کے بعد کون ہے۔ جو آپ کو مجنون کہہ سکے۔ پھر ایک حیثیت سے تو جواب ہو بھی گیا۔ جس عنوان سے حضرت کو مخاطب کیا گیا (یعنی اے وہ شخص کہ جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے) یہ عنوان ہی اس شبہ کے ابطال کے لئے برابر ہزارہا دلائل کے ہے۔ بھلا کسی مجنون کی زبان سے ایسی پاکیزہ اور ایسی جامع اور ایسی مفید اور ایسی سریع التاثیر نصیحتیں ادا ہو سکتی ہیں۔ حاشا ثم حاشا۔ اس کے بعد وہ آیت مبحوثہ ہے۔ جس کی تفسیر مقصود ہے۔ اس آیت میں حق تعالے

نے فرمایا۔ کہ یہ ذکر ہمارا نازل کیا ہُوا ہے۔ اور ہم ضرور ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس کا ربط ماقبل کے ساتھ ظاہر ہے کفار نے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا تھا۔ لہٰذا اس انکار کے مقابلہ میں اس کے منزل من اللہ ہونے کی تصریح فرمائی۔ اور قرآن کی حفاظت کا تذکرہ اس مقام میں عجیب لطف دے رہا ہے۔ ایک زبردست پیشین گوئی پر شامل ہونے کے سبب سے اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل بھی ہے۔ اور ان کے مجنون کہنے کا رد بھی ہے۔ کیونکہ مجنون کی زبان سے ایسی زبردست پیش گوئی کا ظاہر ہونا۔ جو اس عالم کون و فساد کی فطرت کے خلاف ہو اور پھر اس طرح علی الرغم پورا ہونا ممکن نہیں اور مجنون کے کلام کا اس طرح محفوظ رہنا بھی ناممکن ہے۔

اس آیت معجونہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور کافروں کی تہدید کے لئے رسالات سابقہ کی تکذیب اور مکذبین کی تعذیب بیان فرمائی گئی۔ اور سب کے آخر میں یہ ظاہر فرمایا۔ کہ کیسے ہی زبردست معجزات ان کافروں کو دکھائے جائیں مگر ان سے ایمان کی اُمید نہ رکھنا چاہیئے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ قرآن میں جس جاں فشانی کے ساتھ کوشش فرماتے تھے۔ اس کی مشقت کیا کم تھی۔ کہ اس پر یہ اضافہ ہوتا تھا۔ کہ آپ کی امید پوری نہ ہوتی تھی۔ اور وہ لوگ ہدایت پر نہ آتے تھے۔ جس سے آپ کی دل شکستگی ناقابل برداشت ہوتی تھی حق تعالےٰ کو یہ گوارا نہ ہُوا۔ اور اس اُمید کا سدباب کر دیا۔

یہ آٹھ مضمون ہیں۔ جو بڑے تسلسل کے ساتھ اس رکوع میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ اب آیت معجونہ پر پھر ایک نظر ڈالو۔ تین باتیں ضروری سمجھنے کی ہیں۔

پہلی بات: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا یہ وعدہ کس چیز سے حفاظت کا ہے۔ اور وہ چیز بیان کیوں نہ فرمائی۔

سنو! اول تو قرینہ سے یہ بات سمجھ لی جاتی ہے۔ کہ تمام ان چیزوں سے حفاظت مراد ہے۔ جو قرآن مجید کی شان کے لائق نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ان نالائق چیزوں

میں ایک چیز تحریف بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ سورہ حم سجدہ کی آیت وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل اس کو صاف ظاہر کر رہی ہے۔ کہ ہر قسم کے باطل سے حفاظت مراد ہے۔ اور تحریف کا از قسم باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔

دوسری بات۔ قرآن مجید کی محفوظیت کو حق تعالےٰ نے دو حرف تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ایک اِنَّ دوسرا لام۔ اور علم بلاغت میں یہ ثابت ہو چکی ہے کہ تاکید انکار کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ اور جس درجہ کا انکار ہو۔ اسی درجہ کی تاکید ہوتی ہے۔ پس یہاں چونکہ انکار دو درجہ کا تھا۔ لہٰذا تاکید کے بھی دو حرف لائے گئے۔ ایک درجہ تو کفار مکہ کے انکار کا تھا۔ جو پیش آچکا تھا۔ اور دوسرا درجہ ابن سبا کی ذریت کے انکار کا ہے۔ جو علم الٰہی میں پیش آنے والا تھا۔ بلکہ انصاف یہ ہے۔ کہ ذریّت ابن سبا کا انکار کفار مکہ کے انکار سے زیادہ شدید ہے۔ کیونکہ کفار مکہ کا قبل ہجرت مسلمانوں کی قلت اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے یہ خیال تھا۔ کہ قرآن زمانہ مستقبل میں چند روز کے بعد خود بخود فنا ہو جائے گا۔ یا یہ خیال تھا۔ کہ ہم جب چاہیں گے فنا کر دیں گے۔ جس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا۔ کہ فنا ہو جانا یا فنا کر دینا تو بڑی بات ہے۔ ہم قرآن کے نگہبان ہیں۔ کوئی باطل اس کے قریب نہیں آسکتا۔ مگر ابن سبا کا فرقہ اس بات کا معتقد ہے۔ کہ زمانہ مستقبل ہی نہیں۔ بلکہ زمانہ ماضی میں قرآن[1] فنا ہو چکا۔ اور فنا بھی کسی غیر کے ہاتھ سے نہیں۔ بلکہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں کے ہاتھ سے۔

دوسرا فرق یہ ہے ۔ کہ کفار مکہ ہجرت کے بعد اپنے خیال کی غلطی محسوس کر کے اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ کہ قرآن کو کوئی فنا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ انہوں

---

[1] عنقریب اسی فصل دوم میں یہاں مخالفین کا عقیدہ قرآن مجید کے متعلق بیان ہوگا۔ اور ان کی کتابوں کی عبارتیں نقل کی جائیں گی یہ بات واضح ہو جائیگی۔ کہ ان کے نزدیک اصلی قرآن فنا ہو گیا۔ آج دنیا میں کہیں اصلی قرآن کا وجود نہیں۔ صرف ایک نسخہ اصلی قرآن کا امام غائب کے پاس ہے ۱۲۔

نے کھلے لفظوں میں اس کا اقرار کیا۔ اور اپنے قصائد[1] میں اس اقرار کو نظم کیا۔ مگر ابن سبا کا فرقہ صدیاں گزر جانے پر بھی آج تک اپنے اس اعتقاد پر قائم ہے۔ کہ قرآن فنا ہو گیا۔

تیسری بات:۔ یہ کہ قرآن کی محفوظیت کو حق تعالےٰ نے جملہ اسمیہ کے ساتھ بیان فرمایا۔ جملہ فعلیہ کے ساتھ بیان نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم بلاغت میں طے ہو چکا ہے۔ کہ جملہ اسمیہ استمرار کے لئے ہوتا ہے لہذا مطلب یہ ہوا۔ کہ ہم قرآن کی ہمیشہ ہمیشہ حفاظت کرتے رہیں گے۔ ہماری حفاظت کبھی قرآن سے جدا نہ ہو گی۔

بعونہ تعالیٰ آیت کی صحیح تفسیر بیان ہو چکی۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی۔ کہ یہ آیت قرآنی باواز بلند بڑی تاکید کے ساتھ اعلان کر رہی ہے۔ کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ اور تا قیام قیامت محفوظ رہے گا۔ کیا طاقت کسی کی کہ اس میں ایک حرف گھٹا سکے یا بڑھا سکے یا اس کے کسی حرف کو بدل سکے۔ یا اس کی ترتیب کلام کو الٹ پلٹ کر سکے۔

امنا باللہ وکلماتہ التامات

اس مقام پر دل چاہتا تھا۔ کہ سورہ حجر کی جو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان سے جو فوائد[2] حاصل ہو رہے ہیں۔ کچھ بیان کئے جائیں۔ مگر چونکہ اس مبحث سے چنداں تعلق نہیں رکھتے۔ اور ان کے بیان میں طول بھی ہو گا۔ اس لئے اس بحث کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

---

[1] مثال کے طور پر دیکھو سراقہ کا وہ قصیدہ جس میں اس نے ابوجہل کو مخاطب کیا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎ اباحکم واللہ لو کنت شاهدا لامر جوادی اذ تسیخ قوائمہ اس قصیدہ میں صاف اقرار موجود ہے ۱۲ ÷ [2] مثلاً شیع الاولین کے تحت میں لفظ

(بقیہ حاشیہ ص ۶۲۱ پر)

مبحث دوم

تفاسیر موجودہ میں سب سے قدیم اور اقوال ائمہ تفسیر کو مع الاسناد لکھنے میں سب سے فائق تفسیر طبری ہے۔ اس کے مصنف امام محمد بن جریر کی وفات سنہ ۳۱۰ھ میں ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے انہیں کی عبارت لکھی جاتی ہے۔ اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:۔

یقول تعالیٰ ذکرہٗ انا نحن   اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ بہ تحقیق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲۰) شیعہ پر لکھا جاتا۔ کیونکہ شیعہ بڑے ناز دافتخار سے کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہبی نام قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ قولہ تعالیٰ وان من شیعتہ لابراہیم:۔ ترجمہ بہ تحقیق نوح کے شیعہ یعنی گروہ میں سے ابراہیم تھا اور ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہبی نام "اہل سنت والجماعت" کا کہیں سے ثبوت نہیں ملتا۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ ز اہل سنت و جماعت" کا ثبوت کتب اہل سنت میں احادیث نبویہ سے اور کتب شیعہ میں مثلاً نہج البلاغہ اور احتجاج طبرسی میں ارشادات علویہ سے ہوتا ہے (دیکھو ہماری کتاب الولائمہ کی تعلیم) باقی ان کا استدلال آیہ وان من شیعتہ لابراہیم سے یہ بالکل غلط استدلال ہے۔ حضرت ابراہیم کا مذہبی نام شیعہ نہ تھا۔ انہوں نے خود اپنا یہ نام رکھا نہ خدا نے انکا یہ نام بتایا۔ بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انکا مذہبی نام مسلم حنیف رکھا ہے۔ قولہ تعالیٰ ولکن کان حنیفا مسلما۔ اور انہوں نے اپنے متبعین کا نام مسلم رکھا تھا قولہ تعالیٰ ھو سماکم المسلمین من قبل قرآن مجید صاف طور پر ظاہر ہے کہ دین میں تفرق و تشیع خدا کو نہایت ناپسند ہے قولہ تعالیٰ ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم فی شیئ یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا شیعہ ہو گئے۔ یعنی فرقہ فرقہ بن گئے۔ اے نبی ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں اس آیت کے بعد لفظ شیعہ کو مذہبی نام کے طور پر استعمال کرنا مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا ۱۲

نزلنا الذكر وهو
القرآن وانا له لحافظون
من ان يزاد فيه باطل ما
ليس منه وينقص
عنه مما هو منه من
احكامه وحدوده
وفرائضه والهاء في
قوله من ذكر الذكر
وبنحو الذي قلنا
في ذلك قال اهل
التاويل -

ہم نے نازل کیا ذکر کو اور وہ ذکر
قرآن ہے اور بتحقیق ہم اس کی
حفاظت کرنیوالے ہیں۔ اس بات
سے کہ اس میں کوئی خلاف حق
بات جو اس میں نہیں ہے بڑھا
دی جائے اور جو چیز اس میں ہے
وہ گھٹائی جائے یعنی اس کے احکام
اور اسکے حدود اور اس کے فرائض
اور لہٗ کی ضمیر ذکر کی طرف پھرتی ہے۔
جو کچھ ہم نے اس بارے میں کہا
مفسرین نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

ذكر قَالَ مَنْ ذُلك

ان لوگوں کا نام جنہوں نے اس کو بیان کیا

حدثني محمد بن عمرو
قال لنا ابو عاصم قال
بنا عيسى وحدثني
الحارث قال بنا الحسن
قال بنا ابورقاء وحدثني
الحسن قال بنا شبابة
قال بنا ورقاء وحدثني
المثنى قال بنا ابو حذيفة
قال بنا شبل عن ابي

مجھ سے محمد بن عمرو نے بیان کیا
وہ کہتے تھے۔ ہم سے ابو عاصم نے
بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عیسیٰ
نے بیان کیا نیز مجھ سے حارث
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے
حسن نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم
سے شبابہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے
ہم سے ورقاء نے بیان کیا نیز
مجھ سے مثنیٰ نے بیان کیا۔ وہ

نجیح عن مجاھد فی	کہتے تھے ہم سے ابوحذیفہ نے بیان
نجیح عن مجاھد فی	کیا کہ وہ کہتے تھے ہم سے شبل نے
قولہٖ وانا لہٗ	ابونجیح سے انہوں نے مجاہد سے
لحافظون قال عندنا۔	نقل کیا کہ انہوں نے اس آیت

کی تفسیر میں کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ہم[1] اپنے پاس حفاظت کریں گے۔

حدثنا القاسم	ہم سے قاسم نے بیان کیا وہ کہتے
قال بنا الحسین	تھے مجھ سے حجاج نے ابن جریج
قال حدثنی حجاج	سے انہوں نے مجاہد سے اسی
ابن جریج عن مجاھد	کے مثل نقل کیا۔
مثلہٗ۔	

حدثنا بشیر قال بنا	ہم سے بشیر نے بیان کیا وہ کہتے
یزید قال بنا سعید	تھے ہم سے یزید نے بیان کیا وہ
عن قتادۃ قولہ انا	کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے
نحن نزلنا الذکر	روایت کر کے بیان کیا کہ انا
وانا لہٗ لحافظون	لہ لحافظون کا وہی مطلب
قال فی اٰیۃ اخرٰی	ہے۔ جو دوسری آیت یعنی لا
لا یاتیہ الباطل	یاتیہ الباطل کا ہے۔ اور باطل
والباطل ابلیس من	سے مراد ابلیس ہے۔ اللہ نے قرآن

---

[1] اپنے پاس حفاظت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ لوح محفوظ میں قرآن کی حفاظت کی جاوے گی۔ لوح محفوظ میں تو توریت و انجیل اور تمام کتابیں محفوظ ہیں۔ لوح محفوظ میں تو انسانوں کی بنائی ہوئی کتابیں بھی محفوظ ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ ہم نے اپنے پاس سے یعنی غیب سے قرآن کی حفاظت کا سامان مہیا کریں گے ۱۲

بين يديه ولا من خلفه فانزل الله ثم حفظه فلا يستطيع ابليس ان يزيد فيه باطلا ولا ينقص منه حقا حفظه الله من ذلك -	کو نازل کیا۔ پھر اسکی حفاظت کی پس ابلیس کی یہ طاقت نہیں ہے۔کہ قرآن میں کوئی غلط بات بڑھا دے۔ اور نہ یہ طاقت ہے کہ اس سے کوئی حق بات کم کر دے اللہ نے اس سے قرآن کی حفاظت کی ہے -
حدثني محمد بن عبد الاعلى قال بنا محمد بن ثور عن معمر عن قتادة وانا له لحفظون قال حفظه الله من ان يزيد فيه الشيطان باطلا او ينقص منه	مجھ سے محمد بن عبد الاعلے نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن ثور نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے روایت کرکے بیان کیا کہ انا لہ لحافظون کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کی حفاظت اس بات سے کی ہے کہ شیطان

اس میں کوئی خلاف حق بات بڑھا دے یا کوئی حق بات اس سے کم کردے۔

وقيل الهاء في قوله وانا له لحفظون من ذكر محمد صلى الله عليه وسلم بمعنى وانا لمحمد لحفظون ممن اراده بسوء من اعدائه	اور کہا گیا ہے کہ لہ کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ اور معنی یہ ہیں ہم محمدؐ کی حفاظت کرنیوالے ہیں ان دشمنوں سے جو ان کے ساتھ برائی کرنا چاہیں

ف - لہ کی ضمیر کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا اور بجائے

قرآن کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت مراد لینا ابن جریر طبری کے نزدیک اس قدر لغو ہے۔ کہ اس کو آخر میں ذکر کیا۔ اور قائل کا نام بھی نہ بتایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ یہ ایک مجہول قول ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول کسی شیعہ راوی کا ہو۔

(۲) تفسیر جلالین میں جو ایک ملتزم الصحۃ تفسیر ہے۔ اس آیت کے تحت میں ہے۔

انا نحن تاکید لاسم ان او فصل نزلنا الذکر القراٰن و انا له لحفظون من التبدیل والتحریف والزیادۃ والنقص۔	انا نحن یہ لفظ یا تو ان کے اسم کی تاکید ہے۔ یا ضمیر فصل ہے۔ نزلنا الذکر ذکر سے مراد قرآن ہے۔ انا له لحافظون یعنی ہم قرآن کی تبدیل وتحریف اور بیشی اور کمی سے حفاظت کرنے والے ہیں۔

(۳) تفسیر مدارک التنزیل میں ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر القراٰن وانا له لحافظون وهو رد لانکارهم و استهزاءهم فی قولهم یایها الذی نزل علیه الذکر و لذلک قال انا نحن فاکد علیهم انه هو المنزل علی القطع و انه هو الذی نزله	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو یعنی قرآن کو اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہ رد ہے کافروں کے انکار اور تمسخر کا جو انہوں نے کہا تھا۔ کہ اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا (تو مجنون ہے) اس لئے انا نحن فرمایا یعنی تاکیدی طور پر فرمایا۔ کہ یقیناً وہی اللہ اس کتاب کا نازل کرنیوالا ہے۔

محفوظا من الشياطين و	وہی اللہ جس نے قرآن کو شیاطین
هو حافظ في كل وقت	سے محفوظ کر کے نازل کیا۔ اور
من الزيادة والنقصان	وہی اس قرآن کا ہر وقت میں
والتحريف والتبديل ۔	محافظ ہے۔ زیادہ اور کمی اور
	تحریف اور تبدیلی سے
بخلاف الكتب المقدمة	بخلاف اگلی کتابوں کے کہ اللہ
فانه لم يتول حفظها	تعالےٰ نے ان کی حفاظت اپنے
وانما استحفظها الربانيين	ذمہ نہیں لی تھی۔ بلکہ ربانیین
والاحبار فاختلفوا فيما	اور احبار کو ان کی حفاظت[1]
بينهم بغيا فوقع التحريف	کا ذمہ دار بنایا تھا۔ لہذا ان میں
ولم يكل القرآن الى غير	باہم بغاوت سے اختلاف پیدا
حفظه وقد جعل قوله	ہوا اور تحریف ہوگئی۔ مگر قرآن
وانا له لحٰفظون دليلا	کو خدا نے سوا اپنی حفاظت کے
على انه منزل من	کسی کے سپرد نہ کیا۔ اور اللہ نے
عنده اية اذ لو كان	اس حفاظت کی پیشین گوئی کو اسکے
من قول البشر وغير اية	منزل من اللہ اور معجزہ ہونے کی
لتطرق عليه الزيادة و	دلیل قرار دیا۔ کیونکہ اگر وہ بشر کا
النقصان كما يتطرق	کلام یا کلام اللہ ہوتا مگر معجزہ نہ
على كل كلام سواه او	ہوتا تو ضرور اس میں کمی بیشی ہو
الضمير في له لرسول الله	جاتی۔ جیسا کہ دوسرے کلاموں

[1] قرآن مجید کی کئی آیتوں میں اس کا بیان ہے۔ کہ ہم نے توریت نازل کی اور علمائے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس کتاب کو حفاظت سے رکھو ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم	میں ہوتی رہتی ہے ۔ یا ضمیر لہٗ کی
کقولہ واللہ یعصمک ۔	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

پھرتی ہے ۔ اس صورت میں اس آیت کا مضمون واللہ یعصمک من الناس کے مثل ہو جائے گا ۔

ف : صاحب جلالین نے تو اس قول ضعیف کو لہٗ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے ۔ ذکر ہی نہ کیا ۔ کیونکہ وہ اپنے دیباچہ میں اپنا التزام ظاہر کر چکے ہیں ۔ کہ اقوال ناپسندیدہ کو ذکر نہ کروں گا ۔ مگر صاحب مدارک نے بوجہ عدم التزام مذکور کے اس قول کو ذکر تو کیا ۔ مگر اس کو مؤخر اور آیت سے غیر مرتبط کر کے اس کی مرجوحیت ظاہر کر دی ۔

(۴) تفسیر رحمانی جلد اول ص ۳۹۵ میں علامہ مہائمی لکھتے ہیں : ۔

انا نحن نزلنا من مقام	بہ تحقیق ہم نے اپنے مقام عظمت
عظمتنا الذکر المعجز	سے اس ذکر کو جو جن و انس سب
للجن والانس ونزل	کو عاجز کر دینے والا ہے نازل
علیہ امتناع تبدیلہ	کیا ہے اور اس کے منزل من اللہ
انا لہ لحافظون اذ یظھر	ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں
تبدیلہ لکل ذکی ۔	تبدیلی محال ہے ۔ کیونکہ ہم اس کی

حفاظت کرنے والے ہیں ۔ اگر کوئی اس میں تبدیلی کرے ۔ تو ہر سمجھ دار پر ظاہر ہو جائے گی ۔

(۵) تفسیر معالم التنزیل میں امام محی السنۃ بغوی محدث لکھتے ہیں : ۔

انا نحن نزلنا الذکر	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو
یعنی القرآن وانا لہ	یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس
لحفظون ای نحفظ	کی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی
القرآن من الشیاطین	ہم قرآن کی حفاظت کریں گے ۔

ان يزيدوا فيه او
ينقصوا او يبدلوا بغيره
قال الله تعالى لا يأتيه
الباطل من بين يديه
ولا من خلفه والباطل
هو ابليس لا يقدر ان
يزيد فيه ما ليس
منه ولا ان ينقص
منه ما هو منه۔

شیاطین (جن وانس) سے کہ وہ
اس میں بڑھا دیں یا گھٹا دیں
یا اس کے الفاظ وحروف کو بدل
دیں (یہ آیت مثل دوسری آیت
کے ہے کہ) فرمایا اللہ تعالیٰ نے
کہ باطل قرآن کے پاس نہیں
آسکتا نہ اسکے سامنے سے اور
نہ پیچھے سے۔ اور باطل سے مراد
ابلیس ہے وہ اس کی طاقت
نہیں رکھتا کہ قرآن میں وہ بات بڑھا دے۔ جو قرآن میں نہیں ہے۔
اور نہ یہ کہ قرآن کے کسی لفظ کو کم کردے۔

وقيل الهاء في له راجعة
الى محمد اى انا لمحمد
لحافظون ممن اراد له
بسوء كما قال ذكره و
الله يعصمك من
الناس۔

اور کہا گیا ہے۔ کہ لہ کی ضمیر محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی
ہے۔ یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کی حفاظت کریں گے۔ ان
لوگوں سے جو ان کے ساتھ برائی
کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے
ذکر فرمایا کہ واللہ یعصمک من الناس یعنی اللہ آپ کو لوگوں سے
بچائے گا۔

(٦) حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر مشہور بہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں:-

ثم قرر تعالى انه هو
الذى انزل عليه الذكر
وهو القرآن وهو الحافظ

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہی
اللہ ہے۔ جس نے آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر ذکر یعنی قرآن

له من التغير والتبديل ۔	نازل فرمایا۔ اور وہی اس ذکر کے
ومنهم من اعاد الضمير	تغیر و تبدل (یعنی ہر قسم کی تحریف)
في قوله تعالى له لحافظون	کا محافظ ہے اور بعض اشخاص
على النبي صلى الله عليه	نے له کی ضمیر نبی صلے اللہ علیہ
وسلم كقوله والله	وسلم کی طرف پھیری ہے۔ اور
يعصمك من الناس و	اس آیت کو مثل والله
المعنى الاول اولى وهو	يعصمك من الناس
ظاهر السياق ۔	کے قرار دیا ہے۔ مگر پہلے معنی زیادہ
	بہتر ہیں اور ظاہر سیاق کے مناسب ہیں۔

ف ۔ حافظ ابن کثیر نے تو اس قول مجہول وضعیف کا مرجوح ہونا عبارت میں ظاہر کر دیا۔

(۷) علامہ زمخشری جو لغت عرب کے مسلم الکل امام ہیں۔ تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں :۔

ولذلك قال انا نحن	اور اس لئے فرمایا کہ انا نحن یعنی
ذلك عليهم انه هو	بتاکید فرمایا کہ اللہ ہی قرآن کا نازل
المنزل على القطع و	کرنیوالا ہے قطعًا و یقینًا۔ اور
الثبات وانه هو الذي	وہی ہے جس نے جبریل کو محمد
بعث به جبريل الى	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔
محمد صلى الله عليه وسلم	اور ان کے سامنے اور ان کے
وبين يديه ومن	پیچھے نگہبان مقرر کئے۔ یہاں تک
خلفه رصدا حتى نزل	کہ وہ نازل ہوئے۔ اور انہوں
بلغ محفوظا من الشياطين	نے قرآن کو شیاطین سے محفوظ
وهو حافظه في كل وقت	ہونے کی حالت میں پہنچا دیا اور

من كل زيادة ونقصان و
تحريف وتبديل بخلاف
الكتب المتقدمة فانه
لم يتول حفظها وانما
استحفظها الربانيين
والاحبار فاختلفوا فيما
بينهم بغيا وكان التحريف
ولم يكل القرآن الى غير
حفظه فان قلت فحين
كان قوله انا نحن نزلنا
الذكر ردا لانكارهم و
استهزائهم فكيف اتصل
به قوله وانا له لحافظون
قلت قد جعل ذلك
دليلا على انه منزل
من عنده آية لانه
لو كان من قول البشر
او غير آية لتطرق
عليه الزيادة والنقصان
كما تطرق على كل
كلام سواه وقيل
الضمير في له لرسول الله
صلى الله عليه وسلم

وہی اللہ ہر وقت قرآن کا محافظ
ہے۔ ہر زیادتی اور کمی اور تحریف
و تبدیل سے بخلاف اگلی کتابوں
کے کہ اللہ نے ان کی حفاظت کی
ذمہ داری نہیں لی اور صرف
ربانیوں اور احبار سے اس کی حفاظت
کرائی تھی۔ تو ان میں باہم سرکشی
سے اختلاف ہوا۔ اور اسی اختلاف
کی وجہ سے کتاب اللہ میں تحریف
ہو گئی مگر قرآن کو اللہ نے سوا اپنے
حفظ کے کسی کے سپرد نہ کیا۔ اگر
تم کہو کہ انا نحن نزلنا
الذکر کفار کے انکار اور استہزا
کے جواب میں ہے۔ لہٰذا اس
کے ساتھ قرآن کی حفاظت بیان
کرنے کا کیا جوڑ ہے۔ تو میں
جواب دوں گا۔ اللہ نے قرآن
کی حفاظت کی پیشین گوئی اس
کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل
قرار دیا۔ کیونکہ اگر یہ انسان کا کلام
ہوتا۔ یا معجزہ نہ ہوتا۔ تو یقیناً
اس میں بیشی اور کمی ہو جاتی۔
جیسا کہ قرآن کے سوا دوسرے

ہر کلام میں ہوتی رہتی ہے اور کہا گیا ہے۔ کہ لہٗ کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔

(۸) تفسیر بیضاوی میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے:۔

انا لہٗ لحافظون ای من التحریف والزیادۃ و النقص بان جعلناہ معجزۃ مباینا الکلام البشر بحیث لا یخفی تغیر نظمہ علی اھل الدین او نص تطرق الخلل الیہ فی الدوام الضمان الحفظ لہٗ کما نص ان یطعن فیہ بانہ المنزل لہٗ وقیل الضمیر فی لہٗ لنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	بہ تحقیق ہم قرآن کے محافظ ہیں تحریف سے اور بیشی اور کمی سے۔ اس طور پر کہ ہم نے اس کو معجزہ قرار دیا ہے۔ انسانی کلام سے بالکل جدا ہے۔ کہ اگر اس کی عبارت میں ذرا بھی تغیر کر دیا جائے تو اہل دین سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یا مطلب یہ ہے کہ کوئی خلل قرآن میں کبھی نہیں آ سکتا کیونکہ ہم اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں جیسے کہ قرآن پر اعتراض کرنے کی نفی فرمائی۔ یہ کہہ کر کہ ہم اس کے نازل کرنیوالے ہیں

اور کہا گیا ہے کہ لہٗ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔

(۹) تفسیر خازن میں اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہے:۔

وانا لہٗ لحفظون یعنی من الزیادۃ فیہ والنقص منہ والتغیر والتبدیل والتحریف فی القرآن العظیم محفوظ من ھذہ	یقیناً ہم قرآن کے محافظ ہیں۔ یعنی بیشی اور کمی اور تغیر و تبدل اور (ہر قسم کی) تحریف سے پس قرآن عظیم ان تمام چیزوں سے محفوظ ہے۔ تمام مخلوقات میں

الاشياء كلها لا يقدروا احد من جميع الخلق من الانس والجن ان يزيدوا فيه او ينقصوا حرفا واحدا او كلمة واحدة وهذا مختص بالكتاب العزيز بخلاف سائر الكتب المنزل وانه دخل على بعضها تلك الاشياء ولما تولى الله عزوجل حفظ ذلك الكتب بقى مصونا على الابد محروسا من الزيادة والنقصان ۔

کوئی شخص خواہ انسان ہو یا جن نہ قرآن میں ایک حرف یا کلمہ بڑھا سکتا ہے اور نہ گھٹا سکتا ہے ۔ اور یہ بات صرف اسی عزت والی کتاب کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ ان میں سے بعض میں یہ سب باتیں ہوئیں اور چونکہ اللہ عزوجل نے اس کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی ہے ۔ اس لئے یہ کتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیشی اور کمی سے محفوظ اور محروس ہے ۔

(ثم قال بعد بيان القول بان الضمير فى له يعود الى النبى صلى الله عليه وسلم الا ان القول الاول اصح واشهر وهو قول الاكثرين لانه اشبه بظاهر التنزيل ورد الكناية الى اقرب من كور اولى وهو الذكر واذا قلنا ان الكناية عائدة الى القرآن وهو

(پھر صاحب تفسیر خازن نے اس قول مردود کو کہ لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے بیان کر کے لکھا ہے) مگر پہلا قول زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے ۔ اور اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ ظاہر عبارت قرآنی کے مناسب وہی ہے ۔ اور ضمیر کا پھیرنا قریب سے قریب ذکر کی ہوئی چیز کی طرف اولی ہے اور وہ قریب سے

الا صح فاختلفوا فی کیفیۃ حفظ اللہ عزوجل للقرآن فقال بعضہم حفظہ بان جعلہ معجزا باقیاً مبائنا الکلام البشر فعجز الخلق عن الزیادۃ فیہ والنقصان منہ لانہم لو ارادو الزیادۃ فیہ والنقصان منہ لتغیر نظمہ وظہر لکل عالم عاقل وعلموا ضرورۃ ان ذلک لیس بقران ۔

قریب چیز ذکر ہے ۔ اور بعد اس بات کے طے ہو جانے کے کہ ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے ۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے ۔ اس بات میں اختلاف ہوا ہے ۔ کہ اللہ عزوجل قرآن کی حفاظت کس طرح کرتا ہے ۔ بعض کا قول ہے ۔ کہ حفاظت کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اس کو باقی رہنے والا معجزہ بنا دیا ۔ جو بشر کے کلام سے جدا ہے ۔ لہذا مخلوق اس میں بڑھانے گھٹانے سے عاجز ہوگئی ۔ کیونکہ اگر کوئی اس میں بڑھانے گھٹانے کا ارادہ کرے ۔ تو اس کا نظم متغیر ہو جاتا ہے ۔ اور ہر عقلمند علم والے پر اس کا اظہار ہو جاتا ہے ۔ اور سب لوگ یقیناً جان لیتے ہیں کہ یہ قرآن نہیں ہے ۔

(۱۰) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :-

الضمیر فی قولہ لہ لحفظون الی ماذا یعود فیہ قولان الاول انہ عائد الی الذکر یعنی وانا نحفظ ذلک الذکر من التحریف والزیادۃ و النقصان ونظیرہ قولہ تعالٰی فی صفۃ القرآن لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ

لہ لحافظون کی ضمیر کس طرف پھرتی ہے ۔ اس میں دو قول ہیں ۔ پہلا قول یہ ہے کہ ذکر کی طرف پھرتی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اس ذکر کی حفاظت کریں گے تحریف سے اور بیشی اور کمی سے ۔ اور اس کی نظیر اللہ تعالٰی کا وہ قول ہے ۔ جو قرآن کی تعریف میں بیان فرمایا ہے ۔ کہ باطل

ولا من خلفه فان قيل لم اشتغلت الصحابة بجمع القران فی المصحف وقد وعد الله تعالے بحفظه وما حفظه الله فلا خوف عليه والجواب ان جمعهم القران كان من اسباب حفظه الله تعالى اياه فانه تعالے لما ان قيضهم لذلك

اس کے پاس نہیں آسکتا۔ نہ اسکے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ اگر کہا جائے کہ صحابہ قرآن مصحف میں جمع کرنے میں کیوں مشغول ہوئے۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا۔ جس چیز کی حفاظت خدا کرے۔ اس کے لئے کیا خوف ہو سکتا ہے۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کا قرآن جمع کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت[1] کے اسباب میں تھا۔ کیونکہ حفاظت کا وقت آیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے ان کو اس کام پر آمادہ کر دیا۔

(ثم قال بفصل يسير بعد

(پھر اس قول مجہول کو بیان کر کے

---

[1] اہل اللہ کی عادت قدسیہ یہ ہے۔ کہ جب تک حق تعالےٰ کی طرف سے کسی معاملہ میں یہ ہدایت نہ ہو۔ کہ اس معاملہ میں کسی تدبیر ظاہری کی ضرورت نہیں اس وقت تک اس عالم اسباب میں تدابیر ظاہری کو ترک نہیں کرتے۔ حفاظت قرآن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ کہ خدا نے وعدہ حفاظت کا فرمایا مگر ترک تدابیر کا حکم نہیں دیا۔ جیسے دین اسلام کی ترقی و حفاظت کا وعدہ فرمایا مگر ترک تدبیر کا حکم نہ دیا۔ لہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تدابیر ظاہری کو ترک نہ فرمایا۔ اور اخیر وقت تک کوشاں رہے۔ یا جیسے حق تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے رزق کا ذمہ لیا۔ مگر ترک تدبیر کا حکم نہیں دیا۔ وغیر من الامثال الکثیرۃ ۱۲

بیان القول المجهول بأن الضمير يعود الى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) الا ان القول الاول ارجح القولين واحسنهما مناسبة بظاهر التنزيل والله اعلم.

المسألة الثالثة اذا قلنا الكناية عائدة الى القرآن فاختلفوا في انه تعالى كيف يحفظ القرآن قال بعضهم حفظه بان جعله معجزا مباينا لكلام البشر فعجز الخلق عن الزيادة فيه والنقصان عنه لانهم لو زادوا فيه او نقصوا عنه لتغير نظم القرآن فيظهر لكل العقلاء ان هذا ليس من القرآن فصار كونه معجزا كاحاطة السور بالمدينة لانه يحصنها ويحفظها وقال آخرون انه تعالى صانه وحفظه من

ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ، مگر پہلا قول زیادہ قوی اور قرآن کی ظاہر عبارت کے زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ بعد اس بات کے طے ہو جانے کہ ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے۔ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی حفاظت کس طرح کرتا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے۔ کہ حفاظت کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اس کو معجزہ قرار دیا اور انسانی کلام سے اس کو ممتاز کر دیا۔ لہذا مخلوق اس میں کمی بیشی کرنے سے عاجز ہو گئی۔ کیونکہ اگر لوگ اس میں کمی بیشی کریں تو قرآن کا نظم بیان بدل جائے اور عقل مندوں پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن نہیں ہے۔ لہذا اس کا معجزہ ہونا ایسا ہے۔ جیسے شہر کے گرد شہر پناہ کہ وہ شہر کی حفاظت کرتی ہے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان یقدر احد من الخلق علیٰ معارضتہ وقال اٰخرون اعجز الخلق عن ابطالہ وافسادہ بان قیض جماعۃ یحفظونہ ویدرسونہ ویشھرونہ فیما بین الخلق الیٰ اٰخر بقاء التکلیف وقال اٰخرون المراد بالحفظ ھو ان احد لو حاول تغیرہ بحرف او نقطۃ لقال لہ اھل الدنیا ھذا کذب وتغیر لکلام اللہ تعالیٰ حتی ان الشیخ المھیب لو اتفق لہ لحن او ھفوۃ فی حرف من کتاب اللہ تعالیٰ لقال لہ کل الصبیان اخطاءت ایھا الشیخ وصوابہ کذا و کذا فھذا ھو المراد بقولہ وانا لہ لحٰفظون واعلم انہ یتفق لشیء من الکتب مثل ھذا الحفظ فانہ لا کتاب الا وقد دخلہ

نے قرآن کی حفاظت اس طرح کی کہ کوئی شخص اس کے مثل بنانے پر قادر نہ رہا۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ نے مخلوقات کو قرآن کے فنا کرنے اور بگاڑنے سے عاجز کر دیا۔ اس طریقہ سے کہ ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ قرآن کو حفظ کرے۔ اور اس کا درس دے۔ اور مخلوقات میں آخر دنیا تک اسکی اشاعت کرتی رہے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ حفاظت سے مراد یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص قرآن کے کسی حرف کا نقطہ کے بدلنے کا ارادہ کرے۔ تو ساری دُنیا کے لوگ کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تبدیلی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی باہیبت استاذ سے اتفاقاً کوئی غلطی یا لغزش کتاب اللہ کے کسی حرف میں ہو جائے۔ تو تمام بچے کہہ دینگے۔ کہ اے استاذ آپ نے غلطی کی۔ صحیح اس طرح ہے۔ یہی مطلب اللہ تعالیٰ کے قول انا لہ لحافظون کا ہے جاننا چاہیئے کہ اس قسم کی

التصحيف والتحريف و	حفاظت کسی کتاب کی نہیں ہوئی۔
التغيير امافي اكثره منه	کوئی کتاب ایسی نہیں ہے۔ جس
او في القليل وبقاء هذا	میں تصحیف و تحریف اور تبدیلی نہ ہوئی
الكتب مصونا عن جميع	ہو۔ خواہ زیادہ خواہ کم۔ اور اس
جهات التحريف مع ان	کتاب (یعنی قرآن مجید) کا تمام
دواعي الملاحدة واليهود	اقسام تحریف سے محفوظ رہنا باوجودیکہ
والنصارى متوفرة على	ملحدوں اور یہود و نصاریٰ کی کوششیں
ابطاله وافادة من اعظم	اس کے مٹانے اور بگاڑنے پر بہت
المعجزات وايضا اخبر	زیادہ ہیں۔ بہت بڑا معجزہ ہے۔
الله تعالىٰ عن بقائه	نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے باقی
محفوظا عن التغيير والتحريف	رہنے کی تغییر و تحریف سے محفوظ
وانقضى الان قريبا من	رہنے کی خبر دی۔ اور اب تک کہ
ستمائة سنة فكان هذا	قریب چھ سو برس کے گزر چکے یہ
اخبارا عن الغيب فكان	پیشین گوئی ایسی ہی وقوع میں آئی
ذلك ايضا معجزا قاهرا	لہذا یہ بھی ایک معجزہ قاہرہ ہے۔

ف۔ راقم الحروف کہتا ہے۔ کہ اب تک تیرہ سو برس سے زائد گزر چکے۔ اور کسی کو اس پیشین گوئی میں کلام کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

امام رازی نے اس کے بعد اس آیت سے مخالفین کے مقابلہ میں استدلال

ملہ یہود و نصاریٰ اور دوسرے ملحدین قابو پاتے تو قرآن میں تحریف کرتے یا نہ کرتے۔ مگر مخالفین اگر موقع پاتے تو ضرور تحریف کر دیتے۔ اور اپنی یا اپنے ائمہ کی تحریفات کو جو آج ان کی کتب میں موجود ہیں۔ ضرور رائج کرتے ہے

گر بہ مسکین اگر پر داشتے — تخم کنجشک از جہاں برداشتے

کرنے کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

المسألة الرابعة احتج	چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ قاضی نے
القاضی لقوله انا نحن نزلنا	اللہ تعالےٰ کے قول انا نحن
الذکر و انا له لحافظون	نزلنا الذکر و انا له لحافظون
علی فساد قول الامامیة	سے استدلال کیا ہے فرقہ امامیہ
فی القرآن قد دخله	کے اس قول کے فاسد ہونے پر
التغییر والزیادة والنقصان	کہ قرآن میں تبدیلی اور بیشی اور کمی ہو
قال لانه لو کان الامر کذلك	گئی ہے۔ قاضی نے کہا ہے۔ کہ
لما بقی القرآن محفوظا و	اگر ایسی بات تسلیم کر لی جائے۔ تو
هذا الاستدلال ضعیف	پھر قرآن کا غیر محفوظ ہونا لازم آتا
لانه یجری مجری اثبات	ہے (جو اس آیت کے خلاف ہے)
الشیٔ بنفسه فالامامیة	یہ استدلال صحیح نہیں کیوں کہ اثبات
الذین یقولون ان القرآن	بنفسہٖ کے مثل ہے۔ یعنی قرآن کو قرآن
قد دخله التغییر والزیادة	سے ثابت کرنا ہے۔ جو امامیہ[1]
والنقصان لعلهم یقولون	کہ قرآن میں تبدیلی اور بیشی
ان هذه الاٰیة	اور کمی کے قائل ہیں۔ شاید وہ یہ
من جملة الزوائد التی	کہتے ہوں کہ یہ آیت منجملہ ان عبارتوں
الحقت بالقرآن فثبت	کے ہے۔ جو قرآن میں بڑھائی گئی
ان اثبات هذا المطلوب	ہیں۔ لہذا اس مدعا کا اس آیت۔

[1] امام رازی کو بھی اس کی تحقیق نہ تھی کہ امامیہ کل کے کل قائل تحریف ہیں۔ یہ عقیدہ ان کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ اور کیسے تحقیق ہوتی۔ جبکہ امامیہ اپنے مذہب کو اور کتب مذہب کو اس کوشش کے ساتھ چھپاتے تھے۔ جس کو سب جانتے ہیں ۱۲

اثبات الشئ بنفسہٖ	سے ثابت کرنا اثبات الشئی
وانہ باطل واللہ اعلم۔	بنفسہٖ ہے۔ اور یہ استدلال[1]
	غلط ہے۔

۱۱۔ تفسیر روح المعانی میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے۔

وانا لہ لحفظون ای من	بہ تحقیق ہم قرآن کی حفاظت
کل ما یقدح فیہ کالتحریف	کرنے والے ہیں یعنی تمام ان چیزوں
والزیادۃ والنقصان وغیر	سے جو قرآن میں قدح کرنے والی
ذلک حتی ان الشیخ المھیب	ہوں۔ جیسے تحریف اور زیادتی اور
لو غیر نقطۃ یرد علیہ	کمی اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایسی
الصبیان ویقول لہ من	ہو (قرآن کی محفوظیت کی یہ شان
کان الصواب کذا و	ہے کہ) اگر کوئی باہیبت استاذ
کذا ثم قال بعد فصل	ایک لفظ کا بھی فرق کردے تو
وقال الحسن حفظہ	بچے اس پر اعتراض کردیں گے
بالبقاء شریعتہ الی یوم	اور ہر شخص کہہ دے گا کہ صحیح یوں
القیمۃ وجوز غیر واحد ان	ہے (پھر چند سطور کے بعد لکھتے
یراد حفظہ بالاعجاز	ہیں کہ) حسن بصری نے کہا کہ قرآن

---

[1] امام رازی صرف اس بات کو غلط کہہ رہے ہیں۔ کہ امامیہ کے مقابلہ میں اس آیت سے استدلال کیا جائے۔ نہ اس بات کو کہ اس آیت سے بطلان تحریف ثابت نہیں ہوتا۔ نہ یہاں یہ بحث ہے۔ کہ عقیدہ تحریف کفر ہے یا نہیں۔ پھر جس چیز کو امام ممدوح غلط کہتے ہیں۔ اس کو بھی اس لئے غلط کہتے ہیں کہ امامیہ اس آیت کو شاید کلام اللہ نہ مانتے ہوں۔ لیکن جب کہ وہ اس آیت کے الحاق نہ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ استدلال بھی درست ہے۔

فی کل وقت کما یدل علیه	کی حفاظت کی صورت یہ ہے۔ کہ
الجملة الاسمية من	اس کی شریعت قیامت تک باقی
کل زیادة ونقصان و	رکھی جائیگی اور متعدد مفسرین نے
تحریف وتبدیل ولم	بیان کیا ہے۔ کہ قرآن کی حفاظت
یحفظ سبحانه کتابا	سے مراد یہ ہے۔ کہ بزور اعجاز
من الکتب کذالك بل	ہر وقت میں اس کی حفاظت کی
استحفظها جل وعلا	جائیگی۔ ہر زیادتی اور کمی اور
الربانیین والاحبار	تحریف وتبدیلی سے چنانچہ جملہ
فوقع فیها ما وقع وتولى	اسمیہ اس پر دلالت کرتا ہے۔
حفظ القرآن بنفسه	حق سبحانہ نے اس طرح کسی کتاب
فلم یزل محفوظا اولا	کی حفاظت نہیں کی۔ بلکہ اگلی
واخرا۔	کتابوں کا محافظ خدا نے ربانیوں

اور احبار کو بنایا تھا۔ لہذا ان میں سے ہوا جو کچھ ہوا اور قرآن کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی۔ لہذا وہ ہر زمانہ میں (ہر آفت سے) محفوظ رہا۔

ثم قال بعد فصل و	(پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں)
یعلم مما قررنا ان ضمیر	ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا کہ لہٗ
له الذکر والیه ذهب	کی ضمیر ذکر کی طرف پھرتی ہے۔
مجاهد وقتادة والاکثرون	یہی قول ہے۔ مجاہد اور قتادہ اور
وهو الظاهر۔	اکثر مفسرین کا اور یہی ظاہر ہے۔

(۱۲) تفسیر سراج المنیر میں اسی آیۂ کریمہ کے تحت میں ہے۔

انا نحن بما لنا من العظمة	بہ تحقیق ہم نے اپنی عظمت و
والقدرة نزلنا ای	قدرت کے ساتھ نازل کیا یعنی
بالتدریج علی لسان	بتدریج جبریل علیہ السلام کی زبان

جبریل علیہ السلام الذکر القرآن وانا لہ لحفظون ای من التحریف والزیادۃ والنقصان و نظیرہ قولہ تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ فالقرآن العظیم محفوظ من ھذہ الاشیاء کلھا لا یقدر احد من جمیع الخلق من الجن والانس ان یزیدوا فیہ او ینقصوا منہ کلمۃ واحدۃ او حرفا واحدا وھذا مختص بالقرآن العظیم بخلاف سائر الکتب المنزلۃ فانہ قد دخل علی بعضھا التحریف والتبدیل والزیادۃ و النقصان (الی ان قال) وقیل الضمیر فی لہ راجع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمعنی وانا لمحمد لحفظون ممن ارادبہ سوءً

پر ذکر کو یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یعنی تحریف اور زیادتی اور کمی سے اسکی نظیر حق تعالیٰ کا یہ قول ہے ولو کان من عند غیر اللہ یعنی اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت اختلاف ملتا پس قرآن عظیم ان تمام چیزوں سے محفوظ ہے۔ کوئی شخص تمام مخلوقات میں سے جن ہوں یا انسان یہ قدرت نہیں رکھتا کہ قرآن میں کوئی لفظ یا کوئی حرف بڑھاوے یا کوئی لفظ یا حرف گھٹائے۔ یہ بات قرآن عظیم کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف کتب سماوی کے۔ کہ بعض میں تحریف اور تبدیلی اور بیشی کمی سب کچھ ہوگئی (اس کے بعد لکھتے ہیں) لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں سے جو ان کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہیں۔

(۱۳۱) تفسیر غرائب القرآن میں ہے:-

ثم انکر علی الکفار استھزاءھم فی قولھم یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر فقال علی سبیل التوکید انا نحن نزلنا الذکر ثم دل علی کونہ آیۃ منزلۃ من عندہ تعالیٰ فقال وانا لہ لحافظون لانہ لو کان من قول البشر او لم یکن آیۃ لم یبق محفوظا من التغیر والاختلاف وقیل الضمیر فی لہ لرسول اللہ علیہ وسلّم کقولہ واللہ یعصمک من الناس و القول الاوّل اوضح ووجہ حفظ القرآن قیل ھو جعلہ معجزا مباینا لکلام البشر حتی لو زاد فیہ شیئا ظھر ذلک للعقلاء ولم یخف فلذلک بقی مصونا عن التحریف و

پھر اللہ نے کافروں کے اس استہزاء کا رد کیا جو یا ایہا الذی نزل علیہ الذکر میں ہے۔ اور بطور تاکید کے فرمایا کہ بہ تحقیق ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے پھر اللہ نے یہ بتایا کہ قرآن ایک معجزہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اترا ہے۔ فرمایا کہ بہ تحقیق ہم اس کے محافظ ہیں کیونکہ اگر وہ انسان کا کلام ہوتا یا معجزہ نہ ہوتا تو تغیر اور اختلاف سے محفوظ نہ رہتا۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ لہٗ کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ اس صورت میں مطلب وہی ہوگا جو واللہ یعصمک من الناس کا ہے مگر پہلا قول زیادہ واضح ہے اور قرآن کی حفاظت کی صورت بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ اللہ نے اس کو معجزہ بنایا۔ اور انسانی کلام سے ممتاز کر دیا یہاں تک کہ اگر کوئی اس میں کچھ بڑھا دے تو ضرور عقلمندوں پر یہ بات ظاہر ہو

قيل حفظه بالدرس و
البحث ولم يزل طائفة
يحفظونه ويدرسونه
ويكتبونه في القراطيس
باحتياط بليغ وجد كامل
حتى ان الشيخ المهيب لو
اتفق له لحق في حرف من
كتاب الله تعالى نقال له
بعض الصبيان خطأت و
من جملة اعجاز القرآن
وصدقه انه سبحانه
اخبر عن بقائه محفوظا
عن التغير والتحريف و
كان كما اخبر بعد تسع
مائة سنة فلم يبق
الموحد شك في اعجازه
وههنا نكتة هي انه
سبحانه تولى حفظ القرآن
ولم يكله الى غيره

جائیگی۔ پوشیدہ نہ رہے گی۔ اسی
وجہ سے قرآن تحریف سے محفوظ
رہا۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ قرآن
کے حفاظت کی صورت یہ ہوئی کہ
خدا نے اس کے پڑھنے اور اس کی
بحث و تحقیقات کا سلسلہ قائم
کر دیا ہمیشہ کچھ لوگ ایسے رہے جو
قرآن کو حفظ کریں اور محنت[1] سے
لکھیں (قرآن کی محفوظیت) یہاں
تک ہے کہ اگر کوئی باہیبت استاذ
اتفاقاً کسی حرف میں غلطی کرے تو
بچے اس سے کہہ دینگے تم سے غلطی
ہوئی۔ اور قرآن کے معجزات اور
اس کی سچائی کی ایک بات یہ بھی
ہے کہ اللہ نے اس کے باقی رہنے
اور تغیر و تحریف سے محفوظ رہنے کی
پہلے ہی سے خبر دے دی اور آج نو
سو برس گزرنے پر بھی وہ پیشین گوئی
سچی ہے۔ لہذا موحد کو قرآن کے

[1] اب چھاپے خانوں کی وجہ سے لکھنے کی وہ محنت تو نہ رہی۔ مگر تصحیح کی محنت اب اس سے بھی زائد ہے۔ کاپی اور پروف اور مطابق کی تصحیح دو دو مرتبہ کی جاتی ہے یعنی ہر ورق کی تصحیح کم از کم چھ مرتبہ ہوتی ہے۔

فبقی محفوظا علی مر الدھور	اعجاز میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔
بخلاف الکتب المتقدمة	یہاں ایک نکتہ ہے۔ کہ اللہ نے قرآن
فانه لم یتول حفظها	کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی اور
وانما استحفظها الربانیین	اس کو اپنے غیر کے سپرد نہ کیا۔ لہذا وہ
والاحبار فاختلفوا فیما	قرنہا قرن کے بعد بھی محفوظ رہ گیا۔
بینهم ووقع التحریف۔	بخلاف اگلی کتابوں کے کہ اللہ نے

ان کی حفاظت اپنے ذمہ نہ لی۔ ربانیوں سے اور احبار سے ان کی حفاظت طلب کی۔ لہذا ان میں باہم اختلاف پڑا اور (اس اختلاف کی وجہ سے) تحریف ہوگئی۔

۱۴۔ تفسیر روح البیان میں ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر ذلك	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا اس
الذکر الذی انکروه و	ذکر کو جس کے یہ لوگ منکر ہیں۔
انکروا نزوله ونسبوك	اور اس کی وجہ سے آپ کو جنون
بذلك الی الجنون دعموا	کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور
منزله حیث بنوا لفعل	اس کے نازل کرنے والے کو گمنامی
للمفعول ایماءً الی انه	میں ڈال کر فعل مجہول کا استعمال کیا۔
امر لا مصدر له فعل	اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ
لا فاعل له قال الکاشفی	یہ ایک ایسا کام ہے جس کا کوئی
د ذکر یعنی شرف نیز مے آید یعنی	صادر کرنے والا نہیں اور ایک
این کتاب موجب شرف خوانندگان	ایسا فعل ہے جس کا کوئی فاعل
است، یعنی فی الدنیا و	نہیں۔ کاشفی نے بیان کیا ہے۔ کہ
الآخرة کما قال تعالیٰ	ذکر بزرگی کے معنی میں آتا ہے۔
بل اتینا هو بذکرهم ای	یعنی یہ کتاب پڑھنے والوں کے لئے

بما فیہ شرفہم وعزتہم
وھو الکتاب وانا لہ لحفظون
فی کل وقت من کل ما
یلیق بہ کالطعن فیہ
والمجادلۃ فی حقیتہ و
التکذیب لہ والاستہزاء
بہ والتحریف والتبدیل
والزیادۃ والنقصان و
نحوھا۔ واما الکتب
المتقدمۃ فلما لم یتول
حفظھا واستحفظھا الناس
تطرق الیھا الخلل و
فی التبیان او حافظون
لہ من الشیاطین من
وساوسھم وتخالیطھم
(یعنی شیطان نتواند کہ در وے چیزے
از باطل بیفزاید یا چیزے از حق کم
کند) قال فی بحر العلوم
حفظہ ایاہ بالصرفۃ
علی معنی ان الناس
کانوا قادرین علی
تحریفہ ونقصانہ
کما حرفوا التوراۃ

بزرگی کا سبب ہے دنیا میں بھی اور
آخرت میں بھی۔ جیسا کہ دوسری آیت
میں فرمایا بل اتیناھم بذکرھم
یعنی ہم نے ان کو وہ چیز دی جس
میں ان کی بزرگی اور عزت ہے
اور وہ چیز کتاب اللہ ہے۔ اور
بہ تحقیق ہم اس کے حفاظت کرنے
والے ہیں۔ ہر وقت میں تمام ان
چیزوں سے جو اس کے لائق نہ ہو
مثلاً اعتراضات سے اس کی حفاظت
اس کی حقانیت میں جھگڑنے سے
حفاظت تکذیب و استہزاء سے
حفاظت تحریف اور تبدیلی اور
بیشی اور کمی اور اس کے مثل
دوسری چیزوں سے حفاظت
ولیکن اگلی کتابوں کی حفاظت
چونکہ خدا نے اپنے ذمہ نہیں لی
تھی۔ بلکہ لوگوں کو ان کا محافظ
بنایا تھا اس لئے ان میں خلل
آگیا۔ اور تبیان میں ہے۔ کہ
شیاطین سے اور ان کے وسوس
سے اور ان کے خلط ملط کرنے سے
حفاظت مراد ہے یعنی شیطان

والانجیل لکن اللہ صرفهم عن ذلك او يحفظ العلماء وتصنيفهم الكتب التي صنفوها في شرح الفاظه ومعانيه ككتب التفسير والمقرأة وغير ذلك۔

یہ قدرت نہیں رکھتا کہ اس میں کوئی چیز از قسم باطل بڑھا دے یا کوئی چیز از قسم حق اس میں سے کم کرے بحر العلوم میں ہے کہ قرآن کی حفاظت خدا نے اس طور پر کی کہ لوگ اس کی تحریف اور کمی بیشی پر قادر تھے۔ جیسا کہ تورایت وانجیل میں انہوں نے تحریف کی۔ مگر اللہ نے ان کو اس سے باز رکھا یا اس طور پر حفاظت کی کہ علماء کو ان کتابوں کے تصنیف کرنے کی توفیق دی۔ جو قرآن کے الفاظ و معانی کی شرح میں تصنیف کی گئی ہیں۔ مثلاً کتب تفسیر و قرأت وغیرہ کے۔

عن ابي هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل سنة من يجدد لها دينها ذكره ابوداؤد في سننه وفيما ذكرا شارة الى ان القرآن مادام بين الناس لا يخلو وجه الارض عن المهرة من العلماء و القراء والحفاظ وروى انه يرفع القرآن في اخر الزمان من المصاحف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایسے شخص کو مقرر کرتا رہے گا۔ جو دین کی تجدید کرے اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اور اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے۔ کہ قرآن لوگوں کے درمیان میں ہمیشہ رہے گا اور کبھی روئے زمین قرآن کے علماء و قرأ و حفاظ سے خالی نہ ہوگا۔ روایت ہے اخیر زمانے میں قرآن

فیصبح الناس فاذا الورق	مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا۔
ابیض بلوح لیس فیہ حرف	صبح کو لوگ دیکھیں گے تو بکا یک
ثم ینسخ القرآن من	مصحف کے اوراق بالکل صاف
القلوب فلا یذکر منہ	ہوں گے مثل اس تختی کے جس پر
کلمۃ ثم یرجع الناس	کوئی حرف نہ ہو اس کے بعد قرآن
الی الاشعار والاغانی و	دلوں سے بھی نکال لیا جائے گا۔
اخبار الجاھلیۃ کما	کہ ایک کلمہ بھی اس کا بار نہ ہو گا
فی فصل الخطاب فعلی	اس کے بعد لوگ اشعار کی طرف
العاقلی التمسک بالقرآن	اور گانے کی چیزوں اور جاہلیت
وحفظہ نظما ومعنی	کی خبروں کی طرف متوجہ ہو جائیں
فان النجاۃ فیہ وفی الحدیث	گے۔ یہ سب مضامین فصل الخطاب
من استظھر القرآن خفف	میں ہیں۔ پس عقلمند کو لازم ہے۔
عن والدیہ العذاب و	کہ قرآن کے ساتھ تمسک کرے
ان کان مشرکین وفی	اور اس کی عبارت کو معنی کو یاد
حدیث آخر اقرؤا	کرے۔ نجات اس میں ہے ۔
القرآن واستظھروہ	حدیث میں ہے کہ جو شخص قرآن
فان اللہ لا یعذب	کو حفظ یاد کرے۔ اس کے والدین
قلبا دعی القرآن ۔	پر عذاب کی تخفیف ہو جاتی ہے۔
	اگرچہ وہ مشرک ہوں۔ اور ایک

دوسری حدیث میں ہے۔ کہ قرآن کو پڑھو اور اس کو حفظ یاد کرو۔ کیونکہ اللہ تعالٰے اس دل کو عذاب نہ دے گا۔ جس میں قرآن ہو۔

۱۵۔ علامہ ابوسعود اپنی تفسیر مشہور بہ تفسیر ابوسعود میں لکھتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا الذکر ولا	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو یہ

نكارهم استنزل و
استهزاءهم برسول الله
صلى الله عليه وسلم
بذلك وتسلية له اى
نحن نعظم شاننا وعلو
جنابنا نزلنا ذلك الذكر
الذى انكروه وانكروا
نزوله عليك ونبوك
بذلك الى الجنون وعموا
منزله حيث بنوا
الفعل للمفعول ايماء الى
انه امر لا مصدر له
وفعل لا فاعل له وانا
له لحافظون من كل ما
لا يليق به فيدخل
فيه تكذيبهم
له واستهزاءهم به
دخولا اوليا فيكون
وعيدا للمستهزئين
واما الحفظ عن مجرد
التحريف والزيادة و
النقص وامثالها فليس
بمقتضى المقام الوحيد

رہا ہے کافروں کی اس بات کا کہ
وہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا
انکار کرتے تھے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن
کی وجہ سے تمسخر کرتے تھے۔ اور
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے
تسلی ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے
کہ، ہم نے اتنی عظمت شان اور
برتری بارگاہ کے ساتھ اس ذکر
کو جسکے یہ لوگ منکر ہیں۔ اور آپ
کے اوپر اس کے نزول کا انکار
کرتے ہیں اور اسکی وجہ سے آپکو
جنون کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
اور اسکے نازل کرنے والے کا نام
پوشیدہ کر کے فعل مجہول کا استعمال
کرتے ہیں۔ اس بات کے ظاہر
کرنے کے لئے کہ یہ ایک ایسا کام
ہے جس کا کوئی صادر کرنے والا
نہیں۔ اور ایک ایسا فعل ہے
جس کا کوئی فاعل نہیں اور یقیناً
ہم اس کی حفاظت کرنے والے
ہیں یعنی تمام ان نالائق چیزوں
میں سب سے پہلی چیز تو ان کی تکذیب اور

الحمل على الحفظ من جميع
ما يقدح فيه من الطعن
فيه والمجادلة فى حقيته
ويجوز ان يراد حفظه
بالاعجاز دليلا على التنزيل
من عنده تعالے اذ لو كان
من عند غير الله لتطرق
عليه الزيادة والنقص
والاختلاف وفى سياق
الجملتين من الدلالة
على كمال الكبرياء والجلالة
فى على فخامة شان
التنزيل ما لا يخفى وفى
ايراد الثانية بالجملة
الاسمية دلالة على
دوام الحفظ والله
سبحانه اعلم وقيل الضمير
المجرور للرسول صلے
الله عليه وسلم كقوله
تعالے والله يعصمك
من الناس -

ان کا تمسخر ہے لہذا یہ آیت تمسخر
کرنے والوں کے لئے وعید ہے۔
اور صرف تحریف اور بیشی اور کمی
اور اسی قسم کی چیزوں سے حفاظت
مراد لینا اس مقام کے مناسب
نہیں ۔ پس بہتر یہ ہے کہ تمام
ان چیزوں سے حفاظت مراد لی
جائے ۔ جو قرآن کے لئے موجب
اعتراض اور اس کی حقانیت میں
جھگڑنے کا باعث ہوں ۔ اور ہو
سکتا ہے ۔ کہ قرآن کی حفاظت
بذریعہ اعجاز کے مراد لی جائے ۔
تاکہ یہ حفاظت اس منزل من اللہ
ہونے کی دلیل ہو جائے ۔ کیونکہ
اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا
تو ضرور اس میں بیشی اور کمی اور
اختلاف ہو جاتا ۔ ان دونوں
جملوں کے سیاق میں حق تعالیٰ
کی کمال کبریائی اور جلالت اور
قرآن مجید کی شان کی عظمت کا اظہار
ہے ۔ یہ بات مخفی نہیں ہے اور
دوسرے جملہ کو جملہ اسمیہ لانے میں
دلیل اس بات کی ہے کہ قرآن

کی حفاظت ہمیشہ رہے گی واللہ سبحانہٗ اعلم اور کہا گیا ہے۔ کہ ضمیر مجرد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اس صورت میں مطلب وہ ہوگا جو واللہ یعصمک من الناس کا ہے۔

۱۶۔ علامہ قرطبی اپنی تفسیر جامع احکام القرآن کی جلد ۹ ورق ۱۰۱ میں فرماتے ہیں۔

انا نحن نزلنا الذکر یعنی	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا اس ذکر
القرآن وانا لہ لحفظون	کو یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اسکی
من ان یزاد فیہ او ینقص	حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس بات
منہ قال قتادۃ وثابت	سے کہ اس میں بڑھایا جاوے یا
البنان حفظہ اللہ من	گھٹایا جائے۔ قتادہ اور ثابت
ان تزید فیہ الشیاطین	بنانی نے کہا ہے۔ کہ اللہ نے اسکی
باطلا وتنقص منہ حقا	حفاظت کی ہے۔ اس بات سے کہ
فتولی سبحانہ حفظہ	شیاطین اس میں کوئی خلاف حق
فلم یزل محفوظا وقال فی	بات نہ بڑھا سکیں یا اس سے
غیرہ بما استحفظوا	کوئی حق بات گھٹا سکیں۔ حق سبحانہٗ
فوکل حفظہ الیہم	نے قرآن کی حفاظت خود اپنے
فبدلوا وغیروا وقیل	ذمہ لی لہذا وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ
انا لہ لحافظون ای	رہا۔ قرآن کے سوا دوسری کتابوں
لمحمد من ان یتقول	کے لئے اللہ نے فرمایا۔ بما
علینا او یتقول علیہ او	استحفظوا یعنی ان کتابوں کی

ہ تفسیر قرطبی کا ایک قلمی نسخہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کے کتب خانہ کا دارالعلوم ندوہ میں ہے۔ اور سنا گیا ہے کہ ایک نسخہ اس کا دنیا میں اور ہے ۱۲

انا لہ لحافظون من ان یوذی اولقتل نظیرہ واللہ یعصمک من الناس ۔	حفاظت انسانوں کے سپرد کی تھی۔ لہذا انہوں نے ان میں تغیر و تبدل کر دیا اور کہا گیا ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے ۔ کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے محافظ ہیں ۔ اس بات سے کہ وہ ہم پر افترا کریں یا اس بات سے کہ ان پر افترا کیا جائے یا اس بات سے کہ ان کو ایذا پہنچائی جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں ۔ اس کی نظیر واللہ یعصمک من الناس ہے

(۱۷) علامہ طنطاوی اپنی تفسیر الجواہر[1] کے جلد ۸ صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں ۔

انا نحن نزلنا الذکر الخ انما انتم قوم مکذبون ضالون مستھزءون بنبینا فلیس استھزاءکم بضارہ لانا نحن نزلنا القرآن ونحن حافظوہ فقولوا انہ مجنون ونقول انا نحفظ الکتاب الذی انزلناہ علیہ من الزیادۃ والنقص و التغیر والتبدیل و التحریف والمعارضۃ	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا اس ذکر کو۔ تم لوگ تکذیب کرنیوالے اور گمراہ اور ہمارے نبی کے ساتھ تمسخر کرنے والے لوگ ہو ۔ مگر تمہارا تمسخر ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔ کیونکہ ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں تم ان کو مجنون کہو مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب کی حفاظت کریں گے ۔ جو ہم نے ان پر نازل کی ہے ۔ زیادتی اور کمی اور تغیر اور تبدیل اور ہر قسم کی تحریف سے اور اس بات سے

[1] یہ تفسیر قریب زمانہ کی لکھی ہوئی ہے ۔ یورپ کے علوم رائج الوقت کو مد نظر رکھ کر یہ تفسیر لکھی گئی ہے مصر میں چھپ رہی ہے ۔ تیرہ جلدیں چھپ کر آچکی ہیں ۔ جن میں سورہ یوسف تک کی تفسیر ہے ۱۲ ۔

وابطالہ وافادہ وسنقیض	کہ کوئی اس کا مثل بنا سکے۔ اور اس
لہ علماء فی الاجیال	کو فنا کر سکے یا اس کو بگاڑ سکے۔ اور
المقبلۃ یتولون حفظہ	عنقریب ہم علما کو آئندہ نسلوں
ویذبون عنہ ویدعون	میں آمادہ کریں گے۔ کہ اسکی حفاظت
الناس الیہ ویخرجون	کا کام کریں۔ اور اس کی حمایت
الناس ما مکن فیہ من	کریں۔ اور لوگوں کو اس کی طرف
العلوم لیناب العصر الذی	دعوت دیں۔ اور لوگوں کے لئے
ھو فیہ لیقبل علیہ المتنورون	ان علوم کو ظاہر کریں۔ جو اس میں
ویقرأہ الجہلاء والمتعلمون	پوشیدہ ہیں تاکہ (قرآنی تعلیم)
فما قیمۃ نبتکم ایاہ	زمانہ حال کے مناسب ہو جائے۔
للجنون فلا تبتئس	اور تاکہ روشن خیال بننے والے لوگ
یا محمد بما یقولون۔	اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اور بے علم

لوگ اور علم حاصل کرنے والے لوگ اس کو پڑھیں۔ پس (اب بتاؤ کہ) تم نے جو ان کو مجنون کہا اس کہنے کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے لہذا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔

بالفعل ان سترہ تفسیروں کی عبارتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ابھی بہت سی تفسیریں مشہور و غیر مشہور باقی ہیں۔ جن میں اکثر عربی میں ہیں۔ اور بعض فارسی یا اردو میں جن کو بخیال طول نہیں لیا گیا۔

تفاسیر منقولہ کی عبارتوں سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

۱۔ ذکر سے باجماع مفسرین قرآن مجید مراد ہے۔

۲۔ لہ لحافظون میں لہ کی ضمیر ائمہ مفسرین نے ذکر کی طرف پھیری ہے۔

۳۔ لہ کی ضمیر کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا ایک قول مجہول ہے۔

(۴) آیت مذکورہ باجماع مفسرین قرآن مجید کے آخر بقائے دنیا تک تمام ان اشیاء سے محفوظ رہنے پر دلالت کرتی ہے۔ جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں جن میں ایک چیز تحریف بھی ہے۔

(۵) باجماع مفسرین قرآن مجید کا تحریف وغیرہ سے محفوظ رہنا ایک معجزہ ہے۔ جو قرآن کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۶) صورت حفاظت میں مفسرین کے اقوال مختلف و متعدد ہیں۔ یعنی یہ کہ قرآن مجید کی حفاظت حق تعالےٰ نے کس طرح سے کی۔ انشاء اللہ اس کے متعلق قول فیصل مبحث چہارم میں بیان ہوگا۔
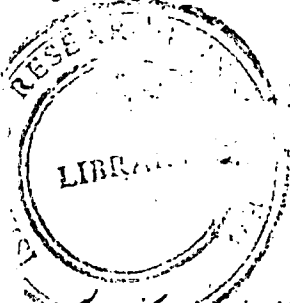
مبحث سوم

مخالفین صحابہ کو قرآن مجید سے کچھ ایسی عداوت اور نفرت ہے۔ کہ قرآن مجید کے نام ہی سے ان کو پریشانی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالکل وہی حالت ہے کہ اہل مکہ اللہ کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر اللہ کے ذکر سے ان کو بہت بے چینی[1] ہوتی تھی۔

یہی سبب ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو محرف و مشکوک بنانے کے لئے صدیوں تک اپنی متفقہ قوتیں اور بے نظیر تدبیریں صرف کیں۔ جن کا ناکام[2] رہنا خدا کی قدرت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

خصوصیت کے ساتھ دو مضمون کی آیتوں سے ان کو بہت پریشانی اور نہایت

---

[1] سورہ زمر میں اس بے چینی کا بیان فرمایا گیا ہے کہ اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون ۱۲

[2] مخالفین نے یہ کوشش کی قرآن کو معمیٰ اور چیستان قرار دیا جائے (بقیہ حاشیہ برصفحہ ۶۵۴)

ہی بے چینی ہوتی ہے۔ اول وہ کہ جن میں سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا مضمون ہے یا بالفاظ دیگر آپ کی ذات اقدس کو قیامت تک کیلئے مفترض الطاعت اور قیام حجت الٰہیہ کا واحد مرجع قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کے اتباع کو نجات آخرت اور خوشنودی رب العزت کے لئے کافی فرمایا گیا۔

دوم۔ وہ کہ جن میں قرآن مجید کا عام فہم اور واجب الاتباع ہونا یا تا قیام قیامت اس کے موجود اور تمام آفات و تحریفات سے محفوظ رہنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے کیوں کہ ان دونوں قسم کی آیتوں سے ان کے مذہب کو ضرب[1] شدید پہنچتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۶۵۳) کہ قرآن کا سمجھنا صرف امام معصوم کا کام ہے۔ کہ کوئی غیر معصوم قرآن کو کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مگر حق تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کوشش کو بھی رائگاں کر دیا۔ قبلۃ المجتہدین مولوی دلدار علی اساس الاصول کے ص۱۹ پر علامہ محمد تقی کا قول نقل کرتے ہیں کہ استشہاد المصنف بالآیات تبغا لاصحاب وان لم یکن من داب الاخباریین فان الظاھر من کلامھم انھم یقولون ما نفھم کلام اللہ تعالےٰ حتی نستدل بہ۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے کلام کو ہم نہیں سمجھتے نہ اس سے استدلال کر سکتے ہیں۔ اس عبارت میں یہ قول اخبار مخالفین کا بیان کیا گیا ہے۔ مگر درحقیقت یہ قول اخباری اور دونوں قسم کے مخالفین کا ہے۔ چنانچہ سہیل لکھنوٴ نہ معلوم کتنی مرتبہ لکھ چکا ہے۔ کہ قرآن کا سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جن کے گھر میں قرآن اترا۔

[1] اس کے لئے مذہب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ان دو چیزوں کو اگرچہ تولّا اور تبرّا کی خوب صورت لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں۔ کہ ان دو لفظوں کے اندر کیسا زہر ہلاہل پوشیدہ ہے۔ مسئلہ تولّا کا مقصد اصل ختم نبوت کا انکار ہے۔ اور مسئلہ تبرّا کا مقصد اصلی قرآن مجید سے بغاوت و انحراف ہے۔ تولّا کے پردہ میں محبت اہل بیت کا نام لے کر بارہ اشخاص کو اس قدر بڑھایا جاتا ہے۔ اور ان کی اس قدر مدح سرائی کی جاتی ہے۔ کہ وہ ہر بات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسر اور ہم مرتبہ ہو جاتے ہیں۔ اور ختم نبوت ایک لفظ بے معنی رہ جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۶۵۵ پر)

آخرالذکر مضمون کی آیتوں میں ایک آیت یہ بھی ہے ۔ لہذا اس کے متعلق ان کی حیرانی و پریشانی جس قدر بھی ہو حق بجانب ہے ۔ اگر موافق اس آیت کے قرآن مجید کو ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے محفوظ مانتے ہیں ۔ تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہے ۔ اور اگر آیت کا انکار کرتے ہیں ۔ تو اسلامی فرقوں کی فہرست سے نام خارج ہوتا ہے ۔ کچھ بنائے نہیں بنتی ۔ اسی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں ان کے اقوال اس قدر پراگندہ اور اس قدر متضاد ہیں ۔ کہ بہت عبرت ہوتی ہے ۔

کوئی صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ اس آیت میں جو حفاظت قرآن مجید کی بیان کی گئی ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے ۔ کہ لوح محفوظ میں قرآن مجید کی حفاظت کی جائے گی ۔

کوئی صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ غار میں امام غائب کے پاس قرآن مجید بحفاظت موجود ہے ۔ یہی حفاظت اس آیت میں مراد ہے ۔ کوئی صاحب ان سب سے ترقی کر کے فرماتے ہیں ۔ کہ آیت میں قرآن کی حفاظت کا تذکرہ ہی نہیں ۔ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت مراد ہے ۔ ذکر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے ۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں ۔ یہ تمام مختلف اقوال مخالفین کی تفسیروں اور ان کے مجتہدین کی تصنیفات میں موجود ہیں ۔ اور دور قدیم میں ایڈیٹران الشمس النجم کے مقابلہ میں پیش کر چکے ہیں ۔

قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں ان سب اقوال کو جمع کر دیا ہے ۔ لہذا یہاں صرف انہی کی عبارت نقل کر دینا کافی ہے ۔

"ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے ۔ جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے ۔ تب نگہبانی کا مطلب یہ ہے ۔ کہ ہم اس کو ضائع و برباد نہ

(بقیہ حاشیہ) دیکھو ہمارا رسالہ الخامس من المائتین اور زہرا کے پردہ میں صحابہ کرام کو (جو قرآن مجید کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت اور تعلیمات نبوت کے چشم دید گواہ ہیں) غیر معتبر قرار دیکر قرآن مجید کو مشکوک و ناقابل اعتبار بنایا جاتا ہے ۱۲ ۔

ہونے دیں گے۔ پس اگر تمام[1] دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو۔ تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا۔ کہ وہ محفوظ ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر تبدل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر[2] ہے۔ کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات[3] ہوگئے۔ کم سے کم اس میں تو شک[4] ہی نہیں۔ کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر ہر فرد کو محفوظ رکھیں گے۔ کیوں کہ اس زمانہ میں

---

[1] قبلہ مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے۔ کہ امام غائب کے پاس ایک نسخہ اصلی قرآن کا اصلی حالت پر موجود ہے۔ اور امام غائب اسی دنیا میں ہیں۔ لہذا وعدۂ خداوندی پورا ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ مگر اس کا کیا جواب ہے۔ کہ امام غائب کا موجود ہونا نہ ہونا مخلوق کے حق میں یکساں ہے۔ وجودے است بے منفعت چوں عدم کس کے رسائی نہ ان کے پاس تک نہ ان کے قرآن تک ہے لہذا لوح محفوظ کے اندر موجود ہوتے ہیں اور ایسے امام غائب کے پاس موجود ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اور آیت میں ایسی حفاظت ہرگز مراد نہیں ہوسکتی۔ جس کا کوئی نفع نہ ہو۔ ایسی حفاظت کا تذکرہ کفار کے سامنے کوئی معنی رکھتا ہے۔ ایسی حفاظت تو تمام کتب کی ہے۔ قرآن کی کیا تخصیص توریت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینۂ اقدس میں محفوظ ہے۔ توریت کو چھوڑیئے۔ قرآن مجید بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ انور میں محفوظ ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اپنی قبر اطہر میں مسلمانوں کے نزدیک امام غائب جیسے سینکڑوں کے وجود سے اعلیٰ وارفع ہے۔

[2] آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ اپنی اپنی نظر ہے۔ آپ کے نزدیک یہ ظاہر ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے نزدیک بلکہ باانصاف غیر مسلموں کے نزدیک بھی قطعاً خلاف واقع ہے۔ بلکہ قرآن مجید کا ہر قسم کے تغیرات سے بصیغہ جمع۔ نعوذ باللہ من ہذا الکفر الفضیح ۱۲

[3] ۔ اللہ اکبر ایک تغیر نہیں۔ بلکہ تغیرات بصیغہ جمع۔ نعوذ باللہ من ہذا الکفر الفضیح ۱۲

[4] ایمان کے خلاف جتنی باتیں ہیں خواہ وہ کیسی ہی بے بنیاد ہوں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۹ پر)

چھاپہ خانوں کی کثرت سے روزانہ سینکڑوں ہزاروں اوراق قرآن کے برباد کیئے جاتے ہیں
دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالت مآب ہیں۔ تب یہ مطلب ہوگا۔ کہ
کفار کے شر سے خدا تم کو محفوظ رکھے گا"
اور اس لفظ ذکر سے خدا نے حضرت رسول کو دوسرے مقام پر یوں یاد کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) آپ کے فرقہ کو ان میں شک کیسے ہو سکتا ہے۔ بقول خواجہ حافظ ؎

ما مریداں روبسوی کعبہ چوں آریم چوں ۔۔۔ روبسوی خانہ خمار دارد پیر ما ۱۲

۵؎ مجتہد صاحب نے بالکل کا لفظ اس لئے بڑھایا کہ ترتیب کی چار قسمیں ہیں۔ ترتیب سور، ترتیب آیات۔ ترتیب کلمات۔ ترتیب حروف ان چاروں قسم کی ترتیب کا بدل جانا اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ ۱۲

۶؎ ایسا خلاف عقل مطلب کسی نے کبھی مراد لیا نہ لے سکتا ہے ایسی فرضی باتوں کے ابطال میں کوشش کرنا خاص شیوہ اہل باطل کا ہے ۱۲ ش۔

۷؎ قبلہ مولوی فرمان علی کا استدلال بتا رہا ہے۔ کہ اس دوسرے مقام میں لفظ ذکر سے رسول کا مراد ہونا متفق علیہ ہے۔ حالانکہ یہ خالص فریب ہے۔ اہل سُنت نے وہاں بھی لفظ ذکر سے رسول کو مراد نہیں لیا۔ نہ کوئی ذی ہوش مراد لے سکتا ہے کیونکہ لفظ انزل اس کے مناسب نہیں رسول کے لئے بعث یا ارسال کی لفظ آتی ہے نہ کہ انزل کی۔ ذکر سے مراد وہاں بھی قرآن ہے اور رسول سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اب رہی یہ بات کہ ذکراً اور رسولاً کے درمیان میں واؤ کیوں آیا۔ یہ شبہ لغت عرب کی ابتدائی کتابوں سے دفع ہو جاتا ہے۔ تعداد کے طور پر متعدد اشیاء کا ذکر بغیر حرف عطف کے ہوا کرتا ہے۔ عرب کا محاورہ ہے۔ اشتریت داراً جاریۃً بساطاً۔ دیکھو تین چیزوں کا ذکر بغیر حرف عطف کے ہوگیا۔ اس طرح آیت میں ذکراً اور رسول دو چیزوں کا تذکرہ بغیر حرف عطف وارد ہوگیا۔ لطف یہ ہے کہ خود قبلہ مولوی صاحب نے اس دوسری آیت کے ترجمہ میں لفظ ذکر سے قرآن ہی مراد لیا ہے۔ چنانچہ اس کے ترجمہ میں فرماتے

(بقیہ حاشیہ ۶۵۸ پر)

قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم آیت اللہ الآیۃ ۱۲

یہ ہے ان کی سراسیمگی کا ایک عمدہ نمونہ۔ کہ ایک صاف وصریح آیت کو کس طرح پیچ در پیچ مغالطوں میں ڈال کر خبط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ایک نمایاں معجزہ قرآن مجید کا ہے۔ کہ اس آیت کا انکار نہیں کیا گیا۔ ورنہ آیت کا انکار کر دینا بہ نسبت ان دور از کار تاویلات کے زیادہ سہل تھا۔

قرآن کریم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے۔ کو مخالفین کے چند علمار کو اس آیت کی صحیح تفسیر اختیار کرنی پڑی۔ اگرچہ یہ لوگ ان چار اشخاص میں سے ہیں جو تحریف قرآن کے منکر کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

ثم زاد سبحانہ فی البیان فقال انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون عن الزیادۃ والنقصان والتحریف والتغییر عن قتادۃ وابن عباس و	پھر اللہ سبحانہ نے اور زیادہ صاف بیان کیا اور فرمایا کہ بیشک ہم نے نازل کیا ہے ذکر کو بیشک ہم بیشی اور کمی اور ہر قسم کی تحریف و تغیر سے اس کے محافظ ہیں۔ یہ تفسیر قتادہ

ملہ مخالفین میں سے صرف چار اشخاص نے تحریف کی جمیع اقسام کا انکار کر کے اہل سنت کی طرح قرآن مجید پر اپنا ایمان ظاہر کیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان چاروں کا انکار از راہ تقیہ ہے۔ انہیں چار میں تفسیر مجمع البیان کا مصنف بھی ہے ۱۲ ؂

(بقیہ حاشیہ ۶۵۷) ہیں دو خدا نے تمہارے پاس اپنی یاد (قرآن) اور اپنا رسول بھیج دیا ہے۔ جو تمہارے سامنے واضح آیتیں پڑھتا ہے (دیکھو ترجمہ فرمان علی ص ۸۹۳ سورہ طلاق پارہ ۲۸، اب قبلہ مولوی صاحب سے یا ان کا نام لینے والوں سے پوچھو کہ یہ کیا ہوا تم تو کہتے تھے کہ لفظ ذکر سے رسول مراد ہیں۔ یہ ہے خدا کی قدرت کا کرشمہ ۱۲ ؂

مثلہ لا یاتیہ الباطل	اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔
من بین یدیہ و	اور اس کے مثل وہ آیت ہے۔
لا من خلفہ و قیل	کہ باطل قرآن کے پاس نہیں
معناہ تتکفل بحفظہ	آسکتا۔ نہ اس کے آگے نہ اسکے
الی اخر الدھر علی	پیچھے سے اور کہا گیا ہے کہ اس
ھو علیہ فتنقلہ	کے معنی یہ ہیں کہ ہم اخیر زمانہ
الامامۃ فتحفظہ	تک قرآن کی حفاظت کریں گے۔
عصرا بعد عصر الی یوم	جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔
القیامۃ لقیام الحجۃ	اُمت اس کو نقل کرتی رہے گی
بھد علی الجماعۃ	اور قرناً بعد قرن قیامت تک
من کل من لزمتہ	اس کی حفاظت کرتے گی۔ تاکہ اس
دعوۃ النبی صلی اللہ	سے تمام ان لوگوں پر جن کو نبی صلی
علیہ و الہ وسلم	اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچ چکی
عن الحسن وقیل	ہے۔ حجت قائم رہے۔ یہ تفسیر
نحفظہ من کید	حسن بصری سے منقول ہے۔
المشرکین فلا یمکنھم	اور بعض لوگوں نے کہا ہے۔
ابطالہ ولا یبدرس	کہ مطلب یہ ہے کہ ہم مشرکوں
ولا ینسئے عن الجبائی	کی کید سے قرآن کی حفاظت
وقال الفراء یجوز	کریں گے۔ تاکہ قرآن کے مٹانے
ان یکون الھاء فی لہ	پر ان کو قدرت نہ ہو۔ اور قرآن
کنایۃ عن النبی صلی	نہ مٹے نہ فراموش ہو۔ یہ تفسیر
اللہ علیہ و الہ وسلم	جبائی سے منقول ہے۔ اور فرا
فکانہ قال انا انزلنا	نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ

القرآن وانا لمحمد حافظون ۔

لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹتی ہو ۔ گویا اللہ نے یوں فرمایا کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ۔ اور یقیناً ہم محمدؐ کے محافظ ہیں ۔

ف :۔ اس مفسر نے بڑی صفائی کے ساتھ دو آیات قرآنیہ کی بابت تصریح کر دی ۔ کہ وہ قرآن مجید کے جمیع اقسام تحریف سے محفوظ ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۔

حالانکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ۔ کہ اس مفسر کا بھی تحریف قرآن سے انکار مبنی بر تقیہ ہے ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے ۔ کہ جمہور مخالفین کے عقیدہ میں یہ قرآن مجید جو آج مسلمانوں کے پاس ہے ۔ اور ہر زمانہ میں یہی قرآن مجید مسلمانوں کے پاس رہا ۔ محرف ہے ۔ اور تحریف کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں سب اس قرآن میں ہوئی ہیں ۔ یعنی اس میں کمی بھی ہوئی ہے ۔ جابجا سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں ۔ اور اس میں زیادتی بھی ہوئی ہے ۔ جابجا انسانی کلام اس میں شامل کر دیا گیا ۔ اور اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی بھی ہوئی ہے ۔ جابجا انسانی کلام اس میں شامل کر دیا گیا ۔ اور اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی بھی ہوئی ہے ۔ اور اس کی ترتیب بھی خراب کر دی گئی ہے ۔ ترتیب کی چار قسمیں ہیں ۔ اول ترتیب سورتوں کی ، دوم ترتیب آیتوں کی ، سوم ترتیب کلمات ، چہارم ترتیب حروف کی ۔ کتب شیعہ میں یہ تصریح موجود ہے ۔ کہ چاروں قسم کی ترتیب بگاڑ دی گئی اگر صرف سورتوں کی ترتیب میں کلام کیا جاتا ۔ تو چنداں خرابی نہ تھی ۔ کیونکہ ہر سورت بجائے خود مستقل چیز ہے ۔ اس کے تقدم و تاخر سے مقصود کلام کچھ اثر نہیں پڑ سکتا ۔ بخلاف باقی تین ترتیبوں کے کہ ان سے مقصود کلام کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے ۔

مخالفین کی کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ قرآن کے محرف

ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کس قدر اہتمام کیا ہے ۔ اس کا عشر عشیر بھی کسی اور مسئلہ میں نہیں کیا ۔ اس اہتمام کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے ۔ کہ آج ان کی معتبر کتابوں میں ائمہ معصومین سے زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی منقول ہیں ۔ اور تحریف کی نفی میں ایک روایت بھی کسی امام سے ان کی کسی کتاب میں نہیں[1] ۔

مبحث چہارم

خداوند کریم نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ۔ یہ ایک عظیم الشان انعام اور مخصوص امتیاز اس امت مرحومہ کے لئے ہے اور بوجہ ایک زبردست پیشین گوئی ہونے کے ایک معجزہ بھی ہے ۔ لیکن حق تعالےٰ نے جو صورت اپنے اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے اختیار فرمائی ۔ وہ بہت ہی زیادہ عجیب اور بہت ہی بڑا معجزہ ہے ۔

حق تعالیٰ کی قدرت میں تھا ۔ کہ اپنے وعدہ کے پورا کرنے کے لئے یہ صورت اختیار فرماتا ۔ کہ قرآن مجید کے متعدد نسخے متعدد پہاڑوں کی اونچی اور مضبوط چٹانوں پر دست قدرت سے کندہ ہو جاتے اور قیامت تک وہ چٹانیں باقی

---

[1] قرآن کی تعریف جن روایات میں ہے ۔ ان سے نفی تحریف ثابت نہیں ہو سکتی ۔ بدو وجہ اول یہ کہ ممکن ہے ۔ کہ یہ روایات بحالت تقیہ ہوں ۔ ہر طرف مسلمانوں کی حکومت قائم تھی ۔ لہذا ائمہ نے دیکھا کہ قرآن کی تعریف نہ کی جائے تو لوگ مار ڈالیں گے ۔ دوم یہ کہ ممکن ہے ۔ کہ یہ تعریفیں اسی قرآن کی ہوں ۔ جو ائمہ کے پاس تھا ۔ اور اب بقول مخالفین بارھویں امام کے پاس غار مرض لائے میں ہے ۔ اور اصل بات یہ ہے ۔ کہ جس صراحت و صفائی کے ساتھ تحریف کا بیان ہے اس صراحت و وضاحت کے ساتھ نفی تحریف کی روایات ہوتیں تو یہ کہنا صحیح ہوتا کہ نفی کی روایات اصلی کتب مخالفین میں ہیں ۱۲ ۔

رہتیں۔ جب انسانی افراد یعنی قوم ثمود کے تراشے ہوئے مکانات اب تک مدائن صالح میں موجود ہیں۔ تو قدرت کے کندہ کیے ہوئے نقوش کا قیامت تک باقی رہ جانا بعید از عقل بھی نہ تھا۔ یہ بھی قدرت میں تھا۔ کہ قرآن مجید جواہر کی تختیوں میں نقش کیا ہوا اترتا۔ جیسے توریت اتری تھی۔ اور بعد میں وہ تختیاں فضائے ہوا میں معلق ہو جائیں۔ اور قیامت تک معلق رہتیں۔

یہ بھی قدرت میں تھا۔ کہ قرآن مجید فضائے ہوا میں ہم سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر اتنے بڑے بڑے حروف میں منقش ہو جاتا۔ کہ ضعیف البصر لوگ بھی بآسانی یہاں سے بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے۔ اور رات کو اُن نقوش میں ایسی چمک پیدا ہو جاتی جیسی آفتاب یا مہتاب میں ہے۔ کہ رات کو بھی قرآن مجید کی تلاوت ہو سکتی۔

یہ آخری صورت سب سے زیادہ عمدہ تھی۔ کہ وہاں تک انسان کا ہاتھ ہی نہ پہنچتا۔ تحریف کون کر سکتا یا فنا کون کر سکتا۔ مگر حق تعالےٰ نے ان جیسی تمام صورتوں کو جو تحت قدرت تھیں۔ ترک فرما کر وہ صورت اختیار فرمائی جو اس کے فاعل باختیار اور مالک باقتدار ہونے پر سب سے زیادہ روشن دلیل بن سکے۔ یعنی حق تعالیٰ نے قرآن مجید کو اسی عالم کون و فساد میں انہیں انسانوں کے ہاتھ میں رکھا۔ جہاں اور جن ہاتھوں میں کسی چیز کا تھوڑے دنوں میں بھی ایک حالت پر قائم رہنا گویا محالات سے ہے۔ جہاں ہر چیز کے لئے ہر وقت تغیر لازم ہے۔ اور اسی تغیر کو دیکھ کر بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ کو حدوث عالم کا سراغ ملا۔ جس سے منطق کی یہ شکل اول بدیہی الانتاج تیار ہوئی کہ العالم متغیر و کل متغیر حادث۔

اس عالم میں قرآن مجید کو رکھ کر کس جلال و جبروت کے ساتھ اعلان دیا کہ انا لہ لحافظون اور انہیں انسانوں کو اس کی حفاظت کا آلہ بنایا یہ ہے کمال قدرت کا عجیب در عجیب ظہور۔

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند
باز مے گوئید دامن تر مکن ہشیار باش

یہ دُنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں باستثنائے شاذ ونادر جو کام ہوتے ہیں وہ سبب ومسبب کے سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے لئے متعدد اسباب مہیا فرمائے۔ اور ہر ہر سبب کو اس قدر قوت تاثیر عطا فرمائی۔ کہ ایک ہی سبب ان میں سے مراد الٰہی کے پورا کرنے کے لئے کافی تھا۔ واللہ غالب علیٰ امرہ۔

قرآن مجید کی حفاظت کے لئے جو اسباب وجود میں آئے۔ ان کا مطالعہ بھی بجائے خود ایک بڑی چیز ہے۔ ان میں سے چند چیزوں کا تذکرہ سرسری طور پر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

(۱) ازاں جملہ یہ کہ صاحب القرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں مبعوث فرمایا۔ جب کہ کتابت اور آلات[1] کتابت کا رواج[2] عام تھا۔ اور آپ کو حکم دیا کہ آپ[3] کے اصحاب میں جو لوگ لکھنا نہ جانتے ہوں۔ ان کو اس فن کی تعلیم[4] دلائیے۔

---

[1] آلات کتابت سے مراد کاغذ، قلم، روشنائی۔ ۱۲

[2] رواج عام کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہوتا ہے۔ یہود یان مدینہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ توریت کو کاغذوں پر لکھا کرتے تھے قولہ تعالیٰ تجعلونہ قراطیس قرض کے معاملات کو لکھ لینے کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ قولہ تعالیٰ: ولیکتب بینکم کاتب بالعدل خود قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہوا کہ اساطیر الاولین اکتتبھا۔ اس قسم کے بہت سی آیات قرآن مجید میں ہیں۔ اور روایات تو حد شمار سے باہر ہیں ۱۲

[3] چونکہ انبیاء علیہم السلام جو کام کرتے ہیں بحکم خداوندی سے کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو حکم الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ ۱۲

[4] چنانچہ غزوہ بدر میں جب کفار قید ہو کر آئے تو جو لوگ ان میں لکھنا جانتے تھے ان کے لئے آپ نے فدیہ بھی مقرر کیا کہ آپ کے اصحاب کو کتابت سکھا دیں۔ ازواج مطہرات بھی کتابت جانتی تھیں۔

(۲) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ملک میں مبعوث فرمایا جہاں کے لوگ قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔ بڑے بڑے طولانی قصیدے ایک دفعہ سننے سے ان کو یاد ہو جاتے تھے۔ عرب کے شاخ در شاخ قبائل کے انساب کا یاد رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ مگر وہ ان کے لئے نہایت سہل تھا۔ اس طرح یاد رکھتے تھے کہ کیا ممکن کہیں غلطی ہو جائے۔ انسانوں کے انساب کا کیا ذکر۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب ان کے نوک زبان پر رہتے تھے۔

(۳) اور ازاں جملہ یہ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ قرآن مجید کی کتابت کا خاص اہتمام کریں۔ کتابت[۱] وحی کا ایک خاص امتیازی عہدہ قائم کیا جائے۔ نازل ہونے کے بعد لکھوانے میں ذرا بھی[۲] دیر نہ فرمائیں اور لکھے ہوئے اجزاء کو روزانہ صبح و شام دونوں وقت خود[۳] سننے کا معمول قرار دیں۔ اور لکھنے کے لئے اپنے اصحاب میں ایسے لوگوں کو متعین کریں۔ جو بہت زیادہ محتاط اور متدین اور باعزت ہوں۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ

---

[۱] چنانچہ کتابت وحی کا عہدہ ایک ایسا ممتاز عہدہ تھا۔ کہ محدثین اس کو بڑے اہتمام سے فضائل صحابہ میں ذکر کرتے ہیں۔

[۲] چنانچہ مسند احمد اور ابوداؤد ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں روایت ہے کہ فکان اذا نزل علیہ الشئی یدعو ا بعض من یکتب عندہ فیقول ضعوا ھذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ کہ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی۔ تو آپ جو کاتب وحی اس وقت موجود ہوتا۔ اس سے فرماتے کہ اس کو فلاں سورت میں لکھ دو۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسوقت اگر کاغذ موجود نہ ہوا تو کاغذ کے منگانے کا انتظار بھی نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ شانے کی ہڈی یا پتھر یا جو کوئی چیز بھی اس وقت میسر ہوئی۔ اس پر فوراً لکھ لیا جاتا تھا ۱۲ (بقیہ حاشیہ ص ۶۶۵)

متعدد اشخاص[1] اس کام پر مقرر کیئے جائیں ۔ تاکہ کوئی نہ کوئی ہر وقت آپ کے پاس موجود رہے ۔ اور نازل شدہ آیت یا سورت کے لکھنے میں کسی لکھنے والے کا انتظار نہ کرنا پڑے ۔ اور اپنے اصحاب کو منع کر دیں ۔ کہ سوا قرآن مجید کے اور کوئی چیز از قسم احادیث وغیرہ نہ لکھیں[2] ۔ تاکہ آئندہ نسلوں کو اگر کوئی نوشتہ اس وقت کا دستیاب ہو جائے ۔ تو کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو ۔

(بقیہ حاشیہ) یہ بات قرآن مجید ہی سے ثابت ہے ۔ قولہ تعالےٰ (کتبتھا فھی تملی علیہ بکرۃ و اصیلا) یعنی کفار کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلوں کے قصے لکھوا لیئے ہیں اور وہ ان کو صبح و شام سنائے جاتے ہیں ۱۲ ۔ [2] مطلق کتابت میں خواہ وہ وحی ہو یا نہ ہو بلکہ خطوط وغیرہ ہوں ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت دیانت دار اور امانتدار شخص سے کام لیتے تھے ۔ چنانچہ احادیث میں ہے ۔ کہ کان لا یکتب الا امینا صادقا اور پھر کتابت وحی میں تو خاص اہتمام تھا ۔ قرآن مجید میں بھی کاتبان وحی کی امانت و دیانت کی خدا نے تعریف فرمائی ہے ۔ قولہ تعالیٰ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ ۔ یعنی یہ نصیحت ان صحیفوں میں ملے گی جو باعزت بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں ۔ اور ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں ۔ جو بزرگ اور نیکوکار ہیں ۱۲ ۔

[1] چنانچہ متعدد کاتبان وحی آپ کے تھے ۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں خلفائے اربعہ ۔ حضرت زبیر بن عوام ۔ حضرت خالد بن سعید اور حضرت ابان بن سعید اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت حنظلہ ابن ربیع اور حضرت زید بن ثابت ، حضرت معیقیب ، حضرت عبداللہ بن ارقم ، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اور ان کے علاوہ اور بھی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین ۱۲

[2] مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تکتبوا عنی الا القرآن یعنی مجھ سے سوا قرآن کے اور کچھ نہ لکھو ۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ جو آپ کی احادیث کو لکھ کر یاد کرتے تھے ۔ جیسے عبداللہ بن عمرو بن عاص وہ یاد کرنے کے بعد اس نوشتہ کو ضائع کر دیا کرتے تھے ۔

(۴) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ قرآن مجید کے تلاوت کی خود بھی کثرت کریں۔ اور۔ اور اپنے اصحاب کو بھی کثرت تلاوت کی ترغیب دیں۔ اور اعلان فرما دیں۔ کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب یہ ہے کہ ہر ہر حرف سے لفظ مراد نہیں ہے۔ الم ایک حرف نہیں ہے۔ بلکہ تین حرف ہیں۔

چنانچہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت تلاوت اور تلاوت کے وقت میں آپ کی محویت[1] تو عجیب چیز تھی ہی۔ آپ کے صحابہ کرام کی کثرت تلاوت اور قرآن مجید کے ساتھ ان کا شغف اور ان کی محویت کچھ کم ولولہ آموز نہ تھی۔

(۵) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قرآن مجید حفظ کرنے کی تاکید فرمائیں۔ اور حفظ کرنے کے ثوابات کا اعلان کریں۔ اور حفاظ قرآن کی عزت کریں۔ زندہ کی بھی اور مردہ کی بھی۔

(۶) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ نماز جو اجل معالم دین سے ہے۔ جس کی عظمت و رفعت اور جس کی تاکید اور اہمیت

---

[1] چنانچہ سفر و حضر میں جو مشغولیت آپ کو تلاوت قرآن میں ہوتی تھی۔ احادیث سے ظاہر ہے حتیٰ کہ سفر ہجرت جیسے خطرناک سفر میں بھی آپ اونٹ پر بیٹھے ہوئے تلاوت فرما رہے تھے اور اس قدر محویت کے ساتھ کہ سراقہ تعاقب کے لئے پہنچ گئے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کئی بار آپ سے عرض کیا کہ کفار آ گئے۔ مگر آپ کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ آخر میں جب حضرت صدیق نے کہا کہ بالکل قریب آ گئے۔ اس وقت آپ متوجہ ہوئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مشغلہ تلاوت قرآن مجید کا اپنے مکان کے سامنے چبوترہ پر قبل ہجرت بڑا عظیم الشان واقعہ ہے جس پر کفار مکہ سخت مزاحم ہوئے۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کام کو ترک نہ کروں گا۔ مکہ کا رہنا چھوڑ دوں گا۔ چناں چہ وہ ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ سے ابن الدغنہ تاجر واپس لایا ۱۲۔

کے بیان میں سات سو آیتیں قرآن مجید کی نازل ہوئیں۔ اس نماز میں زبانی تلاوت قرآن مجید کی مسلمانوں کے لئے لازم اور ضروری قرار دیں اور تین وقت کی نماز میں امام کے لئے بلند آواز سے تلاوت قرآن مجید کا حکم دیں۔ اور خود اکثر اوقات نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھا کریں۔

۷۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی تعلیم میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے اہتمامات کا حکم دیا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر شغف کے ساتھ ان اہتماموں کو پورا کیا۔ جس کا کوئی نمونہ دنیا میں نہیں مل سکتا۔

۸۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی عبارت میں سلاست اور دل بستگی رکھی۔ کہ بے معنی سمجھے ہوئے بھی اس کا حفظ کرنا دشوار نہ رہا۔ چہ جائیکہ معنی سمجھنے والوں کو۔

۹۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی آیات میں عجیب عجیب تاثیرات رکھیں۔ ایک طرف اس کی روحانی تاثیرات کا یہ عالم کہ ملک عرب جیسے وحشی اور ناتعلیم یافتہ خطہ میں اس نے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور نہ صرف ملک عرب۔ بلکہ ساری دُنیا کو ہلا دیا۔

جو لوگ بکریوں اور اونٹوں کے چرانے کا سلیقہ نہ رکھتے تھے۔ ان میں جہاں بانی اور فرماں روائی کی ایسی اعلیٰ قابلیت اور اس قدر جلد پیدا کر دی جس کی مثال پیش کرنے سے دُنیا کی تاریخ ماضی وحال عاجز ہے۔ جو لوگ اپنی اولاد پر مہربانی کرنا نہ جانتے تھے۔ اور اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کے خوگر ہو رہے تھے۔ ان میں مربی عالم بننے کی وہ بہترین صلاحیت پیدا کر دی۔ کہ جب اس کا وقت آیا۔ تو انہوں نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ایسی ایسی مربیانہ مہربانیاں کیں۔ کہ آج تک نصارٰی کی تاریخیں اس اعتراف سے پُر ہیں۔ جو لوگ امی تھے۔ کسی علم وہنر کی ہوا بھی ان کو نہ لگی تھی۔ چند ہی روز میں ان کے سینوں سے

علم وحکمت کے دریا بہنے لگے۔ کہ ساری دنیا کے کتب خانے ان کے علوم ومعارف کے سامنے بیکار ہو گئے۔ اور عبادت ومعرفت الٰہی میں ان کو جس ذروۂ کمال پر پہنچایا۔ اس کا تو ذکر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ دنیا والوں کے وہم وخیال کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

حیف باشد شرح او اندر جہاں
ہمچو راز عشق باید در نہاں

دوسری طرف اس کی جسمانی تاثیرات کا یہ عالم کہ بیماری تو بیماری سانپ کے کاٹے ہوئے پر پڑھ کر دم کیا گیا۔ اور موت کے پنجہ سے رہائی مل گئی پھر لطف یہ کہ قرآن مجید کی ان تمام فوق الفطرت تاثیرات کا اعلان بھی پہلے ہی سے قرآن مجید میں کر دیا گیا۔

۱۰۔ اور از آں جملہ یہ کہ قرآن مجید کو سید الانبیاء کی نبوت کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیا گیا اور طرح طرح کے اعجاز اس میں رکھے گئے۔ کہ ان میں سے ہر ہر اعجاز ساری دنیا کو کیا موافق کیا مخالف اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ مثلاً اس کی فصاحت وبلاغت جس کا شغف عرب کے بچہ بچہ کو تھا۔ اور مثلاً اس کی اخبار غیب وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۔ اور از آں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب ایسے عطا فرمائے۔ جو اطاعت اور فرماں برداری اور جاں نثاری اور دینداری میں بے نمونہ اور بے مثال تھے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ چشم فلک نے کبھی ایسی صورتیں نہیں دیکھیں۔ ایسے لائق شاگردوں نے کیا کیا تدبیریں قرآن مجید کی حفاظت اور اشاعت کے لئے کیں۔ ان کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔

۱۲۔ اور از آں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ایک مستقل زبردست بادشاہت کا مالک بنایا۔ کہ ان کو اپنی ہر خواہش کے پورا کرنے

کے لیئے بہتر سے بہتر سامان میسر ہو گئے۔

۱۴۔ اور یہ ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کا ایسا عشق اور اس کی ایسی محبت عامۂ تمام اُمت اسلامیہ کے دل میں قیام قیامت تک کے لئے پیدا کر دی کہ کسی نبی کی اُمت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

یہ چند باتیں جو بر سبیل ارتجال بطور مثال کے بیان کی گئیں۔ ان باتوں پر غور کرو۔ تو تم کو یقین ہو جائے گا۔ کہ یہ سب باتیں جس کتاب کے لئے جمع ہو جائیں۔ وہ کتاب کبھی دنیا سے مٹ نہیں سکتی۔ نہ اس میں کسی کی تحریف چل سکتی ہے۔ اور یہ باتیں ایسی ہیں۔ کہ دُنیا میں آج تک کسی کتاب کے لئے ان میں سے دو چار بھی نہیں پائی گئیں۔ خصوصاً ان میں سے آخری بات پہ ایک غائر نظر ڈالو۔ تو تم کو قدرت کا ایک عجیب راز آنکھوں سے دکھائی دے گا۔

کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے۔ کہ اہل سُنت میں آج بھی حافظ قرآن کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔ تمام دنیا نہیں اور تمام ہندوستان نہیں۔ صرف لکھنؤ میں حفاظ قرآن کس قدر ہیں۔ کوئی بتا سکتا ہے۔ یا شمار کر سکتا ہے۔

اگر آج ابلیس اور اس کی تمام ذریات جن و انس مل کر کوئی ایسا تدبیر کریں۔ کہ دنیا سے قرآن مجید کے تمام نسخوں کو معدوم کر دیں۔ تو بھی قرآن فنا نہیں ہو سکتا۔ ایک ہی دن میں ہزاروں نسخے قرآن کے حفاظ کے سینوں سے نکل کر پھر موجود ہو جائیں گے۔ کیا یہ شان دُنیا میں کسی اور کتاب کی کبھی ہوئی۔

آخر اہل سُنت کو اس قدر شوق اور شغف حفظ قرآن کا کیوں ہے اور ان میں اس قدر کثرت حفاظ کی کیوں ہے؟

اگر کہو کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اہل سُنت کا یہ مسلم الکل مسئلہ ہے۔ کہ قرآن مجید کا حفظ کرنا اُمت پر فرض کفایہ ہے۔ اور حفظ قرآن کا ثواب ان کے مذہب میں بے حد و بے نہایت ہے۔ نیز ان کے یہاں متفقہ مسئلہ یہ بھی ہے۔

کہ اس قدر کثرت حفاظ قرآن کی ہر زمانہ میں رہنا ضروری ہے ۔ کہ تواتر قرآن کا سلسلہ نہ ٹوٹے ۔ اور کسی دشمن کو تحریف کا موقع نہ مل سکے ۔ اگر خدانخواستہ کسی زمانہ میں اس قدر کثرت حفاظ قرآن کی نہ رہے ۔ تو اس زمانہ کے تمام مسلمان کیا مشرق کے رہنے والے اور کیا مغرب کے سب کے سب گنہ گار ہو جائیں گے ۔ اور گنہ گار مریں گے یہ مسئلہ نہایت عمدہ طریقہ سے اتقان کے چونتیسویں نوع میں بیان کیا گیا ہے ۔

تو اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ ہاں یہ مسئلہ تو بے شک ہمارے یہاں مسلم الکل ہے ۔ مگر یہ مسئلہ ہرگز ہرگز کثرت حفاظ کا سبب نہیں کہا جا سکتا ۔ اول تو آج مسلمان جس لیستی میں ہیں ۔ اور جیسی غفلت اور بے پرواہی دین اور مسائل دین کی طرف سے ان پر طاری ہے ۔ وہ اظہر من الشمس ہے ۔ آج دنیا کے افکار و مصائب نے ان پر ایسا ہجوم کیا ہے ۔ کہ وہ اپنے دین کو بالکل بھولے ہوئے ہیں ۔ بڑے بڑے اہم فرائض اسلام سے بے خبر ہیں ۔ اس کی پابندی ان میں نہیں رہی ۔ الا ماشاء اللہ ۔ ایسی حالت میں حفظ قرآن جیسے با مشقت مسئلہ کی پابندی کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے ۔

دوسرے یہ کہ اس مسئلہ کی اکثر عوام بلکہ بعض خواص کو بھی خبر نہیں مگر جو اس مسئلہ کو نہیں جانتے ۔ وہ بھی حفظ قرآن میں اسی طرح سرگرم نظر آتے ہیں ۔ جس طرح اس مسئلہ کو جاننے والے یقیناً اس کا سبب سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا ۔ کہ خداوند ذوالجلال والاکرام نے قرآن مجید کی بے اندازہ محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دی ہے ۔ جو ہماری تمام فطریات پر غالب آ کر ہمیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے ۔ کہ ہم اس محبوب کو اپنے سینوں میں رکھیں ۔ اپنی آنکھوں سے لگائیں ۔ اس کا ورد رکھیں ۔ اور اس کی تلاوت اور ہر ممکن خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد وحید سمجھیں ۔

من نہ باختیار خود میروم از قفائے او　　آں دو کمند عنبریں مے بردم کشاں کشاں

یہی ہے اندازہ محبت ہے۔جس کے پردہ میں روز قضا اپنا کام کر رہا ہے۔
اور خدا کا سچا وعدہ انا لہ لحافظون پورا ہو رہا ہے۔

ہر ماں یہ کہاں جانتی ہے۔کہ بچہ کی پرورش اور اس کی حفاظت شرعاً میرے اوپر فرض ہے۔مگر پھر بھی دیکھو کس سرگرمی سے اپنے بچہ کی پرورش میں مصروف رہتی ہے۔اس کے پیچھے اپنی ہستی فراموش کر دیتی ہے۔اس کا سبب کیا ہے؟ وہی فطری محبت جو کارپردازان قضا وقدر نے اس کے دل میں رکھی ہے! انسان تو انسان جانوروں میں بھی اس محبت کے عجیب عجیب کرشمے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔

خدا کی قدرت تو دیکھو۔ایک زمانہ وہ تھا۔کہ مسلمانوں کی سلطنت تھی۔اور سلطنت بھی معمولی نہیں۔بلکہ بڑے جاہ وجلال کی۔اور سلطنت کی طرف سے حفاظ قرآن کی بڑی عزت ومنزلت ہوتی تھی۔ان کو بڑے بڑے وظائف ملتے تھے۔کوئی کہہ سکتا تھا۔کہ اس عزت ومنزلت اور ان وظائف کی بدولت حفاظ قرآن کی یہ کثرت ہے۔لیکن چند روز کے بعد وہ سلطنت بھی گئی۔اور حفاظ قرآن کی وہ عزت ومنزلت بھی دُنیا سے رخصت ہو گئی۔اور وظائف کا تو ذکر ہی کیا۔حفظ قرآن کا مشغلہ معاش میں مخل نظر آنے لگا۔کم از کم پانچ سال میں قرآن مجید حفظ ہوتا ہے آتنی مدت کسی صنعت وحرفت کے سیکھنے میں یا کسی فن کے حاصل کرنے میں صرف کی جائے تو اچھا خاصہ ذریعہ کسب معاش کا ہو جائے۔

مگر بایں ہمہ کیا اس قدر وعزت کے زمانہ سے آج حفاظِ قرآن کی کثرت میں کچھ کمی ہے۔ہرگز نہیں۔اور ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس کثرت کا سبب سوا اس کے کچھ نہیں۔کہ خدا کا سچا وعدہ ہم کو اپنا آلہ وجارحہ بنا کر ہمارے پردے میں اپنا کرشمہ دکھا رہا ہے۔۔

اور بجز نائی وما جز نے نایم

جب یہ حالت قرآن مجید کے عشق و محبت کی آج اس گئے گزرے وقت میں ہے۔ تو قرن صحابہ میں قرن تابعین میں زمانہ سلف میں کیا کیفیت رہی ہو گی۔ اور قرآن مجید کا عشق ان سے کیا کچھ کراتا ہوگا۔ ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

علامہ سیوطی نے اتقان میں اور دوسرے علماء نے تاریخ و سیر و حدیث کی کتابوں میں عجیب عجیب واقعات صحابہ و تابعین کے شغف بالقرآن کے لکھے ہیں۔ جن کو پڑھ کر اندھے کی بھی آنکھیں ہو جاتی ہیں؛

فسبحان من یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید۔
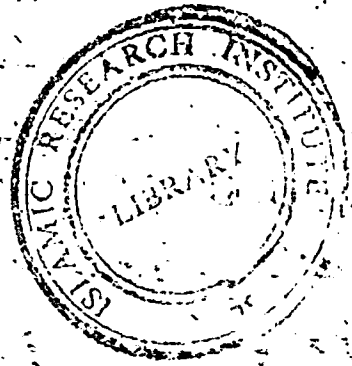
تفسیر

آیۂ تطہیر

جس میں

روز روشن کی طرح دکھا دیا گیا ہے کہ اہل بیت زبان
عرب میں زوجہ کو کہتے ہیں اور آیۂ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے ازواج
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد الٰہی ہیں۔ ان کے سوا نہ کوئی مراد ہے نہ ہو سکتا ہے۔

پہلی آیت کی تفسیر جب میں لکھ چکا۔ تو اتفاقاً بعض اہل علم[1] یہاں تشریف لائے۔ اور اس تقریر کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے۔ اور ساتھ ہی مجھ سے یہ اصرار کیا کہ آیت تطہیر کے متعلق بھی تجھے کچھ لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرات مخالفین کے زعم میں وہ آیت بھی عصمت پر دلیل صریح ہے۔ اور موقع بے موقع اکثر ناواقف سنیوں کے سامنے اس آیت کو پڑھ کر اپنے مکائد کی بہار دکھایا کرتے ہیں۔ لہٰذا خدا کا نام لے کر اس آیت کی تقریر بھی لکھتا ہوں ایک مصلحت اس میں یہ بھی ہے۔ کہ اس آیت کی تقریر صاحب قوت قدسیہ مصنف تحفہ اثنا عشریہ اعلی اللہ مقامہ نے بھی لکھی ہے۔ اور لوارق میں مخالفین کے سلطان العلمار مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے اس کے رد میں اپنا پورا زور دکھایا۔ اور اپنے اسلاف کی تمام کمائی خرچ کر دی ہے پس اس ذریعہ سے مجھے جوابات تحفہ کے ایک اور نمونہ پیش کرنے کا موقع مل جائے گا۔

وہ آیت یہ ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (ترجمہ) لئے اہل بیت (نبی) اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ کہ تم سے رجس (یعنی ناپاکی) کو دور کرے۔ اور تم کو پاک کرے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ سب سے پہلے اس آیت کا جو صحیح مطلب ہے۔ سمجھ لینا چاہیئے۔

واضح ہو کہ عبارت مذکور پوری آیت نہیں ہے۔ بلکہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ جو نصف سے بھی کم ہے۔ یہ ایک مسلسل مضمون ہے۔ جس کا سلسلہ کئی آیت پہلے سے شروع ہوا ہے۔ اور ایک آیت کے بعد ختم ہوا ہے پس جب تک آگے پیچھے کی سب آیتیں نہ دیکھی جائیں۔ صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا وہ تمام آیتیں اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

یایھا النبی قل لازواجک۔ اے نبی اپنی بیبیوں سے کہہ دو

---

[1] مراد جناب مولوی حافظ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ساکن ایرایاں ضلع فتحپور دامت برکاتہم و دیگر حضرات ہیں ۱۲ منہ

إن كنتن تردن الحيوة الدنيا
وزينتها فتعالين أمتعكن
وأسرحكن سراحا جميلا ٥
وإن كنتن تردن الله
ورسوله والدار الآخرة
فإن الله أعد للمحسنت
منكن أجرا عظيما ٥
ينساء النبي من يأت
منكن بفاحشة مبينة
يضعف لها العذاب
ضعفين وكان ذلك
على الله يسيرا ٥ ومن
يقنت منكن لله ورسوله
وتعمل صالحا نؤتها
أجرها مرتين وأعتدنا
لها رزقا كريما ٥ ينساء
النبي لستن كأحد من
النساء إن اتقيتن فلا
تخضعن بالقول فيطمع
الذي في قلبه مرض

کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس
کی آرائش چاہتی ہو۔ تو آؤ میں
تمہیں کچھ مال دے دوں اور
اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور
اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو
اور دار آخرت (کے عیش و عشرت)
کو چاہتی ہو تو (جان لو کہ) بیشک
اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے
لئے (آخرت میں) بڑا (اچھا)
بدلہ تیار کر رکھا ہے۔
اے نبی کی بیبیو! جو کوئی تم میں
سے صریح[1] بدکاری کا ارتکاب
کرے گی۔ تو اس کے لئے دونا
عذاب آخرت میں بڑھایا جائے گا۔
اور یہ بات اللہ پر آسان ہے۔
(مگر اس کے ساتھ ایک بات)
اور بھی ہے کہ) جو کوئی تم میں سے
اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت
کرے گی اور نیک کام کرتی رہے
گی ہم اس کو اس کا ثواب (بھی)

---

[1] صریح کی قید کا یہ فائدہ ہے۔ کہ بعض برے کام ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی برائی صریح نہیں ہوتی ان کے ارتکاب پر یہ سزا نہ ہوگی۔ برائی کے صریح نہ ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ قرآن و حدیث میں اس کی برائی مذکور نہ ہو۔ ظاہر عقل سے اس کی برائی معلوم ہو سکے ۱۲ ش

وقلن قولا معروفا ؕ و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی واقمن الصلوۃ و اتین الزکوۃ و اطعن اللہ ورسولہ ط انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا و اذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ہ

دونا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے باعزت روزی تیار کر رکھی ہے ۔ اے نبی کی بیبیو! تم (خدا کے نزدیک رتبہ میں دنیا کی) اور کسی عورت کے برابر نہیں ہو بشرطیکہ پرہیزگاری کرو ۔ لہذا تم کو چاہیئے کہ (کسی مرد سے) گفتگو میں نرمی نہ کرو ۔ ورنہ جس شخص کے دل میں (فسق) کا مرض ہے ۔ وہ کچھ (اور ہی) طمع کریگا اور معقول بات کہہ دیا کرو اور اپنے گھروں میں قرار پذیر رہو ۔ اگلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت دکھاتی نہ پھرو اور نماز کو قائم رکھو اور زکواۃ دیتی رہو اور اللہ کی اور اسکے رسول کی فرمانبردار رہو ۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے ۔ کہ اے اہل بیت (نبی) تم سے نجاست کو دور کردے اور تم کو خوب پاک کردے اور اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کیا کرو بیشک اللہ پاکیزہ باخبر ہے ۔[1]

ازواج مطہرات نے جب دیکھا ۔ کہ عسرت اور تنگ دستی کا زمانہ گزر گیا مسلمانوں

---

[1] علامہ زمخشری جو لغت عرب کے مسلم الکل امام ہیں ۔ اپنی تفسیر کشاف میں آیہ تطہیر کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔ مال غنیمت آتا ہے۔ اور لوگوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ سب لوگ آسودہ حال ہو رہے ہیں۔ مگر ہم لوگوں کی اب بھی وہی حالت ہے۔ وہی

(بقیہ حاشیہ ص٦٧٦)

امرهن امرا خاصا بالصلوة والزكوة ثم جاء به عاما في جميع الطاعات لان هتين الطاعتين البدنية والمالية هي اصل سائر الطاعات من اعتنى بهما حق اعتنائه جرستاه الى ما وراءهما ثم بين انه انما نهاهن وامرهن ووعظهن لئلا يتعارف اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم المآثم وليتصونوا عنها بالتقوى واستعار للذنوب الرجس وللتقوى الطهر لان عرض المقترف للمقبحات يتلوث بها ويتدنس كما يتلوث بدنه بالارجاس واما المحسنات فالعرض معها نقي مصون

اللہ نے پہلے ازواج النبی کو پہلے خاص نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ پھر ایک عام حکم جمیع عبادات کے متعلق دیا۔ کیونکہ یہ دونوں عبادتیں بدنی اور مالی اصل تمام عبادات کی ہیں۔ جو شخص ان دونوں عبادتوں کی طرف کامل توجہ کرے تو یہی دونوں عبادتیں اس کو دوسری عبادات تک پہنچا دیں گے۔ پھر خدا نے بیان فرمایا۔ کہ اس نے انہیں امر و وعظ اس لئے کیا تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت گناہوں کا ارتکاب نہ کریں اور بذریعہ تقویٰ کے گناہوں سے بچیں۔ اور خدا نے گناہ کو استعارۃ ناپاکی سے تعبیر کیا۔ اور تقویٰ کو طہارت سے۔ اس لئے کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کی آبرو ملوث اور مکدر ہو جاتی ہے۔ جس طرح بدن نجاست

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ)

کالثواب الطاهر وفی هذه الاستعارة ما ینفر اولوا الالباب عما کرههم الله لعبادة ونهاهم عنه ویرغبهم فیما رضی لهم وامرهم به واهل البیت نصب علی النداء وعلی المدح وفی هذا دلیل بین علی ان نساء النبی صلے الله علیه وسلم من اهل بیته ثم ذکرهن ان بیوتهن مهابط الوحی وامرهن ان لا ینسین ما یتلی فیها من الکتاب الجامع بین امرین هو آیات بینات تدل علی صدق النبوة لانه معجزة بنظمه وهو حکمة وعلوم وشرائع ان الله کان لطیفاً

سے متلوث ہو جاتا ہے۔ اور نیکوکار عورتوں کی آبرو ایسی محفوظ رہتی ہے۔ جیسے پاک کپڑا۔ اور یہ استعارہ عقل والوں کو ان چیزوں سے نفرت دلانے کے لئے ہے۔ جو چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے ناپسند کی ہیں۔ اور ان سے منع کیا ہے۔ اور لفظ اہل بیت کو نصب یا ندا کی وجہ سے یا مدح کے سبب سے اور یہ آیت روشن دلیل اس بات کی ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں آپ کی اہل بیت سے ہیں۔ پھر خدا نے ازواج مطہرات کو یہ بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول وحی کے مقام ہیں اور ان کو حکم دیا کہ جو کتاب مقدس کہ فلاح دارین کی جامع ہے۔ اور ان کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے اس کو فراموش نہ کریں۔ اس کتاب میں واضح دلائل صدق نبوت کے ہیں۔ وہ

کئی کئی دن کے فاقے اور فاقوں کے بعد وہی جَو کی روٹی ۔ تو انہوں نے بہ نیت عرض حال حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی حالت بیان کی ۔ اور اپنے نان و نفقہ میں زیادتی کی درخواست کی ۔ حضرت سید المرسل کی مقدس ازواج کا دُنیا کی طرف اتنا التفات بھی حق سبحانہٗ کو خوش نہ آیا ۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ ان آیتوں میں حضرت کو حکم ہُوا کہ اپنی بیبیوں سے پوچھو کہ وہ دنیا چاہتی ہیں ۔ یا اللہ و رسول کی اور

(بقیہ حاشیہ)

خبیراحین علم ماینفعکم	اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی
ویصلحکم فی دینکم	معجزہ ہے ۔ اس میں حکمت ہے ۔
فانزلہ علیکم اوعلم	علوم ہیں ۔ شرائع ہیں ۔ اللہ باخبر
من یصلح للنبوۃ ومن	ہے ۔ خوب جانتا ہے ۔ کہ تمہارے
یصلح لان یکونوا اھل	حق میں کون چیزیں دین میں نافع
بیتہ اوحیث جعل الکلام	ہیں ۔ لہذا وہی چیزیں نازل کرتا ہے ۔
الواحد جامعا بین	وہ خوب جانتا ہے ۔ کہ کون شخص
الغرضین ۔	نبوت کے لائق ہے ۔ اور کون لوگ
	اس کے اہل بیت بننے کے لائق ہیں ۱۲ منہ

ملہ یہ حاصل مطلب آیت کا ہے ۔ مگر الفاظ آیت کے بہت زیادہ سنے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ۔ اور نہایت غور و تامل چاہتے ہیں ۔ خاص کر دو باتیں ۔ اول یہ کہ فرمایا کنتن تردن معلوم ہُوا کہ خداوند عالم الغیب جل شانہٗ نے ازواج مطہرات کی حالت واقعی پر بنیاد حکم کی رکھی ہے ۔ نہ ان کے زبانی قول پر ۔ یعنی فی الواقع اگر ان کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت اور دار آخرت کی طلب نہ ہو ۔ بلکہ دنیا کی خواہش ہو ۔ تو نبی کو حکم ہے کہ ان کو طلاق دے دیں ۔ اگر ان کے زبانی قول پہ بنیاد حکم کی ہوتی ۔ تو عبارت یوں ہوتی کہ ان قلتن نحن نرید پس نتیجہ یہ نکلا کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کا (باقی حاشیہ صفحہ ۶۸۰)

آخرت کی طلب گار ہیں۔ اگر وہ دنیا کی طرف رُخ کریں۔ تو انہیں طلاق دے دو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷۹) ان کو طلاق نہ دینا خدا کے طرف سے گواہی اس بات کی ہے۔ کہ ان ازواج مقدسات کے قلوب لوث دنیا سے بالکل پاک ہیں۔ چہ جائیکہ اس آیت کے بعد ان کو طلاق دینے کی ممانعت بھی قرآن مجید میں ہے۔ دوم: یہ کہ فرمایا الحیوۃ الدنیا و زینتھا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو صرف دنیا کے عیش و آرام کی خواہش سے نہیں روکا گیا۔ بلکہ دنیا میں جینے اور زندہ رہنے کی خواہش کا بھی ان کے قلب میں آنا خدا کو ناپسند ہے انصاف سے بتلاؤ کہ نبیؐ کی بیبیاں کس قدر سخت اور شدید کامل، مکمل زہد و ترک دنیا کے ساتھ مکلف کی گئیں۔ اور پھر خدا کی طرف سے یہ شہادت بھی دی جا چکی۔ کہ یہ اعلیٰ و اکمل زہد ان میں موجود تھا۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی اور عورت کیسی ہی زاہدہ و عابدہ ہو۔ ان کی ہم رتبہ کہی جا سکتی ہے۔ حاشا و کلا ہرگز نہیں اس آیت کی تعلیم پر منکرانِ اسلام غور کریں۔ تو ان کو ایک روشن دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی معلوم ہو گی۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی کامل العقل، راسخ الحکمۃ انسان آیندہ کے عظیم الشان منافع اور مدارج کا کسی مضبوط اور قطعی بنیاد پر یقین کئے بغیر نہ صرف اپنے کو نقد وقت عیش و آرام سے محروم کر دے۔ بلکہ اپنے متعلقین کو بھی سختی کے ساتھ یہ تعلیم دے۔ کہ نہ فقط عیش و آرام کو ترک کرو۔ بلکہ دنیا میں جینے کی خواہش بھی دل میں نہ لاؤ۔ نیز یہ آیت ہوا پرستوں کے اس اعتراض کا بھی جواب دے رہی ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت ازدواج کا سبب کوئی نفسانی امر تھا۔ معاذ اللہ منہ۔ اولاً تو یہ اعتراض یوں بھی قابل سماعت نہ تھا کیونکہ ترپن برس کی عمر کے بعد یہ کثرت ازدواج عمل میں آئی۔ جوانی کی تمام عمر کچھ تو بے نکاح اور کچھ ایک بوڑھی خاتون حضرت خدیجہؓ کی زوجیت میں بسر ہوئی بھلا کوئی نفسانی امر ہوتا۔ تو اس کا وقت سن شباب تھا۔ نہ کہ سن شیخوخت۔ ثانیاً یہ آیت بتلا رہی ہے۔ کہ آپ اپنی ازواج کو زیب و زینت آرام و راحت میں دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ بڑی سختی کے ساتھ ان کو زہد کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور کچھ مال دے کر رخصت کردو اور اگر اللہ و رسول کی طالب ہوں۔ تو ان سے کہہ دو کہ دنیاوی عیش و عشرت سے ہاتھ دھولیں۔ ہاں آخرت میں ان کے لئے بڑی تیاریاں کی گئی ہیں۔ ان آیتوں کے نازل ہوتے ہی حضرت رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مقدس ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ابتداء حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے کی۔ فرمایا کہ اے عائشہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا۔ بلکہ اپنے والد ابوبکر صدیقؓ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ بعد اس کے یہ آیتیں آپ نے انہیں سنا دیں۔ حضرت صدیقہ نے سنتے ہی بے تامل کہا۔ اس میں مشورہ کی کیا بات ہے۔ ہم تو آپ ہی کے طالب ہیں۔ دنیاوی تکالیف کی شکایت اگر ناگوار خاطر ہے۔ تو اب کبھی کچھ نہ کہیں گے۔ حضرت عائشہؓ کے بعد آپ نے اور سب سے یہی گفتگو کی۔ سب نے یک زبان ہو کر ایسا ہی جواب باصواب دیا۔ سب کی زبان حال پر اس شعر کا مضمون جاری تھا۔

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہرچہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

فی الحقیقت حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی سے بڑھ کر اور کون دولت ہو سکتی ہے۔ اس دولت کا حصول ازواج مطہرات کے لئے حق سبحانہ نے تو صرف ترک دنیا پر معلق فرمایا۔ اگر دنیا و آخرت دونوں کے ترک پر اس کے حصول کا وعدہ ہو جائے۔ تو ازواج مطہرات کا رتبہ تو بہت عالی ہے۔ اس زمانہ میں بھی شاید ایسے مسلمان بہت ہونگے جو اس وعدہ کو سنتے ہی بے ساختہ نہایت ذوق و شوق میں بار بار اس شعر کا مضمون عرض کریں ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸۰) تعلیم دیتے تھے۔ نفسانی لوگ ہمیشہ عورت کی رضامندی کے تابع۔ اس کی فرمائشوں کے غلام رہتے ہیں۔ ؎ بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ المختصر یہ آیت بڑے بڑے مطالب دینیہ پر حاوی ہے ۱۲

ازواج مطہرات کا یہ جواب سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔
حضرت کی خوشنودی کا صلہ بارگاہ رب العزت سے یہ ملا کہ ان مقدس ازواج کو
طلاق دینے کی قطعی ممانعت نازل ہوگئی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سردار دو عالم کی
زوجیت میں رہنے کی بشارت سے ان کے قلوب مطمئن کر دیئے گئے۔ اس وقت نو بلند
اقبال خواتین آپ کی زوجیت کا شرف رکھتی تھیں۔ جن کے نام نامی یہ ہیں۔ عائشہ
صدیقہ رضی، حفصہ رضی، ام حبیبہ رضی، سودہ رضی، ام سلمہ، صفیہ رضی، میمونہ رضی، زینب رضی، جویریہ رضی۔ ان آیتوں
میں پہلے تو ازواج نبی کی آزمائش کی گئی۔ اس کے بعد انہیں یہ بتا دیا گیا۔ کہ اگر
وہ برا کام کریں گی۔ تو انہیں دونا عذاب ہوگا۔ اور نیک کام کریں گی تو انہیں ثواب
بھی دونا ملے گا۔ اس کے بعد انہیں یہ بشارت دی گئی۔ کہ اگر وہ پرہیزگاری کرینگی
تو آخرت میں ان کے مرتبہ کو کوئی دوسری عورت نہ پہنچ سکے گی۔ پرہیزگاری کیا چیز
ہے۔ کس قسم کے اعمال سے آدمی پرہیزگار بنتا ہے۔ اس کے لئے انہیں چھ باتوں
کا حکم ہوا۔ کہ ان پر عمل کرنے سے پرہیزگاری کا مرتبہ حاصل ہوگا ان چھ باتوں کا
ترجمہ آیات میں ہم نے ہندسے بنا دیئے ہیں۔

اب ان سب آیات پر ایک غائر نظر ڈالو۔ خود بخود معلوم ہو جائے گا۔
کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں۔ اور یہ کہ اس جملہ سے مقصود حضرت متکلم
جل شانہ کا کیا ہے۔

ایک سمجھ دار بچہ بھی ان آیات کے سلسلہ مضامین کو دیکھ کر کہہ دے گا۔
کہ اہل بیت سے ازواج نبی مراد ہیں۔ کیوں کہ آگے پیچھے برابر انہیں سے خطاب
ہو رہا ہے۔ اب درمیان میں ایک پوری آیت بھی نہیں۔ بلکہ آیت کے ایک
ٹکڑے میں کسی دوسرے کا ذکر کیوں کر آسکتا ہے۔ باقی رہا اس جملہ کا مقصود
کیا ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ ناصح مشفق جب اپنے کسی محبوب کو نصیحت کرتا ہے۔
تو نصیحت کی تلخی کے ساتھ کچھ شیرینی بھی ملا دیتا ہے۔ تاکہ طبیعت متنفر نہ ہو۔
اور اس نصیحت کا اثر دل و دماغ پر اچھا پڑے روزمرہ یہ بات مشاہدہ میں

آتی رہتی ہے۔ کہ باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو جب نصیحت کرتا ہے۔ تو نصیحت سے
آگے یا پیچھے یا درمیان میں دو ایک جملہ اس قسم کے کہہ دیتا ہے۔ کہ میاں ہم تو یہ
چاہتے ہیں۔ کہ تم سنور جاؤ لوگ تمہیں اچھا کہیں۔ تمہاری نیک نامی کا شہرہ ہو۔
یہی عادت کلام الٰہی میں بھی جاری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کو بھی بعض بعض مقام
پر اس قسم کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے۔

پس اسی عادت کے موافق ازواج مطہرات کو نصیحت کرکے حق تعالےٰ نے
غایت محبت سے یہ فرمایا۔ کہ ہمارا مقصود ان نصائح سے یہ ہے۔ کہ تم سنور جاؤ۔
گناہوں سے پاک ہو جاؤ۔ ان نصائح پر عمل کرنے سے ہم تم کو گناہوں سے پاک
کر دیں گے۔ پس اس آیت کا مقصود صرف اسی قدر ہے۔

بلاشک اس آیت سے ازواج مطہرات کی بہت بڑی فضیلتیں ثابت

ؔ قرآن مجید کا ایک معجزہ یہ بھی ہے۔ کہ کوئی مضمون اس میں ایک ہی عبارت و عنوان
سے نہیں بیان ہوا۔ بلکہ ہر مضمون مختلف عبارات و عنوانات میں ایک سے زیادہ
مرتبہ بیان ہوا ہے۔ کتابا متشابہا مثانی چنانچہ یہ مضمون آیت تطہیر کا دوسرے
مقام پر یوں بیان ہوا ہے کہ الطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات و
الخبیثات للخبیثین و الخبیثون للخبیثات۔ **ترجمہ:** پاکیزہ عورتیں
پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے۔ معلوم ہوا کہ عام قانون قدرت
یہ ہے۔ کہ جب مرد پاکیزہ ہو تو اس کو عورت بھی پاکیزہ ملنی چاہیئے۔ عورت پاکیزہ ہو
تو اس کو مرد بھی پاک ملنا چاہیئے۔ لہٰذا نبی جو پاک اور پاکیزہ ہیں۔ ان کی
بیبیوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ آیت حضرت عائشہ کی برأت کے موقع
پر ہے بھی۔ اس عام قانون کے خلاف اگر کہیں شاذ و نادر طور پر ہو جاتا ہے۔
تو وہ ضرب المثل بنانے کے قابل ہوتا ہے۔ تمام جماعت انبیاء میں صرف دو
نبیوں کے لئے اس کے خلاف ہوا تو قرآن مجید میں اس کو ضرب المثل بنایا۔
(باقی حاشیہ صفحہ ۶۸۵ پر)

ہوتی ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ جن باتوں کا ذکر فرما کر خدا نے فرمایا ہے۔ کہ اگر ان باتوں پر عمل کرو تو تمہارے برابر کوئی دوسری عورت نہیں ہو سکتی۔ ان باتوں کے خلاف ان سے کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ دشمنوں نے بہت کوشش کی۔ مگر کوئی خفیف واقعہ بھی نہ بتا سکے۔ جن سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی پس معلوم ہوا کہ اور

بقیہ حاشیہ ۶۸۳ ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأة نوح وامرأة لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔ ترجمہ:۔ اللہ ایک مثل کافروں کی بیان فرماتا ہے۔ یعنی نوح کی عورت اور لوط کی عورت۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت میں تھیں۔ مگر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔ پھر وہ دونوں بندے ان کو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے۔ اور ان دونوں عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

لہ مخالفین صاحبان بہت کچھ ہاتھ پاؤں مار کر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کے مطاعن میں بیان کیا کرتے ہیں۔ کہ وہ حج کے لئے گئیں۔ لہذا جو حکم ہوا تھا۔ کہ اپنے گھروں میں قرار پذیر رہو۔ انہوں نے اس کے خلاف کیا اور نیز یہ حکم تھا کہ صریح بدکاری کا ارتکاب نہ کرنا۔ اور وہ امام برحق یعنی حضرت علی مرتضےٰ سے لڑیں جو صریح بدکاری ہے۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ گھروں میں قرار پذیر رہنے سے حج کی ممانعت نہیں ورنہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں کیوں ان کو حج کے لئے ساتھ لے جاتے۔ بلکہ اس میں ممانعت بے پردہ باہر نکلنے کی ہے۔ اور حضرت علی مرتضےٰ رضؓ سے لڑائی صریح بدکاری کی حد میں نہیں آسکتی کیونکہ وہ لڑائی بالکل دھوکا میں بے قصد واقع ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا۔ یہ واقعہ حضرت زبیرؓ کے حال میں اسد الغابہ میں ذکر ہو چکا ہے۔

کوئی عورت خواہ کتنے ہی بڑے رتبے کی ہو۔ ازواج نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔
دوسرے ان آیات سے معلوم ہوا۔ کہ حق تعالٰی ان لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے
کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور خدا کی مراد پوری نہ ہونا اہل اسلام کے اصول پر تو محال
ہے ان کے اصول پر چاہے ممکن ہو۔

سبائیہ انجمن کے چلتے پرزوں نے جب ان آیات بینات کو دیکھا جن سے
ان کے مذہب کا قرار واقعی استیصال ہو رہا ہے۔ جن بزرگوں کی عداوت پر
انہوں نے اپنا مذہب قائم کیا تھا ان کے ایسے اعلیٰ مناقب اس آیت میں بیان
ہوئے ہیں۔ کہ وہاں تک کسی کا دست امید بھی نہیں پہنچ سکتا یہ تو ناممکن تھا
کہ ام المومنین عائشہ رضہ اور حفصہ رضہ رضی اللہ عنہا کی عداوت سے دست بردار ہو جاتے
کیونکہ ان دونوں کے بلند رتبہ باپوں یعنی حضرت صدیق رضہ و فاروق رضہ نے گبریوں اور
مجوسیوں کا ستیاناس کر دیا تھا۔ ایران جیسی پرشوکت سلطنت انہیں کے پے بہ پے
حملوں سے زیر و زبر ہو گئی تھی۔ سبائیہ انجمن کے اراکین اپنے باپ دادا بھائی
بھتیجوں کو انہیں کی چمکتی ہوئی تلواروں سے واصل جہنم ہوتا ہوا دیکھ چکے تھے۔ پھر
بھلا یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ یہ کینہ دل سے نکل جاتا لہذا دیکھئے تو کس صفائی سے کیسا
عمدہ فقرہ تراشا چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ جھٹ پٹ چند واہی
تباہی مقدمات ترتیب دے کر فرمانے لگے کہ یہ آیت تو ہمارے ہی مذہب کی
تائید کرتی ہے اور سنیوں کے مذہب کا بطلان ظاہر کرتی ہے۔ اب بھی ہر فن
جرائم پیشہ ایسا کیا کرتے ہیں کہ خود ہی ارتکاب جرم کیا کسی کو مار بیٹھا اور خود ہی
مدعی بن کر عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ پس یہاں بھی پوری یہی حالت ہے۔
کہ یہ آیت بالاتفاق مفسرین فریقین حضرت علی مرتضیٰ و فاطمۃ الزہرا و حسنین رضی اللہ
عنہم کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ ان کے سوا
کوئی دوسرا اہل بیت کے لفظ سے مراد ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ اور ناپاکی کے دور
کرنے سے مراد یہ ہے کہ خدا نے انہیں تمام گناہوں سے معصوم کر دیا۔ پس آیت سے

ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ لفظ اہل بیت سے انہیں چار شخصوں کے مراد ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔ کہ خود سنیوں کی صحیح ترین احادیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰؓ و فاطمۃ الزہراؓ و حسنینؓ کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال کر فرمایا۔ اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرًا ترجمہ: یا اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس (یعنی) ناپاکی کو دور کر اور ان کو خوب پاک کر۔ حضرت ام سلمہؓ نے خواہش بھی کی کہ مجھے بھی اس کملی میں داخل کر لیجئے۔ مگر آں حضرت نے داخل نہ کیا۔ یہ حدیث سنیوں کی کتب جامع ترمذی میں موجود ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ پس اب کس سنی کی مجال ہے۔ کہ ان چار حضرات کے علاوہ کسی اور کو اہل بیت کے لفظ سے مراد لے سنی جو لفظ اہل بیت سے ازواج مراد لیتے ہیں۔ اور اس پر یہ قرینہ پیش کرتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے اور نیز اسی آیت کے شروع حصہ میں اور نیز اس آیت کے بعد ازواج کا ذکر ہے۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ یہ قرآن جمع کیا ہوا انہیں کے خلفاء کا ہے۔ اس کی ترتیب[1] ان پر کیوں کر حجت ہو سکتی ہے۔ سنیوں کے خلفاء نے قرآن جمع کرتے وقت کہیں کی آیتیں کہیں اور کہیں کی کہیں لکھ دیں۔ بھلا تحریف قرآن تو ایک ایسا مسئلہ ہے کہ چند شیعہ اس کے منکر بھی ہیں۔ گو ان کا انکار محض بے وجہ اور سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ مگر غلطی ترتیب کا تو کوئی شیعہ آج تک منکر نہیں ہوا۔ سوا شریف مرتضےٰ جیسے دو تین ہٹ دھرم لوگوں کے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ عنکم اور یطہرکم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں۔ صاف بتا رہی ہیں کہ اس آیت میں ازواج سے نہیں ورنہ ضمیریں مونث کی مستعمل ہوتیں۔ مگر افسوس ہے کہ سنی ان باتوں کو نہیں دیکھتے اور برابر یہی کہتے جاتے ہیں۔ کہ اہل بیت سے

[1] چنانچہ سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب اپنی کتاب میں متعلق بہ وطی فی الدبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸۷ پر)

ازواج نبی مراد ہیں ۔

اہل سنت کہتے ہیں

کہ اس آیت سے شیعوں کا استدلال عصمت ائمہ پر صریح تحریف ہے۔ اس استدلال میں جیسی قطع برید آیات ربانی کی ان حضرات نے کی ہے اس کو دیکھ کر باللہ العظیم دل کانپ جاتا ہے اور بے اختیار زبان سے وہ جملہ نکل جاتا ہے جو حضرت محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اعضائے ایشان را از ہم جدا سازد۔ چنانچہ ایشان آیات متسقۃ بعضہا ببعض را از ہم جدا ساختند۔

الحاصل یہ استدلال مخالفین کا دو باتوں پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ لفظ اہل بیت سے یہ چار شخص ہیں۔ دوسرے یہ کہ رجس کے دور کرنے سے مراد معصوم بنا دینا ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی مخالفین کا استدلال کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔ مگر آج تک مخالفین نے ان دونوں باتوں کو ثابت نہیں کیا نہ تا قیام قیامت ثابت کر سکیں گے۔ جس قدر کوشش علماء مخالفین نے ان دونوں باتوں کے ثابت کرنے میں کی ہے۔ وہ کوشش خود مخالفین کی عاجزی و سراسیمگی کا پتہ دے رہی ہے۔

چنانچہ لفظ اہل بیت سے ان چار شخصوں کے مراد ہونے پر حسب ذیل خدشات قائم ہیں۔ جن کا معقول جواب اگر آج کوئی مخالف دے دے تو ہم اسی جواب پر

(بقیہ حاشیہ ۶۸۶) میں لکھ چکے ہیں کہ این نظم قرآنی نظم عثمانی ست بر شیعان احتجاج بآن نشاید اور شیعوں کے صدر المحققین مولوی ناصر حسین صاحب رسالہ روشنی میں زیب رقم کر چکے ہیں۔ کہ آیتیں الٹ پلٹ کر دی گئیں۔ کہیں کی آیتیں کہیں رکھ دی گئیں جن سے مطلب خبط لے ربط ہو گیا ۱۲

قناعت کرکے ان کے مذہب کی بہت سی غیر ثابت باتوں کے ماننے کو موجود ہے۔

ا۔ لفظ اہل بیت لغت عرب میں ازواج ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور اس لفظ کا ترجمہ ہر زبان میں ازواج ہی کے لئے مستعمل ہے۔ چنانچہ اس کا فارسی ترجمہ اہل خانہ اور اُردو ترجمہ گھر والے برابر اس معنے میں استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس قدر ہر کس وناکس سمجھ سکتا ہے۔ کہ اہل بیت ہر شخص کے لوگ ہیں جو اس گھر میں رہتے ہیں اور ہر زمانے کی رسم وعادت یہی ہے کہ ہر شخص کی بیبیاں ہمیشہ اس کے گھر میں رہتی ہیں۔ بیبیوں کے علاوہ بیٹی بیٹوں کا ہمیشہ کے لئے کسی کے گھر میں رہنا شاذ و نادر خلاف عادت اور اتفاقی امر ہے۔ خاص کر سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی حالت ظاہر ہے۔ کہ آپ کے گھروں میں سوا آپ کے ازواج کے کوئی نہ تھا۔ خاتون جنت فاطمۃ الزہرا حضرت علی مرتضےٰ کے گھر میں رہتی تھیں۔ شرعاً بھی ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بی بی کو نان ونفقہ اور رہنے کا مکان دے۔ بیٹی بیٹوں کے لئے بلوغ اور خصوصاً نکاح کے بعد نان ونفقہ اور رہنے کا مکان شرعاً باپ کے ذمہ فرض نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جس مکان پر ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے۔ وہی شخص اس مقام کا اہل کہلاتا ہے۔ نہ وہ شخص جو چند روز کے لئے بطور مہمان کے کسی مقام پر رہے۔ مثلاً اہل مصر اس شخص کو کہیں گے جو مصر میں ہمیشہ بود وباش رکھنے والا ہو نہ اس کو جو چند روز کیلئے مصر میں جا کر رہ آیا ہو۔ اس طرح اہل مکہ اس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لئے مکہ میں رہنے والا ہو۔ پس اس طرح اہل بیت اس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لئے اس بیت میں رہنے والا ہو۔ اور ہمیشہ کے لئے کسی شخص کے بیت میں رہنے والا سوا اس کی بیبیوں کے اسماعادتاً شرعاً کوئی نہیں ہے۔ لہذا بیبیوں کے علاوہ اہل بیت کا حقیقی واصلی مصداق کوئی نہیں ہوسکتا۔

ملے مخالفین اس پر ایک مناقشہ یہ پیش کرتے ہیں کہ زوجہ ہمیشہ کے لئے اپنے

(بقیہ حاشیہ صد ۶۸۹)

۲ ۔ قرآن کی آیتیں خود بتا رہی ہیں۔ کہ اہل بیت سے مراد ازواج ہی ہیں کیونکہ کئی آیت میں اوپر سے ازواج ہی سے خطاب ہو رہا ہے۔ اور خود اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اور نیز اس آیت کے بعد بھی انہیں سے خطاب ہے ترتیب قرآنی اگر مخالفین حجت نہیں مانتے تو نہ مانیں ترتیب کیا۔ بلکہ ان کے اصول موضوعہ پر اور ان کی احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کی رو سے تو خود قرآن ہی حجت نہیں۔ مگر اس مقام پر یہ عذر بالکل بے سود ہے۔ کیونکہ اس وقت شیعہ اس آیت سے ہمارے اوپر استدلال کر رہے ہیں اور اپنے فرضی اماموں کی عصمت و امامت اس آیت سے ثابت کر کے ہمیں الزام دینا چاہتے ہیں۔ پس حسب قاعدہ مناظرہ ان کو ہمارے مسلمات سے الزام دینا چاہیئے۔ اگر وہ ہمارے مسلمات کے خلاف ہمیں الزام

(بقیہ حاشیہ) زوج کے گھر میں رہنے والی نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ شوہر طلاق دے دے تو اس کو اس گھر سے علیحدہ ہو جانا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل بیت وہی ہو سکتا ہے۔ جو کبھی اہل بیت سے خارج نہ ہو سکے۔ جواب اس مناقشہ کا یہ ہے کہ زوجہ یقیناً ہمیشہ کے لئے اپنے زوج کے گھر میں رہنے والی ہوتی ہے نکاح تعلق دائمی کا نام ہے۔ طلاق دینا ایک امر اتفاقی ہے اور بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص متوطن مکہ تھا۔ اس کو اہل مکہ کہتے ہیں۔ پھر کسی سبب سے وہ اپنا وطن مکہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر خراسان میں بود و باش اختیار کر لے اب اس کو اہل خراسان کہیں گے قطع نظر اس سے ازواج نبی کے متعلق تو یہ مناقشہ یوں بھی نہیں چل سکتا۔ کہ ان کے حق میں طلاق کا احتمال ہی باقی نہ رہا تھا نص قرآنی میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے طلاق کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اہل بیت اور زوجہ کا مفہوم بالکل ایک ہے جب تک کسی کو زوجہ کہیں گے اس وقت تک اس کو اہل بیت بھی کہیں گے نبی کی بیبیاں چونکہ آپ کی ابدی و دائمی زوجہ ہیں لہذا وہ کبھی اہل بیت سے خارج نہیں ہو سکتیں۔

دیں تو ہم کو حق ہے۔ کہ ہم اس الزام کو اپنے مسلمات سے دفع کر دیں۔ لہذا ہم اس مقام پر دفع الزام کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ الزام تمہارا ہمارے مسلمات کی رو سے صحیح نہیں۔ اہل بیت سے غیر ازواج کا مراد ہونا اور ازواج کا مراد نہ ہونا آیات سابقہ ولاحقہ کے مناسب نہیں۔ اور قرآن کی فصاحت و بلاغت ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ اس کے مسلسل مضامین کو اس طرح خبط بے ربط کر دیا جائے۔ قرآن کی صحت ترتیب اور اس کی فوق العادت فصاحت و بلاغت ہمیں مسلم ہے۔ ہاں اگر ہم مخالفین کو اس آیت سے الزام دیتے اور امہات المومنین کے فضائل اس آیت سے ان کے مقابلہ میں ثابت کرنا چاہتے تو اس وقت بے شک مخالفین یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ ترتیب قرآنی ہم پر حجت نہیں ہے۔

۳۔ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی لفظ اہل بیت کا اطلاق ازواج پر ہوا ہے اور وہاں مخالفین بھی چون وچرا نہیں کر سکتے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہؓ کو فرشتوں نے فرزند کی بشارت دی۔ اور انہوں نے اپنے بانجھ ہونے اور اپنے شوہر کے بوڑھے ہونے کے باعث اس بشارت پر تعجب کیا۔ تو فرشتوں نے انکو جواب دیا وہ قرآن مجید میں باین عبارت منقول ہے۔

اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید ط یعنی کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت ہے۔ اور اس کی برکتیں ہیں۔ بے شک وہ ستودہ اور بزرگ ہے۔ اس آیت میں مخالفین بھی اعتراف رکھتے ہیں۔ کہ اہل بیت سے حضرت سارہؓ ہی مراد ہیں۔ بعض مخالفین کو جب کچھ چارہ کار نظر نہ آیا۔ تو یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت سارہؓ کو اس وجہ سے اہل بیت نہیں کہا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی تھیں بلکہ اس وجہ سے کہا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد یا خالہ زاد بہن تھیں۔ جب اس رکیک تاویل کا جواب اہل سنت کی طرف سے یہ دیا گیا کہ اگر یہی بات ہے تو سرور عالم صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کے چچا زاد بھائیوں نے کیا

قصور کیا کہ وہ اہل بیت نہ سمجھے جائیں ۔ عقیل کو بھی اہل بیت کہنا چاہیئے ۔ حضرت ابن عباس کو بھی اہل بیت کہنا چاہیئے ۔ پھر کسی نے کچھ جواب نہ دیا ۔

باقی رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ اگر ازواج مراد ہوتیں تو عنکم اور یطہرکم میں مذکر ضمیریں کیوں آتیں ۔ اس کے تین جواب ہیں ۔ اوّل[1] یہ کہ لفظ اہل بیت مذکر ہے ۔ اور مصداق اس کا مونث ہے ۔ لہٰذا برعایت لفظ ضمیر مذکر مستعمل ہوئی ہے ۔ دوسرا[2] جواب یہ ہے ۔ کہ اہل بیت میں خود ذات پاک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی داخل ہے کیونکہ اس بیت کے رہنے والے آپ بھی تھے ۔ پس آپ کے داخل ہونے کے سبب سے تغلیباً ضمیر مذکر کی مستعمل ہوئی تیسرا[3] جواب اس کا یہ ہے کہ بغرضِ اظہار عظمت یا محبت کلام عرب میں عورتوں کے لئے بھی ضمیر مذکر آجاتی ہے ۔ ایک شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہو کر

---

[1] عربی زبان میں اس کے نظائر بہت ہیں کہ لفظ کی حیثیت کچھ اور ہے ۔ اور معنی کی حیثیت کچھ اور ۔ ایسے الفاظ میں لفظ کی رعایت کرتے ہیں کبھی معنی کی مثلاً لفظ من باعتبار لفظ کے مفرد ہے ۔ اور باعتبار معنی کے جمع قولہ تعالٰے ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاخر وماھم بمؤمنین ۔ دیکھو اسی لفظ من کے لئے ایک جگہ برعایت یقول صیغہ واحد آیا اور دوسری جگہ برعایت معنی ہم ضمیر جمع آئی ۱۲ ۔

[2] علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تقریر منہاج السنہ میں خوب لکھی ہے ۱۲ ۔

[3] علامہ زمخشری نے اس قاعدہ کو کہ عورت کے لئے مذکر کی ضمیریں کسی موقعہ پر لاتے ہیں ۔ واحد کے لئے جمع کی ضمیریں کس مقام پر لاتے ہیں خوب بیان کیا ہے اور اس پر شعرائے جاہلیت کے یہ دو شعر بھی سنداً نقل کئے ہیں ۔

فان شئت حرمت النساء سواکم ۔ وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا

فان تنکم انکح وان تتایمی ۔ وان کنت افتی منکم اتایم

(بقیہ حاشیہ صـ۶۹۲)

کہتا ہے ۔ ع

فان شئت حرمت النساء سواکم

شاعر اس مصرع میں کم ضمیر جمع مذکر اپنی محبوبہ کے لئے لایا ہے ۔

باقی رہی حدیث کساء

جس کو شیعہ بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہتے ہیں کہ یہ سنیوں کی صحیح ترین حدیث ہے اور لفظ اہل بیت سے انہیں چار بزرگوں کے مراد ہونے پر دلیل صریح ہے ۔ اول تو یہ محض غلط ہے ہر گز یہ ہمارے یہاں کی صحیح ترین حدیث نہیں ہے ۔ دوسرے یہ حدیث ہر گز اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹۱) ان دونوں شعروں میں شاعر نے اپنی محبوبہ کے لئے ضمیر کم جو جمع مذکر کے لئے مخصوص ہے استعمال کی ہے ۔ قرآن مجید میں بھی بکثرت یہ محاورہ جا بجا مستعمل ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے ۔ کہ قال لاھلہ امکثوا عورت کے لئے مکثن ہونا چاہیئے تھا ! امکثوا جمع مذکر کے لئے ہے ۔ شرح شواہد کشاف مطبوعہ مصر صفحہ ۴۳ میں ہے ۔ ربما فوطبت المراۃ الواحدۃ بخطاب الجمع المذکر یقول الرجل عن اھلہ فعلوا کذا مبالغۃ فی سترھا حتیٰ لا ینطق با الضمیر الموضوع لھا ومنہ قولہ تعالےٰ حکایۃ عن موسیٰ علیہ السلام قال لاھلہ امکثوا ۔ بسا اوقات ایک عورت جمع مذکر کے صیغہ سے مخاطب بنائی جاتی ہے مثلاً آدمی اپنی بی بی کے متعلق کہتا ہے ۔ فعلوا کذا یعنی انہوں نے ایسا کیا اس سے مقصود اس کے پردہ کا بلیغ اہتمام ہوتا ہے یہاں تک کہ جو ضمیر عورت کے لئے مقرر ہے وہ بھی نہیں استعمال کرتا اور اسی قسم میں ہے اللہ تعالیٰ کا قول حضرت موسیٰ کی حکایت میں کہ انہوں نے اپنی بی بی سے امکثوا کہا یعنی ٹھہر جاؤ ۱۲ ۔

اہل بیت سے ازواج مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہی چار بزرگ مراد ہیں اس حدیث میں تو آنحضرت نے دعا مانگی ہے کہ یا اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں لہذا ان کو بھی پاک کر دے حضرت ام سلمہ کو کملی میں نہ داخل کرنے کی وجہ خود اس حدیث میں مذکور ہے جس کو مخالفین نقل نہیں کرتے۔ جب حضرت ام سلمہ نے اپنے داخل کرنے کی خواہش کی تو حضرت نے فرمایا انت علی مکانك انت علی خیر۔ یعنی تم اپنی جگہ پر رہو تم تو اس سے اچھی حالت میں ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو حقیقتاً لفظ اہل بیت سے مراد ہی ہو۔ تمہارے داخل کرنے کی اور تمہارے لئے دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا سمجھنے کی بات ہے۔ کہ اگر یہ حضرات لفظ اہل بیت سے مراد ہوتے تو حضرت دعا کیوں مانگتے۔ کیا اللہ تعالےٰ کو معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبی کون لوگ ہیں حضرت نے بتلایا کہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں پس انصاف سے دیکھو تو یہ حدیث خود ہی بتا رہی ہے کہ یہ چاروں بزرگ اہل بیت میں داخل نہ تھے۔ حضرت نے ان کو داخل کیا۔ اسی وجہ سے علمائے محققین کہتے ہیں۔ کہ حقیقۃً اہل بیت ازواج مطہرات ہیں اور حکماً یہ حضرات بھی ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس وقت آیت نازل ہوئی اس وقت یہ چاروں بزرگوار اہل بیت نہ تھے اہل سُنت کی روایات میں صرف انہیں چار بزرگوں کے لئے نہیں بلکہ حضرت عباس اور ان کے فرزندوں کے لئے بھی اسی قسم کی دُعا منقول ہے اور مخالفین کی روایات میں بھی سلیمان[۱] فارسی کے لئے لفظ اہل بیت مستعمل ہوئی ہے۔

مخالفین صاحبان جو یہ افسوس کرتے ہیں کہ اہلسنت کچھ نہیں دیکھتے یہ ان کا افسوس بالکل بیجا ہے اہل سنت سب دیکھتے ہیں مگر وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کے مخالف روایتوں کو راوی کے منہ پر مار دیتے ہیں۔ ہاں مخالفین کو اپنی اس حالت پر افسوس کرنا چاہیئے۔ کہ انہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور قرآن کی مخالف روایات وحکایات پر اپنے مذہب کا گھروندہ قائم کیا ہے۔

---

[۱] اصول کافی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۵۴ میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔ دائما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۴)

ان کے استدلال کے ایک جز (یعنی لفظ اہل بیت سے بھی چار بزرگ مراد ہیں)
پر جو خدشات تھے ان میں سے چند بطور نمونہ بیان ہو چکے۔ اب دوسرے جز (یعنی
رجس دور کرنے اور پاک کرنے سے معصوم ہونا مراد ہے) پر جو خدشات ہیں
ان میں سے بھی چند سن لیجئے۔

۱۔ رجس سے اگر مطلق گناہ اور اس کے دور کرنے سے اور پاک کرنے
سے معصوم بنا دینا مراد ہے تو تمام صحابہ خصوصًا اہل بدر معصوم ہونا لازم آجائے
گا کیونکہ ان کے لئے بھی اسی قسم کا لفظ دوسری آیت میں مستعمل ہوا ہے الفاظ
آیت کے یہ ہیں۔ ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم
ولعلکم تشکرون اور لیذھب عنکم رجس الشیطان یعنی اللہ
چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور یہ سب اس واسطے تاکہ تم شکر
کرو اور وہ چاہتا ہے) تم سے شیطان کی ناپاکی دور کر لے غور سے دیکھو تو
صحابہ کے لئے ایک بات زائد ارشاد ہوئی ہے جو اس آیت تطہیر میں نہیں ہے
وہ بات زائد یہ ہے کہ خدا نے ان سے فرمایا کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کرنا
چاہتے ہیں اور دوسری آیت میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ ہم نے اپنی نعمت تم پر
پوری کر دی۔ نعمت کا پورا کر دینا ایک ایسا جامع کلمہ ہے۔ کہ تمام فضائل و
کمالات کو حاوی ہے۔ اور اس کا استعمال قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام
کے لئے ہوا ہے ایک جگہ یہ لفظ حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے لئے آیا ہے اور دوسری جگہ سردار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وارد
ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹۳)
صار سلمان من العلماء لانہ امرءٌ منا اھل البیت فلذلک نسبتہ
الی العلماء۔ ترجمہ:۔ اور شمار علما میں اس سبب سے ہوا کہ وہ ہم میں سے یعنی اہل بیت
میں سے ایک شخص ہیں اس لئے میں نے ان کو علماء کی طرف منسوب کیا ۱۲ -

۲ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کا مذہب تو یہ ہے کہ ان کے ائمہ وقت ولادت سے وفات کے وقت تک کسی وقت صفت عصمت سے خالی نہیں ہوئے اور اس آیت سے بفرض محال اگر ان کا معصوم ہونا ثابت ہو گا تو بعد نزول اس آیت کے کیونکہ اس آیت میں صیغہ مضارع مستعمل ہے ۔ جو زمانہ حال یا مستقبل میں وقوع فعل پر دلالت کرتا ہے ۔ بلکہ اس مطلب کے لئے ماضی کا صیغہ ہونا چاہیئے تھا ۔ اور یوں ارشاد ہونا چاہیئے تھا کہ اللہ نے ناپاکی تم سے دور کر دی اور تم کو پاک کر دیا ۔ قدرت خدا دیکھئے کہ مخالفین کی ایک صحیح[1] حدیث میں صحابہ کرامؓ کے لئے یہ فضیلت

---

[1] فروع کافی جلد اول مطبوعہ نولکشور کتاب الجہاد صفحہ ۶۰۹ سے لے کر ۶۱۳ تک یہ حدیث منقول ہے ۔ گو حدیث بہت طویل ہے مگر چونکہ بے شمار فوائد پر متضمن ہے اور کوئی جز فضائل و محامد کی ایسی باقی نہیں رہی جو اس حدیث میں صحابہ کے لئے ثابت نہ کی گئی ہو اور دنیا و آخرت کی کوئی برائی اور کوئی عیب ایسا نہیں ہے جس سے صحابہ کا پاک و پاکیزہ ہونا نہ بیان کیا گیا ہو ۔ غرض سبائیہ مذہب کی بیخ کنی اس حدیث سے ہوتی ہے لہذا ہم اس حدیث کو پورا نقل کرتے ہیں ناظرین کو چاہیئے کہ اس حدیث کے لفظ بلفظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ حکیم اعلیٰ مجدہ اپنے مقاصد کو کہاں کہاں سے پورا کر دیتا ہے ۔

وہ حدیث یہ ہے

علی ابن ابراھیم عن ابیہ	علی بن ابراہیم اپنے والد سے
عن بکر بن صالح عن	وہ بکر بن صالح سے وہ
القسم بن یزید عن ابی	قاسم بن یزید سے وہ ابو عمرو
عمرو الزبیری عن ابی	زبیری سے وہ ابو عبداللہ

(بقیہ حاشیہ صـ ۶۹۶ پر)

بصیغہ ماضی مستعمل ہوئی ہے ۔ اس روایت میں امام نے یہ فرمایا ہے ۔ کہ خدا فرماتا

(بقیہ حاشیہ ص ٦٩٥)

عبد اللہ علیہ السلام قال	(یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام
قلت لہ خبرنی عن الدعاء	سے روایت کرتے ہیں ۔ ابو عمر کہتے
الی اللہ والجہاد فی	تھے میں نے امام سے عرض کیا کہ
سبیلہ وھو یقوم لا	اللہ کی طرف بلانا اور اس کی راہ
یحل الا لھم ولا یقوم بہ	میں جہاد کرنا کیا کچھ لوگوں کے ساتھ
الا من کان منھم ام	خاص ہے ۔ ان کے سوا اوروں کیلئے
ھو مباح لکل من وحد	جائز نہیں اور یہ کام سوا اس کے
اللہ عزوجل وامن برسولہ	جو ان میں سے نہ ہو اور کوئی نہیں
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	کرسکتا یا یہ کام تمام لوگوں کے لئے
من کذا فلہ ان یدعوا	جائز ہے جو اللہ عزوجل کو وحدہ لاشریک
الی اللہ عزوجل والی طاعتہ	لہ جانتے ہوں اور اس کے رسول
وان یجاھد فی سبیلہ	علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہوں
فقال ذلک لقوم لا یحل	کیا جو کوئی ایسا ہو اسے اختیار
الا لھم ولا یقوم بذلک	ہے ۔ کہ اللہ عزوجل کی طرف اور
الا من کان منھم قلت من	اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو
اولئک قال من قام بشرائط	بلائے اور اس کی راہ میں جہاد کرے
اللہ عزوجل فی القتال و	امام نے فرمایا یہ کام کچھ لوگوں کے
الجہاد علی المجاھدین	ساتھ خاص ہے اس کے سوا کسی
فھو الماذون لہ فی الدعاء	کے لئے جائز نہیں اس کام کو وہی
الی اللہ عزوجل ومن لم	شخص کرے جو ان میں سے ہو۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹٦)

لكن قائما بشرائط الله في
الجهاد على المجاهدين
فليس بمأذون له في الجهاد
ولا الدعاء الى الله حتى
يحكم في نفسه ما اخذ
الله عليه من شرائط
الجهاد فبيّن لي يرحمك
الله قال الله تبارك و
تعالى اخبر نبيه في
كتابه الدعاء اليه و
وصف الدعاة اليه فجعل
ذلك لهم درجات يعرف
بعضها بعضا ليستدل
ببعضها على بعض واخبر انه
تبارك وتعالى اول من
دعاء الى نفسه ودعاء
الى طاعته واتباع امره
فبدا بنفسه فقال
والله يدعوا الى دار السلام
ويهدي من يشاء الى
صراط مستقيم ثم ثنى
برسوله فقال ادع الى

میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں
(جن کے ساتھ یہ مخصوص ہے) امام
نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل
کی اُن شرائط پر قائم ہوں جو اس
نے جہاد کے متعلق مجاہدین پر لازم
کر دیں۔ پس کوئی شخص جہاد کیلئے
اور اللہ کی طرف بلانے کے لئے
مجاز نہیں ہو سکتا جب تک اپنی
ذات میں ان شرائط مضبوطی کے
ساتھ قائم نہ کرے جو اللہ نے جہاد
کے لئے لازم کی ہیں۔ میں نے عرض
کیا اللہ آپ پر رحمت کرے مجھ
سے ان شرطوں کو بیان فرمائیے۔
امام نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر
نے اپنی کتاب میں اپنی طرف
بلانے کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی
طرف بلانے والوں کا حال بیان
کیا ہے۔ ان کے کئی درجے بیان
کئے ہیں کہ ایک درجے سے دوسرے
درجہ کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔
اور ایک سے دوسرے کا پتہ مل
سکتا ہے۔ پس اس نے خبر دی ہے

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٩٧ کا)

سبيل ربك بالحكمة
والموعظة الحسنة وجادلهم
بالتي هي احسن يعني بالقرآن
ولم يكن داعيا الى
عزوجل من خالف امرالله
يدعوا اليه بغير ما امر
وفي كتابه والذي امران
لا يدعى الابه وقال في
نبيه صلى الله عليه وآله
وسلم وانك لتهدى
الى صراط مستقيم يقول
يدعو ثم ثلث بالدعاء
اليه بكتابه ايضاً فقال
تبارك وتعالى ان هذا
القرآن يهدى للتي هي
اقوم اي يدعوا ويبشر
المؤمنين ثم ذكر من
اذن له في الدعاء اليه
بعده وبعد رسوله في
كتابه فقال ولتكن منكم
امة يدعون الى الخير
ويامرون بالمعروف ينهون

کہ سب سے پہلے تو اللہ بزرگ برتر
نے خود اپنی طرف بلایا اپنی عبادت
اور اپنے احکام کی پیروی کی دعوت
دی۔ چنانچہ سب سے پہلے درجہ
میں اللہ نے اپنے آپ کو رکھا اور
فرمایا واللہ یدعوا الی دار السلام
ویهدی من یشاء الی
سبیل ربك بالحكمة
صراط مستقیم۔ پھر دوسرے
درجہ میں اپنے رسول کو رکھا۔ اور
فرمایا کہ ادع الی سبیل ربك
بالحكمة والموعظة الحسنة
وجادلهم بالتي هي احسن۔
احسن سے مراد قرآن ہے یہ معلوم ہوا
کہ اللہ کی طرف وہ شخص نہیں بلا
سکتا جو اس کے حکم کے خلاف کرتا
ہے اور جس طریقہ سے بلانے کا حکم
اللہ نے دیا ہے اس کے خلاف
کسی دوسرے طریقہ سے بلاتا ہے
اپنے نبی کے بارے میں اللہ نے
یہ بھی فرمادیا وانك لتهدى
الى صراط مستقيم پھر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ ص۶۹۸ کا)

عن المنكر واولئك
هم المفلحون ثم اخبر
عن هذه الامة وممن
هي وانها من ذريته
ابراهيم ومن ذريته
اسمعيل من سكان الحرم
ممن لم يعبدوا غير
الله قط الذين وجبت
لهم الدعوة دعوة ابرهيم
واسمعيل من اهل المسجد
الذين اخبر عنهم في
كتابه ان اذهب عنهم
الرجس وطهرهم تطهيرا
الذين وصفناهم قبل
هذا في صفة امة
ابراهيم صلى الله عليه
الذين عناهم الله تبارك
وتعالى في قوله ادعوا الى
الله على بصيرة انا ومن
اتبعني يعني اول من اتبعه
على الايمان به والتصديق
له وبما جاءبه من عند الله

تیسرے درجہ میں اللہ نے اپنی کتاب
کو رکھا ہے۔ فرمایا ہے ان
هٰذا القرآن يهدي للتي هي اقوم
اس کے بعد اللہ نے اپنی کتاب
میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔
جن کو اپنے بعد اور اپنے رسول
کے بعد (اپنی طرف) بلانے کی
اجازت دی ہے۔ چنانچہ
فرمایا ولتكن منكم امة
يدعون الى الخير ويامرون
بالمعروف وينهون عن المنكر
واولئك هم المفلحون۔
پھر اللہ نے اس گروہ کا ذکر کیا ہے۔
اور یہ کہ وہ کس خاندان سے ہو
گا (یہ بیان کر دیا ہے) کہ یہ
گروہ ابراہیم و اسمٰعیل کی اولاد
سے ہوگا یہ لوگ حرم کے رہنے
والے ہوں گے ایسے ہوں گے
کہ انہوں نے کبھی غیر خدا کی پرستش
نہیں کی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے
جن کے لئے ابراہیم و اسماعیل کی
دعا قبول ہوئی۔ یہ لوگ مکہ کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ ۶۹۹)

عزوجل من الامة التی
بعث فیها ومنها والیها
قبل الخلق من لم یشرك
بالله شیئا ولم یلبس
ایمانه بظلم وهو الشرك
ثم ذکر اتباع نبیه
صلی الله علیه وآله
واتباع هذه الامة
التی وصفها فی کتابه
بالامر بالمعروف والنهی
عن المنکر وجعلها داعیة
الیه واذن له فی الدعاء
الیه فقال یایها النبی
حسبك الله ومن
اتبعك من المؤمنین
ثم وصف اتباع نبیه
صلی الله علیه وآله
من المؤمنین فقال
عزوجل محمد رسول الله
والذین معه اشداء
علی الکفار رحماء بینهم
تراهم رکعا سجدا یبتغون

رہنے والے ہوں گے۔ جن کے
متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں بیان
کیا ہے۔ کہ ان سے خدا نے ناپاکی
کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک
کر دیا یہ وہی لوگ ہیں جن کا حال
ہم اس سے پہلے امت ابراہیم
کے حال میں لکھ چکے ہیں جن کو اللہ تو
ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ
انا ومن اتبعنی مراد اس سے
امت ابراہیم کے وہ لوگ ہیں۔
جنہوں نے سب سے پہلے ابراہیم کی
اور ابراہیم کے شریعت کی تصدیق
کی حق کو قبول کر لیا۔ اور اللہ کے
ساتھ کبھی شرک نہ کیا۔ اور اپنے
ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ
نہ کیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے
نبی (آخر الزمان) صلی اللہ علیہ
وسلم کے پیروؤں کا اور اس گروہ
کے پیروؤں کا ذکر فرمایا ہے۔
جن کو اپنی کتاب مقدس میں
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ اور
ان کو اپنی طرف بلانے والا بنایا ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ ہم نے ان سے ناپاکی دور کر دی۔ اور ان کو پاک کر دیا۔ پس تعجب ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ)
فضلاً من اللہ و رضواناً
سیماھم فی وجوھھم من
اثر السجود ذلک مثلھم
فی التوراۃ و مثلھم
فی الانجیل وقال لا یخزی
اللہ النبی والذین امنوا
معہ نورھم یسعی بین
ایدیھم وبایمانھم
(یعنی) اولئک المؤمنین
وقال قد افلح المؤمنون ثم
حلاھم و وصفھم کیلا
یطمع فی اللحاق بھم الا من
کان منھم فقال فیما حلاھم
وبہ وصفھم الذین فی
صلوتھم خاشعون والذین
ھم عن اللغو معرضون
الی قولہ واولئک ھم
الوارثون الذین یرثون
الفردوس ھم فیھا خالدون
وقال فی صفتھم وحلیتھم

اور ان کو اپنے طرف بلانے کی
اجازت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا
ہے یا ایھا النبی حسبک
اللہ ومن اتبعک من
المؤمنین بعد اس کے اپنے
نبی کی پیروی کرنے والے مسلمانوں
کا ذکر (اس آیت میں یوں فرمایا)
محمد رسول اللہ والذین
معہ اشداء علی الکفار
رحماء بینھم تراھم رکعاً
سجداً یبتغون فضلاً من
اللہ و رضواناً سیماھم
فی وجوھھم من اثر
السجود ذلک مثلھم
فی التوراۃ ومثلھم فی
الانجیل اور نیز انہیں مسلمانوں
کے حال میں (فرمایا ہے یوم
لا یخزی اللہ النبی
والذین امنوا معہ نورھم
یسعی بین ایدیھم و
بایمانھم مراد ان آیتوں میں)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کہ حضرات مخالفین اس لفظ سے صحابہ کا معصوم ہونا نہیں سمجھتے۔ باوجودیکہ ان کے لئے یہ لفظ

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۱)
ایضًا الذین لا یدعون
مع اللہ الٰہا اٰخر ولا یقتلون
النفس التی حرم اللہ الا
بالحق ولا یزنون ومن
یفعل ذٰلک یلق اثاما
یضاعف لہ العذاب
یوم القیمۃ ویخلد فیہ
مہانا ثم اخبر انہ اشتری
من ہٰؤلاء المؤمنین
ومن کان علی مثل صفتہم
انفسہم واموالہم بان
لہم الجنۃ یقاتلون فی
سبیل اللہ فیقتلون و
یقتلون وعدًا علیہ
حقا فی التوراۃ والانجیل
والقراٰن ثم ذکر وفاہم
اللہ بعہدہ وما یعتبہ
فقال ومن اوفی بعہدہ
من اللہ فاستبشروا
ببیعکم الذی بایعتم

وہی مسلمان ہیں۔ پھر اللہ نے (انکی
شان میں) یہ بھی فرمایا قد افلح
المؤمنون۔ پھر خدا نے ان کا حلیہ
اور وصف بیان کردیا۔ تاکہ جو
شخص ان میں سے نہ ہو وہ ان
میں ملنے کی آرزو نہ کرے۔ چنانچہ
ایک حلیہ اور ایک وصف ان کا
یہ بیان کیا۔ الذین ہم فی
صلوتہم خاشعون والذین
ہم عن اللغو معرضون تا اولٰ
اولٰئک ہم الوارثون الذین
یرثون الفردوس ہم فیہا
خلدون پھر ان کا ایک اور
حلیہ اور وصف بیان کردیا تاکہ جو
شخص ان میں سے نہ ہو۔ وہ ان
میں ملنے کی آرزو نہ کرے۔ چنانچہ
ان کے وصف میں فرمایا الذین
لا یدعون مع اللہ الٰہا اٰخر
پھر اللہ نے یہ بھی خبر دی کہ خدا نے
ان مسلمانوں سے اور جو ان کی صفات
پر ان سے ان کی جان اور مال اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

بصیغہ ماضی مستعمل ہے ۔ اور اپنے مزعومی اہل بیت کا معصوم ہونا سمجھ

(بقیہ حاشیہ ص ۷۰۲)

بہ وذلک ھو الفوز العظیم

وعدہ پر مول لے لیے ہیں ۔ کہ ان کو
جنت ملے گی ۔ وہ اللہ کی راہ میں
لڑتے ہیں ۔ اور مارتے ہیں اور مارے
جاتے ہیں ۔ یہ وعدہ اللہ پر ثابت
ہے ۔ توریت وانجیل اور قرآن
میں (مذکور ہے) پھر اللہ نے ان
کے وعدہ اور بیعت کے پورا کرنے
کا ذکر کرکے فرمایا ہے کہ ومن
اوفیٰ بعھدہ من اللہ فاستبشروا
ببیعکم الذی بایعتم بہ
وذلک ھو الفوز العظیم
جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ان
اللہ اشتری من المومنین
انفسھم واموالھم بان
لھم الجنۃ ۔ تو ایک شخص
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
سامنے کھڑا ہوا ۔ اور اس نے
عرض کیا کہ یا نبی اللہ کوئی شخص
تلوار لے کر جہاد میں مشغول ہو
جائے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے
مگر وہ محرمات کا ارتکاب کیا کرتا

فلما نزلت ھذہ الایۃ ان اللہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بصیغہ ماضی مستعمل ہے۔ اور اپنے مزعومہ اہل بیت کا معصوم ہونا سمجھ

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۳)

اشتری من المؤمنین انفسھم
و اموالھم بان لھم الجنۃ قام
رجل الی النبی صلے اللہ علیہ و آلہ
فقال یا نبی اللہ ارأیتک الرجل
یاخذ سیفہ فیقاتل حتی یقبل
الا انہ یقترف من ھذہ المحارم
اشھید ھو فانزل اللہ عزوجل علی
رسولہ التائبون العابدون الحامدون
السائحون الراکعون الساجدون
الامرون بالمعروف والناھون عن
المنکر والحافظون لحدود اللہ و
بشر المؤمنین ففسر النبی صلی اللہ علیہ
و آلہ المجاھدون من المومنین الذین
ھذہ صفتھم وحلیتھم بالشھادۃ
والجنۃ وقال التائبون من الذنوب
العابدون الذین لا یعبدون الا اللہ
ولا یشرکون بہ شیئا الحامدون
الذین یحمدون اللہ علی کل حال
فی الشدۃ والرخاء السائحون و
ھم الصائمون الراکعون الساجدون

تھا۔ یہ شخص شہید ہوگا۔ اسکے
جواب میں عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔
التائبون العابدون الحامدون السائحون
الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف
والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ
وبشر المومنین۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نے تفسیر میں بیان فرمایا کہ مومنین سے وہ
مجاہدین مراد ہیں جو ان اوصاف کے ساتھ
موصوف ہوں۔ انہیں کو جنت کی اور شہادت
کی بشارت دی جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ
تائبون سے مراد یہ ہے۔ کہ انہوں نے
گناہوں سے توبہ کرلی ہو۔ اور عابدون سے مراد یہ
ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہوں۔ اس کے ساتھ
شرک نہ کرتے ہوں۔ حامدون سے مراد یہ ہے
کہ تکلیف اور آرام غرض ہر حال میں اللہ کا
شکر کیا کرتے ہوں۔ سائحون سے مراد یہ ہے
کہ پنج گانہ نمازوں کا التزام رکھتے ہوں
اور خشوع اور خضوع کے ساتھ وقت پر
نماز پڑھتے ہوں۔ آمرون بالمعروف سے
مراد یہ ہے۔ کہ ان سب باتوں کے بعد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے یہ لفظ بصیغہ مضارع وارد ہوتی ہے مخالفین کے

(بقیہ حاشیہ ص ۷۰۴)

الذین یواظبون علی صلوۃ الخمس
والحافظون لها والمحافظون
علیها برکوعها وسجودها فی الخشوع
فیها وفی اوقاتها الامرون بالمعروف
بعد ذلك والعاملون به والناهون
عن المنكر والمنتهون عنه قال
بشر من قتل وهو قائم بهذه
الشروط بالشهادة والجنة ثم
اخبر تبارك وتعالى انه لم یامر
بالقتال الا صحاب هذه الشروط
فقال عز وجل اذن للذین یقاتلون
بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم
لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم
بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله
وذلك ان جمیع ما بین السماء
والارض لله عز وجل ولرسوله
ولاتباعهم من المؤمنین من اهل
هذه الصفة فما كان من الدنیا
فی ایدی المشركین والكفار و
الظلمة والفجار من اهل الخلاف

اچھی باتوں پر خود بھی عمل کرتے ہوں۔ دوسروں
کو بھی حکم دیتے ہوں۔ ناہون المنکر سے
مراد یہ ہے۔ کہ بری باتوں سے خود بھی پرہیز
کرتے ہوں۔ دوسروں کو بھی منع کرتے ہوں۔
پس جو لوگ ان اوصاف کے ساتھ موصوف
ہونے کی حالت میں قتل کیے گئے تھے۔ انکو
شہادت ملی اور جنت کی بشارت دے
دی گئی۔ پھر اللہ بزرگ و برتر نے یہ بھی بیان
کر دیا کہ اس نے جہاد کا حکم انہیں لوگوں کو
دیا۔ جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف
ہوں۔ چنانچہ فرمایا اذن للذین
یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم
لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق
ان یقولوا ربنا الله اور ان لوگوں کا مظلوم
ہونا اس سبب سے ہے۔ کہ جتنی چیزیں آسمان
اور زمین کے درمیان میں ہیں۔ وہ سب
اللہ و رسول اور ان ایمان والوں کی ہیں
جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں
پس دنیا کا جس قدر حصہ کافروں اور ظالموں
اور فاجروں غرض ان لوگوں کے ہاتھ میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص ۷۰۵)

الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ والمولی عن طاعتھما کان فی ایدیھم ظلموا فیہ المومنین من ھذہ الصفات وغلبوھم علیہ مما افاء اللہ علیھم وردہ الیھم وانما معنی الفئ کلما صار الی المشرکین ثم رجع مما کان قد غلب علیہ اوفیہ فما رجع الی مکانہ من قول اوفعل فقد فاء مثل قول اللہ عزوجل فان فآءوا فان اللہ غفور رحیم ای رجعوا ثم قال وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم وقال وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ ای ترجع فان فاءت ای رجعت فاصلحوا بینھما بالعدل

تھا۔ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے مخالف اور ان کی اطاعت سے منحرف تھے وہ اس حصہ دنیا کے متعلق ان صفات کے مسلمانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ اور ان کے حق کو دبائے ہوئے تھے۔ جو کچھ اللہ نے (بذریعہ جہاد کے مال غنیمت) اپنے رسول کو دیا۔ وہ انہیں مسلمانوں کا حق تھا۔ کہ خدا نے انہیں واپس دلایا فے کے معنی یہی ہیں۔ کہ کوئی چیز مشرکوں کے قبضہ میں چلی گئی تھی وہ پھر مسلمانوں کے پاس واپس آگئی۔ جو چیز اپنے اصلی مقام پر لوٹ جائے خواہ وہ فعل ہو یا قول تو اس کو کہتے ہیں فار جیسے اللہ کے اس قول میں فان فاءو فان اللہ غفور رحیم۔ یعنی اگر وہ لوگ ارادۂ طلاق سے لوٹ جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس کے بعد فرمایا ہے۔ کہ اگر وہ لوگ طلاق کا ارادہ کر لیں۔ تو اللہ سنتا جانتا ہے۔ اور (ایک دوسرے مقام پر) فرمایا ہے۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان فاءت احداھما علی الاخری

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس آیت کا مضمون یہ ہے۔ کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۶)

واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین یعنی بقولہ تفئ ترجع فذلک الدلیل علی ان الفئ کل راجع الی مکان قد کان علیہ اوفیہ ویقال للشمس اذ زالت فقد فاءت الشمس حین تفئ الفئ عند رجوع الشمس الی زوالہا وکذلک ما افاء اللہ علی المؤمنین من الکفار فانما ھی حقوق المؤمنین رجعت الیھم بعد ظلم الکفار ایاھم فذلک قولہ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ما کان المؤمنون احق بہ منھم وانما اذن للمؤمنین الذین قاموا بشرائط الایمان التی وصفھا وذلک انہ لا یکون مأذون لہ فی القتال حتی یکون مظلوما ولا یکون مظلوما حتی یکون مومنا ولا یکون مومنا حتی یکون قائما بشرائط الایمان

فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین یہ دلیل ہے۔ اس بات کی کہ فئے اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو اپنے اس مقام پر لوٹ جائے۔ جہاں وہ پہلے تھی۔ آفتاب کو جب زوال ہوجاتا ہے۔ تو کہتے ہیں فاءت الشمس۔ اسی طرح جو چیزیں اللہ نے مسلمانوں کو کافروں سے دلائیں۔ وہ مسلمانوں کا حق تھیں کہ بعد اسکے کہ ان پر ظلم کرکے چھین لی گئی تھیں۔ پھر انکو واپس ملیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا کیونکہ ان چیزوں کے حق دار مسلمان تھے۔ نہ کافر۔ یہ اجازت صرف انہیں مسلمانوں کو دی گئی ہے جو شرائط ایمان کے ساتھ قائم ہوں۔ جن کا بیان ہم کرچکے۔ یہ اس لئے کہ جب تک کوئی شخص مظلوم نہ ہو اس کو جہاد کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اور مظلوم نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ مومن نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ عزوجل کے ان شرائط پر قائم نہ ہو۔ جو اس نے مومنین اور مجاہدین کیلئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ممکن ہے کہ بعد اس ارادہ کے اللہ کو بداء ہوگیا ہو۔ اور رائے بدل

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۷)

التی اشترط اللہ عزوجل علی المؤمنین و المجاھدین فاذا تکاملت فیہ شرائط اللہ عزوجل کان مؤمنا و اذا کان مؤمنا کان مظلوما کان ماذونا فی الجہاد تقولہ عزوجل اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ وان لم تکن مستکملا الشرائط الایمان فھو ظالم ممن تبغی ویجب جہادہ حتی یتوب و لیس لہ ماذون لہ فی الجہاد و الدعاء الی اللہ عزوجل لانہ لیس من المؤمنین المظلومین الذین اذن لھم فی القرآن فی القتال فلما نزلت ھذہ الایۃ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا فی المھاجرین الذین اخرجھم اھل مکۃ من دیارھم و اموالھم احل لھم جہادھم بظلمھم ایاھم

مقرر کئے ہیں۔ جب اس میں یہ سب شرطیں کامل ہونگی تو وہ مومن ہوگا۔ اور جب مومن ہوگا تو مظلوم ہوگا۔ اور جب مظلوم ہوگا۔ تو اس کے لئے جہاد کی اجازت اس آیت سے ثابت ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ اور اگر کسی میں یہ شرائط ایمان کامل نہ ہوں تو وہ ظالم ہے۔ باغی ہے۔ اس کے اوپر جہاد واجب ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اس کے لئے نہ جہاد کی اجازت ہے۔ نہ اللہ عزوجل کی طرف بلانے کی۔ کیونکہ وہ ان مظلوم مومنوں میں سے نہیں ہے۔ جن کو جہاد کی اجازت ملی ہے۔ جب آیت للذین یقاتلون بانھم ظلموا مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی۔ جن کو اہل مکہ نے ان کے گھروں سے اور ان کے مالوں سے نکال دیا تھا۔ تو مہاجرین کو بسبب ان کے مظلوم ہونے کے اہل مکہ سے جہاد کرنا جائز کر دیا گیا ہے یعنی عرض کیا کہ یہ آیت مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی۔ بسبب اسکے کہ مشرکین مکہ نے ان پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گئی ہو۔ جس طرح اور بہت سے مواقع میں ہوا البدا امام جعفر صادق کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

واذن لهم فی القتال فقلت فهذه نزلت فی المهاجرین بظلم مشرکی اهل مکة لهم فما بالهم فی قتالهم کسری وقیصر ومن دونهم من مشرکی قبائل العرب فقال لو کان انما اذن لهم فی قتال من ظلمهم من اهل مکة فقط لم یکن لهم الی قتال جموع کسری وقیصر وغیر اهل مکة من قبائل العرب سبیل لان الذین ظلموهم غیرهم وانما اذن لهم فی قتال من ظلمهم من اهل مکة لاخراجهم ایاهم من دیارهم و اموالهم بغیر حق ولو کانت الآیة انما عنت المهاجرین الذین ظلمهم اهل مکة کانت الآیة مرتفعة الفرض عن بعدهم اذا لم یبق من الظالمین والمظلومین احد ولیس کما ظننت ولا کما ذکرت ولکن المهاجرین ظلموا من جهتین ظلموا من

ظلم کیا تھا۔ پھر مہاجرین نے جو کسریٰ و قیصر وغیرہ مشرکین قبائل عرب سے جہاد کیا اس کا کیا حال ہے۔ امام نے فرمایا کہ اگر یہی ہوتا کہ انہیں صرف اہل مکہ کے ظالموں سے جہاد کی اجازت ملی ہوتی۔ تو کسریٰ و قیصر اور مکہ کے علاوہ دوسرے قبائل عرب سے جہاد کرنے کی انہیں کوئی سبیل نہ تھی۔ کیونکہ یہ وہ لوگ نہ تھے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہو۔ اور انہیں صرف اہل مکہ سے جہاد کی اجازت ملی تھی۔ کیونکہ انہیں نے ان کو ان کے گھروں اور مالوں سے ناحق نکالا تھا۔ اگر اس آیت میں صرف وہی مہاجرین مراد ہوں جن پر اہل مکہ نے ظلم کیا تھا۔ تو اس آیت کو کوئی تعلق بعد والوں سے نہ رہے گا۔ جب کہ نہ ان ظالموں میں سے کوئی باقی رہا نہ مظلوموں میں سے پس فرض جہاد ان کے بعد سب لوگوں سے اٹھ جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ جیسا تم نے خیال کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ مہاجرین پر دو طرح کے ظلم ہوئے۔ اہل مکہ نے ان پر ظلم کیا۔ کہ ان کو ان کے گھروں سے اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

اس نے اسماعیل کے امام بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر چند روز کے بعد اسکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۹)

جهتين ظلمهم اهل مكة باخراجهم من ديارهم واموالهم فقاتلوهم باذن الله لهم في ذلك وظلمهم كسرى وقيصر ومن كان دونهم من قبائل العرب والعجم بما كان في ايديهم مما كان المؤمنون احق به منهم فقد قاتلوهم باذن الله عزوجل لهم في ذلك وبحجة هذه الآية يقاتل مومنو كل زمان وانما اذن الله عزوجل للمؤمنين الذين قاموا بما وصف الله عزوجل من الشرائط التي شرطها الله على المؤمنين في الايمان والجهاد ومن كان قائما بتلك الشرائط فهو مومن وهو مظلوم ومأذون له في الجهاد بذلك المعنى ومن كان على خلاف ذلك فهو ظالم وليس من المظلومين وليس بمأذون له في القتال ولا

ان کے مالوں سے نکالا۔ پس انہوں نے اللہ تعالےٰ کی اجازت سے اہل مکہ سے جہاد کیا۔ اور کسریٰ اور قیصر اور نیز اور قبائل عرب و عجم نے بھی مہاجرین پر ظلم کیا کیونکہ جس قدر اموال ان کے قبضہ میں تھے ان کے حق دار مسلمان تھے۔ نہ وہ پس انہوں نے اور اللہ عزوجل کی اجازت سے کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا۔ اور اس آیت کی دلیل سے ہر زمانے کے مسلمان جہاد کرسکتے ہیں اللہ عزوجل نے انہیں مومنوں کو اس آیت میں اجازت دی ہے۔ جو اللہ کے بیان کئے ہوئے شرائط پر قائم ہوں۔ جو اللہ نے مومن اور مجاہد ہونے کے لئے بیان کئے ہیں جو شخص ان شرائط پر قائم ہو۔ وہی مومن ہے وہی مظلوم ہے۔ اور اس کو جہاد کی اجازت ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ ظالم ہے۔ مظلوم نہیں ہے۔ اس کو نہ جہاد کی اجازت ہے نہ بری باتوں سے (کسی کو) منع کرنے کی اور نہ اچھی باتوں کا حکم دینے کی۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اور اس کو خدا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

رائے بدل گئی۔ اور ارادہ فسخ ہوگیا۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ٧١٠)

بالنهي عن المنكر والامر
بالمعروف لانه ليس من
اهل ذلك ولا ماذون له في
الدعاء الى الله عزوجل لا
ليس مجاهد مثله وامر بدعائه
الى الله ولا يكون مجاهدا من
قد امر المؤمنون بجهاده و
حظر الجهاد عليه ومنعه منه
ولا يكون داعيا الى الله عزوجل
من امر بدعاء مثله الى
التوبة والحق والامر بالمعروف
والنهي عن المنكر ولا يامر با
لمعروف من قد امر ان يؤمر
به ولا ينهى عنه فمن
كانت قد تمت فيه شرائط
الله عزوجل التي وصف بها اهلها
من اصحاب النبي صلى الله عليه
وآله وهو مظلوم فهو ماذون له
في الجهاد كما اذن لهم في الجهاد
ولان حكم الله عزوجل في الاولين و
الآخرين وفرائضه عليهم سواء
الا من علة او حادث يكون

کی طرف بلانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ
یہ مثل ان لوگوں کے نہیں ہے۔ اور اسکو
خدا کی طرف بلانے . . . . . .
. . . .
. . . . . . کا حکم ہوا ہے
مجاہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ جس کے اوپر خود
جہاد کرنے کا مسلمانوں کو حکم ہوا ہو۔ اور
اس کے لئے جہاد کی ممانعت کر دی گئی ہو۔
اور اللہ عزوجل کی طرف وہ شخص کیونکر
بلا سکتا ہے۔ جس کی بابت خود یہ حکم ہو کہ
وہ توبہ کی طرف اور دین حق کی طرف اور
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلایا جائے
امر بالمعروف وہ شخص نہیں کر سکتا جس کی
بابت خود حکم ہو کہ اسے نہی منکر کی جائے۔
پس جس شخص کی ذات میں عزوجل کے وہ شرائط
جن کے ساتھ اس نے ان شرائط کے اہل کو
جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے
تھے۔ موصوف فرمایا ہے۔ کامل طور پر پائے
جائیں وہ مظلوم ہے۔ اور اسے جہاد کی
اجازت ہے۔ جس طرح اصحاب نبی کو جہاد
کی اجازت تھی۔ کیونکہ اللہ کا حکم اگلوں
پچھلوں سب کو شامل ہے۔ اور اس کے

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۱)

الا من علتر او حادث یکون الا ولون فالاخرون ایضاً فی منع الحوادث شرکاء والفرائض علیھم واحدۃ یساں الاخرون من اداء الفرائض عما یسال عنہ الاولون ویحاسبون عما بہ یحاسبون ومن لم یکن علی صفتہ من اذن اللہ لہ فی الجھاد من المومنین ولیس من اھل الجھاد ولیس بما ذون لہ فیہ حتی یفی بما شرط اللہ عزوجل علیہ فاذا تکاملت فیہ شرائط اللہ عزوجل علی المومنین والمجاھدین فھو من الماذونین لھم فی الجہاد فلیتق اللہ عزوجل عنھا من ھذہ الاحادیث الکاذبتہ علی اللہ التی یکذبہا القراٰن ونتبراء منہا ومن حملتھا ورواتھا ولا یقدم

فرائض سب پر یکساں ہیں۔ سوا اس صورت کے کہ کوئی خاص سبب پیدا ہو جائے۔ سوا اس خاص سبب میں بھی اگلے اور پچھلے سب شریک ہیں۔ پچھلوں سے بھی ان فرائض کے ادا کرنے کا سوال ہوگا۔ جن کا سوال اگلوں سے ہوگا۔ اور پچھلوں سے بھی ان اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ جن کا حساب اگلوں سے لیا جائے گا۔ اور جو شخص ان مسلمانوں کے مثل نہ ہو۔ جن کو اللہ نے جہاد کی اجازت دی تھی۔ تو وہ مجاہد بننے کے قابل نہیں ہے۔ اس کو جہاد کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان شرائط کی طرف رجوع کرے جو اللہ عزوجل نے اس بارہ میں قائم کی ہیں۔ جب اس میں وہ شرطیں کامل ہو جائیں گی۔ جو اللہ عزوجل نے مومنین اور مجاہدین کے لئے قائم کی ہیں۔ تو وہ جہاد کا مجاز ہو جائے گا پس اللہ عزوجل سے بندہ کو ڈرنا چاہیئے۔ اور ان آرزوؤں پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ جن سے خدا نے منع کیا ہے۔ ان جھوٹی حدیثوں سے پرہیز کرنا چاہیئے، جو اللہ پر افترا کی جاتی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تحفہ اثنا عشریہ میں لکھی ہے۔ جو مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۱۲)

علی اللہ عزوجل لشبھۃ لا یعذر بھا فانہ لیس وراء المعترض للقتل فی سبیل اللہ منزلۃ یوتی اللہ من قبلھا وھی غایۃ الاعمال فی عظم قدرھا فلیحکم امرء لنفسہ ولیرھا کتاب غزوجل ویعرضھا علیہ فانہ لا احد اعرف بالمرء من نفسہ فان وجدھا قائمۃ بما شرط اللہ علیہ فی الجھاد فلیقدم علی الجھاد وان علم تقصیرا فلیصلحھا ولیقیمھا علی مافرض اللہ علیھا من الجھاد ثم لیقدم بھا وھی طاھرۃ مطھرۃ من کل ولش یحول بینھا وبین جھادھا ولسنا نقول من اراد الجھاد وھو علی اجلاف باوصفنا من شرائط اللہ عزوجل علی

ہیں۔ قرآن جن کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ان سے اور ان کے سننے والوں اور روایت کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ اور کوئی شخص اللہ عزوجل کے سامنے کسی شبہ کے ساتھ جس میں وہ معذور نہ قرار پائے نہ جائے۔ کیونکہ اللہ کی راہ میں قتل کے لئے مستعد ہونے والے سے زیادہ کوئی رتبہ نہیں ہے۔ یہ تمام عظیم الشان اعمال میں زیادہ قابل قدر ہے۔ پس چاہیئے کہ آدمی اپنے نفس کو پیش کردے۔ کیوں کہ اپنے سے زیادہ اپنا حال کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اپنے نفس کو ان شرائط پہ قائم دیکھے۔ جو اللہ عزوجل نے جہاد کے متعلق لگائی ہیں۔ تو جہاد کا ارادہ کرے۔ جہاد کے لئے ایسی حالت میں جائے۔ کہ اس کا نفس تمام ان کثافتوں سے پاک ہو۔ جو اس کے اور جہاد کے درمیان میں حائل ہوں۔ جو شخص جہاد کا ارادہ کرے ہم اس سے نہ کہیں گے کہ وہ اللہ عزوجل کی شرائط کے خلاف ہے جو اس مومنین و مجاہدین کے خلاف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ ۷۱۳)

المؤمنین والمجاهدین لم	فرمائی ہیں) اور ہم کسی سے نہ کہیں گے کہ
تجاهدوا ولکن نقول قد	تم جہاد نہ کرو۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ اہل جہاد
علمنا کما ماشرط الله عزو	کے لئے جن سے اللہ نے بیعت لی ۔ اور بعوض
جل علی اهل الجهاد الذین	جنت کے ان کی جان و مال خرید لی ہے
بایعهم واشتری منهم انفسهم	جو شرطیں اللہ عزوجل نے لگائی ہیں ۔ وہ
واموالهم بالجنان لیصلح امراء	ہم نے تمہیں بتا دیں ۔ پس چاہیئے کہ اگر کوئی
ماعلم من نفسه من تقصیر	شخص اپنے نفس میں کچھ قصور پائے تو اس
عن ذلك ولیعرضها علی شرائط	کی اصلاح کرے ۔ اور اپنے نفس کو اللہ کی
الله فان رای انه قد ولی	شرطوں پر پیش کرے ۔ اگر دیکھے کہ وہ
بها وتکاملت فیه فانه ممن	شرطیں اس میں ہیں اور کامل ہیں تو سمجھ لے
اذن الله عزوجل له فی	کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ
الجهاد وان ابی ان لا یکون	عزوجل نے جہاد کی اجازت دی ہے اور
مجاهدا علی ما فیه من الاصرار	اور وہ باوجود اصرار کے معاصی اور محرمات
علی المعاصی والمحارم و	پر جہاد کرنے سے باز نہ آئے ۔ اور خبط
الاقدام علی الجهاد بالتخبیط	اور نابینائی اور جہالت اور جھوٹی روایتوں
والعمی والقدوم علی الله	کے ساتھ اللہ کے یہاں جانے پر اصرار کرے
عزوجل بالجهل والروایات	تو قسم ہے مجھے اپنی جان کی ۔ جو لوگ ایسا کام
المکاذبة فلقد لعمری	کریں ۔ تو ان کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے
جاء الاثر فیمن فعل	کہ اللہ عزوجل اس دین کو ایسے لوگوں سے
هذا الفعل ان الله عزوجل	مدد پہنچائے گا ۔ جن کو آخرت میں کچھ حصہ
ینصر هذا الدین باقوام	نہیں ہے ۔ پس آدمی کو اللہ عزوجل سے
لاخلاق لهم فلیتق الله عزوجل	ڈرنا چاہیئے ۔ اور اس بات سے بچنا چاہیئے
امرء ولیحذر ان یکون	کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے ۔ اب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عبارت تحفہ متعلق آیہ تطہیر

ومنها قوله تعالیٰ انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا ه گویند مفسرین اجماع کرده اند که این آیت درحق علی وفاطمہ وحسن وحسین علیهم السلام نازل شده دلالت مے کند بر عصمت ایشاں بتاکید تمام وغیر المعصوم لا یکون اماما ۔

منجملہ دلائل مخالفین کے اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا مخالفین کہتے ہیں۔ کہ مفسرین نے اس بات پر اجماع کیا ہے۔ کہ یہ آیت علی وفاطمہ وحسن وحسین علیہم السلام کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ان کے معصوم ہونے پر بتاکید تمام دلالت کرتی ہے۔ اور غیر معصوم امام نہیں ہو سکتا۔

(بقیہ حاشیہ ص۷۱۴)

منهم فقد بین لکم ولا عذر لکم بعد البیان فی الجهل ولا قوة الا بالله وحسبنا الله علیه توکلنا والیه المصیر۔

تم سے خوب واضح بیان کر دیا گیا اور بعد بیان کر دینے کے ناواقف کا عذر نہ سنا جائے گا۔ اور قوت وطاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے

اگرچہ یہ حدیث

ہم نے اس مقام پر محض اس لئے نقل کی تھی کہ اس میں امام جعفر صادق نے فرمایا ہے۔ کہ جن لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت ہے ان کے متعلق اللہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

دریں جا ہم مقدمات ہمہ مخدوش اند۔ اول اجماع مفسرین بر این ممنوع ابن ابی حاتم از ابن عباس روایت مے کنند۔ کہ

(پس معلوم ہوا کہ یہی لوگ امام ہیں) اس دلیل کے تمام مقدمات مخدوش ہیں۔ اول تو مفسرین کا اجماع اس بات پر ممنوع ہے (دیکھو ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ

(بقیہ حاشیہ ۷۱۵)

نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔ کہ ان سے اللہ نے رجس (یعنی ناپاکی) کو دور کر دیا۔ اور انہیں خوب پاک کر دیا۔ اور آگے چل کر امام نے یہ بھی فرما دیا۔ کہ یہ لوگ جن کو جہاد کی اجازت ملی تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین تھے۔ پس اگر رجس دور کر دینا اور پاک کر دینا عصمت کو مستلزم ہے۔ تو چاہیئے کہ صحابہ مہاجرین بدرجہ اولی معصوم ہوں۔ کیونکہ خدا نے ان کی تطہیر بصیغہ ماضی بیان فرمائی ہے۔ کہ ہم نے ان سے رجس کو دور کر دیا اور انہیں پاک کر دیا۔ اور اہل بیت کی تطہیر تو بصیغہ مستقبل بیان فرمائی ہے۔ اس عنوان سے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان سے رجس کو دور کر دے۔ اور انہیں پاک کر دے۔ ان دونوں عنوانوں میں جو فرق ہے۔ وہ ایک میزان پڑھنے والے مبتدی سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا سخت تعجب ہے۔ کہ حضرات شیعہ اسی لفظ سے جو بصیغہ مستقبل وارد ہے۔ اہل بیت کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کے حق میں یہی لفظ جو بصیغہ ماضی وارد ہے۔ اس سے ان کی عصمت نہیں ثابت کرتے۔ بلکہ معاذ اللہ ان کو تمام دنیا کے معاصی قبیحہ اور فسق و فجور کا مخزن یقین کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ھذا السفہ والطغیان گو ہمارا مقصود اس حدیث سے اور بھی بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور وہ فوائد ایسے ہیں کہ ان کے سننے سے مخالفین کے بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔ لہذا بطور نمونہ ان میں سے چند فوائد ہم بیان کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

انها نزلت فی النساء النبی صلی	آیت ازواج نبی صلعم کے حق میں نازل
علیہ وسلم وابن جریر از عسکرمہ	ہوئی ہے۔ اور ابن جریر عکرمہ سے
روایت مے کنند کہ ان کان	روایت کرتے ہیں۔ کہ بازاروں میں
ینادی فی السوق ان قولہ	چرچا ہوتا تھا۔ کہ یہ آیت ازواج نبی
انما یرید اللہ لیذہب	صلعم کے حق میں نازل ہوئی ہے۔
الایۃ نزلت فی نساء النبی	اس آیت کے آگے پیچھے کی آیتوں کے
صلی اللہ علیہ وسلم وظاہر از ملاحظہ	دیکھنے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے
سیاق وسباق آیۃ ہم ہمیں است۔ زیراکہ	کیونکہ یا نساء النبی لستن
از ابتدار یا نساء النبی لستن کاحد	کاحد من النساء سے لے
من النساء تا قولہ واطعن اللہ	کر واطعن اللہ بلکہ والحکمۃ
بلکہ تا والحکمۃ خطاب بازواج	تک ازواج مطہرات ہی سے
مطہرات است۔	خطاب ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۶)

اور امید کرتے ہیں کہ مخالفین میں اگر کچھ لوگ منصف مزاج ہوں گے۔ تو اُن فوائد کو دیکھ کر اس مذہب سے قطعاً بیزار ہو جائیں گے۔ اور یقین کر لیں گے کہ ائمہ اہل بیت پر یہ سب افترا ہے وہ حضرات صحابہ کرام کے مناقب و محامد کے نہایت معتقد اور سنی پاک عقیدہ تھے۔

اس حدیث کے فوائد

(۱) دین اسلام کی طرف لوگوں کو لانا اور فی سبیل اللہ جہاد کرنا انہیں لوگوں کے لئے جائز ہے۔ جو مظلوم ہوں۔ اور کوئی شخص مظلوم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مومن نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان دس صفتوں کے ساتھ موصوف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

و امر ونہی باالیشاں واقع مے شود۔ پس	اور جو کچھ اس آیت میں امر و نہی ہے۔ وہ انہیں ازواج مطہرات کے متعلق ہے اگر کوئی مخالف کیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۷)

نہ ہو۔ غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا ہو۔ اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ کافروں پر سخت اور مسلمانوں پر مہربان ہو۔ اللہ کی رضامندی کا طالب ہو۔ قتل ناحق اس سے صادر نہ ہوتا ہو۔ زنا کار نہ ہو۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہو۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو۔ روزہ اور نماز کا خوب پابند ہو۔ عبادت الٰہی میں خشوع و خضوع کی کیفیت اسے حاصل ہو۔

۲ - جس شخص میں دس اوصاف مذکورہ بالا پائے جائیں۔ وہ مومن ہے اور مظلوم ہے۔ اور اس کے لئے آیت اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت مذکور ہے۔

۳ - اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں۔ جہاد کر سکتے ہیں۔

۴ - یہ آیت در اصل مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ جب کہ کفار مکہ نے ان پر ظلم کیا۔ اور ان کو ان کے گھروں اور جائدادوں سے نکالا۔

۵ - مہاجرین نے اسی آیت کی رو سے بحکم خدا مکہ میں جہاد کیا۔ اور اس آیت کی رو سے بحکم خدا انہوں نے کسرائے و قیصر یعنی ایران و روم میں جہاد کیا۔

۶ - یہ آیت گو مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ مگر جو شخص ان دس اوصاف کے ساتھ موصوف ہوے جو اللہ نے اصحاب نبی کے بیان فرمائے ہیں۔ اس کو بھی یہ آیت شامل ہے۔

۷ - اللہ تعالیٰ نے اصحاب نبی کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ ہم نے ان کی ناپاکی دور کر دی ان کو خوب پاک کر دیا۔ اور ان کے بہ اوصاف بیان فرمائے ہیں (باقی صفحہ ۷۱۹)

کہ ہاں اس سے پہلے اور پیچھے تو خطاب ازواج	در اثنار کلام حال
ہی سے ہے۔ مگر درمیان میں اتنا جملہ ان چار حضرات کے	دیگران مذکور کردن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۸)

محمد رسول اللہ والذین معہ الخ یعنی محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کافروں پر سخت اور اپنے آپس میں مہربان ہیں رکوع و سجدہ میں رہتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی طلب کیا کرتے ہیں یہ حالت ان کی توراۃ انجیل میں مذکور ہے۔ نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ نبی کو اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے ہر چہار طرف محیط ہوگی۔ اور ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ یقیناً وہ مومن کامیاب ہیں۔ جو نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ اور لغو باتوں سے درگزر کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے۔ اور قتل ناحق نہیں کرتے۔ اور زنا نہیں کرتے۔ پھر خدا نے یہ بھی ان کے حق میں فرمایا۔ کہ ہم نے انکا جان ومال بعوض جنت کے مول لے لیا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اپنے عہد کو پورا کر چکے۔ پس جو شخص اصحاب نبی کے ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو۔ وہ خدا کی طرف سے جہاد کا مجاز ہے۔

۸۔ جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں۔ اس کو چاہیئے۔ کہ ان اوصاف کے حاصل کرنے کے بعد جہاد کا ارادہ کرے۔

۹۔ جو شخص ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہ ہو اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے۔ وہ اس حدیث کا مصداق ہے۔ کہ کبھی اللہ ان لوگوں سے اپنے دین کی مدد کرا دیتا ہے۔ جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

۱۰۔ ان سب باتوں کے بیان کرنے کے بعد میں آخر حدیث میں امام جعفر صادق نے یہ بھی فرما دیا کہ دیکھو ہم تمام باتیں بیان کر چکے ہیں۔ بس اب ہر شخص کو چاہیئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

لے تنبیہ بر انقطاع — متعلق ہے۔ تو اس سے کہہ دیا جائے) کہ ایک کلام کے
کلام سابق وافتتاح — درمیان میں بغیر اس بات کے بتائے ہوئے کہ کلام سابق

(بقیہ حاشیہ ۷۱۹)

کہ جھوٹی حدیثوں کے افتراء کرنے سے ڈرے۔ جن کی قرآن تکذیب کرتا ہے۔ اور جن سے جن کے راویوں سے قرآن بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اصحاب نبی کے مناقب ہم بحوالۂ آیات قرآنی تم پر ظاہر کر چکے۔ اب تم لوگ صحابہ کی مذمت کی حدیثیں جو گڑھا کرتے ہو۔ اُن سے باز آؤ۔ وہ حدیثیں آیاتِ قرآنی کی مخالف ہیں۔ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ ان فوائد پر بنظر انصاف غور کرو اور دیکھو کہ صحابہ کرام اور خصوصاً مہاجرین کے کیسے اعلیٰ اعلیٰ مناقب بیان ہوئے ہیں۔ اب دشمنانِ اصحابِ رسول بتائیں۔ کہ امام جعفر صادق ان اوصاف کے بیان کرنے میں سچے ہیں یا نہیں۔ ولنعم ما قال صاحب النصیحۃ۔

اب اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں۔ کہ کسریٰ و قیصر سے قتال کرنے والا خلفائے ثلاثہ کے سوا اور کون تھا۔ پس انہیں خلفاء اور ان کے ساتھیوں کی نسبت امام جعفر صادق نے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ مہاجرین تھے۔ اور ان پر اہل مکہ نے بھی ظلم کیا تھا۔ اور کسریٰ و قیصر نے بھی ظلم کیا تھا۔ اور ان سب سے انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق قتال کیا اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ وہ امام عادل تھے۔ ورنہ ان کے ساتھ ہو کر قتال جائز نہ ہوتا۔ اور ان کا جہاد اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہوتا۔ نیز وہ مومن کامل اور جہاد کی شرائط سے موصوف تھے۔

الحمد للہ علی ثبوت المطلوب۔

امام جعفر صادق نے صاف فرمایا ۔ جنہوں نے قیصر و کسریٰ کو کر دیا پامال
مجاہدین کے اوصاف سے وہ تھے موصوف ۔ کیا انہوں نے باذن خدا جہاد و قتال
مناقب شما ثمار ہوا ثبوت ایسا ۔ کہ منکروں کو بھی انکار کی رہی نہ مجال

جناب مولانا حیدر علی صاحب علیہ رحمۃ نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا العبارۃ العین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کلام جدید مخالف روشن بلاغت است | ختم ہوگیا۔ اور اب نیا کلام شروع ہوتا ہے۔ دوسروں کا حال بیان کرنے لگنا روشِ بلاغت (بلکہ عقلاً) سخت معیوب ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۷۲۰)

میں نقل کیا تھا۔ اس کے جواب میں مخالفین کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب کی حیرانی و بدحواسی قابل دید ہے۔ مجتہد صاحب خوب سمجھ گئے۔ کہ اس حدیث سے صحابہ کرام خصوصاً شیخین کے مناقب اس وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہے ہیں۔ کہ چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ شیخین اور ان کے رفقاء مہاجرین سے نہ تھے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کسریٰ و قیصر سے ان کے سوا کسی اور نے جہاد کیا۔ پس مجتہد صاحب نے اس خوف ناک منظر کو دیکھ کر اور ہر طرف سے راہ گریز مسدود پاکر نہایت سراسیمگی و بدحواسی میں جو جواب دیا ہے وہ تشیید المبانی سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

نہایت آنچہ ازیں حدیث ظاہر مے شود۔ ایں است کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسرے و قیصر بودند۔ وحقیقت خلافت خلفاء ازاں اصلا مستفاد نمے شود زیرا کہ در احادیث معتمدہ اہل سنت وارد شدہ کہ جناب رسالتمآب مسلمین را خبر تسلط خلفائے جور دادہ و امر باطاعت آنہا نمودہ بود۔	انتہائی بات جو اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ قیصر کے لئے ماذون تھے۔ اس سے خلفاء کی حقیقت خلافت مستفاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اہل سنت کی معتبر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مسلمانوں کو خلفائے جور کے تسلط کی خبر دی تھی۔ اور ان کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔

ناظرین مجتہد صاحب کے ہوش وحواس کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں۔ حاصل آپ کے جواب کا یہ ہوا کہ جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے مہاجرین کے ماذون ہونے سے ان کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کہ کلام اللہ را | ز دیکھو سعدی فرماتے ہیں ے سخن را سراست اے خداوند دین
از آں پاک باید | میا در سخن درمیان سخن :: خدا کے کلام کو اس رعیب) سے
دانست واضافہ | پاک یقین کرنا چاہیئے۔ اور آگے پیچھے کی آیتوں میں دو جگہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲۱)

حقیقت خلافت لازم نہیں آتی۔ افسوس مجتہد صاحب ہمارے استدلال پر غور نہیں کرتے نہ حدیث کے مضمون کو دیکھتے ہیں۔ اس حدیث میں صرف یہی بیان نہیں ہوا۔ کہ مہاجرین جہاد قیصر و کسریٰ کے لئے ماذون تھے۔ بلکہ یہ بھی بیان ہوا ہے۔ کہ کوئی شخص جہاد کے لئے ماذون نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ مومن کامل صالح الاعمال نہ ہو۔ پس جب مہاجرین کا ماذون بجہاد ہونا مجتہد صاحب تسلیم کر چکے۔ تو اب ان کے مومن کامل صالح الاعمال ہونے میں کیا چون و چرا کر سکتے ہیں۔ اور جب ان کا مومن کامل صالح الاعمال ہونا ثابت ہو گیا۔ تو ان کی حقیقت خلافت بالبداہہ ثابت ہو جائے گی۔

پھر مجتہد صاحب نے جو وجہ حقیقت مستفاد نہ ہونے کی بیان فرمائی ہے۔ وہ اور بھی لطیف ہے۔ بالکل سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مصداق ہے۔ فرماتے ہیں۔ حقیقت خلافت مستفاد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ اوّل تو سنیوں کی حدیث کا ذکر اس مقام پر بالکل بے موقع اور خلاف اصول مناظرہ ہے۔ کیونکہ یہ مقام دفع الزام کا ہے نہ الزام کا اور دفع الزام اپنی روایات سے ہوتا ہے۔ نہ خصم کی روایات سے۔ دوسرے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجتہد صاحب نے نہ کلینی کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائی ہے۔ نہ ہمارے استدلال کی ان کو خبر ہے کلینی کی حدیث میں اگر مہاجرین کا واجب الاطاعت ہونا مذکور ہوتا۔ اور ہم اس سے استدلال کرتے اور کہتے۔ کہ واجب الاطاعت ہونے سے ان کا امام برحق ہونا لازم آتا ہے۔ تو مجتہد صاحب یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ خلفائے جور کی اطاعت کا بھی حکم احادیث میں وارد ہوا ہے۔ پس کسی کے واجب الاطاعت ہونے سے اس کا امام برحق ہونا لازم نہیں آتا۔ ہمارا استدلال تو یہ ہے کہ اس حدیث میں بیان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بیوت ازواج	بیوتکن کی لفظ میں بیوت کو ازواج (کی ضمیر) کی طرف
درین قول کہ بیوتکن	مضاف کرنا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اہل بیت
نیز دلالت دارد	سے یہی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۷۲۱)

ہوا ہے۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے خدا کی طرف سے مجاز تھے۔ اور جہاد کے لئے خدا کی طرف سے وہی شخص مجاز ہوتا ہے۔ جو مومن کامل صالح الاعمال ہو۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ مہاجرین مومن کامل صالح الاعمال تھے۔ اور جب مہاجرین کا مومن کامل صالح الاعمال ہونا اس حدیث سے ثابت ہوگیا۔ تو اس سے بالضرور یہ نتیجہ نکل آئے گا۔ مہاجرین میں سے جو شخص امام تھا۔ وہ امام برحق تھا۔

اور مہاجرین جس کو امام برحق سمجھتے تھے وہ فی الواقع امام برحق تھا۔ دوسری تقریر ہمارے استدلال کی اس طرح پر ہے۔ کہ اس حدیث میں مہاجرین کا جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے مجاز ہونا بیان کیا گیا۔ اور جب اصول شیعہ جہاد کے لئے وہی شخص مجاز ہوتا ہے۔ جو امام برحق ہو۔ پس ثابت ہوگیا کہ مہاجرین میں سے جو شخص امام تھا۔ وہ امام برحق تھا۔ تیسری تقریر ہمارے استدلال کی اس طرح پر ہے۔ کہ اس حدیث میں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیت محمد رسول اللہ اور آیت قد افلح المومنون اور آیت التائبون العابدون وغیرہ کا مصداق قرار دیا ہے۔ پس جب وہ ان آیات کے مصداق تھے۔ تو وہ ہرگز ظالم و فاسق نہیں ہوسکتے۔ اور ان میں سے جو شخص خلیفہ ہوا۔ وہ خلیفہ جور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خلیفہ عادل و امام برحق ہوگا۔ ہمارے ان تمام استدلالوں سے مجتہد صاحب نے آنکھ بند کرلی۔ اور ایک عجیب بے تکی کہی۔ جس کو ہمارے استدلال سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

مجتہد صاحب کا یہ فرمانا کہ جہاد کے لئے مجاز ہونے سے حقیقت خلافت لازم نہیں آتی۔ اور اس کی یہ وجہ بیان کرنا کہ خلفائے جور کی اطاعت کا حکم بھی وارد ہوا ہے۔ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ زید مر گیا۔ اور جب اس سے زید

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بر آنکہ مراد از اہل بیت دریں آیہ ایشانند۔ چہ بیت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر ہوتی کہ ازواج وارد باشند نمی تواند شد۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان سوائے ازواج مطہرات کے مکانات کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔

(بقیہ حاشیہ)

کے مرجانے کی دلیل پوچھی جائے۔ تو وہ بیان کرے۔ کہ نوشیروان ایران کا بادشاہ تھا۔ بھلا نوشیروان کے بادشاہ ایران ہونے سے اور زید کے مرجانے سے کیا تعلق ہے۔ اسی طرح مہاجرین کے واجب الاطاعت ہونے سے ان کی حقیقت خلافت کے لازم نہ آنے کو ہمارے استدلال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا استدلال ان کے واجب اطاعت ہونے سے نہیں ہے۔

علمائے شیعہ کی یہ عادت قدیم سے ہے۔ کہ جب کچھ نہیں بن پڑتا۔ تو ایسی ناسمجھی کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ کہ خصم ان کو ناقابل خطاب سمجھ کر چھوڑ دے۔ مولوی سید محمد صاحب نے کلینی کی یہ حدیث ضرور دیکھی ہوگی۔ انہیں یہ ضرور معلوم ہوگا۔ کہ نہ اس حدیث میں مہاجرین کا واجب الاطاعت ہونا مذکور ہے۔ نہ اہل سنت ان کے واجب الاطاعت ہونے سے ان کی حقیقت خلافت ثابت کرتے ہیں۔ مگر ان کو اس بات کے کہہ دینے میں کچھ بھی تامل نہ ہوا۔ کہ واجب الاطاعت ہونے سے خلیفہ برحق ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ آں حضرت نے خلفائے جور کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ اس کے بعد مجتہد صاحب نے اپنے منصب اجتہاد کی پوری طاقت ختم کر دی ہے۔ اور بڑے فخر و مباہات کے ساتھ ایک نہایت دقیق بات پیدا کی ہے۔ جو فی الحقیقت انہیں کا حصہ تھی فرماتے ہیں۔

ودریں مقام سرائے دیگر ست۔ کہ تعرض بآن پر ضرور و آں ایں است کہ خلیفہ ثانی بلکہ خلفائے ثلثہ

اور اس مقام پر ایک سرا اور ہے۔ کہ اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ خلیفہ دوم بلکہ تینوں خلیفہ چونکہ آنکھ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ملا عبداللہ گفتہ کہ جمعیت بیوت در بیوتکن و افراد بیت در اہل بیت دال است۔	ملا عبداللہ (شیعی عالم) نے کہا ہے کہ بیوتکن میں بیت کو جمع لانا اور لفظ اہل بیت کو مفرد لانا بتا رہا ہے

(بقیہ حاشیہ ۷۲۴)

چوں بہ رائی العین مشاہدہ نمودہ بودند۔ کہ جناب ولایت افضل و اعلم صحابہ است۔ لہٰذا در اکثر امور عظام مثل جہاد و اجرائے حدود وغیرہ بطریق مشورہ مرضی مبارک جناب امیر دریافت می نمودند چنانچہ این امر بر متتبع خبیر ظاہر روشن است و کلام صدق نظام خلیفہ ثانی لولا علی لہلک عمر و معضلۃ لا ابا حسن لہا کہ در کتب معتمدہ اہل سنت وارد شدہ نیز دلالت صریح بران وارد و در خصوص جہاد فارس فاضل دہلوی نیز مشورہ نمودن خلیفہ ثانی باآں حضرت مذکور ساختہ۔ پس برین تقدیر ماذون بودن مہاجرین و انصار برائے جہاد فارس و شام وغیرہ مستغنی البیان ست و آنچہ جناب امام جعفر صادق اہلسلم	سے دیکھ چکے تھے۔ کہ جناب ولایت مآب تمام صحابہ میں افضل و اعلم ہیں۔ لہٰذا اکثر بڑے بڑے کاموں میں مثل جہاد اور اجرائے حدود وغیرہ کے بطور مشورہ کے جناب امیر کی مرضی مبارک دریافت کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ بات کتابوں کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور کلام صدق نظام خلیفہ دوم کا کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتے اور یہ ایسی مشکل ہے کہ ابوالحسن نہیں ہیں۔ کہ اہل سنت کی معتبر کتابوں میں وارد ہوا ہے۔ صریح دلالت اس بات پر کرتا ہے۔ اور خاص کر جہاد فارس میں فاضل دہلوی (یعنی صاحب تحفہ) نے بھی خلیفہ دوم کا آں جناب سے مشورہ کرنا ذکر کیا ہے۔ پس اس صورت میں مہاجرین و انصار جہاد فارس و شام کے لئے مجاز ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔ اور جو کچھ امام جعفر صادق نے ان کے مجاز ہونے کے متعلق بیان کیا وہ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

واگر ایشاں غیر بیت نبوت است ۔ واگر اگر ایشاں اھل بیت نبی مے بودند و اذکرن ماتیلی فی بتکین واقع مے شد ۔ انتہے کلامہ ۔

اس بات کو ازواج مطہرات کے مکانات اور ہیں ۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان اور ہے ۔ اگر ازواج مطہرات اہل بیت ہوتیں ۔ تو اس آیت میں واذکرن ماتیلی فی بیتکن واقع ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲۵)

باب اذن آنہا فرمودہ بسبب اذن دادن جناب امیر بود ۔ نہ بسبب حقیقت خلافت ثلثہ

بسبب اجازت دینے جناب امیر کے تھا ۔ نہ بسبب حقیقت خلافت خلفائے ثلثہ کے

مجتہد صاحب کی اس بے نظیر تحقیق و تدقیق کا ماحصل یہ ہے ۔ کہ جناب امیر سے خلفائے کسریٰ و قیصر کے جہاد کے لئے مشورہ طلب کیا تھا ۔ اور جناب امیر نے انکو اس جہاد کی اجازت دی تھی ۔ اس وجہ سے امام جعفر صادق نے یہ فرمایا ۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ و قیصر کے مجاز تھے ۔ خدا کی طرف سے ان کو اجازت نہ تھی ۔

مخالفین کو اپنے سلطان العلماء کی اس بے نظیر تحقیق کی داد دینی چاہیئے ۔ سبحان اللہ کیا عمدہ تحقیق ہے جسکے حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ آیت اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا میں خدا نے مہاجرین کو جہاد کسریٰ و قیصر کی اجازت دی تھی ۔ جناب امیر کی اجازت کا تو وہاں نام بھی نہیں ہے ۔ پھر آگے چل کر امام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں اور جتنے مومن کامل صالح الایمان ہیں سب کے لئے خدا نے اس آیت میں جہاد کی اجازت دیدی ہے اب بتائیے جناب امیر کی اجازت کا کیا تعلق رہ گیا ۔

اور بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ جناب امیر ہی نے اجازت دی تھی اور ان کی اجازت بعینہٖ خدا کی اجازت تھی ۔ لہذا امام نے کہہ دیا کہ خدا نے انہیں اجازت دی تھی تو بھی اس بات کا کیا علاج ہے کہ امام فرماتے کہ خدا نے اس آیت میں الٰہی اجازت دی ہے اور اگر اس سے بھی آنکھ بند کر لی جائے تو سوال یہ ہوتا ہے ۔ کہ آیا مہاجرین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بانصاف باید دید کہ	رنہ فی بیوتکن) یہاں تک ملا عبداللہ کا کلام تھا۔ اب
چہ حرف بے مغز است	نظر انصاف سے دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ کیسی بے مغز
زیراکہ افراد بیت در اہل	بات ہے (ملا عبداللہ اتنا بھی نہ سمجھا کہ لفظ اہل
بیت کہ اسم جنس است	بیت (جو) اہل بیت میں رہے (چونکہ اسم جنس ہے)

(بقیہ حاشیہ ۷۲۶)

مومن کامل صالح الاعمال تھے یا نہیں اگر تھے تو فہو المطلوب اگر نہ تھے تو جناب امیر نے بخوشی اجازت دی یا بجبر اگر بجبر ان سے اجازت لی گئی۔ تو یہ اجازت فی الحقیقت اجازت نہیں کہی جاسکتی۔ اور نہ ایسی مجبوری کی اجازت خدا کی اجازت سے قرار پا سکتی ہے۔ اور اگر بخوشی اجازت دی۔ تو جناب امیر نے حکم خدا کے خلاف کیا۔ خدا نے تو ایسے لوگوں کے اوپر خود جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کو جہاد کی اجازت دینے کا اہل نہیں قرار دیا۔ جناب امیر نے ایسے لوگوں کو کیوں اجازت دی۔ مجتہد صاحب بدحواسی میں یہ سب کچھ لکھ گئے۔ مگر انجام کار کا کچھ خیال نہ فرمایا۔ پھر مجتہد صاحب جو فرماتے ہیں۔ کہ خلفاء چونکہ دیکھ چکے تھے۔ کہ جناب امیر تمام صحابہ میں اعلم و افضل تھے۔ اس لئے ان سے مشورہ لیتے تھے ایک سفید جھوٹ ہے۔ جس کی کوئی سند مجتہد صاحب نہیں پیش کر سکتے۔ ہرگز خلفاء کیا معنی۔ صحابہ بھی جناب امیر کو اعلم و افضل نہ جانتے تھے۔ بلکہ یہ رتبہ شیخین ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ اب رہا مشورہ لینا یہ کوئی بات نہیں دیکھیئے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بحکم رب العزت اپنی امت سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب امیر سے زیادہ تر مشورہ اس لئے بھی لیتے تھے۔ کہ جناب امیر ان کے عہد میں منصب وزارت پر مامور تھے۔ اس منصب کی قابلیت جناب امیر میں بہت اچھی تھی۔ چنانچہ خود انہوں نے فرمایا ہے۔ جیسا کہ نہج البلاغۃ میں مذکور ہے۔ کہ میرا وزیر ہونا بہ نسبت میرے خلیفہ ہونے کے تمہارے لئے زیادہ مفید ہے۔ اب رہا حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ علیؓ نہ ہوتے۔ تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔ یہ ان کی انتہا درجہ کی فروتنی اور کسر نفسی ہے۔ جناب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واطلاق اوبر قلیل وکثیر جائز باعتبار اضافت بیت بآں حضرت است۔ کہ ہمہ بیوت ازواج	اور اسم جنس کا اطلاق قلیل وکثیر پر جائز ہے لہذا یوجہ اس کے کہ آں حضرت کی طرف مضاف کی گئی مفرد آئی ہے۔ کیونکہ ازواج کے تمام گھر

(بقیہ حاشیہ ۷۲۷)

امیر کا رتبہ تو پھر بھی بڑا تھا۔ حضرت عمرؓ تو پردہ نشین عورتوں کو بھی اپنے سے بہتر اور برتر سمجھتے تھے ادنیٰ مسلمان کے برابر بھی اپنے کو نہ سمجھتے تھے۔ ان تمام تحقیقات وتدقیقات کے بعد مجتہد صاحب وہی بول بولتے ہیں۔ جو مخالفین کے لئے ہر مشکل کی سپر ہے فرماتے ہیں۔

وهذا كله بعد اغضاء البصر عن احتمال التقية فى ذالك الحديث۔

یہ سب باتیں بعد اس کے ہیں کہ اس حدیث میں احتمال تقیہ سے آنکھ بند کر لی جائے۔ تقیہ کی مجتہد صاحب نے ایک ہی کہی۔ تقیہ کے لئے کوئی موقع محل ہوتا ہے یا ہر جگہ موقع لموقع تقیہ ہو جاتا ہے۔ اگر موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے تو بتائیے اس حدیث میں کون موقع تھا۔ پھر یہ بھی بتائیے کہ امام کو کیا کس نے اس خاص عنوان کے ساتھ اتنے طول طویل عبارت میں آیات قرآنیہ کا حوالہ دے دے کر مہاجرین کے فضائل بیان کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اگر کوئی خوف درپیش تھا اور خواہ مخواہ مہاجرین کی تعریف کرنی ہی تھی۔ تو اس کے لئے اور بہت سے عنوان ہو سکتے تھے آیات قرآنیہ کے حوالہ کی کیا ضرورت تھی پھر اس سے بھی قطع نظر کیجئے امام جعفر صادق کے لئے تو تقیہ کی ممانعت آپ کی حدیث میں مروی ہے پھر ان کی حدیث میں تقیہ کیسا۔ ناظرین نے مجتہد صاحب کے جواب کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسے خرافات کسی عاقل کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔ حضرات مخالفین جواب دینے کے لئے بہت مستعد رہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کے واہی تباہی جوابوں سے سکوت ہزار درجہ بہتر ہے مخالفین کی عجیب کیفیت ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ آؤ قرآن سے فیصلہ کر لو۔ قرآن پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

باعتبار این اضافت یک خانہ است وجمعیت بیوت در بیوتکن باعتبار اضافت بیوت بازواج است کہ اینہا متعدد اند	باعتبار اس اضافت کے ایک گھر کے حکم میں) ہیں۔ اور بیوتکن میں لفظ بیت اس وجہ سے جمع آئی کہ وہاں اضافت اس کی ازواج کی طرف ہے۔ اور وہ بہت تھیں۔

(بقیہ حاشیہ ۷۲۸)

ہمارا بھی ایمان ہے۔ اور تم بھی اس پر ایمان کا دعوے کرتے ہو۔ تو کسی طرح راضی نہیں ہوتے۔ کبھی تحریف کا عذر پیش کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ قرآن کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ غرض حدیثوں کی طرف جھکتے ہیں۔ اس کو بھی ہم منظور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو تم ہماری دو ہزار حدیثوں سے ہمیں الزام دو اور ان کا جواب ہم سے لو مگر براہِ انصاف ہمیں بھی اس کا موقعہ دو کہ ہم ایک ہی حدیث تمہاری یہاں پیش کریں اور تم اس کا جواب دو۔ اس کو بھی منظور نہیں کرتے اور جب کبھی کوئی موقعہ ایسا پیش آجاتا ہے کہ مجبوراً کچھ نہ کچھ اپنی حدیث کا جواب دینا ہی پڑتا ہے تو ایسے خرافات ومزخرافات لکھ دیتے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے طبیعت متنفر ہو اور ایسے جواب دینے والے کو نا قابل خطاب سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ کافی کی اسی حدیث کا جو جواب مجتہد صاحب نے دیا نمونہ کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد ہی مجتہد صاحب کو اپنی ایک دوسری حدیث کا بھی جواب دینا پڑا ہے۔ وہ قابل دید ہے۔ یہ حدیث مخالفین کی بہت سی معتبر کتابوں میں منقول ہے۔ خلاصہ مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر نکل آیا جو کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کلند لے کر اس پتھر پر ضرب لگائی پہلی ضرب میں ایک ٹکڑا اس پتھر کا ٹوٹا اور عجیب روشنی نکلی۔ حضرت نے فرمایا اللہ اکبر شام کی کنجیاں مجھے ملیں۔ پھر دوسری ضرب میں ایسا ہی ہوا اور آپ نے فرمایا یمن کی کنجیاں میرے ہاتھ میں آگئیں۔ تیسری ضرب میں وہ پتھر بالکل ٹوٹ گیا اور ویسی ہی روشنی نکلی حضرت نے فرمایا ملک فارس میرے قبضہ میں آگیا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۳۰ پر)

آنچہ ملائے مذکور گفتہ کہ لا یبعد ان یقع بین المعطوف والمعطوف علیہ فاصل و آں فاصل دراں طال چنانچہ دریں آیہ کریمہ واقع شد۔ قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل ثم قال بعد تمام ھذہ الایۃ و اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ قال المفسدون و اقیموا الصلوٰۃ عطف علی اطیعوا انتہی کلامہ پوچ تر از کلام سابق اوست ۔ زیراکہ وقوع فصل بین المعطوف والمعطوف

اور ملائے مذکور نے جو یہ کہا ہے ۔ کہ یہ امر از روش بلاغت سے بعید نہیں ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان میں کوئی چیز فاصل آجاتے یہ گو وہ فاصل طویل ہو۔ جس طرح کہ آیت کریمہ میں ہے ۔ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل ۔ پھر اس آیت کے تمام ہونے کے بعد فرمایا۔ واقیموا الصلوٰۃ کا عطف اطیعوا پر ہے پس دیکھو اقیموا الصلوٰۃ کا عطف اطیعوا کے درمیان میں فان تولوا الخ فاصل آگیا۔ یہاں تک ملا کا کلام تھا یہ کلام اس کے پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے ۔ اس وجہ سے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان میں کسی ایسے فاصل کا آجانا جو صرف باعتبار اعراب کے اجنبی ہو اور باعتبار مضمون کے اجنبی نہ ہو)

(بقیہ حاشیہ ۷۲۹)

اہل سنت کا استدلال اس حدیث سے اس طرح ہے ۔ کہ یمن و ملک شام و ملک فارس حضرت کے زمانہ میں مفتوح نہیں ہوا ۔ بلکہ خلفائے ثلاثہ نے فتح کیا اور انہیں کے قبضہ میں آیا پس اس حدیث میں جو حضرت نے ان ممالک کا اپنے قبضہ میں آنا بیان فرمایا ہے اس کے صادق ہونے کے سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ خلفاء ثلثہ آنحضرت صلعم کے خلیفہ برحق اور جانشین تھے ۔ اس لیئے ان کا قبضہ بعینہ حضرت کا قبضہ تھا مجتہد صاحب نے اس کے جواب میں جو خرافات لکھے ہیں ان کے لئے ازالۃ الغین دیکھنا چاہیئے ۱۲ ۔

علیہ بامر اجنبی من حیث الاعراب
کہ تعلق بصنعت نحاۃ دارد
بلاشبہ جائز است لیکن بما ضرر
ندارد زیرا کہ در ما نحن فیہ
اجنبیۃ و مغائرت باعتبار
موارد آیات لاحقہ و سابقہ
لازم می آید و منافی بلاغت
انسیت نہ آن و آنچہ از مفسرین
نقل کردہ وا قیموا الصلوۃ معطوف
براطیعوا الرسول است صریح
الفساد است زیرا کہ بعد از
اقیموا الصلوۃ باز لفظ واطیعوا
الرسول واقع است پس عطف
الشی علی نفسہ لازم خواہد آمد
وازیں پوچ تر کلامے دیگر
گفتہ است کہ مضحک کافیہ
خوان میتواند شد میگوید
کہ بین الآیات مغائرت
انشائیہ و خبریت چہ آیہ تطہیر
جملہ ندائیہ و خبریہ است و
ماقبل و مابعد او کہ امر و نہی است
انشائیہ و عطف انشائیہ بر خبریہ
نمی آید ممنوع است اول در آیۃ

جائز ہے کیونکہ اعراب کی اجنبیت فن
نحو سے تعلق رکھتی ہے (اصل معنی پر اس کا کچھ
اثر نہیں پڑتا) مگر یہ ہمیں مضر نہیں ہے اس واسطے
کہ ہماری اس بحث میں (فاصل کی) اجنبیت اور
مغائرت باعتبار مضمون آیات لاحقہ و سابقہ
کے لازم آتی ہے (نہ صرف باعتبار اعراب
کے) اور بلاغت کلام کے منافی اسی اجنبی کا
آجانا ہے۔ جو باعتبار مضمون کے اجنبی ہو نہ
ایسے اجنبی کا آجانا جو صرف باعتبار اعراب
کے اجنبی ہو۔ پھر ملا نے جو بعض مفسرین سے
نقل کیا ہے کہ اقیموا الصلوۃ اطیعوا الرسول
پر معطوف ہے۔ یہ بھی ایک لغو بات ہے
کیونکہ بعد اقیموا الصلوۃ کے پھر لفظ اطیعوا الرسول
واقع ہے۔ پس شئی کا لفظ اپنے ہی اوپر لازم
آوے گا اور اس سے زیادہ لغو بات
(ملا عبداللہ نے) ایک اور کہی ہے۔ کہ اس پر
کافیہ خوان لڑکے بھی ہنسیں گے۔ کہتا ہے
(کہ آیت تطہیر کے آگے پیچھے کی) آیتوں کے
درمیان انشائی و خبری مغائرت ہے۔ کیونکہ
آیت تطہیر جملہ ندائیہ اور خبریہ ہے۔ اور ماقبل
و مابعد اس آیت کا امر و نہی ہے۔ انشائیہ ہے
اور انشائیہ کا عطف خبریہ پر نہیں ہوتا۔ اس
بات کو ہم نہیں مانتے۔ اول تو آیت تطہیر میں

تطہیر حرف عطف کجاست بلکہ
تعلیل است برائے امر باطاعت
فی قولہ واطعن اللہ ورسولہ وجملہ
ندائیہ را معلل بجریہ کردن در تمام قرآن
واحادیث وکلام بلغا رائج ومشہور
است مثل اضرب زیدا انہ فاسق یا
اطعنی یا غلام انما اریدان اکرمک واگر
عطف واذکرن مراد دارد پس معطوف
علیہ او اطعن وقرن ودیگر اوامر سابقہ
نہ انما از ینجا عربیت دانی علمائے
ایشاں توان فہمید وباوصف این
قصور ہین کہ در نحو وصرف دارند
میخواہند کہ در تفسیر کلام اللہ دست
انداز شوند مگر موشی بخواب اندر شتر شد
وایراد صیغہ مذکر در عنکم بملاحظہ لفظ
اہل سنت قاعدہ عرب است کہ چوں
چیزے راکہ فی الحقیقۃ مونث باشد
بلفظ مذکر ملاحظہ نمایند وخواہند
کہ بآن لفظ ازو تعبیر کنند صیغ تذکیر
در حق آن مونث استعمال کنند مثل قولہ
تعـ خطابا بالسارۃ علیہا السلام
اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ
علیکم اہل البیت انہ حمید مجید

حرف عطف کہاں ہے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کا قول
واطعن اللہ ورسولہ میں جو اطاعت کا
حکم دیا گیا ہے۔ آیت تطہیر میں اس کی وجہ بیان
کی گئی ہے اور جملہ انشائیہ کی دلیل میں جملہ خبریہ
کالانا تمام قرآن وحدیث اور بلغا کے کلام
میں مشہور اور رائج ہے مثلاً اضرب زیدا
انہ فاسق یا اطعنی یا غلام انما ارید آن
اکرمک اور اگر ملانے واذکرن کا عطف
مراد لیا ہے تو معطوف علیہ اس کا واطعن
وقرن امر کے صیغہ ہیں۔ نہ انما۔ اسی
اسی جگہ سے شیعی علماء کی عربی دانی کو سمجھ لینا
چاہیئے۔ اور باوجود ایسی سخت نا قابلیت
کے چاہتے ہیں۔ کہ کلام اللہ کی تفسیر میں دست
اندازی کریں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک چوہے
نے خواب دیکھا کہ میں اونٹ ہو گیا ہوں اور
صیغہ مذکر عنکم میں لانا لفظ اہل کی رعایت
سے ہے اور اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ
جب کسی چیز کو کہ فی الحقیقت مونث ہوتی ہے
مذکر کے ساتھ ملاحظہ کرتے ہیں اور چاہیں کہ
اس لفظ سے اسے تعبیر کریں تو مذکر کا صیغہ اس
مونث کے حق میں استعمال کرتے ہیں مثل اللہ برتر کے قول
کے جس میں حضرت سارہؓ سے خطاب کیا گیا ہے۔
اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل

و آنچہ در ترمذی و دیگر صحاح مروی
است۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم ایں چہار کس را نیز در کسائے
گرفت و دعا فرمود کہ اللہم ہؤلاء
اهل بیتی فاذهب عنکم الرجس
وطہرهم تطہیرا و ام سلمہ گفت
کہ مرا نیز شریک بکن۔ فرمود کہ
انت علی خیر و انت علی مکانك
دلیل صریح است۔ بر آں کہ
نزول آیت در حق ازواج
بود۔ و آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم ایں چہار کس را نیز بدعائے
خود دریں وعدہ داخل ساخت
و اگر نزول آیت در حق اینہا مے
بود۔ حاجت بدعا چہ بود
و آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
چرا تحصیل حاصل مے فرمود
و لہٰذا ام سلمہ را دریں دعا
شریک نہ کرد۔ کہ در حق او
ایں دعا را تحصیل حاصل
دانست۔ و محققین اہل سنت
برآنند کہ ہر چند ایں آیہ در مخاطبہ
ازواج واقع است اما بحکم العبرۃ

باقی رہا جو ترمذی اور دوسری صحیح حدیثوں میں مروی
ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان چار آدمیوں (یعنی علیؓ و
فاطمہؓ حسنؓ حسینؓ) کو بھی اپنی کملی میں داخل کیا اور
دعا فرمائی۔ اللہم ہؤلاء اهل بیتی فاذهب
عنہم الرجس وطہرهم تطہیرا۔ یعنی
اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں پس ان
سے بھی ناپاکی کو دور کر دے اور ان کو خوب پاک
کر دے تو حضرت ام المومنین ام سلمہؓ نے کہا کہ مجھ کو
شریک کر لیجئے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا کہ انت علی خیر و انت علی مکانك
یعنی تم اس سے بہتر حالت میں ہو اور اپنے
مرتبہ پر ہو یہ حدیث صاف بتا رہی ہے۔ کہ
اس آیت کا نزول ازواج مطہرات ہی کے حق
میں تھا اور حضرت نے ان چار شخصوں
کو بھی بذریعہ دعا اس وعدہ میں داخل کیا۔ اور
اگر اس آیت کا نزول (حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و
حسینؓ) کے حق میں ہوتا تو حضرت کو دعا کرنے کی
کیا حاجت تھی اور جو بات تھی اس کے حاصل
کرنے میں آپ کیوں کوشش فرماتے اس لیئے
ام سلمہؓ کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا کیونکہ ان
کے حق میں اس دعا کو تحصیل حاصل سمجھا محققین اہل سنت
اس طرف ہیں کہ گو یا آیت تمام ازواج مطہرات کے
خطاب میں ہے لیکن بحکم العبرۃ لعموم اللفظ

لعموم اللفظ لا بخصوص السبب
جمیع اہل بیت دریں بشارت داخل
اند وجناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ
ایں دعا در حق چہار کس موصوف
فرمود نظر بخصوص سبب بود و
نیز قرائن مخصوصیت بازواج از
سابق ولاحق کلام دریافتہ ترسید
کہ مبادا خاص بازواج باشد و
لہذا در روایت صحیحہ مثل ایں معاملہ
باحضرت عباس وپسران او نیز
ثابت ست و مدعا آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بود کہ جمیع
اقارب خود را در لفظ اہل بیت کہ در
خطاب الٰہی وارد شدہ داخل سازند
مانند آنکہ بادشاہ کریم یکے از مصاحبان
خود را بفرماید کہ اہل خانہ خود را
حاضر کن تا خلعت دہم و نوازش
فرمائم۔ ایں مصاحب عالی ہمت ہمہ
متوسلان خود را گوید اینہا اہل خانہ
من اند تا در خلعت و نوازش بادشاہی
ہر ہمہ را نصیبے باشد۔ اخرج البیہقی
عن ابی اسید الساعدی قال
قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ

لا بخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص
سبب کا تمام اہل بیت اس بشارت میں داخل ہیں
اور جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعا چار
شخصوں کے واسطے مانگی۔ اس کا کوئی خاص
سبب ہے نیز آں حضرت آگے پیچھے کی آیتوں میں
ازواج مطہرات کے ساتھ خصوصیت سے
قرینے دیکھ کر ڈرے کہ مبادا یہ وعدہ ازواج
مطہرات سے خاص ہو۔ اسی وجہ سے بیہقی کی
صحیح روایت میں ایسا ہی معاملہ حضرت عباس
اور ان کے صاحبزادوں کے ساتھ بھی ثابت
ہے۔ مدعا یہی تھا کہ اہل بیت کی لفظ تمام
خطاب الٰہی میں وارد ہوا ہے۔ اپنے تمام
عزیزوں کو داخل فرماویں اس کی ایسی مثال ہے
کہ ایک بادشاہ کریم اپنے مصاحبوں میں سے کسی
مصاحب سے کہے کہ میرے پاس اپنے گھر والوں
کو حاضر کرنا کہ میں انہیں خلعت دوں اور ان پر
نوازش کروں یہ مصاحب عالی ہمت اپنے تمام
اعزا و اقارب و احباب کو دربار شاہی میں لائے
اور کہے کہ یہ میرے سب اہل خانہ ہیں۔ اس وجہ سے کہ بادشاہی
خلعت و نوازش سے سب لوگ بہرہ مند ہوں بیہقی
نے ابی اسید ساعدی سے نقل کر کے روایت کی
ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عباس بن عبد المطلب سے فرمایا کہ اے ابو الفضل

وسلم للعباس ابن عبدالمطلب
یا ابا الفضل لا تزم منزلك
انت وبنوك غدًا حتی
اتیکم فان لی فیکم حاجة
فانتظروه حتی جاء بعدما
اضحی فدخل علیهم وقال
السلام علیکم فقالوا وعلیك
السلام ورحمة الله وبرکاته
قال کیف اصبحتم قالوا
اصبحنا بخیر نحمد الله فقال
لهم تقاربوا فزحف بعضهم
الی بعض کی اذا امکنوه
اشتمل علیهم بملاءته
ثم قال یا رب هذا
عمی صنو ابی وهؤلاء
اهل بیتی استرهم
من النار کستری ایاهم
بملاءتی هذه قال فامنت
اسکفة الباب وحوائط البیت
وقالت آمین آمین ط
وابن ماجه نیز این حدیث را مختصر روایت
کرده اند و محدثین دیگر این قصه را
بطرق متعدده در اعلام النبوة

کل میں جب تک تمہارے پاس نہ آؤں۔ اس
وقت تک تم اور تمہارے لڑکے اپنے گھر سے
باہر نہ جائیں تم سے مجھے کچھ ضرورت ہے
پس حضرت عباس نے معہ صاحبزادوں کے
رسول خدا کا انتظار کیا یہاں تک کہ رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے روز بعد چاشت
کے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا
السلام علیکم حضرت عباس اور ان کے صاحبزادوں
نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا پھر
رسول خدا نے فرمایا کہ تم لوگوں نے کیونکر صبح کی تو حضرت
عباس نے کہا صبح ہماری بخیریت ہوئی ہم لوگ
اللہ کا شکر کرتے ہیں پھر حضرت نے ان سے فرمایا
کہ سب لوگ پاس پاس بیٹھ جاؤ چنانچہ سب لوگ
سرک سرک کر قریب ہو گئے جب وہ لوگ برابر ہو
گئے تو آپ نے اپنی چادر میں ان کو لے لیا اور دعا
کی اے میرے پروردگار یہ میرے چچا اور میرے والد کے
ہمسر اور میرے اہلبیت ہیں ان کو آگ سے محفوظ رکھ
جس طرح کہ میں نے اپنی چادر سے ان کو پوشیدہ کر
لیا ہے اس دعا پر دروازہ کے سائبان اور گھر
کی دیواروں نے آمین کہی اور آواز آئی کہ آمین
آمین اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو مختصر روایت
کیا ہے اور دوسرے محدثین نے اس قصہ کو متعدد
سندوں سے علامات نبوت میں روایت کیا ہے۔

روایت کردہ اند و آنچہ ملا عبداللہ
گفتہ کہ مراد از بیت بیت نبوتست
و اہل بیت لغت شک نیست کہ شامل
ازواج خادمان و امار ازواج کہ
مسکنے در بیت داشتہ نیز
ہست۔ اما معنی لغوی باین وسعت
باتفاق مراد نیست پس مراد زینہا
خمسہ آل عبا باشد کہ حدیث کسا
تخصیص ایشاں کردہ انتہیٰ کلام نیز
از قبیل سخنان گذاشتہ اوست زیرا
کہ اگر معنی لغوی باین وسعت مراد
باشد محذوری کہ لازم می آید ہماں
عموم عصمت است کہ نزد شیعہ ازیں
آیت ثابت میشود و چوں اہل سنت
در فہم عصمت ازیں آیت با شیعہ اتفاق
ندارند و معتقد عصمت در حق خمسہ
آل عبا ازواج مطہرات نیز نیستند
پس در نفی این عموم چرا اتفاق خواہند
کرد کہ رحمۃ واسعہ الٰہی را تنگ کردنست
و نیز ارادہ معنی لغوی باین وسعت
اگر مراد نباشد ازاں جہت نخواہد بود
کہ قرائن و الّا از آیات سابقہ و لاحقہ
تعین مراد میکنند و نیز عقل ہم تخصیص

اور یہ جو ملا عبداللہ نے کہا ہے کہ مراد بیت سے
بیت نبوت ہے اور لفظ اہل بیت بلا شک از روئے
لغت بیبیوں بلکہ بیبیوں کے لونڈی غلاموں کو جو
اس گھر میں رہتے ہوں شامل ہے مگر معنی لغوی
اس گھر میں رہتے ہوں شامل ہے
پس مراد اہل بیت سے ہی خمسہ آل عبا
ہوں گے۔ جن کی تخصیص حدیث کساء
نے کر دی ہے۔ فقط اس کا یہ کلام بھی
مثل اس کی گذشتہ باتوں کے ہے۔ کیونکہ
اگر معنی لغوی اس وسعت کے ساتھ مراد ہوں
تو یہی خرابی لازم کہ شیعوں کے نزدیک عصمت
جو اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ عام ہو
جائے گی۔ مگر چونکہ اہل سنت اس آیت
سے عصمت کا مضمون سمجھنے میں شیعوں کے
ساتھ متفق نہیں ہیں اور خمسہ آل عبا بلکہ
ازواج مطہرات کو بھی معصوم نہیں سمجھتے۔ پس
وہ اس معنی عام کے مراد نہ ہونے میں کیوں
شیعوں کے ساتھ متفق ہو کر خدا کی وسیع
رحمت کو تنگ کرنے لگے۔ نیز اگر معنی لغوی
اس وسعت کے ساتھ مراد نہ ہوں گے تو اس
کی وجہ یہ ہو گی۔ کہ آگے پیچھے کی آیتوں کے
قرائن تعین مراد کرتی ہیں نیز عقل بھی
تخصیص کرتی ہے کہ یہ لفظ عرب میں انہیں

می نماید این لفظ را در عرف به
کسائی که در خانه سکونت دارد نه
بقدر انتقال و تحول و تبدل در آنها
عادة جاری نه باشد مثل ازواج
و اولاد نه خدمت گاران و
کنیزکان و غلامان که عرصهٔ
تبدل و تحول اند بانتقال
از ملکے بملکے و اعتاق و
هبه و بیع و اجاره و تخصیص
کسائے و قضیے دلالت
بر تخصیص این چند کس باهل
بیت بودن می کرد که فائده
دیگر درین تخصیص ظاهر نمی شود
و درین جا فائده اش دفع
مظنهٔ نبودن این اشخاص
در اهل بیت است بنظر
بآنکه مخاطب ازواج اند
فقط و عجب آن است
که باتفاق اهل اسلام
چه شیعه و چه اهل سنت
در تعظیم ازواج آن حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم لفظ مطہرات
و بیشک ولیے

لوگوں پر بولنا چاہیئے۔ جو گھر میں رہتے ہوں
اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے
ہوں تو عادۃ ان میں تحویل و تبدیل جاری
نہ ہو۔ مثل ازواج و اولاد کے نہ مثل
خدمت گاروں اور لونڈی غلاموں کے
کہ ان میں تبدیل و تحویل ہوتا رہتا ہے ایک
کی ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک
میں جاتے ہیں۔ آزاد کیئے جاتے ہیں بیع
کئے جاتے ہیں۔ اجارہ میں دیئے
جاتے ہیں۔ اور حدیث کساء خاص انہیں
لوگوں کے اہل بیت ہونے پر اس
وقت دلالت کرتی ہے جب کہ اس تخصیص
میں اور کوئی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ یہاں
اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ گمان دفع ہو جائے
کہ یہ لوگ اہل بیت نہیں ہیں بخیال اس
کے کہ مخاطب صرف ازواج ہیں۔ تعجب
یہ ہے کہ باتفاق تمام اہل اسلام کے کیا
شیعہ کیا سنی لفظ مطہرات آں حضرت صلے
اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ
بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری
اور ملا عبد اللہ مشہدی اور ان کے دوسرے
علماء کے کلام میں ہزاروں جگہ دیکھا گیا اور ظاہر
ہے کہ یہ لقب آیت تطہیر سے لیا گیا ہے۔ اور

دغدغہ برزبان منصفان
ایشاں جاری مے شود اگر کسے
گوید کہ آیہ تطہیر شعر یہ تطہیر
ازواج است رگ گردن
برداشتہ بہ بحث وجدال
مے آویزند العیاذ باللہ
دوم آنکہ دلالت این آیہ بر
عصمۃ مبنی برچند بحث است
یکے آنکہ لیذھب عنکم الرجس
در ترکیب نحوی چہ محل دارد
مفعول برائے یرید است
یامفعول بہ دیگر آنکہ معنی اہل
بیت چہ چیز است واز رجس
چہ ارادہ نمودہ اند ودریں ہر
سہ مقام گفت گو بسیار است
کہ در تفاسیر مبسوط باید دید
وبعد اللتیا والتی اگر لیذہب
مفعول بہ است ۔ واہل بیت
ونیز منحصر درہمیں چہار کس و
مراد از رجس مطلق گناہ باز ہم
دلالت ایں آیت برعصمۃ مسلم
نیست ۔ بلکہ برعدم عصمت
دلالت دارد ۔ زیرا کہ چیزے

لفظ ازواج مطہرات بے شبہ اور بے تامل
اُن کے منصفوں کی زبان پر جاری ہے
لیکن اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ آیت تطہیر
ازواج کی پاکی کو ظاہر کر رہی ہے
تو ۔ ۔ ۔ یہ گردن کی رگیں پھلا کر لڑنے کے
لئے آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ معاذ اللہ
دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا
عصمت پر دلالت کرنا ہی چند بحثوں
پر موقوف ہے ۔ اول یہ کلمہ لیذھب
عنکم الرجس ترکیب نحوی میں موقع پر
آیا ہے آیا یرید کا مفعول کہ ہے یا مفعول بہ
دوسرے یہ کہ اہل بیت کے معنے کیا
ہیں ۔ اور رجس سے کیا مراد ہے ان تینوں
باتوں میں بہت گفتگو ہے ۔ بڑی بڑی
تفسیروں میں دیکھنا چاہیئے اور بعد ان
تمام باتوں کے اگر لیذھب مفعول بہ
ہو اور اہل بیت بھی انہیں چار شخصوں
میں منحصر ہوں اور رجس سے بھی مراد مطلق گناہ
ہو تب بھی اس آیت کی دلالت عصمت پر
مسلم نہیں ہے ۔ کیونکہ جو چیز پاک ہوتی
ہے اس کو نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس کو پاک
کرنا چاہتے ہیں ۔ انتہا کی بات یہ ہے
کہ بعد تعلق اس ارادہ کے ان چند اشخاص

پاک شد اور انمے توان گفت
کہ مے خواہیم کہ پاک کنیم غایۃ ما
فی الباب محفوظ بودن این اشخاص
چند بعد از تعلق این ارادہ از
رجس و گناہ ثابت میشود لیکن انہم
بر اصول اہل سنت نہ بر اصول شیعہ
زیراکہ وقوع مراد الٰہی لازم ارادہ
او نیست نزد ایشان بسا چیز ہا کہ
حق تعالےٰ ارادہ مے فرماید و شیطان
و بنی آدم واقع شدن نمی دہند
چنانچہ در الہیات گذشت بالجملہ
اگر افادہ معنی عصمت منظور مے
بود می فرمود اِنَّ اللّٰہ اذہب عنکم
الرجس اہل البیت وطہرکم
تطہیرا و این بر ظاہر است
اغنیا ہم این را مے فہمند چہ
جائے اذکیا و نیز این کلمہ
مفید عصمت مے شد بالیقین
کہ ہمہ صحابہ علی الخصوص حاضران
جنگ بدر قاطبہ معصوم مے
شدند - زیراکہ در حق ایشان
بتفریق فرمودہ اند و قولہ تعالیٰ
ولکن یرید لیطہرکم و

کا رجس و گناہ سے محفوظ ہونا ثابت ہوگا لیکن
وہ بھی اصول اہل سنت پر نہ اصول شیعہ پر
کیونکہ ان کے نزدیک مراد الٰہی کا واقع
ہو جانا ارادہ میں ضروری نہیں - بہت
چیزیں ایسی ہوتی ہیں - کہ حق تعالےٰ ان
کا ارادہ کرتا ہے - مگر شیطان اور بنی
آدم . . . . . . اس کو واقع ہونے
نہیں دیتے - چنانچہ الہیات میں گذر چکا
خلاصہ یہ کہ اگر مضمون عصمت کا ادا کرنا
مقصود ہوتا تو اللہ تعالےٰ یوں فرماتا -
ان اللّٰہ اذہب عنکم الرجس (یعنے
خدا تعالےٰ نے تم سے ناپاکی دور کر دی)
اہل البیت وطہرکم تطہیرا - یہ ایسی کھلی
ہوئی بات ہے - کہ غبی لوگ بھی اس
کو سمجھ سکتے - چہ جائے کہ عقلا نیز اگر یہ
کلمہ مفید عصمت ہو تو چاہیئے کہ تمام صحابہ
خصوصًا حاضران جنگ بدر قطعًا معصوم ہو
جائیں - کیونکہ ان کے حق میں اللہ
تعالےٰ نے کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے
ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم و
لعلکم تشکرون اور نیز فرمایا ویذہب عنکم رجس الشیطان
اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ کے
حق میں نعمت کے پورا کرنے کا مضمون

لیتم نعمتہ علیکم ولعلکم
تشکرون وقولہ تعالیٰ ویذہب
عنکم رجس الشیطان وظاہر
است کہ اتمام نعمت بدون
حفظ از معاصی واز شر شیطان متصور
نیست وتخصیصے کہ در لفظ
تطہیر واذہاب رجس بطریق احتمال
راہ مے یافت ۔ دریں جا
ھباءً منثورا گشت ۔ سیوم آنکہ
غیر المعصوم لا یکون اماما
مقدمہ الیست ۔ باطل و
ممنوع در کتاب و اقوال
عترت تکذیب آں سفیر
مایند ۔ سلمنا لیکن ازیں دلیل
صحۃ امامت حضرت امیر ثابت
شد ۔ اما آنکہ امام بلا فصل
او بود پس از کجا جائز ست کہ یکے
از سبطین امام باشد وبقاعدہ
لا قائل بہ تمسک کردن دلیل عجز
است اذ المعترض لا مذہب لہ ۔

بہ نسبت ان دونوں لفظوں کے زائد
ہے ۔ اور عصمت پر زیادہ دلالت
کرتا ہے ۔ کیونکہ نعمت کا پورا کرنا بغیر
گناہوں سے اور شیطان کے شر سے
محفوظ رکھنے کے ممکن نہیں ۔ اور جو
خصوصیتیں کہ لفظ تطہیر اور اذہب رجس
ہیں بطور احتمال ہو سکتی تھیں ۔ وہ سب
یہاں کافور ہو گئیں ۔ تیسری بات یہ
ہے کہ مخالفین کا یہ کہنا کہ غیر معصوم امام
نہیں ہوتا ۔ ایک غلط و ممنوع
بات ہے ۔ قرآن و اقوال عترت
اس کی تکذیب کرتے ہیں ۔ اور ہم
تسلیم بھی کر لیں ۔ تو اس سے جناب
امیر کا صرف امام بحق ہونا ثابت ہو جائے
گا ۔ مگر امام بلا فصل ہونا کہاں سے
ثابت ہوگا ۔ جائز ہے کہ امام بلا
فصل حسنین ؓ ہیں سے ۔ کوئی ہو اور
یہ کہنا کہ اس کا کوئی قائل نہیں
عاجزی کی دلیل ہے کیونکہ معترض کا
کوئی مذہب نہیں ہوتا ۔

تحفہ کی عبارت ختم ہو گئی ۔ دیکھیے کیسی متین اور پرزور عبارت ہے کیا
ممکن ہے کہ کوئی منصف اسی عبارت کو دیکھ کر پھر زبان سے یہ بیہودہ لفظ نکالے
کہ آیت تطہیر سے عصمت و امامت مفروضہ ائمہ کرام کی ثابت ہوتی ہے ۔ بلکہ

دیکھئے مخالفین کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مبتعین عبارت کے جواب میں کیا گوہر افشانی فرماتے ہیں لکھتے ہیں ۔

اقول تحریر استدلال بآیۂ علیؓ
وجہ الاختصار برین نہج است کہ
بنابر روایات مستفیضہ بلکہ
متواترہ بالمعنی کہ در کتب فریقین
مزبور گردیدہ وہم بنابر اقوال
جمہور مفسرین اہل سنت آیہ
مزبورہ در شان حضرت امیر و
فاطمہ و حسن و حسین نازل شدہ
و مراد از ارادۂ ازالہ رجس
ارادہ است کہ علت تامہ وقوع
مراد باشد و عند وجود علت
یجب وجود المعلول زیراکہ
مطلق ارادہ کہ مستتبع وقوع
مراد نباشد ۔ در حق سائر
مکلفین متحقق است ۔ پس
اختصاص باہل بیت و انحصار
کہ مقتضائے لفظ انما است
لغو باشد ۔ و نیز آیہ در محل
مدح اہل بیت وارد شدہ
اتفاقاً و ارادہ غیر مستتبع فعل
مستلزم مدح نیست کما لا یخفی

میں کہتا ہوں کہ (شیعوں) کے استدلال
کی تقریر اس آیت سے مختصر طور پر
اس طرح ہے کہ بنائے روایات مستفیضہ
بلکہ متواترہ جو فریقین کی کتابوں میں درج
ہیں اور بر بنائے اقوال جمہور مفسرین اہل سنت
آیۂ مذکورہ حضرت امیرؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ
کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ اور مراد رجس
کے دور کرنے کے ارادہ سے وہ ارادہ
ہے جو علت تامہ وقوع مراد کا ہو اور بوقت
پائے جانے علت کے وجود معلول کا ضروری
ہو جاتا ہے کیونکہ مطلق ارادہ رجس سے
وقوع مراد لازم نہ آئے ۔ تمام مکلفین کے
حق میں پایا جاتا ہے ۔ پس خصوصیت
اہل بیت کی اور انحصار جو مقتضائے
لفظ انما کا ہے ۔ لغو ہو جائے گا نیز
یہ آیت بالاتفاق مقام تعریف
اہل بیت میں ہے ۔ اور وہ ارادہ
جو مستلزم فعل کو ہے مفید مدح نہیں
ہے ۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور نیز
موافق بعض احادیث کے نزول اس
آیت کا بعد اس کے ہوا کہ پیغمبر نے

ونیز بنا بر بعضے از اخبار نزول
آیہ بعد دعائے پیغمبر خدا باذھاب
رجس از اہل بیت است نہ
ارادہ آں فقط۔ پس لامحالہ
متضمن اجابۃ دعائے آں
جناب باشد۔ فتعیّن وقوع
ازالۃ الرجس ومراد از رجس
ذنب است۔ کما مر بہ الرازی
وغیرہ من علمائہم۔ ونیز ارادہ
بمعنی دیگر از رجس صحیح نمے
تواند شد۔ کما ستطلع علیہ پس
اہل بیت معصوم وافضل باشند
وغیر المعصوم وکذا المفضول
لا یستحق الامامۃ فثبت
ان کل معصوم امام لان الموجبۃ
الکلیۃ لا تنعکس کنفسہاء
وحضرت امیر علیہ السلام ادعائے امامت
برائے خود کردہ۔ چنانچہ بتواتر منقول
گشتہ واز اخبار سقیفہ وغیرہ از
کتب سنیاں ظاہر مے شود وباقی
اہل بیت تصدیق آں جناب کردند
فتعین کونہ اماما لان المعصومین
مبرءون عن الخطاء

اہل بیت سے رجس سے دور کرنے
کی دعا مانگی ۔ نہ صرف ارادہ کی پس
لامحالہ یہ آیت آں جناب کی دعا
کی مقبول ہونے کو متضمن ہوگی۔ پس
ثابت ہوگیا۔ وقوع زوال رجس کا
اور مراد رجس سے گناہ ہے جیسا کہ
رازی وغیرہ علمائے اہل سنت
نے اس کا اقرار کیا ہے اور نیز کسی
دوسرے معنی کا رجس سے ارادہ کرنا
صحیح نہیں ہوسکتا جیسا کہ عنقریب تم کو
معلوم ہوگا۔ پس اہل بیت معصوم
اور افضل ہوئے اور غیر معصوم اور اسی
طرح مفضول مستحق امامت نہیں ہوتا
پس ثابت ہوگیا۔ کہ ہر امام معصوم ہوتا
ہے نہ یہ کہ ہر معصوم امام ہوتا
ہے کیونکہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ
نہیں آتا اور حضرت امیر علیہ السلام
نے اپنے لئے دعوی امامت کا جیسا کہ بتواتر
منقول ہے اور سقیفہ وغیرہ کی خبروں سے جو
سنیوں کی کتابوں میں ہیں ظاہر ہوتا ہے پس
آں جناب کا امام ہونا ثابت ہوگیا
کیوں کہ معصومین خطا سے بری
ہوتے ہیں۔

یہ انہیں مجتہد صاحب کی عبارت ہے۔ جن کو مخالفین سلطان العلما کہتے ہیں۔ اور غالباً یہ خطاب سلطنت کی طرف سے ملا تھا۔ اور مخالفین کے امام والامقام مولوی حامد حسین صاحب انکو امام ہمام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پس اس حساب سے وہ مخالفین کے امام نہیں۔ بلکہ امام الائمہ ہوئے۔ مگر قدرت خدا دیکھئے۔ کہ اس بارہ سطر کی عبارت میں کم از کم بیس پچیس غلطیاں انہوں نے کی ہیں۔ اور غلطیاں بھی ایسی فاش اور ناروا جو نہ صرف ان کے علم وفضل بلکہ ان کی دیانت وامانت پر بھی خطرناک حملہ کرتی ہیں۔ ناواقف اور جاہل تو خوش ہوں گے۔ کہ مجتہد صاحب نے بڑا تیر مارا۔ اور تحفہ اثنا عشریہ کے باب الامامت کا جواب لکھ کر ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھ دیا۔ مگر اہل نظر جانتے ہیں۔ کہ یہ جواب کس پایہ کا ہے۔ اگر اس کا نام جواب ہے۔ تو حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں کفار نابکار کے مقالات فاسدہ بدرجہ اولیٰ جواب کے ساتھ موسوم ہونے چاہئیں۔

مجتہد صاحب نے جس قدر غلطیاں ان چند سطروں میں کی ہیں۔ اگر سب پر بالتفصیل بحث کی جائے۔ تو بہت طول ہوگا۔ لہذا چند ضروری الاظہار کے بیان پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا جناب امیر وسیدہ وحسنین رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہونا فریقین کی مستفیض بلکہ متواتر روایتوں میں وارد ہے۔ حالانکہ اہل سنت کے یہاں اس مضمون کی ایک صحیح روایت بھی نہیں ہے۔ چہ جائے مستفیض یا متواتر۔ اہل سنت کی روایات کا ماحصل یہ ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہو چکی۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے لئے تطہیر کی دعا مانگی۔ اور ان کو بھی اہل بیت کہا۔ یہ مضمون اہل سنت کی کسی روایت میں نہیں ہے۔ کہ یہ آیت ان حضرات کی شان میں نازل ہوئی۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ جن روایتوں کا ماحصل میں نے بیان کیا وہ روایتیں بھی برابر

نہیں ہیں۔

۲۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اہل سنت کے جمہور مفسرین اس امر کے قائل ہیں۔ کہ یہ آیت مذکورین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی صریح کذب یا ناواقفی ہے۔ اہل سنت کا کوئی معتبر مفسر اس کا قائل نہیں ہے۔ اہل سنت کے یہاں جب کوئی صحیح روایت ہی اس مضمون کی نہیں ہے۔ تو کوئی مفسر قائل کیا کر ہوسکتا ہے۔ ہاں مفسرین نے وہ روایتیں نقل کی ہیں۔ جن کا ماحصل میں نے بیان کیا۔ تو اس سے ان روایتوں کا قائل ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ ناقل ہونا اور چیز ہے۔ قائل ہونا اور چیز ہے۔

۳۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ارادہ رجس سے وہ ارادہ مراد ہے۔ جو علت تامہ ہو۔ یہ بھی غلط اور بے اصل ہے۔ کوئی قرینہ اس مراد کا نہیں ہے۔

۴۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ارادۂ تطہیر کی تخصیص اہل بیت کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ مجتہد صاحب کی سخافت نظر ہے۔ ارادہ تطہیر کی تخصیص اہل بیت کے ساتھ نہیں کی گئی۔ بلکہ ارادہ کی تخصیص تطہیر کے ساتھ کی گئی ہے۔ مطلب آیت کا یہ نہیں ہے۔ کہ اے اہل بیت اللہ تمہارے سوا اور کسی کو پاک کرنا نہیں چاہتا۔ اگر یہ مطلب ہوتا۔ تو اس کے لئے کوئی حرف تخصیص کا لفظ اہل بیت کے ساتھ ہوتا۔ مجتہد صاحب یہ قرآنی مطالب ہیں۔ کافی دمن لایحضرہ نہیں ہے۔ کہ جو چاہا کہہ گئے۔

۵۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مطلق ارادۂ تطہیر حق سبحانہ تعالیٰ کا تمام مکلفین کے ساتھ متعلق ہے۔ یہ مجتہد صاحب کی اعلیٰ درجہ کی خام خیالی بلکہ ابلہ فریبی ہے۔ مطلق ارادہ تطہیر کا تمام مکلفین کے ساتھ متعلق ہونا نہ اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے۔ نہ شیعوں کے نزدیک صحیح ہوسکتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک تو ازالۂ رجس و تطہیر سے۔ مراد مغفرت ذنوب ہے۔ اور عام مکلفین کی مغفرت ذنوب کے ساتھ ارادہ الٰہی ہرگز متعلق نہیں ہے۔ خود قرآن شاہد

ہے ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء ۔ یعنی جسے چاہے گا ۔ اس کے گناہ بخش دے گا ۔ اور مخالفین کے نزدیک ازالہ رجس و تطہیر سے عطائے عصمت مراد ہے ۔ تو کیا خدا کا ارادہ تمام مکلفین کو معصوم بنا دینے کا ہے ۔ مجتہد صاحب نے یہ بات بہت ہی نفیس کہی ۔ کیوں نہ ہو ۔ آخر مجتہد تھے ۔ نائب امام تھے ۔

۶ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ یہ آیت مدح اہل بیت کے موقع میں ہے غلط بالکل غلط ۔ یہ آیت ہرگز مدح کے موقع میں نہیں ہے ۔ بلکہ نصیحت کے موقع میں ہے ۔ آگے پیچھے کی آیتوں میں مسلسل ازواج مطہرات کو نصیحت کی گئی ہے درمیان میں یہ جملہ محض اس لئے ارشاد ہوا ہے ۔ کہ منصوح ناصح کو اپنا شفیق و محب سمجھے ۔ اور اس کی نصیحت کو سراسر اپنے لئے مفید خیال کر کے نصیحت سے خوب متاثر ہو ۔

۷ ۔ مجتہد صاحب یہ فرماتے ہیں ۔ کہ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بعد دعا کے یہ آیت نازل ہوئی ۔ یہ بھی سخت ابلہ فریبی ہے ۔ کسی صحیح حدیث میں یہ مضمون نہیں ہے ۔ اب مجتہد صاحب کے حمایتی کوئی صحیح حدیث اس مضمون کی نقل کر دیں ۔

۸ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ غیر معصوم یا مفضول مستحق امامت نہیں ہوتا ۔ اس کی کوئی دلیل مجتہد صاحب نے نہ یہاں ذکر کی ہے نہ اس سے پہلے یہ بات لغو اور باطل ہے ۔

۹ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں ۔ معصومین خطا سے بری ہوتے ہیں ۔ معلوم نہیں کس دھن میں مجتہد صاحب سے یہ کلام سرزد ہوا ہے ۔ جناب امیر علیہ السلام تو نہج البلاغت میں فرماتے ہیں کہ انی ست فوق ان اخطی ۔ یعنی میں اس سے بری نہیں ہوں ۔ کہ خطا کر جاؤں ۔ پھر خطا سے خطائے عمد مراد ہے ۔ یا خطائے اجتہادی ۔ خطائے اجتہادی سے معصوم کا بری ہونا مجتہد صاحب نے کہاں سے ثابت کیا ۔

۱۰ - سب سے بڑی بات جو استدلال اہل تشیع کی جان ہے یہ ہے کہ ازالۂ رجس وتطہیر سے مراد عطائے عصمت ہے - اس کا کچھ ذکر ہی مجتہد صاحب نے نہ کیا - ادھر ادھر کی واہی تباہی باتیں بہت سی لکھ گئے مگر اصل کام کی بات کو بالکل پی گئے - جتنی باتیں اس سے پہلے مجتہد صاحب نے لکھی ہیں - اگر ان کو ہم تسلیم بھی کرلیں (کتسلیم الخرافات) یہ بھی مان لیں کہ یہ آیت انہیں چار حضرات کے حق میں نازل ہوئی - یہ بھی مان لیں کہ ارادہ انہیں چار کے ساتھ مخصوص ہے - یہ بھی مان لیں کہ آیت بعد دعا کے نازل ہوئی - تب بھی مخالفین کا کیا فائدہ ہوگا - تاوقتیکہ یہ نہ ثابت کریں - کہ ازالہ رجس وتطہیر سے عطائے عصمت مراد ہے - اہل سنت کہتے ہیں - کہ ازالہ رجس وتطہیر سے مغفرت ذنوب مقصود ہے -

تلك عشرة كاملة

یہ تھا نمونہ ان فحش اغلاط کا - جو اس تھوڑی سی عبارت میں جناب مجتہد صاحب سے ظاہر ہوئیں - اب اس کے بعد جو جو درفشانی آپ نے فرمائی ہے - وہ اور بھی زیادہ لطیف ہے -

۱ - مجتہد صاحب تحریر فرماتے ہیں - کہ اجماع سے مراد شیعہ سنی کا اتفاق ہے یعنی چونکہ شیعہ اور کچھ سنی اس آیت کے بحق چہار تن نازل ہونے کے قائل ہیں - اس لئے ہم نے اس شان نزول کو اجماعی لکھ دیا - یہ معنی اجماع کے جو مجتہد صاحب نے بیان فرمائے ہیں - عجیب وغریب ہیں - آپ اہل سنت پر حجت قائم کرنے کے لئے شانِ نزول کو اجماعی کہہ رہے ہیں - لہذا یہ معنی اجماع کے کتب اہل سنت میں دکھا دیجئے -

۲ - قرآن میں جو حضرت ابراہیم کی بی بی کو اہل بیت کہا گیا ہے - اس کا جواب

مجتہد صاحب یہ دیتے ہیں۔ کہ ادخال حضرت سارہ در قولہ تعالیٰ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت نہ از حیثیت زوجیت حضرت ابراہیم ست۔ بلکہ چوں بنت عم آں جناب علی اختلاف الروایات بودہ اند۔ داخل اہل بیت بودہ باشد۔

ناظرین! اس لطیف جواب کو بغور دیکھیں۔ اور مجتہد صاحب کے حامیوں سے پوچھیں۔ کہ اگر اہل بیت ہونے کی یہی وجہ ہے۔ کہ وہ خالہ یا چچا کی بیٹی تھیں تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بہن اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں مجتہد صاحب خود بھی اپنے دل میں اس جواب کی لغویت سمجھتے ہوں گے۔ اس لئے اس جواب کے بعد ایک جواب اور بھی آپ دیتے ہیں۔ جو اس سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ فرماتے ہیں۔ ومعہذا قرابت معنویہ کہ مناط فوز باہل بیت ودر اندراج در زمرہ اہل بیت است۔ نیز متحقق بودہ حاصل اس جواب کا یہ ہوا۔ کہ حضرت سارہؓ کو چونکہ حضرت ابراہیمؑ سے قرابت معنوی بھی حاصل تھی۔ یعنی مومنہ تھیں۔ اس لئے ان کو اہل بیت کہا گیا۔ یہ جواب تو بیشک عمدہ ہے مگر ذرا شیعہ صاحبان اس جواب کے نتائج پر غور فرمائیں۔ تو بڑی عنایت ہوگی اس جواب کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اُمت محمدیہ کے جتنے باایمان لوگ ہیں سب اہل بیت میں داخل ہو جائیں گے۔ عام اس سے کہ ان کو کوئی نسبی قرابت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ قرابت معنوی تمام مسلمانوں کو آپ سے حاصل ہے

۳۔ مجتہد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اگر ازواج مراد ہوں۔ تو مطلب آیت کا خبط ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ ازواج معصوم نہ تھیں۔

افسوس مجتہد صاحب خدا جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ اس آیت سے عصمت کا مستفادہ ہونا انہوں نے کہاں سے ثابت کیا۔ اصل بات ثابت کرنے کی یہی تھی۔ کہ اذہاب رجس سے مراد عطائے عصمت ہے۔ جس کا نام تک مجتہد صاحب نے نہیں لیا۔

۴۔ مجتہد صاحب نے یہ بھی اقرار کیا ہے۔ کہ بعد نزول آیت کے دعا مانگنا

بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ محتاج تاویل ہوگا۔ پس جب مجتہد صاحب خود اس کا اقرار کرتے ہیں۔ تو اب کیا بات باقی رہی۔ اور استدلال میں کیا جان رہ گئی۔ رہا ان کا یہ دعوی۔ کہ سنیوں کی بعض روایات سے دعا کا قبل نزول ہونا ثابت ہے۔ محض زبانی لفاظی ہے۔ کسی روایت سے وہ اس مضمون کو ثابت نہیں کر سکے۔

مجتہد صاحب کی دلیری تو دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے اس مضمون کی روائتیں نقل کی ہیں۔ کیا کوئی ۔ ۔ ۔ ۔ بتا سکتا ہے۔ کہ وہ روائتیں بوارق میں کہاں ہیں۔

۵۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر یہ آیت حق ازواج میں ہو۔ تو جو دعا تطہیر کی آپ نے آل عبا کے لئے مانگی تھی۔ لغو ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی قبولیت کا ذکر قرآن میں نہ رہے گا۔

سبحان اللہ! یہ عجیب و غریب فقرہ مجتہد صاحب نے تراشا۔ اور عجب لطیفہ ایجاد کیا۔ ہر دعائے نبی کے اثر قبولیت کا قرآن میں مذکور ہونا انہوں نے کس دلیل سے ثابت کیا۔ کیا مجتہد صاحب اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ جس قدر دعائیں آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں۔ سب کی قبولیت قرآن میں مذکور ہے۔

۶۔ مجتہد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آیات قرآنی کی ترتیب شیعوں پر حجت نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ یہ ترتیب حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے دی ہے۔ عبارت مجتہد صاحب کی یہ ہے۔ ود اگر ہمیں ترتیب در لوح محفوظ ثابت شود و ترتیب قرآنی از تغیر عثمانی محفوظ باشد۔ قابل استناد مے تواند شد۔ وچوں حضرت ثالث بالخیر مصاحف بسیار را احراق فرمودہ۔ حسب رائے خود ترتیب دادہ باشد۔ برما حجت نمی تواند شد مخالفین کو چاہیئے۔ کہ مجتہد صاحب کی اس عبارت کو غور سے دیکھیں۔ اور یقین کر لیں۔ کہ تحریف قرآن کا عقیدہ مخالفین کے یہاں ضروریات دین و مذہب سے ہے۔ کوئی کام ان کا نہیں ٹھیک ہو سکتا۔ جب تک قرآن کا عذر پیش نہ کریں۔

کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ خرابی ترتیب کے نتائج کمی بیشی کے نتائج سے کچھ کم خراب ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جس طرح کمی بیشی کے باعث قرآن کا کوئی حرف قابل

اعتبار نہیں رہتا - اسی طرح خرابی ترتیب کے سبب سے بھی قرآن دائرہ اعتبار سے خارج ہوا جاتا ہے - جیسا کہ ہم حصہ اول میں لکھ چکے ہیں -

۷ - مجتہد صاحب فرماتے ہیں - کہ ازالہ نجاست میں یہ بات ضروری نہیں ہے کہ جس چیز سے ازالہ نجاست کی جائے - وہ چیز پہلے نجس ہو - ورنہ لازم آئیگا کہ ازواج نجس ہوں - نیز اہل عرب بولتے ہیں کہ اذھب اللہ عنک المرض حالانکہ وہ شخص مریض نہیں ہوتا -

- مجتہد صاحب اتنا تو سمجھتے نہیں - کہ ازالہ رجس سے کیا مراد ہے - اور خواہ مخواہ اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں - اے جناب ازالہ رجس سے مراد مغفرت ذنوب وعفو خطا ہے - پس ہم ازواج کے لئے اگر یہ بات تسلیم کرلیں - کہ ان میں کچھ ذنوب تھے تو کیا خرابی ہو - کیونکہ ہم عصمت خاصہ انبیاء سمجھتے ہیں اور کسی دوسرے کو مثل نبی نہیں جانتے - رہا عرب کا قول - جب تک مجتہد صاحب اس کو مع سند اہل عرب سے نقل نہ کریں - ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتا -

۸ - مجتہد صاحب نے بڑی کوشش و کاوش سے ایک روایت تفسیر ثعلبی سے نقل کی ہے - کہ یہ آیت علیؓ و فاطمہؓ وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی - اور ایک عبارت صواعق کی نقل کی ہے - کہ اکثر مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ یہ آیت ان چار کے حق میں نازل ہوئی - افسوس مجتہد صاحب ہمارے مقابلہ میں اگر اصول مناظرہ سے بالکل نابلد ہو جاتے ہیں - اور ناسمجھ بچوں کی طرح ادھر ادھر کی بے جوڑ باتیں کرنے لگتے ہیں - اول تو تفسیر ثعلبی نایاب دوسرے روایت بے سند - علیٰ ہذا صواعق کی عبارت بھی محض بے سند -

کیوں جناب مجتہد صاحب - آپ کو جب آپ کے علماء کے اقوال سے جواب دیا جائے - تو آپ بلا تامل کہہ دیں - کہ یہ قول بے سند ہے - نہ مانا جائے گا - حضرت حیدریہ میں آپ نے اکثر یہ کارروائی کی - پھر ہم ایسی بے سند روایت و عبارت کو کیوں کر مان سکتے ہیں - خصوصاً اس حال میں کہ یہ روایت

وعبارت خصم کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ مگر انصاف وحق پرستی سے انہوں نے کام نہ لیا۔

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام

بعونہ تعالےٰ اس تفسیر آیہ تطہیر سے دس باتیں قطعی طور پر واضح ہو گئیں۔

۱۔ آیہ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد آنحضرت کی ازواج مطہرات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

(۲) محاورہ قرآنی میں کسی کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہا گیا۔ اور اگر کسی مقام[1] پر لفظ اہل بیت بغیر کسی کی طرف مضاف کئے ہوئے مستعمل ہوا ہے۔ تو وہاں بھی اس گھر کے رہنے والے ہی مراد ہیں۔ نہ کوئی اور۔

---

[1] مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ کہ جب وہ پیدا ہوئے۔ اور ان کی والدہ نے بخوف فرعون تعلیم خداوندی ان کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا اور وہ صندوق فرعون کی بی بی کے ہاتھ لگا۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا فرزند بنا لیا۔ اب دودھ پلانے والی کی تلاش ہوئی۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو ایسا کیا کہ انہوں نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن بھی اجنبی بن کر وہاں پہنچیں۔
فقالت هل ادلكم اهل بيت يكفلونه لكم وهم له ناصحون فرددناه الى امه۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی بہن نے کہا کہ ہم ایک ایسے اہل بیت کا پتہ بتلائیں۔ جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کردیں۔ اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ ہوں گے۔ چنانچہ اس تدبیر سے ہم نے موسیٰؑ کو ان کی ماں کی طرف واپس کیا۔ اس آیت میں لفظ اہل بیت کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں تو بھی اس گھر کی رہنے والی حضرت موسیٰؑ کی ماں مراد ہیں۔ ۱۲

۳ - لغت عرب میں بھی کسی شخص کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہتے۔

۴ - مذکر کی ضمیریں جو آیۂ تطہیر میں ہیں - وہ ہرگز قرینہ اس بات کا نہیں بن سکتیں - کہ اس آیت میں لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ کوئی اور مراد ہے۔

۵ - قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کے لئے ہر جگہ[1] مذکر کے صیغے اور ضمیریں مستعمل ہوئی ہیں - اور ان میں سے اکثر مقامات میں باتفاق فریقین سوا عورتوں کے کوئی مراد نہیں۔

۶ - روایات میں اہل بیت کا لفظ اگر حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم کے لئے وارد ہوا ہے - تو حضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم کیلئے بھی وارد ہوا ہے - بلکہ بعض ایسے حضرات کے لئے جو کسی طرح کی قرابت نسبی یا صہری یا رضاعی نہ رکھتے تھے - بھی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے - جیسے حضرت سلمان فارسی - لہذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا - وہ پیار و محبت کے طور پر مجازاً فرمایا گیا ہے۔

۷ - اگر کچھ فرق حضرت سلمان کے اہل بیت ہونے میں اور اہل عبا کے اہل بیت ہونے میں نکل بھی سکے - تو حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے وہ فرق بھی نہیں نکل سکتا - وہ اہل عبا بھی ہیں - اور بالکل اسی طرح کی دعا بھی ان کے لئے ہے۔

---

[1] چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں جہاں حضرت سارہ کو اہل بیت فرمایا ہے - وہاں بھی مذکر کی ضمیریں ہیں - اور ابھی حاشیہ سابقہ میں حضرت موسٰی کے قصہ کی آیت منقول ہوئی - اس میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ مراد ہیں - اور ان کے لیے یکفلون صیغہ جمع مذکر اور ہم ضمیر جمع مذکر مستعمل ہوئی ہے ۱۲ منہ

۸ - محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ کہ اہل بیت رسول حقیقۃً ازواج مطہرات ہیں۔ اور حضرت علی و فاطمہ و حسنین و حضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم بدعائے رسول اس فضیلت ہیں شامل کیئے گئے ہیں۔

۹ - ازواج مطہرات کے لئے قرآن کریم گواہی دے رہا ہے۔ کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کے زینت کی طالب نہ تھیں۔ بلکہ اللہ و رسول و دار آخرت کی طالب تھیں۔ وہ تمام ایمان والوں کی ماں ہیں۔ ان سے ابدی طور پر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے یہ اختیار سلب کر لیا۔ کہ وہ اپنی ازواج کو طلاق دیں۔ یہ ایک بے نظیر بات ہے۔

۱۰ - ازواج مطہرات کے برابر کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اگر زنان جنت کا سردار فرمایا گیا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی روحانی ماؤں کی بھی سردار ہوں جس طرح حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو جوانان جنت کا سردار فرمایا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ حضرات خلفائے ثلثہ یا حضرت علی مرتضٰے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار ہو جائیں۔ اس وجہ سے کہ جنت ہیں تو یہ سب حضرات جوان ہوں گے۔ بلکہ ضرور ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سرداری سے امہات المومنین مستثنٰے کی جائیں۔ جس طرح حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سرداری سے۔ یہ حضرات مستثنٰے ہیں۔ اس قسم کے عقلی استثنا محتاج ذکر نہیں ہوتے۔

(۱۱) ان تمام تحقیقات کی بنیاد قرآن عظیم پر ہے۔ لہذا نہ کوئی روایت ان کا معارضہ کر سکتی ہے۔ نہ کسی کا قول۔

هذا آخر الكلام والحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۵

بہ تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

الحمد للہ تعالےٰ کہ سلسلہ تفسیر آیات خلافت کا چودھواں نمبر موسوم بہ

تفسیر آیتِ تبلیغ

جسمیں

سورۂ مائدہ کی آیت تبلیغ یعنی آیت کریمہ یا ایھا الرسول بلغ کی صحیح تفسیر کر کے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ شیعوں کا اس آیت سے خلافت بلافصل پر استدلال کرنا قرآن شریف کی تحریف معنوی اور خدا اور رسول کے ساتھ تمسخر کرنا ہے نیز مولوی حامد حسین مصنف عبقات کی پیش کردہ روایات کی حقیقت کما حقہٗ ظاہر کر کے اُن کے علم و دیانت پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر آیت تبلیغ

الحمد للہ الذی انزل الینا الکتب المبین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی الہ وصحبہ اجمعین

اما بعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں دونوں قسم کی آیتوں کی تفسیر مرکوز خاطر تھی یعنی اُن آیتوں کی بھی جیسے حضرات خلفاے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت ثابت ہوتی ہے اور ان آیتوں کی بھی جن سے شیعہ اپنے مقصد فاسد یعنی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہین - چنانچہ اب تک جو تفسیرین شائع ہوئین اُن مین دونوں قسم کی آیتین ہین - آیت ولایت آیت تطہیر آیت مودۃ القربی آیت اولی الامر آیت مباہلہ اسی دوسری قسم کی آیتون مین ہین جنکی تفسیر ہوچکی - اس وقت آیت تبلیغ کی تفسیر ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے یہ بھی دوسری قسم کی آیت ہے۔

شیعون کی حالت بھی عجیب حیرت انگیز حالت ہے - ایک طرف تو قرآن مجید کی توہین وتنقیص پر کمربستہ ہین بلکہ اصلی مقصد ان کے مذہب کا یہی ہے - قرآن شریف کو محرف کہتے ہین اُسکی عبارت کو خلاف فصاحت بلاغت بتاتے ہین اور فرماتے ہین کہ اُس سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہین اُس مین نبی کی توہین ہے اس سے خلق اللہ گمراہ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ - اور دوسری طرف قرآن کریم سے استدلال بھی کرتے ہین ؎

وجد ومنع بادہ ای زاہد چہ کافر نعمتی ست   دشمن مے بودن و ہمرنگ مستان زیستن

مگر اُن کا استدلال دیکھکر سب حیرت برطرف ہوجاتی ہے کیونکہ اُن کے استدلال مین دو باتین صاف نظر آتی ہین - اول یہ کہ ان کا استدلال محض اسلیے ہوتا ہے کہ لوگ اُن کو بھی مسلمانون کے فرقون مین شمار کرین ۔ دوسرے یہ کہ استدلال کے پردہ مین قرآن شریف کی تحریف معنوی کرتے ہین اور کوئی نہ کوئی پہلو قرآن شریف کی

مذمت کا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اُس مین پیدا کرتے ہین گویا حق طبع کا حق ادا کرتے ہین۔

اور یہ بات تو اُن کے ہر استدلال مین ہر شخص نمایان طور پر دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کو معمّا اور چیستان قرار دیتے ہین کہ جبتک آیت کے ساتھ کچھ روایات نہ ملائی جائین آیت کا کوئی مطلب ہی نہین سمجھا جاسکتا اسکے الفاظ کے کوئی معنی ہی نہین معلوم ہوسکتے۔ آیت کو اگر بغیر ان روایات کے قواعد زبان عرب کے لحاظ سے دیکھو تو اسکے معنی کچھ اور ہین مگر ان روایتون کو ملا کر اسکے معنی کچھ اور ہوجاتے ہین۔ اور پھر طرفہ یہ کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھکر وہ روایات لیجاتی ہیں جو بالکل جعلی اور موضوع ہوتی ہین۔

آیت ولایت مین جھوٹا قصہ نماز مین انگوٹھی دینے کا ملایا اسپر بھی کام نہ چلا تو خلاف لغت عرب ولی کو بمعنی حاکم لیا پھر جمع کے صیغون اور ضمیرون سے ایک شخص واحد یعنی حضرت علی کو مراد لیا۔ آیت تطہیر مین درمیان کا ایک ٹکڑا لیکر ماقبل و مابعد سے بالکل بے ربط کر دیا آیت مودۃ القربیٰ مین وہ مطلب پیدا کیا کہ رسول ؐ کی حیثیت ایک دنیا دار خودغرض مزدور کی ہوگئی۔ آیت مباہلہ مین خلاف لغت انفسنا سے حضرت علی کو اور نسارنا سے حضرت فاطمہ کو مراد لیکر آیت کو خبط کر دیا۔

اب اس آیت تبلیغ کو دیکھو جس کی تفسیر اس وقت کی جارہی ہے کہ اسکے متعلق جو کچھ شیعہ بیان کرتے ہین اُس مین کس قدر توہین خداوند عالم جل شانہ کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیگئی ہے دین کو ایک بازیچہ طفلان بنایا گیا ہے۔ درحقیقت قرآن شریف سے استدلال نہین کیا گیا بلکہ دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کیا گیا ہے۔ اور بس۔

چودھوین آیت تبلیغ چھٹا پارہ۔ سورۂ مائدہ۔ تیرھوان رکوع

يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝

ترجمہ

اے رسول پہونچا دیجئے وہ باتین جو اُتاری گئین آپ کی طرف آپ کے رب کیجانب سے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو نہین پہونچائی آپ نے رسالت اُسکی۔ اور اللہ بچائے گا آپ کو لوگون سے بیشک اللہ نہین ہدایت کرتا کافر لوگون کو۔

آیت کی صحیح تفسیر

آیت کی صحیح تفسیر جو کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے جس میں نہ کسی روایت کے ماننے کی حاجت ہے نہ کسی اور کارروائی کی ضرورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ جو جو احکام ہمارے طرف سے نازل ہوئے ہیں ان سب کو بندوں تک پہونچا دیجئے ورنہ آپ کے ذمہ فریضہ رسالت باقی رہ جائیگا اور کفار کی ایذا رسانیوں کا بالکل خیال نہ کیجئے ہم آپ کے محافظ ہیں یہ مضمون یعنی احکام الٰہی کے تبلیغ کی تاکید کچھ اسی آیت کے ساتھ مخصوص نہیں اور آیات میں بھی ہے قرآن مجید میں بیسیوں آیتیں اس تاکید سے بھری ہوئی ہیں۔

اس آیت میں نہ خلافت کا تذکرہ ہے نہ حضرت علی کی کسی قسم کی فضیلت اس سے نکل سکتی ہے نہ آیت کو کسی خاص واقعہ سے کوئی تعلق ہے۔

مگر شیعہ کہتے ہیں۔

کہ یہ آیت حضرت علی کی خلافت بلافصل کی بڑی روشن دلیل ہے حتی کہ ان کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں آیہ انما ولیکم اللہ کے بعد اسی آیت کو ذکر کیا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں جس چیز کی تبلیغ کا حکم ہے وہ حضرت علی کی خلافت ہی کا حکم تھا عام احکام کی تبلیغ مراد نہیں ہے اور اسکے ساتھ انھوں نے ایک روایت بھی گڑھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری حج سے واپس ہوتے ہوئے مقام غدیر خم میں پہونچے تو جبریل آئے اور انھوں نے کہا کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ اس مجمع میں علی کی خلافت کا اعلان کر دیجئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کیا کہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے لوگ علی کی خلافت سنکر آمادہ قتل و قتال ہو جائینگے جبریل نے واپس جاکر اللہ سے یہ سب ماجرا بیان کیا تب یہ آیت اتری کہ اے رسول اللہ کی طرف سے جو حکم نازل ہوا ہے اسکی تبلیغ کر دیجئے ورنہ آپ ادا کرنے والے فرائض رسالت کے نہ قرار پائیں گے۔ مگر پھر بھی رسول کی ہمت نہ ہوئی اور انھوں نے عذر کیا تب اللہ نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ مجبور ہو کر رسول خدا نے سب کو جمع کیا اور علی کی خلافت کا اعلان بایں الفاظ کیا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اسکا مطلب معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص حضرت علی کی خلافت کے اعلان کا حکم ہے لفظ مَا اس آیت میں اپنے معنی عام پر نہیں ہے پس یہ آیت حضرت علی کے خلیفہ بلافصل ہونے کی واضح دلیل ہوگی۔

اہل سنت کہتے ہین کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قصہ از سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہے اہل سنت کی کتابون مین کہین اسکا وجود نہین اہل سنت کی کتابون مین صرف آخری فقرہ من کنت مولاہ منقول ہے تو اسکو بھی محدثین نے کہا کہ صحیح نہین ہے۔ علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ مین لکھتے ہین۔

اما قوله من كنت مولاه فعلي مولاه فليس في الصحاح لكن هو مما رواه العلماء وتنازع الناس في صحته نقل عن البخاري وابراهيم الحربي وطائفة من اهل العلم بالحديث انهم طعنوا فيه وضعفوه وقال ابو محمد بن حزم واما من كنت مولاه فعلي مولاه فلا يصح من طريق الثقات اصلا

لیکن یہ قول من کنت مولاہ فعلی مولاہ صحیح احادیث مین نہین ہے بلکہ وہ منجملہ ان چیزون کے ہے جنکو علما نے روایت کیا ہے مگر لوگون نے ان کی صحت مین اختلاف کیا ہے امام بخاری اور ابراہیم حربی اور علماے حدیث کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انھون نے اس روایت پر جرح کی اور اس کو ضعیف کہا اور ابو محمد بن حزم کہتے ہین کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ باسناد ثقات کسی طرح ثابت نہین ہے۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ مین لکھتے ہین۔

الطاعنون في صحته جماعة من ائمة الحديث وعدوله المرجوع اليهم كابي داؤد السجستاني وابي حاتم الرازي۔

اس حدیث کی صحت پر جرح کرنے والے ایک جماعت ان ائمہ محدثین کی ہے جو بڑے معتبر ہین اور جن پر جرح و تعدیل کا دارومدار ہے مثل ابو داؤد سجستانی اور ابو حاتم رازی کے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض من کنت مولاہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس مین حضرت علی کی خلافت کا اعلان کجا اشارہ تک نہین حضرت علی کی خلافت اس حدیث سے اسوقت ثابت ہو سکتی ہے جبکہ مولی بمعنی حاکم ہوا اور حدیث کا ترجمہ یہ ہو کہ مین جسکا حاکم ہون علی بھی اسکے حاکم ہین حالانکہ زبان عرب مین مولی بمعنی حاکم نہین آتا قرآن مجید مین ہے فان الله هو مولٰه وجبريل وصالح المؤمنين اگر مولی بمعنی حاکم ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جبریل اور مومنین صالحین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاکم ہین۔ معاذ اللہ منہ لہذا اس روایت کے صحیح مان لینے سے بھی کچھ نتیجہ نہ ہوا اور نہ اس

حدیث مین حضرت علی کی خلافت کا ذکر ثابت ہوا اور نہ یہ حدیث آیت کے ساتھ کوئی تعلق پیدا کر سکی۔

شیعون کے امام اُمناظرین مولوی حامد حسین نے اپنی مشہور کتاب عبقات الانوار مین بڑا زور اس بات پر دیا ہے کہ مولی بمعنی حاکم آتا ہے انشاءاللہ تعالےٰ جب شرح احادیث کا سلسلہ شروع ہوگا اس وقت عبقات کے اس لفظ کا رد کرکے دکھا دیا جائیگا کہ مولی بمعنی حاکم ہرگز مستعمل نہین اور جو عبارتین مولوی حامد حسین نے نقل کی ہین ان کا مطلب بھی وہ نہین سمجھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا بروز غدیر خم نازل ہونا بھی غلط ہے یہ آیت غدیر خم کے موقع سے بہت پہلے نازل ہوچکی تھی۔

مولوی حامد حسین صاحب نے عبقات مجلد حدیث غدیر مین اسپر بھی بڑا زور دیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی تھی اور شیعون کو کتاب عبقات پر بڑا ناز ہے، کبھی کبھی سنیون کو طعنہ دیتے ہین کہ تمھارے علمانے عبقات کا جواب کیون نہ لکھا۔

اگرچہ مولوی حامد حسین کی کتاب استقصاء الافحام اور عبقات الانوار دونون کی کافی تنقیح دور قدیم مین ہوچکی ہے لیکن یہ بحث چونکہ تمام عبقات مین جزئی کا بحث سمجھا جاتا ہے لہذا اسکی حالت کا اظہار اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے یہ بات بھی ظاہر ہوجائے گی کہ عبقات کا جواب نہ لکھنے کی وجہ سوا اسکے اور کچھ نہین ہے کہ ان خرافات کی طرف توجہ کرنا گویا کندن کا ہرا بر دن کا مرادف ہے۔

اہل سنت کی صحیح روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ مین رات کے وقت نازل ہوئی تھی، نہ غدیر خم مین دن کے وقت۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر مین ترمذی وغیرہ بہت سے محدثین سے یہ روایت نقل کی ہے صحابہ کرام رات کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بالاخانہ سے سر باہر نکالا اور فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ حق تعالیٰ نے مجھسے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اب کسی کے پاسبانی کی ضرورت نہین۔ حاکم نے مستدرک مین اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

نیز تحقیق حافظ ابن کثیر نے سورۂ مائدہ کی آیت یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء کے تحت مین بحوالہ تفسیر زہری سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت نے یہودیون سے

دوستی قطع کردی مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ان سے تعلق قائم رکھا اسوقت اللہ نے یاایھاالذین آمنوا سے واللہ یعصمک من الناس تک یہ سب آیتین نازل فرمائین۔

معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیر خم سے برسون پہلے مدینہ مین بوقت شب نازل ہوئی اور اُسکے نزول کے وقت عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین بھی زندہ تھا۔

اب دیکھئے مولوی حامد حسین صاحب نے اپنے اس دعوے کے ثبوت مین کہ یہ آیت غدیر خم کے روز نازل ہوئی تھی کیا دلائل پیش فرمائے ہین۔

واضح ہو کہ مولوی حامد حسین نے اپنی عادت شریف کے مطابق اس بحث کو طول تو بہت دیا ہے کئی جز کا غذ سیاہ کر ڈالا ہے مگر روایتین کل چار پیش کی ہین اور کارروائی یہ کی ہے کہ ان روایتون کو متعدد کتابون سے نقل کر کے ہر ہر کتاب کے اعتبار سے اسکو ایک جُداگانہ روایت قرار دیا ہے (۷) اس طور پر چار روایتون کو بہت سی روایات بنا کر بہت کچھ ناز کیا ہے۔

پہلی روایت ابوسعید خُدری کی ہے جسکو عطیہ کوفی روایت کرتا ہے۔ عطیہ مذکور کی نسبت میزان الاعتدال مین لکھا ہے کہ ضعیف ہے امام احمد فرماتے ہین بلغنی انه کان یاتی الکلبی وکان یسأله عن التفسیر وکان یکنیه بابی سعید فیقول قال ابوسعید یعنی یہ عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اُس سے تفسیر آیات کی پوچھا کرتا تھا اور کلبی کی کنیت اسنے ابوسعید رکھی تھی لہذا یہ کہا کرتا تھا کہ مجھسے ابوسعید نے یون بیان کیا۔ نیز امام احمد فرماتے ہین حدثنا ابو احمد الزبیری سمعت الکلبی یقول کنانی عطیة ابوسعید وقال ابن حبان سمع من ابی سعید احادیث فلما مات جعل یجالس الکلبی یحضر بصفته فاذا قال الکلبی قال رسول الله صلے الله علیه وسلم فیحفظه وکناه اباسعید ویروی عنه فاذا قیل من حدثک بهذا فیقول حدثنی ابوسعید فیتوهمون انه یرید اباسعید الخدری وانما اراد الکلبی۔ لایحل کتب حدیثه الاعلی جهة التعجب وقال الساجی لیس بحجة وکان یقدم علیا علے الکل وقال ابن عدی کان یعد مع شیعة اهل الکوفة وقال الجوزجانی مائل وقال ابوداؤد لیس بالذی یعتمد علیه وقال ابوبکر البزار کان یعد فی التشیع ترجمہ ابواحمد زبیری نے بیان کیا وہ کہتے تھے مین نے کلبی کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میری کنیت عطیہ نے ابوسعید رکھی تھی ابن حبان

کہتے ہین عطیہ نے حضرت ابو سعید خدری سے کچھ حدیثین سُنی تھین مگر جب اُن کی وفات ہوگئی تو یہ جا کر کلبی کے
پاس بیٹھنے لگا اور کلبی جب قال رسول اللہ کہتا تھا تو یہ اسکو یاد کر لیتا تھا اور کلبی کی کنیت اس نے
ابو سعید رکھ لی تھی اور کلبی ہی سے یہ روایت کیا کرتا تھا جب اس سے کوئی پوچھتا کہ یہ حدیث تجھسے
کس نے بیان کی تو کہتا تھا کہ ابو سعید نے لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ ابو سعید خدری مراد ہین حالانکہ یہ
کلبی کو مراد لیتا تھا عطیہ کی روایت کو لکھنا جائز نہین مگر بطور تعجب کے اور ساجی نے کہا ہے کہ عطیہ معتبر شخص
نہین ہے وہ حضرت علی کو تمام صحابہ پر مقدم سمجھتا تھا اور ابن عدی نے کہا ہے کہ عطیہ کا شمار کوفہ کے
شیعون مین تھا اور جوزجانی نے اسکو مائل تشیع بیان کیا ہے اور ابو داؤد نے کہا ہے کہ عطیہ ایسا شخص نہین
ہے جس پر اعتماد کیا جائے اور کہا ہے کہ ابو بکر بزار کا مرتبہ تشیع مین عطیہ کے بعد ہے۔

پس اس روایت مین دو رافضی ہوئے ایک عطیہ دوسرا کلبی جسکو دھوکا دینے کے لیے ابو سعید کہا گیا ہے
تاکہ لوگ ابو سعید صحابی سمجھکر روایت کو قبول کر لین حالانکہ وہ ابو سعید کلبی ہے اور یہ روایت اسی کے گڑھی ہے
لہذا اس روایت کو اہلِ سنت کے سامنے پیش کرنا مولوی حامد حسین کی دیانت کا ایک نمونہ ہے اور پھر
اسپر مزید یہ کہ اس روایت کو متعدد کتابون سے نقل کرکے ہر کتاب کے لحاظ سے اسکو جُداگانہ روایت
قرار دے کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ روایت کثرت طرق سے مروی ہے مولوی حامد حسین صاحب کی چالاکی
کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔

دوسری روایت ابن عباس کی ہے جسکو کلبی نے بواسطہ ابو صالح کے ابن عباس رض سے نقل کیا ہے
کلبی کا رافضی اور کذاب ہونا مسلم الکل ہے میزان الاعتدال مین ہے کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ سفیان
کہتے تھے کہ کلبی نے مجھسے کہا کہ جتنی روایتین مین ابو صالح سے نقل کرون وہ سب جھوٹی ہین یزید بن
زریع کہتے ہین کہ کلبی عبد اللہ بن سبا کے فرقہ کا شخص تھا۔ ابن حبان کہتے ہین کہ کلبی عبد اللہ بن سبا کے
فرقہ کا شخص تھا اور ان لوگون مین سے تھا جو یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ علی نہین
مرے اور جب بادل کو دیکھتے ہین تو کہتے ہین کہ امیر المومنین اس مین ہین تبوذکی کہتے
ہین کہ مین نے کلبی سے سُنا وہ کہتا تھا کہ مین سبائی مذہب ہون یعنی عبد اللہ بن سبا کا پیرو ہون۔
حسن بن یحییٰ کہتے ہین کہ مین نے کلبی سے سُنا کہ جبریل نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی لیکر آتے تھے اور اگر
نبی پاخانہ مین چلے جاتے تو آتی دیر علی سے وحی بیان کرتے تھے احمد بن زہیر کہتے ہین مین نے امام احمد

سے پوچھا کہ کلبی کی تفسیر کو پڑھنا جائز ہے تو اُنھون نے کہا کہ جائز نہین جوزجانی نے کلبی کو کذاب کہا ہے
اور دار قطنی اور ایک جماعت نے اسکو متروک الروایۃ کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہین کہ کلبی کا رافضی
اور کذاب ہونا ایسا ظاہر ہے کہ محتاج بیان نہین اور کلبی بواسطہ ابو صالح کے ابن عباس رضی سے روایت
کرتا ہے حالانکہ ابو صالح نے ابن عباس کو دیکھا بھی نہین۔ کلبی ایسا شخص تھا کہ کتابون مین اسکا ذکر جائز نہین۔

کلبی کا شیعہ ہونا خود شیعون کی کتابون سے بھی ثابت ہے چنانچہ اصول کافی مین کلبی کی بہت
سی روایات ہین اور اصول کافی صفحہ مین ہے فلم یزل الکلبی یدین اللہ بحب
اھل ھذا البیت حتی مات یعنی کلبی ہمیشہ اللہ کی اطاعت محبت اہل بیت کے ذریعہ
سے کرتا رہا یہانتک کہ مرگیا۔

پس ظاہر ہوگیا کہ یہ روایت بھی قابل اعتبار نہین کلبی رافضی کذاب کی گڑھی ہوئی ہے مولوی
حامد حسین صاحب نے اس روایت کو اہل سنت کے مقابلہ مین پیش کرکے اپنی دیانت کا ایک
عمدہ ثبوت پیش کردیا۔

اس روایت کو بھی مولوی حامد حسین نے متعدد کتابون سے نقل کرکے ایک روایت کو متعدد (۹)
بنانے کی کارروائی کی ہے۔

اگر خدانخواستہ کوئی سُنی اس قسم کی کارروائی شیعون کے مقابلہ مین کرتا تو علمائے شیعہ تو جو کچھ
کہتے بعد مین کہتے پہلے علمائے اہل سنت اُسکو ذلیل وخوار کرتے مگر شیعہ ہین کہ مولوی حامد حسین کی مدح
وثنا مین رطب اللسان رہتے ہین۔ اسکا سبب سوا اسکے کیا ہوسکتا ہے کہ شیعون کے یہان اس
قسم کے فریب ودغا کی کارروائیان جائز ہین بلکہ موجب کمال ہین۔

تیسری روایت براء بن عازب کی ہے مگر مولوی حامد حسین صاحب نے اُسکی پوری سند ہی نقل
نہین کی کہ معلوم ہوتا کہ اسکی سند مین کون کون لوگ راوی ہین اور ان راویون کی بابت ائمہ جرح وتعدیل
نے کیا لکھا ہے لہذا ایسی مجہول السند روایت کو پیش کرنا سوا مولوی حامد حسین صاحب یا ان کے
ہم مذہب علما کے اور کسی سے شاید نہوسکتا۔

چوتھی روایت۔ مولوی حامد حسین صاحب نے عبقات مین یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود
فرماتے ہین کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین اس آیت کو یون پڑھتے تھے یا ایہا الرسول

بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المؤمنین - اس روایت کو مولوی حامد حسین صاحب نے استقصاء الافحام مین بھی ذکر کیا ہے اور اس سے تحریف قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ پوری سند اس روایت کی بھی مولوی صاحب نے ذکر نہین کی صرف اس قدر نقل کیا ہے کا ابو بکر بن عیاش نے عاصم سے انھون نے زر سے انھون نے ابن مسعود سے اسکو نقل کیا ہے ابو بکر بن عیاش کے بعد کے راوی معلوم نہین کیسے ہین لہذا ایک خرابی تو اس روایت مین یہ ہوئی کہ سند اسکی مجہول ہے دوسری خرابی یہ ہے کہ ابو بکر بن عیاش مجروح ہین میزان الاعتدال مین ہے کہ وہ حدیث مین غلطی کرتے تھے اور ان کو وہم ہو جاتا تھا محمد بن عبد اللہ بن نمیر نے ان کو ضعیف کہا ہے یحیٰی بن سعید انکا بالکل اعتبار نہ کرتے تھے اور جب ان کے سامنے ابو بکر بن عیاش کا ذکر ہوتا تو جبین بجبین ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ابو بکر بن عیاش میرے سامنے موجود ہوتے تو مین ان سے کچھ نہ پوچھتا - امام احمد فرماتے ہین کہ وہ حد سے زیادہ کثیر الغلط ہین - ابن مبارک فرماتے ہین کہ مین نے ابو بکر بن عیاش سے بڑھکر حدیث پر بہت جلد جرأت کرنے والا کوئی نہین دیکھا تیسری خرابی یہ ہے کہ ابو بکر بن عیاش عاصم سے روایت کرتے ہین عاصم نام کے کئی راوی ہین جن مین بعض کذاب بھی ہین جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کون عاصم ہین اس وقت تک یہ راوی بھی مجہول و ناقابل اعتبار ہے۔

بس یہ کل چار روایتین مولوی حامد حسین صاحب نے اپنے اس دعوے کے ثبوت مین پیش کی تھین کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی - عبقات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہ نمونہ کافی ہے فان الغرفۃ تنبیٔ عن الغدیر

ایک عجیب لطف یہ ہے - کہ شیعون کی معتبر روایتون سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نہین نازل ہوئی بلکہ عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی جو غدیر خم سے نو دن پہلے تھا۔

اب اسکے بعد مولوی حامد حسین کے حق مین یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ع درکفرہم ثابت نہ زنار را رسوا مکن + کیونکہ ان کی تحقیق شیعون کے بھی خلاف نکلی - ملاحظہ ہو۔

اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۷۸ مین ہے کہ ابو الجارود کہتا ہے مین نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ۔

ثم نزلت الولایۃ وانما اتاہ ذلک فی | پھر نازل ہوئی امامت علی کی اور یہ حکم نبی کے پاس جمعہ کے دن

یوم الجمعة لعرفة انزل الله عز وجل اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي وكان كمال الدين بولاية علي بن ابي طالب عليه السلام فقال عند ذلك رسول الله صلى الله عليه واله ان امتي حديثو عهد بالجاهلية ومتى اخبرتهم بهذا في ابن عمي يقول قائل ويقول قائل فقلت في نفسي من غير ان ينطق به لساني فاتاني عزيمة من الله عز وجل بتلة فنزلت يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمك من الناس ان الله لا يهدي القوم الكافرين

عرفہ میں آیا اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ دین کا کمال علی بن ابی طالب علیہ السلام کی امامت سے ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ میری امت جاہلیت سے قریب العہد ہے جب میں ان کو اپنے چچا کے بیٹے (یعنی علی) کے متعلق خبر دونگا تو کوئی کچھ کہے گا اور کوئی کچھ کہے گا۔ یہ خیال میں نے اپنے دل میں کیا تھا زبان سے میں نے کوئی لفظ نہ نکالی تھی کہ اللہ عزوجل کی طرف سے سخت تاکید مجھے ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا (۱۱) الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یہدی القوم الکافرین۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت تبلیغ کا نزول غدیر خم کے دن نہیں ہوا بلکہ عرفہ کے دن ہوا علمائے شیعہ کا عجب حال ہے سنیوں کے مقابلہ میں اکر وہ اپنی کتابوں سے بھی ناواقف بنجاتے ہیں۔

تنبیہ

اس آیت کے متعلق جو قصہ شیعہ صاحبان نے جبرئیل کے بار بار آنے اور خدا کے بار بار تاکید کرنے اور رسولؐ کے ہر بار عذر کرنے کا بیان کیا ہے اس میں جس قدر تمسخر خدا اور رسول کے ساتھ ہے ظاہر ہے عجب تماشا ہے کہ توحید کے تبلیغ میں رسول نے کفار مکہ کا کچھ خوف نہ کیا اور بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ تمام اہل مکہ کے خلاف توحید کے مضامین کو بیان فرمایا خدا نے بھی قرآن مجید میں توحید کا مضمون خوب تفصیل و توضیح سے بیشمار آیتوں میں نازل فرمایا لیکن حضرت علی کی خلافت خدا جانے کیسی خطرناک چیز تھی کہ خدا نے بھی اس کا بیان صاف صاف نہ کیا

اور رسول بھی اسکی تبلیغ مین اس قدر خائف ہوئے۔ اگر خدا حفاظت کا وعدہ نہ کرتا تو جانے کتنی
تاکیدات خدا کی طرف سے ہوتین رسول ہرگز تبلیغ نہ کرتے پھر ان سب امور کے بعد یہ بھی کچھ
کم قابل حیرت نہین کہ رسول تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تو ان کو حضرت علی کی خلافت کے بیان
کرنے کے لیے کوئی لفظ ہی نہ ملا۔ مولی کا لفظ ارشاد فرمایا جس سے خلافت کا مفہوم کسی طرح ثابت
نہین ہو سکتا ایسا افصح العرب اور اس معاملہ مین اسکو کوئی صریح لفظ ہی نہ ملے العجب کل العجب۔

اچھا ہم اس تمام قصہ سے قطع نظر کر لین اور صرف اتنی سی بات مان لین کہ اس آیت مین
لفظ مَا سے حضرت علی کی خلافت مراد ہے تب بھی یہ اعتراض خدا پر ضرور ہوتا ہے کہ جب علی
کی خلافت ایسی اہم اور ضروری چیز ہے کہ رسول کو اس کے اعلان کی اس قدر تاکید کیجا رہی ہے
کہ اس قدر تاکید نہ عقیدہ توحید کے لیے کی گئی نہ عقیدہ قیامت کے لیے نہ عقیدہ رسالت کیلئے
حتی کہ اس خلافت کا اعلان نہ کرنے کی صورت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رسولون
کی فہرست سے کاٹ دینے کی وعید آئی ایسی اہم اور ضروری چیز کو خدا نے مبہم کیون بیان
فرمایا۔ جس طرح عقیدہ توحید وغیرہ کو خدا نے صاف صاف بیان فرمایا تھا کہ آج ہر شخص
ان آیات کو دیکھکر اصل مقصود کو سمجھ لیتا ہے خلاف مقصود کا وہم بھی کسی کو نہین ہوتا اسی طرح
حضرت علی کی خلافت کو صاف صاف کیون نہ بیان فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ خدا بھی ڈرتا
تھا کہ مین اگر علی کی خلافت کو صاف صاف بیان کرونگا تو نہ معلوم میرے ساتھ اور
میرے قرآن کے ساتھ مخالفان علی کیا سلوک کرین۔ اور رسول پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے
کہ انھون نے حکم خداوندی کی تعمیل نہ کی خدا کا حکم تو تھا کہ علی کے خلافت کا اعلان
کرو انھون نے بجائے خلافت کے علی کے مولے ہونے کا اعلان کر کے خاموشی اختیار
کر لی۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

مذہب شیعہ کی سیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین الٰہی کا مقصود سوا حضرت علی کی خلافت کے
اور کچھ تھا ہی نہین نہ توحید کا اس قدر اہتمام ہے نہ رسالت کا نہ کسی اور چیز کا لہذا وہ شعر مشہور
اثنا عشریون کے مذہب کے مطابق بھی بالکل صحیح ہے کہ ؎

جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچون در پیش محمد شد و مقصود علی بود

گر ورنا اس کا ہے کہ دین الٰہی کا یہ مقصود پورا نہ ہوا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب سے زیادہ ناکام رہی کیونکہ جو مقصد اصلی آپ کی بعثت کا تھا یعنی علی کی خلافت اس میں کوئی کامیابی نہوئی حضرت علی کو پہلی خلافت تو کیا ملتی چوتھے درجہ میں ملی بھی تو بقول شیعہ برائے نام اسکا ماتم حضرات شیعہ جس قدر کریں بجا ہے اور جتنا روئیں حق بجانب ہے۔

تتمہ بحث

آیت تبلیغ کی تفسیر پوری ہوگئی شیعوں نے ادھر اُدھر کے قصہ ملاکو بہت چاہا کہ حضرت علی کی خلافت بلافصل کا مفہوم آیت میں پیدا ہوجائے مگر نہوا۔

شیعہ خود بھی جانتے ہیں اور اول روز سے جانتے ہیں کہ قرآن مجید سے وہ کسیطرح اپنا کوئی مطلب حاصل نہیں کرسکتے چنانچہ اس معاملہ خلافت میں بھی اُن کے علما کو چارو ناچار اس کا اقرار کرنا پڑا اور نہ صرف علما کا اقرار بلکہ ان کے راویوں نے ائمہ معصومین کے نام سے ایسی روایتیں بھی تصنیف فرمائیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن سے حضرت علی کی خلافت ثابت نہیں ہوسکتی۔

علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی کتاب الحجۃ باب ما نص اللہ میں لکھتے ہیں۔

میل رسول آن بود کہ تصریح وتفسیر ولایت در قرآن شود و اکتفا بسنت نہ شود۔	رسول کی خواہش یہ تھی کہ امامت کی تصریح اور تفسیر قرآن شریف میں ہوجائے اور صرف احادیث پر اکتفا نہ ہو۔

یہ تو علامہ قزوینی کا قول تھا اب روایت دیکھیے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۸۴ میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے۔

قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبرئیل واسرھا جبرئیل الی محمد صلے اللہ علیہ وآلہ واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذلک۔	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ولایت الٰہی یعنی امامت کا مسئلہ خدا نے بطور راز کے جبرئیل سے بیان کیا اور جبرئیل نے بطور راز کے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ سے کہا اور محمد نے بطور راز کے علی علیہ السلام سے کہا اور علی علیہ السلام نے بطور راز کے جس سے چاہا کہا مگر اب تم لوگ اسکو مشہور کررہے ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کیا معنی حدیث میں بھی کہیں امامت علی کا تذکرہ نہیں

کہ رسول بھی اگر ان کی خلافت کا اعلان دیتے تو وہ رسول کے بھی کھلم کھلا مخالف ہو جاتے لیکن کیا کوئی شیعہ یہ بتا سکتا ہے کہ یہ عام مخالفت حضرت علی سے کیوں تھی۔

کاش شیعہ صاحبان اس بات پر غور کریں تو یہ بات اُن کی سمجھ میں آجائے کہ اس عام مخالفت کا کوئی سبب سوا اس کے کہ حضرت علی میں حکومت کرنے کی قابلیت بالکل نہ تھی اور وہ تدبیر اور سیاست سے قطعاً نا آشنا تھے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس نتیجہ کو اگر حضرت علی کے لئے باعث کمال سمجھا جائے تو شوق سے اس مخالفت عامہ کے مرثیے پڑھے جائیں اور خوب ماتم کیا جائے ورنہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مذہب شیعہ کے تصنیف کرنے والوں کا مقصود حضرت علی کو بڑھانا نہ تھا بلکہ ان کو آسمان پر چڑھا کر گرانا چاہتے تھے۔ مذہب شیعہ کو غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھنے کے بعد اس مذہب کے تصنیف کرنے والوں کی نیت کا بخوبی پتہ مل جاتا ہے ؎

صیاد نے لگائے ہیں پھندے کہاں کہاں
سارے پتے عیاں ہیں اسی سبز باغ میں

ھٰذا اخر الکلام والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الامین وعلی آلہ اجمعین ؕ